www.besturdubooks.wordpress.com
تفسیر محمود
جلد اول
افادات:
فقیہِ ملّت مفکرِ اسلام حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان۔
www.besturdubooks.wordpress.com

تفسیرِ محمود

جلد اول

سورہ الفاتحہ، سورہ بقرہ، سورہ العمران،
سورہ لنساء، سورہ مائدہ

افادات:
فقیہہ ملت مفکرِ اسلام حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان۔

ترجمہ:
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ لاہوری

رحمان پلازہ مچھلی منڈی اُردو بازار، لاہور فون: 042-37361339
E-Mail: jamiatbooks@gmail.com

Tafseer-e-Mahmood
by
Maulana Mufti Mahmood
ISB No: 969-8793-55-0

ضابطہ

نام کتاب	:	تفسیر محمودؒ (جلد اوّل)
افادات	:	مولانا مفتی محمودؒ
اشاعتِ اوّل	:	جولائی ۲۰۰۶ء
اشاعتِ چہارم	:	مارچ ۲۰۱۱ء
سرورق	:	جمیل حسین
ناشر	:	محمد ریاض درانی
کمپوزنگ	:	التمش مبین
مطبع	:	اشتیاق اے مشتاق پرنٹنگ پریس
قیمت	:	-/1400 روپے
بہ اہتمام	:	محمد بلال درانی
قانونی مشیر	:	سید طارق ہمدانی (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)
زیرِ سرپرستی	:	مفتی محمود اکیڈمی پاکستان

انتساب

محبِّ مکرم

حضرت مفتی محمد جمیل خان شہید

کے نام

ضبط و املاء

مولانا محمد یوسف خان استاذ الحدیث (جامعہ اشرفیہ لاہور)

مولانا حفیظ الرحمٰن بن مولانا صدر الشہید بنوں

مرتبین

مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان گورمانی (جامعہ فتاح العلوم گوجرانوالہ)

مولانا عبدالرحمٰن (خطیب جامع مسجد عالی موڑ سمن آباد لاہور)

پروفیسر امجد علی شاکر (پرنسپل گورنمنٹ کالج قصور)

حافظ محمد ریاض درانی (خطیب جامع مسجد پائلٹ ہائی سکول وحدت روڈ لاہور)

تصحیح

قاری محمد یوسف احرار

رجسٹرڈ پروف ریڈر، حکومت پنجاب

مولانا محمد عارف

اُستاذ جامعہ مدنیہ کریم پارک، راوی روڈ، لاہور

فہرست

جلد اوّل

سورۃ فاتحہ، سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ النساء، سورۃ مائدہ

جلد دوم

سورۃ انعام تا سورۃ الشعراء

جلد سوم

سورۃ نمل تا سورۃ الناس

عرضِ ناشر

آج جب تفسیر محمود شائع کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہا ہوں تو جذباتِ تشکر سے بھیگ سا گیا ہوں۔ یہ بات میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آ سکتی تھی کہ میں ان سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکوں گا۔ مگر رب کریم کی عنایتیں بھی عجیب ہوتی ہیں جب کسی کو عطا ہوں تو اُس کی طلب کا محدود دامن لامحدود نوازشوں کے سامنے عاجز سا ہو جاتا ہے اور اُس وقت کی کیفیت کے اظہار کے لیے الفاظ کم سے پڑ جاتے ہیں۔

مدتوں سے آرزو تھی کہ جمعیۃ علماء ہند اور جمعیۃ علماء اسلام کے اکابر کے علمی اور فکری کارناموں کو مرتب و مدون میں پیش کیا جائے۔ خصوصاً اُن تحریروں کو جو بوجوہ شائع نہ ہو سکیں یا ابھی تک ترتیب و تدوین کے مراحل سے ہی گزر نہ سکیں۔ اس سلسلے کے کئی منصوبے زیرِ غور ہیں۔ انھی میں سے ایک بڑا منصوبہ حضرت مولانا مفتی محمود کے علوم و افکار اور افتاء و نظریات کو جمع و تدوین کے بعد کتابی صورت میں پیش کرنا تھا۔

اس کام کے سلسلے میں میرے محبوب و مخدوم مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید کی رہبری میرے کام آئی۔ انھوں نے مولانا مفتی محمود کے علمی خزانوں اور کارناموں کو پیش کرنے کے منصوبے کی طرف متوجہ کیا۔ انھی کی راہنمائی اور تعاون سے فتاویٰ مفتی محمود کی جمع و تدوین اور طباعت و اشاعت کا کام شروع ہوا۔ یہ کام جاری ہے اور اس بڑے منصوبے کے خدوخال نمایاں ہو کر سامنے آ گئے ہیں۔ اُمید ہے یہ منصوبہ کامیابی سے مکمل ہو گا۔ اہلِ علم اور اہلِ نظر نے اس منصوبے کو پذیرائی بخشی اور آج یہ کام ایک کارنامہ نظر آتا ہے۔

دوسرا منصوبہ حضرت مفتی صاحب کے تفسیری امالی کی اشاعت کا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۷۶ء میں حضرت امام لاہوری کے دورۂ تفسیر کے تسلسل میں اس سال قرآن مجید کی تفسیر پڑھائی، اگرچہ اُن کا رنگِ تفسیر مختلف اور اندازِ تفسیر جدا تھا، مگر یہ اُسی دورۂ تفسیر کا تسلسل تھا جو اب سے تقریباً پون صدی پہلے شروع ہوا تھا۔ مفتی محمد جمیل خان مرحوم نے مجھے اس منصوبے کی طرف متوجہ فرمایا۔ مولانا محمد یوسف خان نے کرم فرمایا کہ اپنے امالی کی کاپی بلاتکلف مجھے عنایت کردی۔

یہی کاپی میرے محترم حضرت مفتی محمد عیسیٰ خان مدظلہ، مولانا عبدالرحمٰن اور پروفیسر امجد علی شاکر کی

مشترکہ سعی و کاوش سے مرتب و مربوط تفسیر کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ مجھے بھی ان کی مجلس علمی میں بیٹھنے اور بعض امور میں ان سے تعاون کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ کام قریب الاختتام تھا کہ جناب مولانا فضل الرحمٰن نے مولانا صدر الشہید کے صاحبزادے مولانا حفیظ الرحمٰن کے نوٹس بھی لا کر ہمارے حوالے کیے جن سے کئی نئی باتیں حاصل ہوئیں اور تفسیر میں مفید اضافے ہو سکے۔

یہ ایک بہت بڑا منصوبہ ہے جس کی تکمیل پر میں اپنے محترم بزرگوں کے احسانات سے زیر بار ہوں۔ حضرت مفتی محمد جمیل خان کے عالم بالا میں بلندی درجات کے لیے دعا گو ہوں کہ ان کی توجہ دہی سے میں نے یہ منصوبہ شروع کیا۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن نے خصوصی اجازت مرحمت فرمائی۔ مرتبین کی مجلس علمی کے لیے سراپا سپاس ہوں کہ انھوں نے بکھرے اور منتشر اوراق کو مرتب اور مربوط شکل عنایت کر دی۔

اس سلسلے میں محترم عتیق انور کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے فنی اور تکنیکی تعاون فرمایا۔ التمش کا شکریہ بھی واجب ہے کہ اُس نے جس خلوص اور نیک نیتی سے کمپوزنگ کا فریضہ ادا کیا وہ بغیر کسی اخلاص کے ممکن نہ تھا۔ آخر میں رب ذوالجلال کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے اس قدر عظیم توفیق بخشی جو میری صلاحیتوں اور حیثیتوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔

طبع دوم کے لیے چند باتیں

رب ذوالجلال کا بے حد وحساب کرم واحسان ہے کہ تفسیر محمود کی توقع سے زیادہ پذیرائی ہوئی۔ ابھی اس کی تقریب رونمائی کا ارادہ ذہن و دماغ میں تھا کہ دوسری بار طباعت کی نوبت آ گئی۔ اہل علم نے اس کی خوبیوں اور خوبصورتیوں کو سراہا اور طلبہ وعوام کی رغبت نے اسے قبولِ عام کا درجہ عطا کر دیا۔

بعض دوستوں نے بعض تسامحات کی نشاندہی فرمائی۔ کتابت کی چند اغلاط صاحبانِ ذوق کے لیے بار خاطر تھیں۔ دوسری اشاعت میں ان کی تصحیح کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین اس اشاعت کو شرفِ قبول بخشیں گے۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ پہلے ہفتے میں ہی یہ تفسیر پاکستان اور پاکستان سے باہر کے قارئین کی توجہ حاصل کرنے میں کامیابی رہی۔ اللہ تعالیٰ ہماری یہ سعی قبول فرمائے۔ والسلام

محمد ریاض درانی

مدیر جمعیۃ پبلی کیشنز، لاہور

مسجد پائلٹ ہائی سکول وحدت روڈ لاہور

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى!

قرآن کریم آسمانی کتابوں میں سے وہ آخری کتاب ہے جس کو ''ہدی للناس'' قرار دیا گیا۔ دوسری کتابیں اور صحیفے بھی اگرچہ آسمانی کہلاتے ہیں اور واقعی وہ آسمانی ہی ہیں' مگر ان کو کلام اللہ ہونے کا شرف و اعزاز حاصل نہیں تھا، اس لیے آج دنیا میں ان کا وجود اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہے۔

قرآن کریم چونکہ آسمانی کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ کلام الٰہی بھی ہے۔ کلام اللہ رب العالمین کی صفت ہے اور صفات الٰہی کو ذات الٰہی کی طرح دوام و بقا حاصل ہے' اس لیے قرآن کریم آج تک ٹھیک اسی طرح محفوظ و معصون ہے جس طرح وہ لوح محفوظ سے نازل ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے' اس لیے آج تک کوئی طالع آزما اس میں کسی قسم کی کمی' بیشی یا تحریف و تبدل کی جرأت نہیں کر سکا اور نہ ہی قیامت تک کوئی کر سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کی اسی حفاظت و صیانت کی ذمہ داری کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ' معانی' حرکت' سکون اور رسم الخط تک بالکل اسی طرح محفوظ ہیں' جس طرح آج سے چودہ سو سال پیشتر اس کو مدون و مرتب کیا گیا تھا۔

قرآن کریم کی برکت سے عربی اور عرب بھی قیامت تک باقی اور محفوظ رہیں گے۔ اس سے ذرا اور آگے جائیے تو اندازہ ہوگا کہ قرآن کریم کی تلاوت' معنی اور مفہوم کے فہم میں معاون علوم کو بھی اس کی برکت سے دوام و بقا نصیب ہو گیا۔

قرآن کریم ضابطہ حیات' دستور زندگی اور انسانیت کی ہدایت کا ذریعہ ہے' اس لیے ضرورت تھی کہ اس میں درج ایک ایک حکم کی واضح طور پر نشاندہی ہو تا کہ مخلوق کو خالق کی ہدایت اور عبد کو معبود کے پیغام سے آگاہی و آشنائی ہو۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر وتشریح کے لیے آقائے دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ زندگی میں اس کے ایک ایک حکم اور ایک ایک جزو کی تفصیلات سے اُمت کو آگاہ کیا۔ اگر دیکھا جائے تو پورا ذخیرہ حدیث اسی قرآن کریم کی تشریح وتفسیر اور مراد خداوندی کی تفصیلات کے بیان پر مشتمل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدین اور علمائے اُمت نے اس خدمت کو سرانجام دیا۔ بعد ازاں اُمت کے اکابر نے قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کے لیے باقاعدہ اصول وضوابط اور شرائط وقوانین مدون فرمائے تو تفسیر کے ساتھ ساتھ اصول تفسیر نے بھی ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر لی۔ حضرات فقہائے اُمت نے نصوص قرآن کو عبارت النص' دلالت النص اور اشارۃ النص وغیرہ پر تقسیم کیا اور ان کی مدد سے احکام شریعت کے درجات متعین فرمائے' ان کی روشنی میں احکام ومسائل مستنبط فرمائے اور احکام ومسائل کے لیے دلائل مہیا فرمائے۔

چنانچہ قرآن حکیم کی نبوی تفسیر کے علاوہ حضرات صحابہ کرام کی تشریحات کو علمائے اُمت نے یکجا مرتب ومدون کرنا شروع کیا تو ضخیم کتب تفسیر وجود میں آ گئیں اور ہر دور کے اکابر نے اپنے اپنے انداز اور ضروریات کے مطابق قرآن کے علوم ومعارف کو سمجھانے کی سعی کی۔

چودہ سو سال سے علمائے اُمت نے اپنی صلاحیتوں کو اس کتاب مقدس کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا، مگر زیادہ تر تفسیریں عربی زبان میں تھیں اور عربی دان علماء ہی اس سے مستفید ہوتے تھے۔ جوں جوں اسلام عرب سے نکل کر اکناف عالم میں پھیلا تو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن کریم کی تعلیمات کو ان علاقوں کے مقامی لوگوں تک پہنچایا جائے' چنانچہ ابنائے اسلام نے اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس خدمت کو سنبھال لیا۔

ہندوستان کے عوام کی مشترکہ زبان اُردو تھی' اس لیے یہاں کے اکابر علماء نے قرآن کریم کو اُردو کے قالب میں ڈھالنے میں شب و روز ایک کر دیئے' چنانچہ ہندوستان میں سب سے پہلے مقبول وجامع فارسی ترجمہ کا اعزاز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کے حصہ میں آیا تو اس کے اُردو ترجمہ کا اعزاز ان کے خلف حضرت مولانا شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے حصہ میں آیا۔

بلاشبہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور اس کا ترجمہ وتشریح دراصل مراد خداوندی کے تعین وتبیین کے مترادف ہے' اس لیے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں کس قدر حزم واحتیاط کی ضرورت تھی۔ اکابر علمائے دیوبند نے اس حساس اور اہم خدمت کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر نہایت مستعدی سے اس کام کو سنبھالا۔ اسی کی برکت ہے کہ آج ہند و پاک میں اُردو زبان میں تفسیر قرآن کا نہایت ہی لائق اعتماد تفسیری

ذخیرہ موجود ہے۔

ہر شخص اس بات کی استعداد نہیں رکھتا کہ وہ قرآن کریم کی ضخیم وعظیم تفاسیر سے براہِ راست اخذ و استفادہ کر سکے۔ دوسری جانب مسلمانوں کی غالب اکثریت قرآن کریم کو پڑھنا اور اس کے معنی، مفہوم اور مراد کو سمجھنا اور جاننا چاہتی تھی، مگر اس کے پاس فرصت وفراغت کا فقدان تھا، یا ان کے معروضی حالات و مصروفیات اس کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اسی طرح وہ طلبہ جو عصری اور دینی مدارس میں زیر تعلیم تھے، مگر قرآنی علوم ومعارف سے آگاہی چاہتے تھے، ان کی ضرورت، طلب، ذوق وشوق اور خواہش وآرزو کی تکمیل کے لیے اکابر علمائے اُمت نے جہاں محلّہ محلّہ میں یومیہ دروس قرآن کا نظم قائم کیا، وہاں قرآن کریم کی تفسیر پر مشتمل مختصر مدت کے تفسیری دورے جاری فرمائے۔ اس سلسلہ میں پاکستان کی حد تک امام الاولیاء حضرت مولانا حسین علیؒ واں بھچراں ضلع میانوالی، حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ، امام التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، امام الزاہدین حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ، حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم اور مولانا غلام اللہ خانؒ کے مختصر تفسیری دورے قابل ذکر ہیں، جنھوں نے ملک بھر میں خاصی شہرت حاصل کی اور ان سے اسلامیان پاکستان کو بھرپور نفع ہوا۔

آخر ش ۱۹۷۶ء میں محمود الملت والدین، مفکر اسلام، قائد جمعیت علمائے اسلام حضرت اقدس مولانا مفتی محمود قدس سرہ نے امام اولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی علمی جولانگاہ شیرانوالا گیٹ لاہور میں حضرات اکابر علماء واہل علم کی خواہش پر دورۂ تفسیر پڑھانے کی ذمہ داری قبول فرمائی تو ملک بھر کے علماء، طلبہ، صلحاء اور عوام وخواص نے اس میں بھرپور شرکت فرما کر قرآن کریم کے علوم ومعارف سمیٹنے کی سعی وکوشش کی۔

اس موقع پر حضرت مفتی محمودؒ کے دورۂ تفسیر میں شریک ہونے والے متعدد اہل علم نے ان کے تفسیری نکات اور فوائد کو قلم بند بھی کیا۔ عین ممکن ہے کہ کچھ حضرات نے اس کی کیسٹ بھی کی ہو۔ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو اس خوان یغما پر لٹائے گئے موتیوں کی حفاظت وصیانت کا قابل قدر انتظام نہیں کیا جاسکا۔

بایں ہمہ بعض قدردانوں نے اس موقع پر بھی قلم وقرطاس کی مدد سے کچھ خزینے محفوظ کر لیے اور اب تک وہ خزینے دفینوں کی شکل میں محفوظ چلے آرہے تھے، مگر عوام وخواص حتیٰ کہ علماء کی نگاہوں سے وہ پردۂ خفا میں تھے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے ممدوح حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید کو جنھوں نے قرآن کریم سے عشق ومحبت اور حضرت مولانا مفتی محمود قدس سرہ سے محبت وعقیدت اور قلبی لگاؤ کے پیش نظر چاہا کہ حضرت مفتی محمود قدس سرہ کے علوم ومعارف، فقہ وحدیث اور درس وتدریس کے آبدار موتیوں کو تلاش کر کے

شائع کیا جائے اور ان دفینوں کو سفینوں میں منتقل کر کے اُمت مسلمہ کو ان سے مستفید ہونے کا موقع دیا جائے۔

بلاشبہ حضرت مولانا مفتی محمود جمیل خان شہیدؒ موفق للخیر، دُھن کے پکے، مہم جو اور مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ چنانچہ وہ جس کام کا عزم فرمالیتے پھر ان کے دن رات اور فکر و تعمق اس کے لیے وقف ہو کر رہ جاتیں۔ انھوں نے سب سے پہلے حضرت مفتی محمودؒ کے قلم سے جاری ہونے والے ان فتاویٰ کو منصۂ شہود پر لانے کا بیڑہ اٹھایا جو جامعہ قاسم العلوم ملتان میں حضرت مفتی صاحب کی صدارت دارالافتاء کے دور میں ان کے قلم سے صادر ہوئے۔ بحمد اللہ! حضرت مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ اپنے مقصد میں کامیاب و سرخرو ہوئے۔ متعدد حضرات علمائے کرام اور مفتیان عظام کو اس کام پر لگایا۔ قاسم العلوم کے فتاویٰ کے رجسٹروں سے ان فتاویٰ کے فوٹو بنوائے، ان کی ترتیب و تبویب کا کام کرایا، عنوانات لگائے اور لگوائے، دن رات خود اس کام میں والہانہ انداز میں لگے رہے تا آنکہ اس کی اشاعت شروع ہوگئی۔ تادم تحریر بحمد اللہ فتاویٰ مفتی محمود کی آٹھ ضخیم جلدیں شائع ہو کر ارباب فقہ و فتویٰ سے شرف پذیرائی اور داد تحسین حاصل کر چکی ہیں اور یہ کام تاحال جاری ہے۔

جب فتاویٰ مفتی محمود کی اشاعت کا کام ایک نہج پر چل نکلا تو ان کا اگلا قدم یا ہدف یہ تھا کہ کسی طرح حضرت مفتی صاحب کے دورۂ تفسیر کی امالی اور افادات حاصل کر کے اسے بھی منصۂ شہود پر لایا جائے۔ چنانچہ وہ اس مہم کو سر کرنے میں مگن ہو گئے، تا آنکہ ''جوئندہ یابندہ'' کے مصداق وہ اس خزانہ عامرہ کی دریافت میں بھی کامیاب ہو گئے اور حضرت مولانا محمد یوسف خان استاذ حدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کے ہاں اس علمی خزانہ کی موجودگی کی خبر پا کر بنفس نفیس حضرتِ مولانا محمد یوسف خان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ عرضِ مدعا پر حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب نے اسے اپنے دل کی آواز سمجھ کر نہ صرف اپنی امالی اور قلمی افاداتِ پیش کر دیے بلکہ ممکن حد تک خدمت و تعاون کا یقین دلایا۔

مولانا مفتی جمیل خان شہیدؒ نے یہ امالی حاصل کیے اور اپنے عزیز اور ہم ذوق و ہم مزاج مولانا محمد ریاض درانی کو حسب معمول اس کام کی طرف متوجہ کیا اور قائد جمعیت حضرتِ مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ کی مشاورت سے اس کام کو شروع فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے برادرم مولانا ریاض درانی صاحب کو جنہوں نے اس کام کو جنگی بنیادوں پر سر انجام دینے کا مظاہرہ کیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان نے اس کام کی ترتیب و تشکیل فرمائی۔ حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب کو اس کا نگران اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل حضرت

مولانا عبدالرحمٰن صاحب خطیب جامع مسجد عالی سمن آباد لاہور کو اس کام کی ترتیب وتسوید پر مامور فرمایا گیا' جنہوں نے نہایت محنت و دیدہ ریزی سے اس قلمی دستاویز کو صاف کیا' اسے املائی سے تفسیری انداز میں منتقل فرمایا' جہاں تشنگی تھی اس کی تکمیل فرمائی۔ قرآن کریم کے ترجمہ کے لیے امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کے ترجمہ کو منتخب کیا گیا۔

زبان کی نوک پلک کی درستگی اور نظر ثانی دینی حلقے کے قدیم کارکن جناب پروفیسر امجد علی شاکر' پرنسپل گورنمنٹ کالج قصور کے حصہ میں آئی۔ یوں تفسیر محمود مرتب ہو کر کمپوزنگ کے مرحلہ میں داخل ہوگئی۔

جب تفسیر محمود کی کمپوزنگ ہوگئی تو اس کی مزید اصلاح و ترتیب کے لیے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب' مولانا ریاض درانی اور پروفیسر امجد علی شاکر نے اس پر نظر ثانی کی اور ان سب کے بعد اس لجنہ اور جماعت نے مولانا محب النبی مدظلہ کے ادارہ دارالعلوم مدنیہ کے ایک کمرہ میں بیٹھ کر مکرر حضرت مفتی محمودؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان' سابق استاد نصرۃ العلوم گوجرانوالہ حال مدیر جامعہ فتاح العلوم گوجرانوالہ کی سربراہی میں اس پر نظر ثانی کی۔

اسی اثنا میں جانشین مفتی محمودؒ حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ کو کہیں سے اس سلسلہ کی ایک دوسری املائی دریافت ہوگئی' انھوں نے ان حضرات سے فرمائش کی کہ اس سے بھی استفادہ کیا جائے۔ چنانچہ ان حضرات نے ان دونوں مخطوطوں کا تقابل کیا اور جو چیزیں حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب مدظلہ کی املائی سے زائد ان نئی املائی میں موجود تھیں، ان کو حسب موقع درج کیا، یوں تفسیر محمود نہایت حزم واحتیاط کی چھلنی سے چھن کر تیار ہوگئی اور اب بحمدللہ! ایک مکمل و جامع مگر مختصر تفسیر کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

جو حضرات تصنیف و تالیف کے شعبہ سے کسی قدر واقف ہیں' ان کو اس کا اندازہ ہوگا کہ یہ کس قدر مشکل اور جان جوکھوں کا کام ہے؟ لیکن اگر خلوص و اخلاص' ہمت و محنت اور جہد مسلسل ہو تو ''مشکلے نیست کہ آسان نشود'' کے مصداق بحمدللہ! آج یہ مشکل آسان ہو چکی ہے اور حضرت مفتی جمیل خان کا خواب تعبیر کی شکل اور روپ دھار چکا ہے۔

تفسیر محمود کیا ہے؟ حضرت مفتی محمود قدس سرہ کی عظیم علمی اور عبقری شخصیت کی زندگی بھر کی تفسیری تحقیقات کا نچوڑ ہے۔ اس کتاب کے بارہ میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے' کیونکہ آفتاب نصف النہار کسی دلیل کا محتاج نہیں ہوتا۔

نہایت ہی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس موقع پر حضرت مولانا عبدالرحمٰن' پروفیسر امجد علی شاکر اور حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان دامت برکاتہم کی شبانہ روز محنت و کاوش' جدوجہد اور کوشش کا تذکرہ نہ کروں' جنہوں

نے دن کا سکون اور راتوں کی نیندیں قربان کر کے آبدار موتیوں کی اس مالا کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ میں برادرم مکرم حضرت مولانا محمد ریاض درانی کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی ذاتی دلچسپی محنت ولگن اور جہد مسلسل سے کوہ ہمالیہ کی یہ چوٹی سر ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اس محیر العقول کارنامہ پر اپنی بارگاہ عالی سے بیش از بیش جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو شرف قبول بخشتے ہوئے حضرت مفتی محمود قدس سرہ اور ہم سب کی نجات آخرت اور قارئین کی ہدایت وراہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

(مولانا) سعید احمد جلال پوری

خلیفہ مجاز شہید اسلام مولانا یوسف لدھیانوی

مدیر ماہنامہ ''بینات'' کراچی

۲۰ ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ

تقریظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عام لوگ حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کو ایک سیاسی راہنما اور عظیم مفکر و مدبر کی حیثیت سے جانتے ہیں، عین ممکن ہے کہ براہِ راست ان سے ملنے والے حضرات ان کو قد آور عالم دین اور بلند پایہ روحانی بزرگ بھی سمجھتے ہوں، لیکن جہاں تک حقیقت کا معاملہ ہے حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ ہمہ گیر عالمی شخصیت تھے۔

ان کی نگاہ جہاں بین الاقوامی حالات پر تھی، وہاں وہ علوم متداولہ اور جدید وقدیم کے بھی ماہر تھے، وہ حدیث وتفسیر کے فن میں امامت کے درجہ پر فائز تھے اور فقہ وفتویٰ میں اپنے دور کے مسلمہ امام تھے۔

محدث العصر حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی معیت میں ان سے بارہا ملاقاتیں ہوئیں اور حضرت بنوری قدس سرہ کی حیات میں وہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو اپنا دوسرا گھر اور اس ادارہ کو اپنا ادارہ سمجھتے تھے۔ ناممکن تھا کہ حضرت مفتی صاحب کراچی تشریف لائیں اور حضرت بنوریؒ سے نہ ملیں یا جامعہ علوم اسلامیہ میں تشریف نہ لائیں۔

بارہا ان اکابر کی نجی وعلمی محافل میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ بلاشبہ ان حضرات کی محافل علم وتحقیق کی مجلسیں ہوتی تھیں، کبھی فقہ وفتویٰ کی ابحاث موضوع کلام ہوتا تو کبھی حدیث، شروح حدیث، رجال حدیث اور محدثین کی طرف روئے سخن ہوتا۔

بلاشبہ ان حضرات کی محفل میں بیٹھ کر اسلاف واکابر، بلکہ خیر القرون کی یادیں تازہ ہو جاتیں، ان کی محفل میں بیٹھ کر علم وعمل کا شوق اور نقد وبحث کا ذوق میسر آتا، ان کی ہر ملاقات میں نئی سے نئی تحقیقات سننے کو ملتی تھیں۔

ان کے قلوب واذہان جہاں تقویٰ وطہارت سے معمور تھے، وہاں ان کی زبان وبیان میں بلا کی تاثیر

تھی۔ ان کے منہ سے نکلنے والا ایک ایک لفظ میزان عدل میں جچا تلا ہوتا۔ مجھے حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ سے باقاعدہ تلمذ کا شرف تو حاصل نہیں، لیکن میں حضرت بنوری قدس سرہ کی نسبت سے ان کو بھی اپنے اساتذہ کی جگہ سمجھتا ہوں۔

شومیِ قسمت کہ ہمارے اکابر جس گہرائی و گیرائی کے اعلیٰ معیار پر فائز تھے، ہم نے انہیں اس انداز سے پہچاننے کی کوشش نہیں کی۔ حضرت مفتی محمودؒ جیسی عظیم ہستی کے کارناموں، علم و عمل، بحث و تحقیق کے ان کے کارناموں پر جس طرح کا کام ہونا چاہیے تھا افسوس! کہ ان پر اس انداز کا کام نہیں ہوا۔ تاہم یہ بھی باعث مسرت ہے کہ حضرتؒ کے منتسبین ان کے علوم و معارف کے مدفون خزانے منصۂ شہود پر لانے کی سعی و کوشش کر رہے ہیں۔

فتاویٰ مفتی محمود کے بعد اب تفسیر محمود کی خوشخبری سن کر دل باغ باغ ہو گیا۔ خدا کرے کہ کوئی اللہ کا بندہ حضرت مفتی محمودؒ کی حیات و سوانح اور کارناموں پر مفصل و جاندار دستاویز مرتب کر دے جس میں ان کی حیات و خدمات کے مخفی گوشوں، سلوک و احسان، زہد و اتقا، خوف و خشیت الٰہی کے علاوہ ان کی تدریسی خدمات، فقہ، فتویٰ اور حدیث و تفسیر میں ان کی مہارت سے بھی پردہ اُٹھایا جائے، تاکہ نئی نسل کو اپنے اکابر و اسلاف کے ہمہ گیر کارناموں سے آگاہ کر کے ان کے لیے راہِ عمل متعین کی جا سکے۔

بہرحال میں مولانا محمد ریاض احمد درانی صاحب کو تفسیر محمود کی ترتیب و اشاعت پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس عظیم علمی کارنامہ پر بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو اُمت کے لیے نافع و مفید بنائے۔ آمین

(مولانا) عبدالرزاق اسکندر

مدیر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

تقریظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

درس وتدریس اور بحث وتحقیق ایک ایسا مشغلہ ہے جو ہمہ وقت مصروفیت ومشغولیت اور مسلسل محنت و مجاہدہ کا متقاضی ہے۔ چنانچہ جو لوگ ان شعبوں سے منسلک ہو جاتے ہیں وہ عموماً کسی دوسری مشغولیت و مصروفیت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح سیاست ومدن بھی ایک مستقل میدان کارزار اور اعصاب شکن مرحلہ ہے جو لوگ اس خاردار وادی میں قدم رکھ لیتے ہیں، وہ عموماً مذکورۃ الصدر ذمہ داریوں کو نہیں نبھا سکتے' اس لیے کہ ملکی سیاست' عوامی میل جول' جلسے جلوس' عام اجتماعات اور دن رات کے دوسرے جھمیلوں کی مصروفیات' انھیں یومیہ مطالعہ اور کتاب بینی کی مہلت نہیں دیتیں۔

یہی وجہ ہے کہ جتنے بڑے لوگ ہوئے ہیں' وہ ہمیشہ یکسوئی' خمول' عزلت اور کنج نشینی کو ہی ترجیح دیتے تھے اور جن جن حضرات نے کوئی علمی' تصنیفی کام کیا ہے یا بحث وتحقیق کے میدان میں کوئی کارنامہ انجام دیا ہے انھوں نے بھی یہ سب کچھ عوامی اجتماعات میں شرکت اور اسٹیج کی زینت وشہرت سے بچ کر ہی کیا ہے۔

امام بخاریؒ کے ارشاد "تعلموا قبل ان تسودوا" (قیادت وسیادت پر فائز ہونے سے پہلے پہلے کچھ لکھ پڑھ لو) کا قریب قریب یہی مفہوم ہے۔

جو لوگ کسی مذہبی یا سیاسی جماعت' گروہ اور طبقہ کی قیادت اور سیادت کی ذمہ داریوں میں مصروف ہو جاتے ہیں' وہ عموماً عدیم الفرصت ہو جاتے ہیں لہٰذا انہیں درس وتدریس' بحث وتحقیق اور عوامی اسٹیج' قیادت و سیادت میں سے کسی ایک کو خیرباد کہنا ہی پڑتا ہے۔ اس لیے کہ ان ہر دو سے بیک وقت انصاف کرنا اور دونوں کو ساتھ ساتھ نبھانا مشکل اور بہت ہی مشکل ہے۔ بالفرض اگر کوئی مرد آہن اور باہمت انسان ان ہر دو کو یکساں طور پر اپنانا اور نبھانا بھی چاہے تو میدان علم وتحقیق' بحث ونقد اور درس وتدریس میں اس کی وہ گہرائی و گیرائی باقی نہیں رہتی جو اسے پہلے میسر تھی۔ بہرحال ان میں سے کسی ایک کے ساتھ وہ ناانصافی کا مرتکب ہو ہی جاتا ہے۔

سچ پوچھیے تو یہ سب مفروضے اور نا تمام انسانی فکر و سوچ کے قواعد و کلیات ہیں' ورنہ اس معمورہ راضی پر استثنائی صورتیں' نادر و غریب مثالیں اور مجموعہ اضداد اور جامع شخصیات کی مثالیں موجود ہیں جن کو دیکھ کر یہ تمام مفروضے پانی کے بلبلے کی طرح تحلیل ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔

میرے مشاہدہ میں ہندو پاک میں چند ایسی شخصیات گزری ہیں جنھوں نے اپنے کردار و عمل سے ان مفروضوں کو غلط ثابت کر کے دنیا کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کیا ہے۔ ان میں سے ایک میرے ممدوح حضرت اقدس مولانا مفتی محمود قائد جمعیت علماء اسلام' شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان بھی تھے جنھوں نے سیاست ملکی، بلکہ بالفعل سرحد کی وزارت اعلیٰ کے ساتھ ساتھ درس و تدریس' علم و تحقیق اور فقہ و فتاویٰ کے ساتھ ایسا انصاف کیا ہے کہ جس کی کم از کم موجودہ دور میں مثال مشکل ہی سے ملے گی۔

آپ بیک وقت قائد جمعیت' شیخ الحدیث' رئیس دار الافتاء اور سرحد کی وزارت اعلیٰ پر فائز تھے، مگر مجال ہے کہ ان کے علمی اور تحقیقی ذوق و تعمق و تصلب میں کوئی فرق آیا ہو۔

وہ ایک طرف اگر مروجہ سیاسی ہتھکنڈوں اور بین الاقوامی و ملکی حالات پر گہری نظر رکھتے تھے تو دوسری طرف نام نہاد حکمرانوں کے خلاف اسلام سازشوں کے بخیے بھی اُدھیڑتے تھے۔ ایک طرف اگر وہ مسند حدیث پر بیٹھ کر حدیث اور اسماء الرجال میں حافظ ابن حجر کا پرتو معلوم ہوتے تو دوسری طرف فقہ و فتویٰ میں امام ابو حنیفہ کا عکس معلوم ہوتے۔ اسی طرح جب وہ مسند تفسیر پر متمکن ہوئے تو رازیؒ و آلوسیؒ کے جانشین محسوس ہوئے۔

بلاشبہ حضرت مفتی محمود قدس سرہ کی عبقری شخصیت ہمہ جہت اور ہشت پہلو تھی۔ ضرورت ہے کہ ان کے علوم و افکار کے مخفی خزانے اُمت کے سامنے لائے جائیں اور درس و تدریس' بحث و تحقیق' فقہ و فتویٰ اور حدیث و تفسیر کے عنوان پر ان کی کاوشوں کو منصۂ شہود پر لا کر اخلاف کو باور کرایا جائے کہ ہمارے اسلاف نے کس کس طرح' کس کس میدان میں اور کیسے کیسے کارنامے انجام دیے ہیں؟

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جناب مولانا ریاض درانی صاحب کو جنھوں نے حضرت مفتی محمودؒ کے دورۂ تفسیر کی امالی سے تفسیر محمود مرتب کروا کر اسے زیور طبع سے آراستہ کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اُمت مسلمہ کی ہدایت' حضرت مفتی صاحب کے رفع درجات' اور مرتبین و ناشرین اور معاونین کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اوّلاً و آخراً

(مولانا) ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر مدظلہٗ
شیخ الحدیث جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

حرفے چند

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمدللہ کہ تفسیر محمود تکمیل کو پہنچی۔ یہ امالی تھے جو مولانا محمد یوسف خاں نے حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمود کے درس میں قلمبند کیے تھے۔ حضرت کا دورہ تفسیر ۱۹۷۶ء میں شیرانوالہ دروازہ لاہور میں حضرت امام لاہوری کے قائم کردہ دورۂ تفسیر کا تسلسل تھا۔ آپ کا عمومی طریقہ یہ تھا کہ آپ تلاوتِ قرآن پاک کے بعد بے تکلف انداز میں قرآنِ مجید کا ترجمہ بیان فرماتے۔ پھر خلاصہ رکوع اور پھر اہم نکات بیان فرماتے۔ مولانا محمد یوسف خان کی کوشش تھی کہ حضرت کے زیادہ سے زیادہ الفاظ اور بیان کردہ نکات قلمبند ہو جائیں، مگر حرف حرف اور لفظ لفظ کیونکر قلمبند کیا جا سکتا۔ بعد میں مولانا صدرالشہید کے صاحبزادے مولانا حفیظ الرحمٰن کے ضبط شدہ امالی مولانا فضل الرحمٰن کی وساطت حاصل ہوئے تو بعض نئی باتیں سامنے آئیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ کے دیگر تلامذہ کے ہاں سے مزید امالی حاصل ہوں گے اور نئے نکات سامنے آئیں گے اور یہ تفسیر مزید جامعیت اور وسعت اختیار کر لے گی۔

مولانا عبدالرحمٰن اور راقم الحروف نے مولانا یوسف خاں اور مولانا حفیظ الرحمٰن کے امالی کو مسلسل عبارت کی شکل دینے کی کوشش کی۔ ہماری مسلسل یہی کوشش رہی کہ حضرت مفتی صاحب کے مفاہیم اور پیش کردہ نکات میں کسی قسم کی کمی یا بیشی نہ ہو۔ انھی کی پیش کردہ تفسیر پیش کی جائے اور اس انداز میں پیش کی جائے کہ وہ گفتگو کی زبان نہ رہے، تحریر کی زبان بن جائے تاکہ قارئین کے لیے اس کی تفہیم ممکن اور آسان ہو سکے۔

اس سفر میں بہت سے کٹھن مراحل آئے۔ بعض جگہ تفہیم میں دقت تھی یا بات وضاحت طلب تھی یا بات اشارات سے آگے نہ بڑھتی تھی۔ ان مراحل کو قارئین پر آسان بنانے کی اس انداز میں کوشش کی گئی کہ مرتبین کی کوئی بات شامل نہ ہو اور حضرت مفتی صاحب کا بیان کردہ مفہوم ہی سہل اور سلیس ہو کر قاری تک پہنچ جائے۔ پھر معاملہ قرآن حکیم کا تھا۔ یہاں ہر قدم پر حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہاں کسی بھی قسم کی لغزش گوارا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے یہ تمام تفسیر حضرت مفتی عیسیٰ خاں مدظلہ کے سامنے پڑھی گئی اور مشکل مراحل انھی کی راہنمائی میں طے کیے گئے۔ آپ سالہا سال سے دورۂ تفسیر پڑھا رہے ہیں۔ آپ حضرت مفتی صاحب

کے تلمیذ راشد ہونے کے علاوہ حضرت قاضی شمس الدین کے شاگردِ رشید اور تفسیر قرآنِ حکیم کے لیے خصوصی ذوق وشوق رکھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی سرپرستی میں برپا ہونے والی مجلس میں اس تفسیر کا لفظ لفظ پڑھا گیا اور اس کا آخری متن تیار ہوا۔ راقم الحروف کے لیے یہ سعادت دارین ہے اور اس نعمتِ بے پایاں پر اپنے خالق کے حضور سجدۂ شکر بجالاتا ہے کہ راقم کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اُس کے قلم سے ترمیمی عبارتیں لکھوائی جاتیں۔ یہ حضرت مفتی صاحب کی شفقت وعنایت ہے۔ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم۔

تفسیر کی سند:

عن الاستاد مولانا مفتی محمود عن الشیخ مولانا سید فخر الدین مرادآبادی عن الشیخ الهند مولانا محمود حسن عن الشیخ مولانا محمد قاسم نانوتوی، وعن الشیخ مولانا رشید احمد جنجوہی عن الشیخ شاہ عبدالغنی مجددی وعن الشیخ مولانا احمد علی سہارنپوری عن الشیخ الشاہ محمد اسحاق دہلوی عن الشیخ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی صاحب الترجمہ المعروفہ قرآن عن الشیخ استاذ الهند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی عن الشیخ الشیوخ الامام الشاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرھم۔

حضرت الامام ولی اللہ دہلویؒ صاحب ترجمۃ القرآن فتح الرحمٰن:

(۱۱۱۴ھ - ۱۱۷۴ھ)

حضرت الامام نے ۱۱۵۰ھ میں قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ مکمل کیا اور حواشی لکھے۔ یہی فارسی ترجمہ فتح الرحمٰن تمام ہندوستان بلکہ اقصائے عالم میں شائع ہوا۔ آپ نے اس ترجمہ کا مقدمہ بھی لکھا اور فن ترجمہ قرآن پر ایک مختصر مضمون بھی رقم فرمایا۔ آپ نے اس ترجمے کے ساتھ تفسیری حواشی بھی لکھے اور الفوز الکبیر کے نام سے اصولِ تفسیر پر مستقل کتاب رقم فرمائی۔ اس کا آخری باب فتح الخبیر کے نام سے لکھا جس میں مختصراً تفسیری نکات بیان فرمائے۔

حضرت الامام دُنیائے علم کے اُستاد ہیں اور فتح الرحمٰن کی حیثیت تراجم کے اُستاد کی ہے۔ اس ترجمے میں مجتہدانہ بصیرت اور الہامی شان ملتی ہے۔ اس ترجمے اور حواشی کے الفاظ اس قدر گراں مایہ ہیں کہ مفصل تفسیروں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ الفوز الکبیر عربی مدارس کے علاوہ سرکاری جامعات میں نصاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ گویا حضرت الامام کا کارنامہ تفسیر دوسروں کے مقابلے میں متن کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر دوسرے کام کو ان کے حواشی کا درجہ حاصل ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ:

(۱۱۵۹ھ - ۱۲۳۹ھ)

حضرت شاہ عبدالعزیز، جنھیں حضرت مفتی عیسیٰ خاں گورمانی اُستاذ الہند لکھتے اور بولتے ہیں، نے فتح

الرحمٰن کے اسرار و رموز سے عوام کو آگاہ کرنے کے لیے تفسیر عزیزی لکھی جو شروع کے پاروں میں سورۃ بقرہ تک ہے اور آخر کے دو پاروں پارہ تبارک الذی اور پارہ عم پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے ایک شاگرد نے سورۃ مومنون سے سورہ یٰسٓ تک کے آپ کے دروس مرتب کیے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز علوم ولی اللّٰہی کا خزانہ اور خزینہ تھے۔ آپ نے اُن کے علوم کو جاننے والے شاگردوں کا ایک گروہ تیار کیا۔ نیز ان علوم میں اپنے تخلیقی ذہن سے وسعت بھی پیدا کی۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ:

(۱۱۶۳ھ - ۱۲۳۳ھ)

حضرت شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن بعنوان موضح قرآن اُردو میں اسی مجتہدانہ بصیرت اور مفکرانہ بصیرت وژرف نگاہی کا حامل ہے جس حیثیت واہمیت کا حامل فارسی میں فتح الرحمٰن ہے۔ آپ نے چالیس سال مسجد اکبر آبادی میں بیٹھ کر ترجمہ اور حواشی کا کام مکمل کیا۔ اس کا لفظ لفظ نئی بصیرت عطا کرتا اور قرآن کریم کا ذوق آشنا بناتا ہے۔

فتح الرحمٰن میں کمالات کی دنیا آباد ہے۔ اسی طرح موضح القرآن میں کمالات کا ایک نیا جہاں آباد ہے۔ فتح الرحمٰن میں فقہی امور پر نئی بصیرت ملتی ہے تو موضح قرآن میں کلامی معاملات ومسائل میں نئی روشنی اور آگہی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر کے علم اور عرفان پر حضرت شاہ عبدالعزیز کو بہت اعتماد تھا۔ اس لیے اپنے خصوصی لوگوں کو ان کے پاس ترجمۂ قرآن پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ ان میں امیر المومنین حضرت سید احمد شہید بریلوی، حضرت شاہ اسماعیل شہید، حضرت مولانا عبدالحئی اور حضرت شاہ اسحاق دہلوی کے اسماء خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمۂ قرآن کی اہمیت بزرگانِ دیوبند کی نظر میں:

شیخ القرآن مولانا حسین علیؒ نے امام ربانی حضرت رشید احمد گنگوہیؒ سے ۱۳۰۰ھ میں دورۂ حدیث پڑھا، اس کے بعد امام ربانی نے آپ کو حکم صادر فرمایا کہ آپ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ سے موضح قرآن پڑھیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ سے ترجمہ قرآن پڑھا۔ پھر آپ نے پنجاب میں دورۂ قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا۔

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ:

اُستاذ الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے، خلیفہ اور جانشین۔ آپ نے حضرت شاہ

عبدالعزیز سے حدیث اور حضرت شاہ عبدالقادر سے قرآن پاک کی تفسیر پڑھی۔ امیر المومنین کا کاروانِ حریت بالاکوٹ پر دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت سے ہمکنار ہوا تو آپ نے اُس کی امامت سنبھالی اور آپ کے داماد مولانا نصیر الدین نے امارت کا فریضہ ادا کیا۔ حضرت شاہ اسحاق ۱۸۴۲ء میں دہلی سے مکہ ہجرت فرما گئے۔ آپ کی عدم موجودگی میں ہندوستان پر اندھیری رات چھا گئی، مگر اس صورتِ حالت میں آپ کے شاگردوں کی کہکشاں نے چارسو روشنی بکھیرے رکھی۔

حضرت شاہ عبدالغنی فاروقی مجددیؒ:

(۱۲۳۴ھ-۱۲۹۶ھ)

حضرت شاہ ابو سعید کے صاحبزادے حضرت شاہ اسحاق کے شاگرد رشید وارشد۔ آپ علومِ حدیث میں اپنے اُستاد کی طرح بلند پایہ، علوم کے خازن ومخزن، علوم ولی اللہی کے وارث وجانشین۔ آپ نے ہندوستان کو علم کی روشنی عطا کی اور ولی اللہی خاندان کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت امام محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تاریخ ساز اور عہد ساز شخصیات تھے۔ آپ ۱۸۵۷ء میں مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ حجاز میں آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے احباب اور ہم نشینوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے حجاز میں رہ کر مشرق ومغرب کو اپنے علوم سے مستفید فرمایا۔ آپ کو محدث دار الہجر ۃ کہا جاتا ہے۔

حضرت امام محمد قاسم نانوتویؒ:

آپ علوم ولی اللہی کے وارث، قرآن وحدیث کے سمندروں کے غواص، متکلم وفلسفی اور زاہد وعابد ہونے کے علاوہ زمانے کے تقاضوں کو سمجھنے والے شخص تھے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند کا آغاز کیا جو دنیائے علوم کا مرکز ٹھہرا۔ اس وقت دیوبند کو دنیا بھر میں علم اور جہاد میں مرکزی حیثیت اور اہمیت حاصل ہے۔ آپ کی تصانیف مناظرہ وکلام پر ملتی ہیں۔ ان کے علاوہ آپ مختلف رسائل میں حدیث وتفسیر کے بہت سے مسائل کو حل کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی کتب میں تفسیری نکات کا سرمایہ وافر ملتا ہے۔ آپ جلالین کا درس بھی دیتے تھے۔ آپ کے درس نے عظیم مفسرین کی تربیت کی۔

امام ربانی قطب عالم حضرت رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ:

حضرت امام ربانی فقیہ ومحدث ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجے کے مفسر تھے۔ آپ تفسیر قرآن کی تعلیم کو بہت اہمیت دیتے۔ چنانچہ آپ ہی کے حکم پر شیخ القرآن مولانا حسین علی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد مظہر

نانوتوی سے موضح قرآن پڑھا۔ حضرت شیخ کو تفسیر میں درجہ اجتہاد حاصل ہوا۔ اس مقام پر پہنچنے میں امام ربانی کے فیض تربیت کو بے حد دخل حاصل ہے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ:

حضرت شیخ الہند علومؒ ولی اللٰہی کے وارث حضرت مولانا محمد قاسمؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تلمیذ ارشد، محدث، متکلم، مصنف، محقق اور مدقق تھے۔ آپ نے حضرت سندھیؒ کو باقاعدہ تفسیر پڑھائی۔ عمومی درس میں سلسلہ ولی اللٰہی کے بزرگوں کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے کہ محقق علماء یوں فرماتے ہیں تاکہ طلبہ ان نکات کی اہمیت کو سمجھیں۔ آپ تفسیر قرآن پاک کو بہت اہمیت دیتے تھے اور اس سلسلے میں خاندانِ ولی اللٰہی کے علوم کو بہت اہمیت دیتے۔ آپ ولی اللٰہی سلسلے کے بزرگوں کو اکثر متقدمین پر فوقیت دیتے تھے۔

حضرت مولانا فخر الدین مرادآبادی رحمہ اللہ:

حضرت شیخ الہند علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ کے بھی جامع تھے۔ ایک بار آپ ایک جلسے میں خطاب فرما رہے تھے کہ حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ تشریف لائے۔ آپ اُس وقت علوم عقلیہ کے حوالے سے گفتگو فرما رہے تھے۔ تلامذہ نے سوچا کہ آج مولانا لطف اللہ علی گڑھی کو معلوم ہو سکے گا کہ ہمارے استاد علوم عقلیہ کے جامع ہیں، مگر اُن کے آنے کے ساتھ ہی آپ نے تقریر ختم کر دی۔ بعد میں شاگردوں نے کہا کہ کاش آپ تقریر جاری رکھتے تو مولانا لطف اللہ کو معلوم ہو جاتا کہ ہمارے استاد کس قدر علوم عقلیہ کے جامع ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی یہی خیال آ گیا تھا، اس لیے تقریر ختم کر دی کہ اب تو اپنی ذات کے اظہار کے لیے تقریر ہوگی۔

مولانا فخر الدین دیوبند آنے سے پہلے علوم عقلیہ میں مہارت حاصل کر چکے تھے۔ سوچا تھا کہ دیوبند کے لوگ معقولات تو کم ہی جانتے ہیں، منقولات میں ماہر ہیں۔ دیوبند آئے، حضرت شیخ الہند سے ملاقات ہوئی تو پتا چلا کہ یہاں تو معقولات میں بھی کمال کے حامل بزرگ ہیں۔ آپ نے حضرت شیخ سے استفادہ کیا اور ان کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ آپ دارالعلوم سے فراغت کے بعد دیوبند میں ہی استاد مقرر ہوئے۔ پھر دیوبند کے اساتذہ کے حکم پر مرادآباد گئے۔ حضرت مدنی کی اسارت اور غیابت میں ان کی مسند پر بیٹھے۔ ان کے وصال کے بعد دیوبند میں ہی آپ کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ:

مفکر اسلام حضرتِ مولانا مفتی محمود نے حضرت مولانا فخر الدین سے سند حدیث حاصل کی۔ آپ جامع

کمالات ہستی تھے۔ سیاست، تدریس، تعلیم، افتاء اور تبلیغ میں اُونچے درجے پر فائز تھے۔ آپ محدث وفیقہ، مجود وقاری ہونے کے علاوہ مفسر ومتکلم بھی تھے۔ آپ ہی کے افادات وامالی تفسیر محمود کے نام سے پیش خدمت ہیں۔

تفسیر کا انداز:

آپ کے ہاں تفسیر میں قاضی بیضاوی کا انداز پایا جاتا ہے۔ البتہ سیاست میں آپ منفرد ہیں۔

تفسیر محمودؒ کا مقام ومرتبہ:

آپ کی تفسیر امام رازی، امام غزالی اور قاضی بیضاوی کی تفاسیر کے درجے ومقام کی حامل ہے، لیکن آپ سیاست میں منفرد بھی ہیں اور ان اکابر سے فائق نظر آتے ہیں۔

تفسیر کی خصوصیات

آپ کے ہاں تفسیر میں مندرجہ ذیل موضوعات ومسائل ملتے ہیں:

۱-قرآن کی فصاحت وبلاغت:

اس سلسلے میں آپ کی نگاہ بہت باریک بین ہے۔ آپ آیات میں پوشیدہ رموز ودلائل کو سامنے لاکر قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کو واضح کرتے ہیں۔

۲-مفردات کی تشریح:

آپ قرآن مجید کے مفردات کی تشریح وتفسیر فرماتے ہیں اور اس سلسلے میں بہت سے نئے اموراور نئے نکات بیان فرماتے ہیں۔

۳-علم کلام ومناظرہ:

یہ تفسیر آپ کے متکلمانہ ذہن کی عکاس بھی ہے۔ آپ قرآنی دلائل وحکم کی بہت اچھی تفسیر کرتے ہیں۔ بہت سے امور پر باطل مذاہب اور غلط خیالات کا خوبصورتی سے رد فرماتے ہیں اور مذہبِ حقہ کی حقانیت واضح فرماتے ہیں۔

۴-مفسرین کے اقوال اوران میں راجح قول کا تعین:

اس سلسلے میں آپ کی نظر بہت وسیع اور آپ کی بصیرت بہت ژرف نگاہ ہے۔

۵-فقہ:

فقہ آپ کا مستقل موضوع ہے۔ فقہ کے حوالے سے آپ مفتی کہلائے اور مفتی تو گویا آپ کے نام کا جزو ہو گیا۔ آپ احکام وشرائع کے حوالے سے کمال درجے کی بحث فرماتے ہیں۔

۶-ربط آیات:

ربط آیات کے سلسلہ میں حضرت مولانا شیخ حسین علیؒ اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے تفسیری انداز معروف اور متعارف ہیں۔ ان بزرگوں نے اس سلسلے میں بہت کارنامے سرانجام دیے ہیں۔

حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ قرآن مجید میں ہر جگہ ربط کو ضروری خیال نہیں کرتے۔ حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے بھی یہی نقطہ نظر پیش فرمایا ہے۔ بہرحال کلام اللہ میں ربط کا انکار ممکن نہیں۔ اسی لیے حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے خود ہی سورہ بقرہ، آل عمران اور نساء میں ربط آیات بیان فرمایا ہے۔

مولانا مفتی محمودؒ نے بھی ربط آیات پر کلام فرمایا ہے، لیکن آپ ہر جگہ ربط کو لازم نہیں پکڑتے۔ ربط ویسے بھی ذوقی ہے اور مفسر کا اجتہاد ہوتا ہے۔ اسے منصوص نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے جہاں جہاں فطری ربط محسوس کیا ہے وہاں وہاں ربط بیان فرمایا ہے۔ البتہ بتکلف ربط بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

۷-تاریخ وسیاست:

تاریخ وسیاست میں حضرت مفتی صاحبؒ کا انداز گہرا بھی ہے اور منفرد بھی۔ آپ نے جن تحقیقات عالیہ سے اپنے طلبہ کو مستفید فرمایا، وہ تاریخ تفسیر کا ایک نیا باب ہیں۔ اس سلسلے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کی ایک نئی تعبیر پیش فرما کر تاریخ وسیاست کے طالب علم کے لیے ایک نیا جہان آباد کر دیا ہے۔

مختصر یہ کہ یہ تفسیر انداز اور تحقیقات علمیہ کی بدولت سلسلہ تفسیر کی ایک روشن کڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ قارئین اس سے بیش از بیش مستفید ہوں اور مرتبین کو بارگاہ رب العزت سے عفو و کرم ارزانی ہو۔ اللھم آمین!

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

۵ رجمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

امجد علی شاکر

لاہور

پیغامِ امیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت مولانا مفتی محمود کی عوامی اور سماجی زندگی سے بے شمار لوگ واقفیت رکھتے ہیں۔ اُن کے جاننے والے صاحبانِ سیاست بھی ہیں اور عام دنیا دار بھی۔ اقتدار کی مسندوں پر براجمان رہنے والے بھی ہیں اور فقیر رہ نشیں و بوریا نشیں بھی۔ ان کے فکر و عمل کے پیرو بھی ہیں اور اُن سے اختلاف رکھنے والے بھی۔ ان سب لوگوں کے ہاں اُن کی عظمت مسلم اور اُن کی علمیت معتبر ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود جامع الصفات شخصیت کے حامل تھے۔ وہ ایک عملی سیاستدان ہونے کے علاوہ علم اور کتاب کی دنیا کے آدمی تھے۔ اللہ رب العزت نے انھیں تفقہ فی الدین عطا کیا تھا۔ وہ بحر علم کے شناور تھے۔ وہ مسندِ علم کے سچے وارث بھی تھے اور علومِ دینیہ کے سچے عارف بھی۔ انھوں نے ایک عمر اُستاذِ حدیث اور شیخ الحدیث کی مسند پر بیٹھ کر حدیث کا درس دیا اور دار الافتاء میں بیٹھ کر فتویٰ نویسی کی۔ وہ فقہی بصیرت بھی رکھتے تھے اور محدثانہ علوِ فکر بھی۔ گویا وہ رفعتِ فکر کے ساتھ ژرف نگاہی کے حامل تھے۔ یہی اُن کی عظمتِ فکر و خیال ہے۔ یہی اُن کی رفعتِ شخص و شخصیت بھی۔

حضرت مفتی صاحب کا فقہ و افتاء سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ مفتی اُن کے نام کا جزو ہو گیا اور حدیث سے وہ ربط و ارتباط تھا کہ شیخ الحدیث اُن کا معروف لقب ہو گیا۔ انھوں نے عمر کے آخری حصے میں جب بیماریوں نے ان کے جسمانی قویٰ میں اضمحلال برپا کر رکھا تھا، قرآن مجید کی تفسیر پڑھانے کا کارنامہ سرانجام دیا۔ جب وہ شیخ التفسیر حضرت امام لاہوری کی مسند پر بیٹھے تو انھوں نے اپنے آپ کو اس مسند کے بھی اہل ثابت کیا۔

حضرت مولانا مفتی محمود میدانِ سیاست کے شہسوار تھے۔ انھوں نے سیاست میں جس جرأت و پامردی جس اخلاص و للّٰہیت، جس دانش و بصیرت، جس عزم و حوصلہ اور جس فقر و درویشی سے قوم کی راہنمائی کی وہ ہماری ملکی اور قومی تاریخ کا روشن باب ہے۔ ان کی دانش و بینش اور عظمت و عزیمت نے اپنوں کے علاوہ بیگانوں سے بھی داد پائی تھی۔

حضرت مولانا مفتی محمود کے دارالافتاء کے کارناموں کی ترتیب وتدوین کا عمل جاری ہے اوراس کے بہت سے اجزا ترتیب وتہذیب اورنظم وتدوین کے مراحل سے گزر کر قارئین تک پہنچ چکے ہیں۔اب ان کے تفسیری کمالات تفسیر محمود کے عنوان سے آپ کے سامنے ہیں۔اس کی نشر واشاعت کا شرف اور فخر بھی ہمارے بھائی ریاض درانی کو حاصل ہوا ہے، میں انھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

تفسیر محمود کی ترتیب وتدوین مشکل اور جانگسل کام تھا۔اس کی مجلس ادارت کے ارکان اُستاد مکرم حضرت مفتی عیسیٰ خاں گورمانی مدظلہ،مولانا عبدالرحمٰن، پروفیسر امجد علی شاکراور ریاض درانی میری جانب سے مبارکباد اور دلی شکریے کے مستحق ہیں۔اللہ تعالیٰ انھیں بیش از بیش حسنات سے نوازے۔

اُمید ہے کہ یہ تفسیر مقبول عام ہواوراستفادۂ عوام کے کام آئے۔

ان شاء اللہ حضرت مفتی صاحب کے محدثانہ کارنامے بھی جلد شائع ہونا شروع ہو جائیں گے۔اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر کو مبارک فرمائے اورہمیں ان کارناموں سے مستفید ہونے کے مواقع ارزانی فرمائے۔آمین یاالٰہ العالمین!

(مولانا)فضل الرحمٰن
امیر جمعیۃ علماءِ اسلام پاکستان
قائدحزب اختلاف پاکستان

کلماتِ تبرک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجھے یہ سن کر بے حد خوشی اور مسرت ہوئی کہ قائد اسلامی انقلاب مولانا مفتی محمود قدس سرہ کے دورۂ تفسیر شیرانوالہ گیٹ لاہور کے تفسیری افادات کو مرتب کر کے تفسیر محمود کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔

پھر یہ سن کر مزید اطمینان ہوا کہ اس پر ثقہ علماء اور ماہرین فن نے نظر ثانی کر کے اس کو با قاعدہ تفسیر کا انداز دے دیا ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ کام انہی لوگوں نے انجام دیا ہے جنہوں نے حضرتِ مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ سے براہِ راست استفادہ کیا اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور بالخصوص وہ اس دورۂ تفسیر میں بھی شریک تھے۔

میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نوجوان علماء کو اپنے اسلاف و اکابر کے علوم و معارف کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے اور ان کو اپنے اکابر کے ساتھ منسلک رہنے کی سعادت نصیب فرمائے۔

اب جبکہ مختلف فتنہ پرور قرآن کے نام پر مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں تو ایسے مختصر، جامع، عام فہم اور تحقیقی تفسیری مجموعوں کی شدید ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو خاص و عام کے لیے نافع بنائے اور اُمت کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور اس کی ترتیب و اشاعت میں حصہ لینے والے تمام حضرات کو اپنی بارگاہ سے بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

فقیر خان محمد

خواجہ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد مدظلہٗ العالی

سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقدیم

ابتداء میں ہم کچھ امور بطور مقدمہ کے ذکر کرتے ہیں۔ اولاً فضیلت قرآن اور فضیلت تعلیم وتعلم قرآن کا ذکر کیا جاتا ہے۔

فضیلتِ قرآن اور فضیلت تعلیم وتعلم قرآن

حدیث نمبر ا: امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں حضرت زیدؓ بن ارقمؓ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں:

(قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوماً "الخ" فقال فی خطبتہ انی تارك فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی فقال ھو کتاب اللہ حبل ممدود بین السماء و الارض) (الحدیث)

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اپنے خطبے میں فرمایا "بیشک میں تم میں ایک چیز چھوڑنے والا ہوں اگر تم اس کے ساتھ تمسک رکھو گے (اسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے) تو میرے بعد تم گمراہ نہ ہو گے اور پھر فرمایا وہ کتاب اللہ ہے جو آسمان وزمین کے درمیان میں لمبی رسی ہے"۔

مفہوم یہ ہے، چونکہ نزول قرآن آسمان سے زمین تک ہے، لہٰذا اگر تم تمسک بالقرآن کرتے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔

حدیث نمبر ۲: حضرت علیؓ سے روایت ہے:

(قال الا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا انھا ستکون فتنۃ قلت ما المخرج منھا یا رسول اللہ قال کتاب اللہ فیہ نباء ما قبلکم و خبر ما بعد کم و حکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل من ترکہ من جبار قصمہ اللہ و من ابتغی الھدی فی غیرہ اضلہ اللہ ولا تلتبس بہ الالسنۃ ولا تشبع منہ العلماء ولایخلق عن کثرۃ الرد ولا ینقضی عجائبہ ھوالذی لم تنتہ الجن اذا سمعتہ حتی قالوا انا سمعنا قرآناً عجباً یھدی

الی الرشد فا منا به من قال به صدق و من عمل به اجر و من حکم به عدل و من دعا الیه هدی الی صراط مستقیم (الحدیث رواہ الترمذی و قال هذا حدیث غریب و اسنادہٗ مجهول)

فرمایا: آگاہ رہو، تحقیق میں نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا: ''خبردار (میری امت میں) یقیناً فتنہ برپا ہوگا۔ میں نے عرض کیا''یارسول اللہ! اس سے نجات کی کیا صورت ہوگی؟'' فرمایا کتاب اللہ (قرآن کے فہم وعمل سے تمام فتنوں اور گمراہیوں سے نجات ملے گی)۔ اس میں اگلی امتوں کی خبر ہے (کہ وہ کیسے بگڑیں) بعد کی بھی خبر ہے۔ (قیامت کی علامات وغیرہ) حکم اور فیصلہ ہے، اس چیز کا جو تمہارے درمیان (اختلاف) واقع ہو۔ وہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہ بیہودہ کلام نہیں۔ جس جابر نے تکبر وانانیت سے قرآن کو چھوڑا اللہ اس کو ہلاک کرے گا۔ جو شخص قرآن کے علاوہ کہیں اور سے ہدایت ڈھونڈے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اور گمراہ کردے گا۔ اس کے سبب زبانیں خلط ملط نہیں ہوتیں۔ علماء اس سے سیر نہیں ہوتے۔ وہ کثرت تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا۔ اس کے عجائب وغرائب ختم نہیں ہوتے۔ وہ ایسا ہدایت نامہ ہے کہ جنوں نے سنتے ہی کہہ دیا' ہم نے قرآن سنا کہ عجب کلام ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ جس نے قرآن کی، بات کی اس نے سچ کہا۔ جو اس پر عمل کرے گا' اجر پائے گا۔ جو اس کے مطابق فیصلہ کرے، اُس نے انصاف کیا۔ جو اس کی طرف بلائے گا' وہ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرے گا۔''

حدیث نمبر۳: حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الذی لیس فی جوفه شئی من القران کا لبیت الخرب (قال الترمذی ہذا حدیث صحیح)

فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے دل میں قرآن میں سے کچھ بھی نہیں' وہ ویران گھر کی مانند ہے۔

حدیث نمبر۴: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے:

(قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خیر کم من تعلم القران و علمه (رواه البخاری)

فرماتے ہیں کہ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے' جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

حدیث نمبر۵: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

(قالت قال رسول صلی الله علیه وسلم الماهر بالقرأن مع السفرة الکرام البررة والذی یقرا القرأن و یتتعتع فیه و هو علیه شاق له اجران) (متفق علیہ)

فرماتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: قرآن جاننے والا بزرگ نیک لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور وہ شخص جو قرآن پڑھتے ہوئے اس میں اٹکتا ہے اور اس کے لیے قرآن کا پڑھنا مشکل ہوتا ہے تو اس کو دوہرا ثواب ہوتا۔

حدیث نمبر ۶: حضرت ابوموسیٰ شعریؓ سے روایت ہے:

(قال قال رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم مثل المومن الذی یقراء القرأن مثل الاترجة ریحها طیب و طعمها طیب و مثل المومن الذی لا یقراء القرأن کمثل التمرة لاریح لها وطعمها حلو ومثل المنافق الذی لا یقرء القرأن کمثل الحنظلة لیس لها ریح و طعمها مر و مثل المنافق الذی یقراء القرأن مثل الریحانة ریحها طیب و طعمها مرٌّ)(متفق علیہ)

”فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: قرآن پڑھنے والے مومن کی مثال ترنج کی مانند ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے اور مزہ بھی اچھا ہوتا ہے اور قرآن نہ پڑھنے والے مومن کی مثال کھجور کی مانند ہے کہ اس کی خوشبو تو نہیں ہوتی' مگر مزہ شیریں ہوتا ہے اور قرآن نہ پڑھنے والے منافق کی مثال اندرائن کے پھل کی طرح ہے کہ اس میں بو بھی نہیں ہوتی اور اس کا مزہ بھی تلخ ہوتا ہے اور وہ منافق جو قرآن پڑھتا ہے، اس کی مثال خوشبودار پھول کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو تو اچھی ہے، مگر مزہ تلخ ہوتا ہے“۔

حدیث نمبر ۷: حضرت علیؓ سے روایت ہے:

(قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من قراء القرأن فاستظهره فاحل حلاله و حرم حرامه ادخله اللّٰه الجنة و شفعه فی عشرة من اهل بیته کلهم قد و جبت له النار)(قال الترمذی هذا غریب)(ولیس لہ اسناد صحیح)

(اسناد کے صحیح نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی سند کا اعتبار نہیں۔ اس کی سند اعلیٰ درجہ سے نیچے کے درجہ میں ہے جو محدثین کے نزدیک مقبول ہے)

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جس شخص نے قرآن پڑھا' پھر اس کو یاد کیا' اس کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام سمجھا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دیں گے اور قرآن اس کے ایسے دس گھر والوں کی سفارش کرے گا' جن پر دوزخ واجب ہوگی۔ (یعنی وہ مسلمان تو ہوں گے' گناہوں کی وجہ سے اُن

پر دوزخ واجب ہو چکی ہوگی)

حدیث نمبر ۸: حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے:

(قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان اللّٰه یرفع بهذا الکتاب اقواماً و یضع بها آخرین)(رواہ مسلم)

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: بے شک اللہ تعالےٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سے لوگوں کو بلند کرتے ہیں اور دوسروں کو پست کرتے ہیں۔

(یعنی جو لوگ قرآن کے احکام پر عمل کرتے ہیں، وہ کامیاب ہوتے ہیں اور اس سے اعراض کرنے والے ذلیل ہوتے ہیں)

دیکھئے! جب صحابہ کرامؓ کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے قرآن آیا تو اس نے ان کو اتنا بلند کیا کہ علمائے اُمت کا فیصلہ ہے کہ انسانیت میں انبیاء کے بعد قیامت تک سب سے اعلیٰ رتبہ صحابہ کرامؓ کا ہے۔ ان میں سب سے افضل صدیق اکبرؓ پھر عمر فاروقؓ ہیں۔ ان کو قرآن نے بلند کیا اور ان میں ایسا انقلاب پیدا ہو گیا کہ وہ لوگ جو طرح طرح کے رسوم، شرک و بدعات اور بداخلاقیوں، شراب، قتال اور فحاشی میں مبتلا تھے اور بایں سبب قریش ایک گری ہوئی قوم تھی، لیکن جب قرآن آیا تو یہ ایک بااخلاق قوم بن گئی۔ ایک ایک شخص پوری انسانیت پر بھاری ہو گیا اور جو قوم قرآن سے منہ موڑتی ہے، اس کا حشر آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ

آج مسلمانوں کی آبادی ستر کروڑ ہے۔ (حضرت مفتی صاحب نے یہ بات ۱۹۷۶ء میں بتائی تھی) ان کے پاس بے شمار دولت ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے مسلمانوں کے ملک شارجہ، ابوظہبی، لاکھ دو لاکھ کی آبادی ہے، مگر کس قدر امیر ہیں۔ کویت اور سعودی عرب ہیں کہ تیل کی صورت میں سیال سونا بہہ رہا ہے، لیکن دس کروڑ عرب مسلمان ۲۰ لاکھ یہودیوں کا مقابلہ نہ کر سکے، حالانکہ یہودی وہ قوم ہے کہ ان کے بارے میں ارشاد ربانی ہے ضربت علیهم الذلة و المسکنة، لیکن اس ذلیل قوم سے دس کروڑ عرب خائف ہیں۔ صرف اس لیے کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ مسلمانوں نے جب قرآن کو تھام رکھا تھا۔ اس وقت وہ ستر کروڑ نہیں، صرف ستر تھے، ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، لیکن تمام عالم پر بھاری تھے۔

سارے عالم اسلام پر یہ ذلت کہاں سے آئی۔ یہ ساری ذلت قرآن چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔ قرآن کے بغیر نظام نہیں چلتا۔ صدق النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

نزولِ قرآن:

سب سے پہلے قرآن مجید غار حرا میں نازل ہوا۔ چناں چہ صحیح بخاری کے باب کیف کان بدء الوحی کی تیسری

حدیث ہے

(عن عائشۃؓ انھا قالت اول ما بدأ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم فکان لایریٰ رؤیا الاجاء ت مثل فلق الصبح ثم حبب الیہ الخلاء و کان یخلو بغار حراء الخ)

''حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ پہلی وہ چیز جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء ہوئی، رویائے صالحہ تھے جنہیں آپ خواب میں دیکھتے تھے۔ چناں چہ آپ جو بھی خواب دیکھتے، وہ سپیدۂ صبح کی طرح سامنے آتا۔ پھر خلوت گزینی آپ کے نزدیک محبوب کر دی گئی اور آپ غار حرا میں خلوت گزینی فرماتے (الخ)''

مکہ مکرمہ میں منٰی کی طرف ایک پہاڑ جبل النور میں ایک غار ہے۔ اس کو غار حرا کہا جاتا ہے۔ آپ اس میں تشریف لے جاتے تھے۔ گھر سے حضرت خدیجہؓ، جو آپ کی پہلی بیوی تھیں، زادراہ بنا کر پیش کر دیتی تھیں۔ جب زادراہ ختم ہو جاتا، تو آپ واپس آجاتے۔ آپ پھر زادِراہ لے کر تشریف لے جاتے۔

حدیث میں ہے، فرمایا کہ میں غار حرا میں تھا کہ جبرئیلؑ آئے۔ ایک اجنبی صورت تھی اور آپؐ غار میں اکیلے تھے۔ جبرائیلؑ نے فرمایا:

(اقراء فقال ما انا بقارئ قال فاخذ نی فغطنی حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثانیۃ حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت ما انا بقارئ فاخذ نی فغطنی الثالثۃ ثم ارسلنی) (الخ)

''پڑھیے! آپؐ نے فرمایا: ''میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔ آپؐ نے فرمایا کہ فرشتے نے مجھے پکڑا اور دبایا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہاء کو پہنچ گیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا (تین مرتبہ اس طرح کیا)''۔

تین مرتبہ دبانے میں حکمت یہ تھی کہ وہ ملکوتی قوت آپؐ کے سینے میں ڈال رہے تھے تاکہ آپ کو قرآن کی برداشت حاصل ہو جائے۔ چنانچہ روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، کبھی میرے اوپر اس حال میں وحی آتی ہے کہ میں اونٹنی پر سوار ہوتا ہوں تو وحی کا وزن اتنا بھاری ہوتا ہے کہ اونٹنی جھکتی ہے اور قریب ہے کہ اس کا پیٹ زمین سے لگ جائے۔ یہ قول ثقیل تھا تو گویا یہ غطۂ ثلاثہ (تین مرتبہ دبانا) نزول وحی کی تیاری تھی۔

پھر جبرائیلؑ نے فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ (سورۂ علق)

''پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے''۔

اس میں دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرأت کا حکم بھی ہے اور تسلی بھی۔ پروردگار کے نام کے ساتھ ربوبیت کی صفت کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ آپ کی خصوصی تربیت فرمائیں گے۔

تربیت کا معنی یہ ہے کہ کسی شئی کو درجہ کمال تک پہنچانا شیئاً فشیئاً (بیک وقت نہیں) تو ربک میں کاف ضمیر خطاب ہے۔ یہ اضافت اختصاص کے لیے ہے کہ کمال بشریت کا آخری مقام آپ کو حاصل ہوگا۔ پھر فرمایا کہ آپ کا رب خالق بھی ہے۔

خلق کے معنی ہیں کسی شئی کو عدم سے وجود میں لانا۔ اللہ نے آپ کو پیدا کیا یعنی آپ کو وہ عدم سے وجود میں لائے۔ جب رب تعالیٰ خالق ہے۔ وہ تیری ذات کو عدم سے وجود میں لایا ہے، لیکن قراءت تو ایک صفت ہے۔ اس کا پیدا کرنا تو آسان ہے نتیجہ یہ نکلا کہ آپ اُمی (بغیر پڑھے ہوئے) تھے، قاری بن گئے۔ حاصل یہ کہ ذات کو پیدا کرنا مشکل تھا۔

(ایجاب الذات من کتم العدم اثقل) لیکن صفت معدومہ کو وجود میں لانا تو آسان تر ہے۔ تو وہ جو خالق کائنات ہے، وہ صفات کو کیوں کر پیدا نہیں کرسکتا۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝

دوبارہ پھر اقرأ کہا۔ مقصود یہ تردد دور کرنا ہے کہ تیرا رب اکرم بھی ہے کہ **الکریم اذا وعد وفی** تو جب تیرے رب نے تربیت کا وعدہ کیا ہے تو وہ اس وعدہ کو پورا بھی کرے گا۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ اشارہ کردیا کہ تعلیم کے لیے اسباب بھی ہوتے ہیں، لہٰذا یہاں بھی تعلیم بالاسباب ہوگی کہ جبرائیل آئیں گے۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝

یہاں ایک اور اشارہ کردیا کہ وہ مَا لَمْ یَعْلَمْ کو بھی سکھا چکا ہے آپ کو بھی سکھا دے گا۔ تردد کی ضرورت نہیں۔

دیکھئے! فرمایا تھا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ یہ ایک مثال بھی ہے کہ علق ایک منجمد خون ہے، منجمد خون میں روح نہیں تھی، وہ میت تھا۔ اس سے انسان عاقل کو پیدا کیا تو جب وہ علق میت سے عاقل کو پیدا کرسکتا ہے تو کیا، اُمیت سے قرأت کی صفت پیدا نہیں کرسکتا، لہٰذا کیوں شک کرتے ہو۔

یاد رکھیئے! نطفہ چالیس دن تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔ اس سے علق (جما ہوا خون) بن جاتا ہے۔ پھر چالیس دن بعد مضغہ بن جاتا ہے یعنی گوشت کا لوتھڑا۔ پھر چالیس دن بعد انسانی شکل بن جاتی ہے۔ پہلے تین چلوں کے بعد دس دن میں (چار ماہ کے بعد) روح آجاتی ہے۔ جب یہ روح آتی ہے تو یہ حیات خفیفہ ہوتی ہے۔ یہ غیر فعال ہے، غیر مؤثرہ ہے۔ قوت آتے آتے جب بالکل مؤثر حیات وجود میں آجاتی ہے تو پھر بچہ ۹ ماہ بعد دنیا میں آتا ہے اور اُس پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں تو یہ سب کچھ تدریجاً ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اربعین یوماً

(چالیس دن) میں کوئی اثر ہے۔انقلاب حقائق ہے۔شاید مشائخ کے چلّے بھی بایں معنی ہیں۔

بانی تبلیغی جماعت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے بھی تبلیغ کے لیے چلوں کا حساب لگایا ہے کہ عوام کے لیے تین چلے ہیں اور علماء کے لیے سات چلے ہیں۔اس سے بہت سے علماء گھبراتے ہیں کہ کیا علماء کی اصلاح نہیں ہوئی؟ پھر اس گھبراہٹ کا جواب بعض عام لوگ یوں دیتے ہیں کہ جی علماء کے دل میں علم کے باعث تکبر ہوتا ہے اور دوسرے عجیب وغریب جواب دیتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ عوام میں استعداد خدمت دین نہیں ہے۔چونکہ علم نہیں ہے،اس لیے وہ اصلاح نہیں کر سکتے۔ان کے لیے اتنا کافی ہے کہ قلب میں حیات آ جائے۔توجہ الی اللہ سے معلوم ہوا کہ ان کو نفس حیات غیر مؤثرہ کی ضرورت ہے،لیکن علماء کے لیے حیات مؤثرہ وفعّال کی ضرورت ہے۔نفس حیات چار ماہ میں آتی ہے،لہٰذا عوام کے لیے تین چلہ (چار ماہ) ہیں اور علماء کے لیے سات چلہ (نو ماہ دس دن) ہیں۔کیونکہ پورا بچہ بھی بطن ام سے ۹ ماہ دس دن بعد پیدا ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے اگر حیات غیر مؤثرہ کے ساتھ مردہ بچہ باہر آئے تو اس پر احکام شریعت جاری نہیں ہوتے۔جنازہ بھی نہیں پڑھا جاتا،وراثت بھی نہیں ملتی۔اگر مؤثر حیات کے ساتھ باہر آئے تو اس پر احکام شریعت جاری ہوتے ہیں،وہ وراثت کا حق دار بھی ہوتا ہے۔اسی لیے عوام کو ورثۃ الانبیا نہیں کہا،بلکہ علماء کو کہا گیا ہے۔

علماء کو حیات مؤثرہ (۹ ماہ دس دن) کی ضرورت ہے کہ انہوں نے آگے چل کر کام کرنا ہے۔ان کے لیے بڑی حیات کی ضرورت ہے اور یہ سات چلوں کے بغیر نہیں آتی۔شاید اِسی لیے حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے مدت تبلیغ میں عوام اور علماء کے درمیان فرق مقرر فرمایا ہے۔

زمانہ نزول وحی:

۱۳ سال مکہ میں نزول وحی ہوا اور دس سال مدینہ میں۔تو کل ۲۳ سال ہوئے،لہٰذا تمام قرآن مجید ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔

۸۳ سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں اور ۳۱ سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں تو کل ۱۱۴ ہوئیں۔

نزول قرآن:

قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر جملۃً واحدۃً (بیک وقت تمام) رمضان کے مہینہ میں لیلۃ القدر میں نازل ہوا۔

پھر حسب ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیات نازل ہوتی رہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (سورۂ قدر پ۳۰) اور شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (سورۂ بقرہ پ۲) سے مراد لوح محفوظ سے سماء دنیا پر نزول ہے اور پھر ۲۳ سال میں حسب حاجات قرآنِ مجید نازل ہوتا رہا۔

ترتیب قرآن:

قرآن مجید کی موجودہ ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق ہے۔ یہ علی ترتیب النزول نہیں ہے۔

ترتیب نزول قرآن:

۸۳ سورتیں جو مکہ میں نازل ہوئیں ان کی ترتیب یہ ہے......

(۱) العلق (۲) القلم (۳) المزمل (۴) المدثر (۵) اللھب (۶) التکویر (۷) الاعلیٰ (۸) اللیل (۹) الفجر (۱۰) الضحیٰ (۱۱) الم نشرح (۱۲) العصر (۱۳) العادیات (۱۴) الکوثر (۱۵) التکاثر (۱۶) الماعون (۱۷) الکافرون (۱۸) الفیل (۱۹) الاخلاص (۲۰) النجم (۲۱) العبس (۲۲) القدر (۲۳) البروج (۲۴) التین (۲۵) القریش (۲۶) القارعہ (۲۷) القیامہ (۲۸) الھمزہ (۲۹) المرسلات (۳۰) ق (۳۱) البلد (۳۲) الطارق (۳۳) القمر (۳۴) ص (۳۵) الاعراف (۳۶) الجن (۳۷) یٰسین (۳۸) الفرقان (۳۹) الفاطر (۴۰) مریم (۴۱) طٰہٰ (۴۲) الواقعہ (۴۳) الشعراء (۴۴) النمل (۴۵) القصص (۴۶) بنی اسرائیل (۴۷) یونس (۴۸) ھود (۴۹) یوسف (۵۰) الحجر (۵۱) الانعام (۵۲) الصافات (۵۳) لقمان (۵۴) السبا (۵۵) الزمر (۵۶) المومن (۵۷) السجدہ (۵۸) حم عسق (۵۹) الزخرف (۶۰) الدخان (۶۱) الجاثیہ (۶۲) الاحقاف (۶۳) الذاریات (۶۴) الغاشیہ (۶۵) الکھف (۶۶) النحل (۶۷) نوح (۶۸) ابراہیم (۶۹) الانبیاء (۷۰) المومنون (۷۱) الٓمٓ سجدہ (۷۲) الطور (۷۳) الملک (۷۴) الحاقہ (۷۵) المعارج (۷۶) النباء (۷۷) النازعٰت (۷۸) انفطار (۷۹) انشقاق (۸۰) الروم (۸۱) عنکبوت (۸۲) مطففین (۸۳) فاتحہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ عنکبوت سب سے آخر میں نازل ہونے والی مکی سورۃ ہے۔ ضحاک اور عطاء کے نزدیک سورۃ مؤمنون آخری سورت ہے۔ امام مجاہد کے ہاں آخری سورۃ مطففین ہے۔ سورہ فاتحہ کا صحیح علم نہیں ہے۔ شاید یہ سورۃ مکرر نازل ہوئی ہے۔ علمائے ثقات کی ترتیب یہی ہے جس کے مطابق یہ کل ۸۳ سورتیں ہوئیں اور ۳۱ سورتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

مدنی سورتیں:

(۱) البقرہ (۲) انفال (۳) ال عمران (۴) احزاب (۵) ممتحنۃ (۶) نساء (۷) زلزال (۸) حدید (۹) محمد (۱۰) رعد (۱۱) الرحمٰن (۱۲) دھر (۱۳) طلاق (۱۴) البینۃ (۱۵) الحشر (۱۶) الفلق (۱۷) الناس (۱۸) نصر

(۱۹) طور (۲۰) حج (۲۱) منافقون (۲۲) مجادلہ (۲۳) حجرات (۲۴) تحریم (۲۵) الصف (۲۶) الجمعۃ (۲۷) التغابن (۲۸) الفتح (۲۹) التوبۃ (۳۰) مائدہ (۳۱) شوریٰ۔

بعض علماء توبہ کو سورۃ مائدہ سے پہلے ذکر کرتے ہیں اور بعض بعد میں۔ اسی طرح سورۃ شوریٰ کے مکی اور مدنی ہونے میں بھی اختلاف ہے۔

قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کرنا:

قرآن کریم کا نزول متفرق طور پر ہوا ہے۔ یہ جمع کیونکر ہوا؟ کس نے جمع کیا؟ اس سلسلے میں بخاری کی روایت پیش کرنا چاہتا ہوں۔

عن زید بن ثابتؓ (کاتب وحی، انصاری) (قال ارسل الی ابوبکر مقتل اهل الیمامة فاذا عمر عنده فقال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامه بقراء القرآن "الخ")

جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں یہ فوج ترتیب دی تھی (اور آپؐ اس درمیان وصال فرما گئے تھے) بعد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس لشکر کو آپؐ کے ارشاد کے مطابق اس مہم پر روانہ فرمادیا۔

بہر حال جب یہ جنگ ہوئی تو اس میں تقریباً سات سو حفاظ و قراء شہید ہوئے اور ابھی تک قرآن کسی کتابی صورت میں بھی نہ تھا۔ صرف زبانی یاد تھا۔ عمر فاروقؓ کو اس واقعہ سے پریشانی ہوئی تو فرمایا اس کا کوئی انتظام کرنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

(وانی اخشی ان استحر القتل بالقراء فی کل المواطن فیذهب کثیر من القرآن فقال عمر انی اری ان تامر لجمع القرآن)

اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر ہر جگہ قرائے قرآن کا قتل شدت اختیار کر گیا (یعنی اس طرح حفاظ شہید ہوتے گئے) تو کہیں قرآن کا اکثر حصہ ہم سے نہ چلا جائے۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تم قرآن مجید کو جمع کرو۔"

(فقلت لعمر کیف تفعل شیئاً لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال عمر هذا و الله خیر فلم یزل عمر یرا جعنی حتی شرح الله صدری لذا لك و رائیت فی ذالك الذی رائی عمر)

میں نے عمرؓ کو کہا تم وہ کام کیسے کرتے ہو جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کیا ہو۔ (کیونکہ وہ بدعت سے ڈرتے تھے) حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم یہی بہتر ہے۔ پس وہ بار بار مجھ سے یہ بات کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے میرے سینے کو اس چیز کے لیے کھول دیا جس کے لیے عمرؓ کا سینہ کھولا تھا اور اب اس بارے میں

میں وہی چاہتا ہوں جو عمرؓ چاہتے ہیں۔

(قال زيد بن ثابت فقال لي ابوبكر انك رجل شاب عاقل لانتهمك وقد كنت تكتب الوحي لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتتبع القرأن فا جمعه قال الزيد فو الله لو كلفوني نقل جبل من الجبال ما كان اثقل على مما امرني من جمع القرأن قلت كيف تفعلون شيئاً لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ابوبكر هوو الله خير فلم يزل ابوبكر يراجعني حتى شرح الله صدري للذي شرح له صدر ابي بكر و عمرؓ فرأيت في ذالك الذي رآيا)

حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا۔ پس مجھے ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ بے شک تم جوان عاقل مرد ہو۔ ہم آپ پر بدگمانی بھی نہیں کرتے اور تحقیق تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی بھی لکھا کرتے تھے۔ پس تم قرآن مجید کو تلاش کرو اور جمع کر دو (یعنی مختلف پتوں پتھروں، ہڈیوں پر جو کچھ لکھا ہوا تھا) تو حضرت زیدؓ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر مجھے کسی پہاڑ کو اٹھانے کی تکلیف دی جاتی تو وہ مجھ پر اتنا بھاری نہ ہوتا جتنا جمع قرآن مجید مجھ پر بھاری ہے، لہٰذا میں (حضرت زیدؓ) نے کہا ان (ابوبکرؓ وعمرؓ) کو کہ کیسے کرتے ہو وہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ تو ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم یہی بہتر ہے (یہی الفاظ پہلے ابوبکرؓ کو عمرؓ نے کہے تھے) پس ابوبکرؓ بار بار مجھ سے یہ بات کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے اس چیز کے لیے میرا سینہ کھول دیا جیسے ابوبکرؓ وعمرؓ کا کھولا تھا۔ پس میں اس بارے میں وہی چاہتا ہوں جو ابوبکرؓ وعمرؓ چاہتے ہیں۔

(قال الزيد فتتبعت القرأن اجمعه من العسب و اللحاف و صدور الرجال حتى وجدت أخر سورة التوبة مع ابي خزيمة الانصاري لم اجدها مع احد غيره لقد جاء كم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمومنين رؤف رحيم فان تولوا فقل حسبي الله لا اله الا هو عليه تو كلت وهو رب العرش العظيم ...... فكانت الصحف عند ابي بكر في حياته حتى تو فاه الله ثم عند عمر في حياته حتى توفاه الموت ثم عند حفصة بنت عمر (بخاری فضائل قرآن)

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں پس میں نے قرآن کو (لکھے ہوئے کو) تلاش کرنا شروع کیا۔ میں اس کو جمع کرتا تھا کھجور کی چھڑیوں سے اور ٹھیکریوں سے اور لوگوں کے سینوں سے یہاں تک کہ میں نے سورۃ توبہ کا آخر ابوخزیمہ انصاری کے پاس سے پالیا جبکہ اس کو میں نے کسی اور کے پاس لکھا ہوا نہیں پایا تھا، وہ تھا (لقد جاء كم رسول من اَنْفُسِكُم عزيز ......تا...... وهو رب العرش العظيم)

پس یہ صحیفہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس ان کی زندگی تک رہا۔ یہاں تک کہ آپ انتقال فرما گئے۔ پھر حضرت عمرؓ

کے پاس رہا، یہاں تک کہ وہ بھی انتقال فرما گئے۔ پھر یہ صحیفہ حفصہؓ بنت عمر امیر المومنینؓ کے پاس رہا۔'' (انتہیٰ)

اب اس مکتوبہ صحیفہ کے بارے میں بخاری کی یہ تفصیلی حدیث دیکھئے:

(عن انسؓ ان حذیفة بن الیمان قدم علی عثمان و کان یغازی اهل الشام فی فتح الآرمینیة والآ ذر بیجان مع اهل العراق فقال حذیفة لعثمان یا امیر المومنین ادرك هذہ الامة قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیهود و النصاریٰ (الخ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ حضرت عثمانؓ کے پاس اس حال میں گئے کہ وہ فتح آرمینیا اور آذربیجان میں مشغول تھے۔ حضرت حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ یا امیر المومنین! اس امت کو سنبھالیے قبل اس کے کہ وہ اپنی کتاب میں اختلاف کریں جیسے یہود و نصاریٰ نے کیا''۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس ایک آدمی بھیجا اور وہ نسخہ منگالیا اور حضرت حفصہؓ سے فرمایا:

(ان ارسلی الینا بالصحف ننسخها فی المصاحف ثم نردها الیك فارسلت بها الیه فامر زید بن ثابت و عبدالله بن الزبیر و سعید بن العاص و عبدالرحمن بن الحارث بن الهشام (الخ) (بخاری باب جمع القرآن)

ہماری طرف وہ صحیفہ بھیج دیجیے۔ ہم اس کو اور صحیفوں میں نقل کریں گے۔ پھر آپ کا صحیفہ آپ کی طرف لوٹا دیں گے تو حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفہ بھیج دیا۔ پس حضرت عثمانؓ نے چار آدمیوں کو حکم دیا۔ (۱) زید بن ثابتؓ (۲) عبداللہ بن زبیرؓ (۳) سعید بن العاصؓ (۴) عبدالرحمٰن بن الحارثؓ تو انہوں نے کئی مصاحف الگ الگ لکھے، لیکن جب حضرت عثمانؓ کو محسوس ہوا کہ ان میں سے تین قریشی ہیں اور ایک قریشی نہیں ہے تو یہ لوگ لغت میں اختلاف کریں گے۔ ان کو فرمایا:

(اذا ختلفتم انتم و زید بن ثابت فی شیئی من القرأن فاکتبوہ بلسان قریش فانما انزل بلسانهم ففعلوا "الخ") (بخاری باب نزل القرآن)

جب تم میں اور زید بن ثابت میں قرآن کی کسی شے کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو تم قریش کی زبان میں لکھو، کیونکہ قرآن مجید قریش کی لغت میں نازل ہوا ہے۔ پس انہوں نے ویسا ہی کیا۔

خلاصۂ کلام:

اب ان روایات پر نظر ڈالیں تو اجمالی طور پر جمع قرآن کا خاکہ ذہن میں کچھ یوں آتا ہے اگر جمع سے مراد مطلق جمع ہے۔ (بصورت کتابت اور بصورت حفظ) تو جمع کے کل چار مراحل ہیں۔ (۱) قرآن کریم کا حفظ کرنا (۲) قرآن کریم کی کتابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں (۳) قرآن کریم کا جمع کرنا عہد صدیقی میں (۴) قرآن کریم کا جمع کرنا عہد عثمانؓ میں۔ اگر جمع سے مراد صرف بصورت کتابت ہے تو آخری تین مراحل مراد ہیں۔

عہد رسالتؐ میں بذریعہ حفظ جمع القرآن:

جمع قرآن کی یہ صورت یعنی قرآن مجید کو حفظ کرنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی آتی تھی، وہ آپ لوگوں کو سنا دیتے تھے اور پھر لوگ اس کو یاد کرنے میں کوشاں رہتے۔ جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ راتوں کی نیند چھوڑ دیتے اور قرآن مجید کو یاد کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے تھے۔ یہ جمع قرآن بصورت حفظ تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں حفاظ کا ایک جم غفیر تھا، جن میں ابوبکر صدیقؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، سعدؓ، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابوہریرہؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، معاویہؓ، زبیرؓ، ابن زبیرؓ، عائشہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ وغیرہ مہاجرین میں سے تھے اور انصار میں سے ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، ابوالدرداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ تھے۔

یہ بھی یاد رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ بتلا دیتے تھے کہ قرآن مجید کس ترتیب سے یاد کریں اور کون سی آیت کس جگہ اور کس سورت میں یاد کریں۔ کیونکہ یہ تمام باتیں جبرئیلؑ آپؐ کو بتلا دیتے تھے اور جبرئیلؑ آپؐ کو وہ ترتیب بتاتے تھے جو لوح محفوظ میں تھی۔ گویا حفاظ قرآن لوح محفوظ کی ترتیب سے ہی یاد کرتے تھے۔ یہی ترتیب حقیقی تھی اور آج بھی موجودہ قرآن مجید اس ترتیب میں ہے۔

عہد رسالت مآبؐ میں جمع قرآن بذریعہ کتابت:

یہ جمع قرآن بصورت کتابت تھی۔ چونکہ قرآن سات لغات میں نازل ہوتا تھا۔ اس لیے تمام صحابہ اس تلاش میں رہتے تھے کہ ہم قرآن کو صحیح صحیح لکھ لیں کہ وہ ذہنوں میں تو محفوظ ہے، کتاب میں بھی محفوظ رہے۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایک کاتبوں کو مقرر فرما دیا۔ جن میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، معاویہؓ، ابانؓ بن سعید، خالدؓ بن الولید، ابیؓ بن کعب، زیدؓ بن ثابت، ثابتؓ بن قیس، ارقمؓ بن ابی الارقم، حنظلہؓ بن ربیع، ابورافع القبطی رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے۔ آپ ان حضرات کو لکھنے کا اور سورتوں کی ترتیب کا طریقہ بطریق حفظ بتلا دیا کرتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام قرآن مجید حضور اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں بصورت کتابت جمع ہو چکا تھا، لیکن یہ جمع بصورت کتاب وصحیفہ نہیں تھا۔ رہا سورتوں کی ترتیب سے لکھنا تو یہ ابھی نہ ہوا تھا، بلکہ صحابہؓ کو جو ٹھیکری کپڑا وغیرہ ملتا، اس پر لکھ لیتے تھے۔

جمع القرآن فی عهد ابی بکرؓ:

جیسا کہ گزشتہ حدیث میں بالتفصیل گزرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یمامہ کا واقعہ ہوا اور حفاظ شہید ہوئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو فرمایا کہ جمع قرآن کا انتظام کیجیے۔ پھر انہوں نے حضرت

زید بن ثابتؓ کو فرمایا کہ تم جمع کرو اور انہوں نے ٹھیکریوں، کپڑوں کے ٹکڑوں وغیرہ سے قرآن کریم نقل کیا۔
حضرت زید بن ثابت کسی آیت کو اس وقت تک نقل نہ فرماتے جب تک کہ دو عادل شخص گواہی نہ دے دیں کہ یہ آیت واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں لکھی گئی ہے۔ یہ ایک صحیفہ تھا جو حضرت زید بن ثابتؓ نے لکھا تھا۔ یہ ان سات لغات پر مشتمل تھا جن کا ذکر ایک حدیث میں ہے۔

(انما انزل القرأن علی سبعة احرف) (بخاری)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یہ صحیفہ پہلے ابوبکر صدیقؓ کے پاس تا حیات رہا پھر حضرت عمرؓ کے پاس تا حیات رہا پھر یہ صحیفہ حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔

یہ جمع قرآن جو حضرت زید بن ثابت نے فرمائی تھی یہ ''جمع عمر فی عہد ابوبکر'' کہلاتی ہے۔

جمع القرأن فی عهد عثمانؓ:

جیسا کہ دوسری حدیث بخاری میں تفصیلاً اس جمع کا ذکر ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے وہ صحیفہ حضرت حفصہؓ سے منگوایا کیونکہ صحابہؓ کو خدشہ تھا کہ یہ سات قرائتوں پر مشتمل ہے تو کہیں بعد میں آنیوالے لوگ اس میں اختلاف نہ کریں۔

لہٰذا حضرت عثمانؓ اور تمام صحابہؓ نے چار اشخاص کو اس جمع پر متعین فرمایا یعنی حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن الزبیر، سعید بن العاص، عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام کو۔ ان حضرات نے قرآن مجید کو لغت قریش میں تحریر کیا۔ کیونکہ قرآن مجید لغت قریش ہی میں نازل ہوا تھا اور اس قرآن مجید کی ترتیب ''لوح محفوظ'' کی ترتیب کے مطابق تھی۔ یہی جبرائیلؑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا کرتے تھے۔ پھر آپ صحابہؓ کو بتلا دیتے تھے۔

(موجودہ قرآن مجید اسی ترتیب پر ہے)

یاد رہے کہ یہ قرآن مجید بغیر اعراب اور بغیر نقاط کے تھا۔

ان چار حضرات نے چھ مصاحف لکھے اور جب ان چھ مصاحف پر تمام صحابہ کرامؓ نے اتفاق کر لیا تو حضرت عثمانؓ نے ان مصاحف کو مختلف اقالیم کی طرف روانہ کر دیا۔ ان میں سے ایک مصحف مکہ کی طرف، ایک مصحف شام کی طرف، ایک مصحف کوفہ کی طرف، ایک مصحف بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ ایک مصحف مدینہ میں رکھا اور ایک مصحف اپنے پاس رکھا۔ پھر ہر صحیفہ کے ساتھ ایک عالم قاری کو بھیجا تا کہ وہ مصاحف ان لوگوں کو پڑھائے جو غیر قریش تھے۔ حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ آپ مدینہ والوں کو مصحف پڑھائیں۔

مصحف عثمانی:

حضرت عثمانؓ کا وہی مصحف اُس وقت بھی ان کے پاس تھا جب ان کو شہید کر دیا گیا۔ آپؓ اُس وقت تلاوت فرما رہے تھے اور آپ کا لہو اس آیت پر گرا صبغۃ اللّٰہ ''الخ'' وہ خون اسی طرح محفوظ رہا۔ آج بھی وہ مصحف عثمانی موجود ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے مصحف عثمانی کی نقل مرتب کر کے شائع کر دی تھی۔

پہلے عربی رسم الخط میں نقاط وحرکات نہیں تھے:

ان مصاحف کی کتابت عربی رسم الخط میں تھی جس میں کہ اعراب ونقاط نہ تھے۔ چونکہ عرب اہل لسان تھے، ان پر التباس نہ ہوتا تھا۔ وہ سیاق وسباق سے معلوم کر لیتے تھے کہ یہاں اعراب ونقاط کیا ہیں۔ مثلاً **فینبئکم بما کنتم تعملون** ''الآیہ'' اس میں **تعملون** کی جگہ **یعملون** نہیں ہوسکتا کہ ضمائر مخاطب ہیں۔ البتہ اگر **فینبئهم** ہوتا تو **یعملون** ہوتا، لہٰذا اہل لسان کے لیے نقاط ہوں یا نہ ہوں ان کے لیے دونوں برابر ہیں۔

حجاج نے نقاط واعراب لگائے:

جب عالمِ اسلام وسیع ہو گیا، فتوحات ہوئیں، عجمی لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ اہل لسان نہ تھے، اس لیے انہیں بڑی مشقت ہوئی۔ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور میں اعراب ونقاط کا اہتمام ہوا۔ حجاج بن یوسف الثقفی مبیر ہذہ الامتہ نے اعراب ونقاط لگائے۔ اب عجمی بھی بآسانی قرآن مجید پڑھ سکتے تھے، ورنہ معلوم نہیں آپ جیسے فضلاء کیا کچھ کرتے۔

حجاج جیسے ظالم نے تحریف کرنے سے انکار کر دیا:

ایک بستی انطاکیہ تھی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام گئے تھے۔ ایک تشریعی پیغمبر تھے (وہ پیغمبر جنہیں شریعت عطا کی گئی) اور دوسرے تکوینی (وہ پیغمبر جنہیں تقدیری امور کی خبر دی گئی تھی) پیغمبر۔ انہوں نے کھانا مانگا تو بستی والوں نے انکار کر دیا۔ قرآن نے اس واقعے کو بیان فرما دیا تو وہ بستی والے تمام دنیا میں ذلیل و رسوا ہو گئے۔ جس وقت حجاج یہ اعراب ونقاط لگا رہا تھا، اس وقت انطاکیہ کے لوگ آئے اور بہت بڑی رشوت کا لالچ دے کر کہا کہ ایک کام کر دو کہ...... **فابوا ان یضیفوهما** (انہوں نے ان دونوں کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا) کی جگہ **فاتوا ان یضیفوهما** (وہ بستی والے ان دونوں کی مہمان نوازی کیلیے تیار ہو گئے) کر دو۔ صرف دو نقطے لگا دو، اور کوئی رسم الخط نہ بدلو...... تو حجاج نے، جو بڑا ظالم تھا، کہا: ''جانتے ہو میں کون ہوں'' اور پھر کہا کہ ''اگر تم آسمان وزمین کے درمیان سونے سے بھر دو تو میں پھر بھی اسے نہ بدلوں گا۔''

حفاظت قرآن خدا نے ظالم سے بھی کروائی:

دیکھئے! خدا نے حفاظت قرآن ایک ظالم سے بھی کروائی کہ حجاج بہت بڑا ظالم تھا۔ اُس نے اقتدار کے حصول کے لیے ظلم کیا تھا۔ اس کے باوجود بھی تحریف پر تیار نہ ہوا، لیکن آج کا ظالم اقتدار کو حاصل کرنے والا ایک حرف کو بھی باقی رکھنے پر راضی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ ظالم ظالم میں فرق ہے۔

ارکان قرآن:

علامہ شاطبی نے لکھا ہے کہ قرآن کے تین ارکان ہیں:

اول: توافق باللغة العربية

ثانی: توافق برسم الخط

ثالث: تواتر بالا سناد

پہلا رکن تو واضح ہے۔ یعنی الفاظ قرآن کا عربی زبان میں ہونا، دوسرا رکن توافق رسم الخط ہے، لہٰذا مصحف عثمانی کا خط بھی متواتر النقول ہے۔ لہٰذا اگر یہ (رسم الخط) قرأت کا متحمل ہے تو قرآن ہے، ورنہ نہیں۔ اب قراء کا اختلاف مالک یوم الدین میں ہے کہ بغیر الالف عاصم اور کسائی پڑھتے ہیں، بالالف حفص پڑھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہاں ''ملک'' لکھیں گے۔ اس لفظ کو الف کے ساتھ یعنی ''مالک'' نہیں لکھا جائے گا۔ عربی زبان میں بسا اوقات الف حذف ہو جاتا ہے، لہٰذا یہاں ایک ہی لفظ ''مالک'' اور ''ملک'' دونوں کو مشتمل ہے۔

نیز جیسے وننشر رحمة اور وينشر رحمته بلا نقاط ایک ہی رسم الخط ہے اور وما يخدعون میں خ پر کھڑی زبر لگا دیں تو وما يخادعون پڑھا جائے گا جبکہ رسم الخط ایک ہے۔ اسی طرح يُكَذِّبُون اور يَكْذِبُون کا بھی ایک ہی رسم الخط ہے۔ تو ہر وہ حرف قرآن شمار کیا جائے گا جو عثمانی رسم الخط کے موافق ہو۔ لہٰذا جیسے شاذ روایت اعمش ہے۔

وما اوتيتم من العلم

کے بجائے وما اوتو کہا جائے تو یہ شاذ ہے، کیونکہ رسم الخط کے مخالف ہے۔

اور تیسرا رکن تواتر بالا سناد ہے۔ امام جزری نے شاطبیہ میں قرأت عشرہ کو ثابت کر دیا ہے۔

اور علامہ زمخشری (جو کہ مغربی ہیں) نے ابن عامر شامی کی ایک روایت متواترہ کا انکار کیا ہے، وہ یہ ہے:

(و كذالك زُيِّن لكثير من المشركين قتل او لادهم شركائِهم)

اس میں ابن عامر کہتا ہے کہ یہاں قتلُ او لادهم لشركائِهم ہے۔

یہاں قتل مضاف الی الشرکاء ہے۔ زمخشری نے کہا ہے عربی زبان میں فصل بین المضاف والمضاف الیہ جائز نہیں ہے، لہٰذا اس نے انکار کردیا۔

علامہ شاطبی نے بتلایا ہے کہ یہ جائز ہے اور عرب کے بہت سے قصائد نقل کر کے کہا کہ فصل بالاجنبی ناجائز ہے، لیکن یہاں فصل بالاجنبی نہیں ہے، لہٰذا جائز ہے..... تو یہ ارکان قرآن کا ذکر تھا۔

مسئلہ سبعہ احرف:

حدیث میں ہے انما انزل القرآن علی سبعة احرف . اس کی وضاحت کے لیے پہلے بخاری ومسلم کی روایت مدنظر رکھیے:

(عن عمر بن الخطابؓ قال سمعت هشام بن حكيم بن حزام يقراء سورة الفرقان فی حيات رسول الله صلی الله عليه وسلم فی الصلوٰة فاستمعت قرأته فاذ اهو يقراء علی حروف كثيرة لم يقراء نيها رسول الله صلی الله عليه وسلم فكدت اساوره فی الصلوٰة فتر بصت حتی سلم فلببته بردائه فقلت من اقرأك هذه السورة التی سمعتك تقراء فقال اقراء نيها رسول الله صلی الله عليه وسلم فقلت كذبت فانطلقت به اقوده الی رسول الله صلی الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله انی سمعت هذٰ يقراء سورة الفرقان علی حروف لم تقراء نيها فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم ارسله اقراء يا هشام فقراء عليه القراة التی سمعته يقراء۔ فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم كذا لك انزلت ثم قال رسول الله صلی الله عليه وسلم اقراء يا عمر۔ فقرات قرائتی التی اقراء نيها فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم كذالك انزلت ثم قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقراؤا ما تيسر منه "الحديث"

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے ہشام بن حکیم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سنا کہ وہ سورہ فرقان نماز میں پڑھ رہے تھے۔ جب میں نے ان کی قرأۃ غور سے سنی تو وہ بہت سے مقامات ایسی قرأۃ کے ساتھ پڑھ رہے تھے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پڑھتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ قریب تھا کہ میں اسے نماز ہی میں پکڑ لیتا، لیکن میں نے انتظار کیا۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے ان کو گریبان سے پکڑا اور پوچھا کہ یہ سورۃ تجھ کو اس قرأۃ کے ساتھ کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھ کو اس طرح رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ تو جھوٹ کہہ رہا ہے، لہٰذا اسے گھسیٹتا ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر کر دیا۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں نے اس شخص (ہشام) کو سنا کہ یہ سورۃ فرقان کے بعض مقامات کو ایسی قرأۃ کے ساتھ پڑھتا ہے جس کے ساتھ آپ نے مجھے نہیں پڑھایا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اسے چھوڑ دے اور (ہشام سے) فرمایا: پڑھ! حضرت ہشامؓ نے اسی نہج پر پڑھنا شروع کیا جیسا کہ میں نے انہیں سنا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا ہی نازل ہوا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ پڑھ اے عمر! تو میں نے اس قرأۃ کے ساتھ پڑھنا شروع کیا جس قرأۃ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو پڑھایا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح نازل ہوا ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علی وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک قرآن سات قرأتوں پر نازل کیا گیا ہے۔ تم اس قرأۃ کے ساتھ پڑھو جو تمہیں آسان معلوم ہو۔

القصہ حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف قرأتیں پڑھیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قرآن مجید سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔ پس جس کو تم آسان سمجھو پڑھو۔ علماء نے سبعۃ احرف کی تفسیر و توجیہ میں اختلاف کیا ہے۔

توجیہ اول:

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد حصر فی السبعۃ نہیں، بلکہ سات کا عدد مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
(ولا کثرۃ و للزیادۃ سبعین کما قال اللہ تعالیٰ ان تستغفر لھم سبعین مرۃً)
یہاں محض کثرت مراد ہے۔

توجیہ دوم:

بعض کے نزدیک السبع من المعانی یعنی سات معنی مراد ہیں۔ (۱) وعد (۲) وعید (۳) امر و نہی (۴) محکم و متشابہ (۵) حلال و حرام (۶) قصص (۷) امثال، لیکن یہ توجیہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ میں فرق ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہاں قرأت علی حروف کثیرۃ آیا ہے (یعنی مختلف قرأتوں کے ساتھ پڑھنا)

توجیہ سوم:

بعض کہتے ہیں کہ تلاوت کے طریقوں میں اختلاف ہے، جیسے ادغام، اظہار، امالہ، الف مدہ وقصر کہ حروف مقطعات میں امالہ بھی ہے اور الف بھی ہے۔ مثلاً مالک یوم الدین میں عاصم حفص کی روایت میں مالک ہے، کسائی کوفی بھی مالک پڑھتے ہیں، لیکن باقی ملک پڑھتے ہیں۔

توجیہ چہارم:

بعض کے نزدیک قرأت سبعہ (یعنی سات قرأتیں مراد ہیں) یعنی

(۱) نافع مدنی (۲) ابن کثیر (۳) ابو عمر مصری (۴) ابن عامر شامی (۵) عاصم کوفی (۶) حمزہ کوفی (۷) کسائی۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہی توجیہ صحیح ہے، لیکن اس کا میں جواب دیتا ہوں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لیے کہ قرأت سبعہ پر اجماع تو ہے، لیکن قرأت عشرہ بھی تو متواترہ ہیں۔ امام جزری نے **طیبة النشر فی القرات العشر** میں متواترہ کہا ہے۔ نیز یہی شاطبی نے قصیدہ میں بھی کہا ہے۔

قرأتیں ثابت ہیں۔ جمہور امت اس پر متفق ہیں، اگرچہ اجماع نہیں ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ قرأت سبعہ کے ہر قاری سے دو روایتیں منقول ہیں۔

مثلاً نافع مدنی سے ورش اور قالون، ابن کثیر سے بزی اور قنبل، ابو عامر سے دوری اور سوسی، ابن عامر شامی سے ہشام اور ابن زکوان، عاصم کوفی سے شعبہ اور حفص، حمزہ کوفی سے خلف اور خلاد، کسائی سے ابو الحارث اور دوری، لہٰذا یہ کل چودہ لازماً ہوگئے اور عشرہ کے باقی تین قراء کی بھی دو دو روایتیں ہیں تو کل بیس روایات ہوگئیں اور سب کی سب متواترہ ہیں، لہٰذا یہ توجیہ قابل قبول نہیں ہے۔

یاد رہے کہ یہ اختلاف قرأت ایسا اختلاف نہیں جیسا کہ ائمہ فقہا کا ہے۔ چونکہ فقہ ایک روایت میں منحصر ہے، جبکہ قرأت میں ہر راوی کی روایت، جبرائیل امین سے اسی طرح منقول ہے۔ ان روایات متواترہ کا انکار کرنا بھی کفر ہے، البتہ ہمارا مذہب حفص کا ہے۔

توجیہ خامس:

ابو عبید کے نزدیک سات لغات مراد ہیں، یہ لغات عرب کے مختلف قبائل کی ہیں۔ مثلاً قریش، بنو ہوازن بنو تمیم بنو ھذیل بنو طی اہل یمن وغیرہ۔

راجح:

راجح توجیہ خامس ہے کہ ابتداء میں سات لغات پر نازل کیا گیا پھر لغت قریش پر جمع کر لیا گیا۔ راجحیت کی دلیل کے طور پر مندرجہ ذیل احادیث مدنظر رکھیں۔

(عن عبدالله بن عباس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اقرانی جبرائيل على حرف فراجعته فلم ازل استزيده و يزيدني حتى انتهى الى سبعة احرف) (رواہ البخاری)

ورواه المسلم عن ابی بن كعب قال كنت في المسجد فدخل رجل يصلي فقراء قرائة انكرتها عليه۔ ثم دخل أخر فقرأ قرائة سوٰى قرائة صاحبه فانكرتها عليه فلما قضينا الصلوٰة دخلنا جميعاً على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت ان هذا قرأ قراء ة انكرتها عليه فدخل آخر فقراء قرائة سوٰى قراة صاحبه فامرهما رسول الله صلى الله عليه وسلم فقرأ فحسن النبی صلی الله عليه وسلم شانهما فسقط فی نفسی التكذيب (فی بيان الوحی) ولا اذا كنت في الجاهلية فلما رآني رسول الله صلى الله عليه وسلم ما قد غشيني ضرب فی صدری ففضت عرقاً و كانما انظر الى الله عزوجل فرقاً فقال صلى الله عليه وسلم يا أُبي ارسل الى ان اقرأ على حرف واحد فرددت اليه ان هَوِّن على امتي فرد الى الثانية ان اقراء ه على حرفين فرددت اَن هون على امتي فرد الى الله ان اقرائه على سبعة احرف ذالك بكل ردة رددتها مسئلة تسئلنيها فقلت اللهم اغفر لامتي اللهم اغفر لامتي و اخرت الثالثة ليوم يرغب الى الخلق كلهم حتى ابراهيم (ای عند الشفاعة الكبری) (الحدیث رواہ مسلم)

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک آدمی آیا اور نماز پڑھنے لگا۔ وہ قرآن کریم ایسی قرأة کے ساتھ پڑھ رہا تھا جو میں نے نہ سنی تھی۔ پھر دوسرا آیا تو اس نے ایک اور قرأة کے ساتھ قران پڑھا۔ جب ہم نے نماز مکمل کی تو ہم سب (تینوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے قرآن کریم کو ایسی قرأة کے ساتھ پڑھا جو میں نے نہیں سنی ہے اور اس دوسرے شخص نے ایک اور قرأة کے ساتھ پڑھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ جب انہوں نے پڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے پڑھنے کو صحیح اور اچھا قرار دے دیا۔ میرے دل میں جہالت کے زمانہ سے بھی زیادہ غلط وسوسے آنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے دیکھا کہ مجھ کو وسوسوں نے گھیر لیا ہے تو میرے سینے پر ہاتھ مارا جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ خوف کا یہ عالم تھا گویا کہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابی! میرے پاس حکم آیا تھا کہ قرآن کریم کو ایک لغت پر یا ایک قرأۃ پر پڑھوں تو میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری امت پر آسانی کا معاملہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوبارہ ارشاد ہوا کہ آپ قرآن کریم کو دو لغات یا دو قرأتوں کے مطابق پڑھ سکتے ہیں۔ میں نے پھر درخواست کی کہ اے اللہ میری امت پر آسانی کا معاملہ فرما (یعنی زیادہ قرأتوں پر پڑھنے کی اجازت مرحمت فرما) تو تیسری بار ارشاد ہوا کہ آپ قرآن کریم کو سات لغات یا قراتوں کے مطابق پڑھا کریں اور یہ بھی فرمایا گیا کہ جتنی مرتبہ ہم نے آپ کو حکم دیا ہے، اتنی ہی مرتبہ آپ ہم سے دعا مانگئے، ہم اسے قبول کریں گے۔ چنانچہ میں نے بارگاہ الٰہی میں دو مرتبہ یہ دعا کی کہ اے اللہ میری امت کی مغفرت فرما، اے اللہ میری امت کی مغفرت فرما اور تیسری دعا میں نے اس دن کیلیے رکھ چھوڑی جس دن مخلوق مجھ سے سفارش و شفاعت کی خواہش کرے گی، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی مجھ سے شفاعت کی خواہش کریں گے۔

لہٰذا اس حدیث مفصل سے بھی معلوم ہوا کہ سبعۃ احرف سے سات لغات ہی مراد ہیں، اور جمع عمرؓ و عثمانؓ میں تمام لغات پر قرآن مجید کو جمع کیا گیا تھا اور جمع عثمانؓ میں صرف لغت قریش پر جمع کیا گیا ہے جو اصل تھا، لہٰذا میرے نزدیک سبعۃ احرف سے سات لغات مراد لینا ہی بہتر توجیہ ہے۔

الفرق بین التفسیر و التاویل

فرق لغوی:

تفسیر فسر سے ماخوذ ہے۔ فسر کا معنی ہے **الکشف ما غطی** لہٰذا قرآن مجید کے معانی کا بیان تفسیر ہے، بلکہ ہر اس چیز کا بیان **ما یعرف به الشئی و معناه فهو تفسیر له.**

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے معانی بھی جس چیز سے کھولے جائیں اور پہچانے جائیں اسے تفسیر کہتے ہیں۔ تاویل ماخوذ ہے اول سے، باب **نصر ینصر مهموز الفاء** ہے اور **معتل العین** (یعنی اجوف) بھی جیسے قال یقول نصر ینصر سے۔ مثلاً کہا جاتا ہے **اولته فآل ای صرفته فانصرف** یعنی پھیر دینا۔ الغرض اس کے معنی ہیں **صرف الشئی الی الغاية** (کسی چیز کا غایت کی طرف لوٹا دینا)

اصطلاحی فرق یہ ہے کہ

(التفسیر ما یتوقف علی النقل المسموع)

یعنی تفسیر وہ ہوتی ہے جو کسی نقل مسموع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہوتی ہے۔

اور التاویل ما یتوقف علی الفهم الصحیح۔

یعنی تاویل فہم صحیح پر موقوف ہوتی ہے۔

مراد یہ ہے کہ اگر فہم صحیح کے ساتھ لغت عربیہ کے قواعد کے مطابق اور قرآن وسنت کے مطابق قرآن کریم کا اپنے فہم سے ایسا معنی کیا جائے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہ ہو تو وہ تاویل ہے۔

چنانچہ مفسرین نے تفاسیر بھی نقل کی ہیں اور تاویلات بھی۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کے لیے دعا فرمائی تھی:

اللّٰهم علمه الکتاب و فقهه فی الدین

ترجمہ: اے اللہ اسے کتاب کا علم عطا کر اور دین کی فہم عطا کر۔

ایک روایت میں ہے علمه التاویل یعنی اے اللہ! ابن عباس کو ایسا فہم عطاء فرما کہ وہ مطالب قرآن کو سمجھیں۔

معلوم ہوا کہ علمه التاویل و علمه الکتاب کی مراد ایک ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسم کی اس دعا کی برکت کی وجہ سے ابن عباسؓ کو حبر الامة کہا گیا ہے۔

التفسیر بالرائے:

ایک حدیث ترمذی نے بسند حسن نقل کی ہے۔ اس حدیث میں ہے:

(من قال فی القرآن برایه فلیتبوا مقعده من النار)

جس نے اپنی رائے سے قران کے مفہوم میں کچھ کہا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

اس حدیث میں شدید وعید ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی رائے سے اپنے فہم سے قرآن کے بارے میں کچھ کہنا جائز نہیں ہے اور یہ سبب ہے دخول نار کا۔ بظاہر اس حدیث میں تاویل کا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے معلوم ہوا کہ تاویل کہتے ہیں کہ فہم صحیح سے کسی معنی کو بیان کیا جائے جبکہ وہ نقل میں موجود نہ ہو، لہٰذا اس حدیث کو اگر ظاہر پر محمول کیا جائے تو تاویل کے راستے بند ہیں، لیکن یہی حدیث دوسرے الفاظ میں بھی منقول ہے۔ اس روایت میں ہے:

(من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبواء مقعده من النار) (الحدیث) (ترمذی)

اس روایت کو بھی امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک روایت میں برأیہ ہے اور ایک میں بغیر علم ہے۔ اسی طرح امام ابوداؤد نے سنن میں ایک روایت نقل کی ہے۔

(عن جندب بن عبدالله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قال فی القرأن برائیه فاصاب فقد اخطاء)

(جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور وہ صحیح تھا تو بھی غلط ہے) کیونکہ اُس نے علم کے بغیر رائے دی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ برائیہ سے مراد بغیر علم والی رائے ہے۔ چونکہ وہ جاہل ہوتا ہے اور کبھی جاہل کی بات صحیح بھی نکل آئے تو بھی اس کو غلط شمار کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے جناب صدیق اکبرؓ سے سورۃ عبس کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا گیا.... کہ ''وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا'' یہاں اَبًّا سے کیا مراد ہے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

(ای سماء تظلنی و ای ارض تقلنی اذا قلت فی کتاب الله بغیر علم)

(مجھ پر کون سا آسمان سایہ کرے گا اور کونسی زمین مجھ کو اٹھاتی پھرے گی، اگر میں اللہ کی کتاب سے متعلق کوئی بات بغیر علم کے کہہ دوں)

اسی طرح ایک روایت میں حضرت عمرؓ کے بارے میں ہے۔

(کان یخطب عمر و قرأ و فاکهة و ابا)

پھر فرمایا کہ میں فاکہتہ کو تو جانتا ہوں لیکن ابا کو نہیں جانتا۔ یہاں یہ مقصد نہیں کہ وہ اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ ابأ سے سبزی مراد ہے جو زمین اگاتی ہے، بلکہ یہاں کون سی سبزی مراد ہے، اس کے تعین کا علم نہ تھا۔ اس لیے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ابأ کی تفسیر سے سکوت فرمایا اور یہ تکلف نہیں کیا کہ لازماً اس کے معلوم کرنے کے درپے ہو جائیں۔

تفسیر بالرائے سے کیا مراد ہے؟

بہرحال علماء کرام نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ حدیث نهی عن القول فی القرآن برائیه سے مراد بغیر العلم ہے یا علم تو ہے، لیکن یہ رائے قرآن وسنت کے صریح احکام کے خلاف ہے۔ یعنی اس شخص کی اپنی مراد ہے، اس پر وہ قرآن کو منطبق کرتا ہے جیسے بدعتی، معتزلہ خوارج یا دوسرے فرق باطلہ کہ وہ لوگ قرآن کریم سے اپنی بدعت ومراد کے لیے حجت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ جس بیان کو قرآن کریم سے استنباط کر رہے ہیں، وہ قرآن کریم کے صریح احکام کے خلاف ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ اللہ کی مراد نہیں ہے، لیکن صرف مقابل کو شکست دینے کے لیے یا اپنی بدعت ومراد پر حجت قوی کرنے کے لیے یا لوگوں کو التباس میں ڈالنے کے لیے یا کسی بھی

مذموم غرض سے ایسا کرنا چاہتے ہیں تو یہ القول فی القرآن برائیہ ہے یہ ممنوع ہے اور اس کے لیے سخت اور شدید وعید ہے۔

اَقسام تفسیر بالرائے

معلوم ہوا کہ تفسیر بالرائے کی چند قسمیں ہیں چند درجۂ جواز میں ہیں اور چند ممنوع ہیں۔

اول:

من غیر علم، بالجہل ہے کہ عالم نہیں ہے، بلکہ جاہل ہے اور جہالت سے ہی قرآن کا کوئی مقصد بیان کرتا ہے۔اب یہ شخص اگر صحیح بھی بیان کردے تو بھی یہ داخل تحت النہی ہے او یہ بھی مذموم وممنوع ہے۔

دوم:

عالم ہے، لیکن اس کے باوجود اس کی غرض تفسیر سے برا کام ہے تو یہ بھی مذموم وممنوع ہے۔

سوم:

عالم ہے اور قرآن میں عقل وفہم سے بات کرتا ہے مثلاً قرآن کی ایک آیت مختلف معانی کی حامل ہے اور یہ اس میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتا ہے بالفہم......اور یہ وجہ قرآن وسنت کے خلاف بھی نہیں ہے اور نیت بھی بری نہیں ہے اور نہ ہی کسی مخاصمہ میں کسی مخالف کو اپنی مراد کے لیے شکست دینا چاہتا ہے تو یہ وعید میں داخل نہیں ہے، بلکہ جائز ہے اور علماء نے ہمیشہ اسی طرح کیا ہے۔

تفسیر بالرائے بطریق المخصوص جائز ہے

تفسیر بالرائے کی یہ تیسری قسم جائز ہے، چنانچہ صحابہؓ نے اس طریق پر تفاسیر کی ہیں۔ پھر ان تفاسیر میں صحابہؓ کے درمیان اختلاف بھی ہوا ہے۔ان تفاسیر کے بارے میں کوئی بھی نقل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے، ورنہ مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا اور کسی تفسیر کی ضرورت نہ رہتی۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں اعیان صحابہؓ کی ایک مجلس بنائی ان میں عبداللہ بن عباسؓ کی نامزدگی پر اعتراض کیا گیا اور کہا گیا کہ ہمارے بھی بیٹے ہیں، مگر عبداللہ ابن عباس کے لیے یہ اہمیت کیوں؟

یاد رہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی عمر حضور اکرم صلی اللہ علی وسلم کے وصال کے وقت چودہ برس تھی، اگر خلافت

صدیقی کا زمانہ بھی شامل کرلیں تو اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ برس تھی۔ سترہ برس کا لڑکا اکابر صحابہؓ کی مجلس میں بیٹھ کر رائے دے، یہ معیوب سمجھا گیا اور کہا گیا کہ اس طرح تو اور بھی لڑکے ہیں۔

اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کا امتحان لیا اور سب سے کہا کہ تم یہ بتلاؤ کہ سورۃ النصر سے تم کیا سمجھتے ہو کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ (الخ) (سورۂ نصر پ ۳۰)

تمام صحابہ کرامؓ نے اس کے ظاہر کے مطابق مفہوم بتلایا کہ جب فتح ہونے لگے اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو حکم نازل ہوا آپ حمد و استغفار کیا کریں، لیکن جب ابن عباسؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ فیہ اجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا پیغام ہے)

تمام صحابہؓ انگشت بدنداں رہ گئے۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سورت میں کہا گیا ہے کہ جب لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو لوگ مائل فی الاسلام ہوں گے آپ تحمید و استغفار کریں، حالانکہ حکم تو یہ ملنا چاہیے تھا کہ احکام سمجھائیں۔ جبکہ تسبیح و تحمید رسول کا وظیفہ نہیں۔ یہ رسالت کا اصول ہے۔ اس کا ایک مشن ہے، لیکن اس وقت مشن سے ہٹ کر حکم آیا۔ معلوم ہوا کہ اب احکام پہنچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دین کامل ہو گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہو گیا کہ مقصد بعثت پورا ہو گیا ہے، لہٰذا آپؐ کی موجودگی کی ضرورت نہیں تو، اشارہ اجل تھا۔

اس کے بعد تمام صحابہ پر ابن عباس کی برتری واضح ہو گئی۔ سورۃ نصر کے متعلق یہ بات منقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھی، بلکہ ابن عباسؓ نے اپنی رائے سے یہ مفہوم بیان فرمایا تھا۔ اس طریقے پر رائے دینے کو قابل تحسین شمار کیا گیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ایسا کوئی شخص جو علم کے ساتھ قرآن سے ایسی بات مستنبط کرتا ہے جو قرآن حدیث کے خلاف نہیں ہے، تو ایسے فوائد و لطائف و نکات کو مستنبط کرنا جائز ہے۔

جاہل کی صحیح تفسیر بھی غلط ہے

اگر جاہل تفسیر کرے تو بالفرض وہ صحیح بھی ہو تو بھی غلط شمار کی جائے گی۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کو عادت ہو جائے گی کہ وہ غلط دروازے سے داخل ہوتا رہے گا۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ کمن حکم بین الناس وھو جاھل کہ ایک آدمی لوگوں میں بغیر علم کے فیصلہ کرتا ہے تو اس کا صحیح فیصلہ بھی جرم ہے۔ اس لیے کہ اس نے غلط راستے سے فیصلہ کیا۔ اس نے حکم بین الناس کا حق غلط استعمال کیا، لہٰذا وہ مجرم ہے، اسی طرح اگر ایک شخص وکالت کرتا ہے اور فی الواقع وکیل نہیں ہے، اب اگر اس نے اچھی وکالت بھی کر لی، لیکن بعد میں عدالت کو علم ہو جائے کہ یہ وکیل نہیں ہے تو وہ اس کو مجرم شمار کرے گی۔

اسی طرح اگر ایک شخص قرآن کریم میں بات کرے جب کہ وہ عالم نہ ہو تو اس کو یہ حق نہ ہوگا، وہ وعید کے ذیل

میں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں حد قذف کا ذکر آیا ہے۔ کوئی شخص کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو زنا کرتے ہوئے دیکھا اور قاضی کے پاس اس کی شہادت ہوگئی، لیکن مزید تین آدمیوں کی شہادت ثبوت زنا کیلیے ضروری ہے۔ چونکہ یہ شخص اکیلا شہادت دے رہا ہے، لہٰذا اسے ۸۰ کوڑے لگیں گے، گرچہ وہ نفس الامر میں درست کہتا ہو۔ واقعہ درست ہو، جھوٹ نہ ہو، لیکن وہ نصاب شہادت پورا نہ کرسکا تو اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔ سچ بولنے کی وجہ سے کہ صحیح بھی کہا، لیکن پھر بھی خطاء ہے کہ اس کو ایسی بات کی خبر دینے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ فرمایا فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (النور/۱۳)

پس جب نہیں لائے وہ گواہ تو وہی لوگ اللہ کے ہاں جھوٹے ہیں۔ یعنی

(و ان کانو فی نفس الامر من الصادقین ولکنهم اخبروا بمالا یحل لهم الاخبار به)

اگر چہ وہ (ناقص شہادت دینے والے) لوگ حقیقت میں سچے ہوں، لیکن انہوں نے ایسی بات کی خبر دی جس کی خبر دینا ان کیلیے حلال نہ تھا۔ گویا یہاں ایک سچ بولنے والے کی خبر بھی اصول شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے کہ اس کو ایسی خبر دینے کا حق نہ تھا۔ گویا جو ناحق خبر دے تو صحیح بھی غلط ہے۔ صادق ہے تب بھی عنداللہ کاذب ہے۔ اسی طرح (من فسر القرآن برایه من دون علم فهو مخطئ و ان اصاب لانّهٗ لاحق له فی التفسیر)

یعنی جو شخص قرآن کریم کی تفسیر بغیر علم کے اپنی رائے سے کرے، وہ غلطی پر ہے۔ اگر چہ اس نے واقعہ میں بات صحیح کہی ہو۔ اس لیے کہ اس کو تفسیر کرنے کا حق نہیں ہے۔ بہر حال تفسیر بالرائے کو سمجھانے کیلیے حد قذف کی مثال دی جاسکتی ہے۔

علوم القرآن:

اس بارے میں ان علوم کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن کو قرآن کریم میں بالتنصیص اور بالتصریح بیان کیا گیا ہو، لہٰذا قرآن کریم میں صراحتہً منطوقاً پانچ علوم ذکر کیے گئے ہیں۔

اولہ علم الاحکام ، من الواجب و المندوب و المباح و المکروہ و الحرام یہ احکام خمسہ (پانچ) ہیں یا ستہ (چھ) ہیں، اگر مکروہ کو تنزیہی و تحریمی میں تقسیم کیا جائے۔ یہ احکامات عبادات میں بھی ہیں۔ کما هو المشهور۔ اوران کا تعلق معاملات سے بھی ہے۔ کماذکر احل الله البیع و حرم الربوا۔

اوران کا تعلق تدبیر المنزل سے بھی ہے جیسے باپ بیٹے کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق کہ بیوی کے لیے بغیر اجازت زوج باہر نکلنا حرام ہے اوران کا تعلق سیاست مدنیہ سے بھی ہے کہ اجتماعی زندگی میں بھی حلال وحرام ہیں۔ فرمایا (و من لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الکافرون) اور پھر عام لوگوں کے نزاعات کے بارے

میں بھی ہے(فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ)(الآیہ)(النساء/٦٥)

اتنی سخت وعیدوں سے معلوم ہوا کہ تحکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے۔

الغرض ان احکام کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی سے بھی ہے، منزل (گھر) کی زندگی سے بھی ہے اور مکمل اجتماع اور نظام زندگی سے بھی تعلق ہے۔

اس علم کو فقہاء کے سپرد کردیا گیا ہے۔(**هذا العلم منوط بذمة الفقيه**)

اور فقہاء ہی اس بارے میں بحث کرتے ہیں۔

ثانی:(**علم المخاصمة و علم الردعلى الفرق الضالة**)

گمراہ فرقوں کو رد کرنا اور ان سے مناظرہ کرنا۔

فرق ضالہ کل چار ہیں(جن کا ذکر تفصیلاً عنقریب کیا جائے گا)

(١)یہود(٢)نصاریٰ(٣)مشرکین(٤)منافقین۔

قرآن مجید میں ان چاروں فرقوں کی صراحتہً تردید موجود ہے اور اس علم کو متکلمین کے سپرد کیا گیا ہے کہ(**المتكلم يبحث من علم المخاصمة**)

چنانچہ تمام فرق باطلہ کی تردید اور ان کے عقائد کی تردید کا کام علم کلام میں ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ معتزلہ، خوارج، کرامیہ، جبریہ، قدریہ، لاادریہ، مرجئہ اور روافض ان تمام کی تردید ورد متکلم کے ذمہ ہے اور یہ بھی ذہن نشین رکھیئے کہ یہ تمام فرق باطلہ دراصل ان چاروں ہی سے نکلے ہیں اور نئے نئے نام رکھتے ہیں۔

اس لیے یہ بات سب سے زیادہ ضروری ہے کہ متکلمین علم کلام کے نئے نئے مسائل کے رد کرنے میں جدید کتابیں لکھیں جیسے فرق قادیانیہ، لاہوریہ وغیرہ پر دلائل سے رد کریں اور تمام نئے فرقوں کی واضح طور پر تردید کریں۔

ثالث: **علم التذكير بآلآء الله**o

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذریعہ نصیحت حاصل کرنا۔

اس علم کے ضمن میں قرآن مجید نے یہ بتلایا کہ اللہ کی نعمتیں کتنی ہیں اور ان کی یاددہانی کرائی ہے یعنی (**خلق السماء و الارض و تعليم العباد ما ينبغي له**) اور حواس خمسہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ، عقل، لیل ونہار فلک ونجوم شمس وقمر اور پھر ان نعمتوں کے اصول بتلائے۔ان اصول کے ضمن میں تحمید وتسبیح کا ذکر کیا گیا اور پھر اللہ کی صفات کا ذکر کیا گیا اور بتلایا گیا کہ یہ بھی آپ کے لیے نعمتیں ہیں۔

رابع: **تذكير بايام الله**o

اس علم کی حد میں اللہ تعالے نے عبرت انگیز وقائع بتلائے۔ سابقہ امتوں کے حالات بتلائے جس میں اطاعت کرنے والوں کو نعمتوں سے نوازا اور مجرمین پر قہر نازل کیا جیسے قوم لوط، قوم ہود وغیرہ۔

ان حالات کا ذکر کرنے کا مقصد محض قصہ گوئی نہیں، بلکہ بتلانا ہے کہ دیکھو تمہارے لیے بھی یہی اصول ہیں۔ تمہارا حال بھی یہی ہوگا کہ اگر اطاعت کروگے تو ثواب ملے گا اور اگر خباثت کروگے تو عذاب ملے گا۔

خامس: علم التذکیر بالموت و مابعده ٥

اس علم کے ضمن میں قرآن کریم نے موت اور مابعد الموت کی تفصیلات بتائیں۔ جیسے بوقت موت قبض روح ،منکر نکیر، قبر وغیرہ اورما بعد الموت من الحشر و النشر و الحساب و المیزان و الجنت و النار۔

ان تمام چیزوں کا باہمی تعلق اور مقصد بھی یہی ہے کہ دیکھو تمہارا مستقبل یہ ہے، تم اس مستقبل کے استقبال کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دوام اور ہمیشگی تم میں سے کسی کے لیے نہیں ہے۔ اللہ کی طرف تم سب کو لوٹ جانا ہے۔ جہاں پر اعمال ماضیہ پر جزا و سزا وصول کروگے۔ خیال رہے کہ یہ آخری تین علوم (تذکیر بالآء اللہ، تذکیر بایام اللہ، تذکیر بالموت) مذکر اور واعظ کا وظیفہ ہیں اور ان علوم میں واعظ احادیث اور آثار صحابہ سے تفصیلات بھی شامل کرتا ہے تاکہ اس کو اور زیادہ موثر بنایا جائے۔

ان علوم قرآنیہ کو کس طریقہ پر بیان کیا گیا ہے

قرآن کریم نے ان علوم کو قدمائے عرب کے طریق پر بیان کیا ہے، متاخرین کے طریق پر نہیں۔ چنانچہ متاخرین ایک بات کو منقح کر کے پیش کرتے ہیں، غیر ضروری قیودات نہیں لگاتے۔ قیودات کاشفہ (بات کھولنے والے) ہوتے ہیں۔ الغرض قیودات دو قسم پر ہیں (۱) قیود واقعی (۲) قیود احترازی۔

متاخرین قیود واقعیہ کو بیان نہیں کرتے اس سے اشتباہ ہو جاتا ہے، لیکن قدمائے عرب میں یہ بات نہیں ہوتی تھی۔ لہٰذا قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر ایسے قیود لگائے گئے ہیں جو کہ قیود واقعیہ ہیں، احترازیہ نہیں اور قیود واقعیہ وضاحت وکشف کے لیے لگائے جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ مفہوم مخالف کا اعتبار کیوں نہیں کرتے

اسی لیے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نصوص میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہا کہ ایسے قیود جو وضاحت کے لیے لگائے گئے ہیں ان کا حکم اس قید کے ساتھ معلق نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن وسنت میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔

اس کے باوجود فقہاء نے لکھا ہے روایات فقہاء میں قیودات احترازیہ موجود ہوتی ہیں، لہٰذا وہاں مفہوم مخالف معتبر ہوگا۔ الغرض فقہی مسائل متاخرین کے طریقہ منقح کے مطابق بیان کیے جاتے ہیں، لیکن قرآن کا طرز قدمائے عرب کی نہج پر ہے۔

قرآن کریم میں ذکر علم مخاصمہ بدلیل خطابی ہے، برہانی نہیں

علم مخاصمہ میں رد علی الفرق الضالہ سے متعلق جو آیات ہیں ان میں جو مقدمات رد کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں وہ مشہورات مسلمہ اور خطابیات نافعہ ہوتے ہیں اور انہی کے ذریعے خصم کو الزام دیا جاتا ہے تو یہ بدلیل برہانی نہیں، بلکہ خطابی ہے۔

الغرض علم مخاصمہ میں الزام الخصم بدلیل الخطابی ہے۔ منطقیین کی شکل اول قائم نہیں کی جاتی یعنی شکل اول کہ جس میں حد اوسط محمول فی الصغری وموضوع فی الکبری ہو نیز یہ دو قضیے اس طریق سے ہوں کہ شرط انتاج شکل اول ایجاب الصغری وکلیۃ الکبری بھی موجود ہو ایسا نہیں ہوتا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں الزام الخصم بدلیل البرہانی نہیں، بلکہ بدلیل الخطابی ہے۔

اگر کوئی شخص قرآن کریم کے ان مقدمات کا استنباط بصورت اشکال مناطقہ کر کے منطبق کرے، پھر ان بنیادوں پر ایسے قضیے بنائے جو منطقیین کے اصول کے موافق ہوں تو یہ ہو تو سکتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کا خطاب پوری انسانیت کے ساتھ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث الی الاحمر والاسود والی الانس والی الجن یعنی سفید وسیاہ اور جن وانس سبھی کی طرف مبعوث تھے۔

کسی حکیم نے کہا انسان تین چیزوں سے سیراب نہیں ہوتا۔ (۱) حیات، زندگی (۲) عافیت، راحت اور امن وامان (۳) مال ودولت۔ مزید فرمایا انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی جان کو چار قسم کی ہلاکتوں، غارتوں اور بربادیوں سے بچائے۔ ملک الموت کی غارت سے جو روح پر ہونے والی ہے، وارثوں کی جو ملکیت پر ہوگی، قبر میں کیڑوں کی غارت سے اور دشمنوں کی جو قیامت میں نیکیوں پر رونما ہوگی۔ (کتاب مفید العلوم ومبید العموم)

لوگ بادشاہوں کے دین پر

لوگ بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک بن مروان کو عمارات بنانے کا شوق تھا۔ اس کے زمانہ میں لوگوں کی بھی یہی حالت تھی کہ وہ محلات اور بلڈنگوں ہی کی تعمیر میں اپنی ہمتیں صرف کرتے تھے۔ جب خلافت اس کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کو ملی تو وہ کثرتِ خوراک یعنی مختلف

انواع واقسام کے کھانوں میں ہی منہمک رہتا تھا۔اس کی رعیت کا بھی یہی حال تھا کہ وہ قسم قسم کے کھانوں اور لذیذ ترین اشیاء کے کھانے پکانے میں مشغول رہتی۔ پھر جب خلافت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ملی، آپ نے اپنی کوشش اقامت دین، عدل وانصاف اور عبادات میں صرف کی تو لوگوں کی حالت میں بھی انقلاب رونما ہو گیا اور وہ بھی عبادات اور کثرت خیرات وصدقات میں مشغول رہنے لگے۔ خلاصہ یہ کہ خلیفہ کے ساتھ امت کی صلاح وفساد کا مدار ہے۔ اگر خلیفہ عادل وصالح اور پاک نفس ہو تو رعایا کی بھی یہی حالت ہوتی ہے اور بادشاہ کے ظالم وجابر وفاسق وفاجر ہونے کی صورت میں رعیت بھی اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتی ہے۔ (الیواقیت العصریہ ص ۳۴۰)

حکمت وقدرت خداوندی

خداوند تعالی کی قدرت وحکمت کی کرشمہ سازیاں دیکھئے کہ بعض خاندانوں کے ابتدائی وآخری بادشاہ ایک ہی نام کے ہوئے اور اس میں بھی حکمت وقدرت خدا کارفرما ہے کیونکہ عالم کا کوئی ذرہ ایسا نہیں جو حکمت وقدرت خداوندی پر مشتمل نہ ہو۔

۱- اُمیہ میں پہلے خلیفہ حضرت معاویہؓ ہیں اور آخری معاویہ بن یزید...... خاندان بنی الحکم کا پہلا خلیفہ مروان بن حکم ہے اور آخری مروان بن محمد اور اس کے ساتھ ہی دولت بنی امیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

خاندان عباسی کا پہلا خلیفہ عبداللہ السفاح ہے جس کی بیعت خلافت ۱۳۲ھ میں ہوئی اور آخری عبداللہ المستقیم ہوا۔

ملوک احمر کا پہلا بادشاہ محمد بن یوسف اور آخری محمد بن سعد۔ بنی مرین کا پہلا بادشاہ عبدالحق ہے اور عبدالحق نامی ہی آخری خلیفہ ہوا۔ (الیواقیت العصریہ ص ۳۵۰)

عوام منطقی دلائل نہیں چاہتے بلکہ خطابی دلائل سے مانتے ہیں

قرآن مجید کا خطاب پوری انسانیت سے ہے اور اس کا مخاطب عام ہے اور عوام منطقی دلائل سے نہیں مانتے اور نہ ہی یہ منطقی دلائل چاہتے ہیں، بلکہ عوام خطابی دلائل مانگتے ہیں اور انہیں کو مانتے ہیں۔

قرآن میں ابواب وفصول نہیں ہیں

اسی طرح عام مصنفین یہ کرتے ہیں کہ جب ایک مطلب سے دوسرے مطلب کی طرف انتقال ہوتا ہے، وہاں کتاب کو ابواب وفصول پر تقسیم کر کے مرتب کیا جاتا ہے جیسے ابواب الطہارۃ، ابواب الصلوٰۃ یا کتاب الزکوٰۃ،

کتاب الحج وغیرہ اور اس باب یا فصل میں کسی دوسری قسم کے مسائل کا ذکر نہیں ہوتا۔

قرآن کریم میں یہ طریقہ نہیں ہے کہ ایک سورت یا ایک رکوع میں ایک ہی قسم کے مسائل کا ذکر ہو بلکہ ایک ہی سورت میں مختلف احکام ہیں اور جگہ جگہ مختلف مسائل کا ذکر ایک ہی رکوع میں کیا گیا ہے۔

چونکہ آپ کے ذہن میں موجودہ مصنفین کی کتابوں کا تصور ہے۔ اس لیے آپ کو عادت ہے ابواب تلاش کرنے کی، لیکن قرآن کریم میں ابواب تلاش کریں گے تو یہ نہ ملیں گے۔

اگرچہ بعض علماء نے تکلف کر کے ربط آیات و ربط سورۃ پر بہت کچھ لکھا ہے، لیکن ان کا یہ کام ایک تکلف محض ہے۔ فی الحقیقت قرآن ان کا پابند نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ قرآن عام لوگوں سے بات کرتا ہے اس کا تعلق اس دیہاتی سے بھی ہے جس نے الف یا ب نہیں پڑھی۔ اگر ابواب وفصول ہوتے تو وہ کس طرح سمجھتے۔

قرآن میں بیان کردہ قمری ماہ وسال عوام کے لیے بہت آسان ہیں

قرآن کریم میں جن مہینوں کا تذکرہ ہے وہ اسلامی مہینوں ہی کا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اسلام میں قمری ماہ و سال ہیں۔ اسی وجہ سے فرمایا۔

(يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ)(الآیہ) (البقرہ/۱۸۹)

دوسرے لوگ شمسی ماہ وسال استعمال کرتے ہیں، لیکن ان کے ماہ وسال سمجھنے کے لیے خواص کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ مشہور ہے کہ قمری ماہ کا پتا نہیں چلتا۔ یہ تو بے وقوفی ہے۔ ورنہ شمسی سال میں کیا علامت ہے کہ ایک دیہاتی بھی اندازہ لگالے کہ آج جنوری کی پہلی تاریخ ہے۔

قمری ماہ میں واضح علامت چاند کی ہے کہ ایک دیہاتی اور پہاڑی کی چوٹی پر رہنے والا، جنگل اور بیابان میں رہنے والا، صحراؤں کے دامن میں رہنے والا یہ معلوم کرلے کہ آج چاند کی کیا تاریخ ہے اور اس علامت ماہ وسال کو عالم فضا میں رکھا گیا کہ کرہ ارض پر کوئی شخص اس قدرتی کیلنڈر سے شاکی نہ رہے اور ہر آدمی اس کو دیکھ کر تاریخ معلوم کر سکے۔

حرکت شمسی سے سال بنانا جعلی ہے

یہ بھی واضح کردینا چاہتا ہوں کہ بارہ ماہ پر شمسی سال کی تقسیم جعلی ہے۔ دراصل شمس اپنی ایک دائرہ کی حرکت ایک سال میں مکمل کرتا ہے اور قمر ہر ماہ دائرہ پورا کرتا ہے۔ مثلاً شمس اگر آج حمل میں ہے تو دوبارہ پورے سال بعد حمل میں آئے گا۔ اس کو لوگوں نے بارہ پر تقسیم کردیا ہے لیکن قمر ہر ماہ کو حرکت ذاتی سے براہ راست ثابت کرتا ہے

اور ایک ماہ کی قمری حرکت بالکل واضح ہے۔ اب دیکھئے کہ حرکت شمس ایک دائرہ میں تین سو پینسٹھ دن چھ گھنٹے ہوتی ہے۔ اب ۳۶۵ دنوں کو تو ۳۱، ۳۰، ۲۸ کے مہینوں میں تقسیم کر دیا ہے، لیکن ۶ گھنٹے ہر سال باقی رہ جاتے ہیں۔ اب ۴ سال بعد چوبیس گھنٹے بچ گئے، لہٰذا انہوں نے کہا کہ چار سال بعد فروری کا مہینہ ۲۸ دن کی بجائے ۲۹ دن کا ہوگا اور اس میں بچت شامل کر لی۔ یہ تو بالکل جعلی ہے، اسلام ہمیشہ اس بات کی تائید کرتا ہے جس کا تعلق عوام سے ہو، کیونکہ قرآن کا تعلق عوام سے ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے قمری مہینہ کو ترجیح دی ہے۔

کیا شان نزول کا بیان کرنا ضروری ہے

عام طور پر لوگ تفسیر میں سبب نزول (شان نزول) کو بھی بیان کرتے ہیں تو وہ ایک قصہ نزول بھی پیش کرتے ہیں کہ یہ شان نزول ہے۔

یہ بھی مشکل مسئلہ ہے۔ دراصل قصص سبب نزول قرآن نہیں ہیں، بلکہ اصلاح نفوس بشریہ سبب ہے اور رد عقائد باطلہ مقصود ہے۔ بالخصوص آیات مخاصمہ کا سبب نزول الرد علی العقائد الباطلہ ہے، کیونکہ پہلے عقائد باطلہ موجود تھے۔ پھر ان کا رد نازل ہوا تو یہی عقائد باطلہ ان کا سبب نزول ہوں گے اور اگر یہ عقائد باطلہ نہ ہوتے تو یہ آیات کیوں کر نازل ہوتیں۔ اسی طرح مظالم موجود ہیں تو وجود مظالم فی المکلفین یہ سبب ہے نزول آیات التذکیر کا اور اسی وجہ سے تذکیر بالموت ومابعد الموت وتذکیر آلاء اللہ کا ذکر کیا ہے۔

قصص کے بیان کو سبب نزول کے بیان کرنے میں کوئی دخل نہیں

بیانِ قصص کو اسبابِ نزول کے بیان میں کوئی زیادہ دخل نہیں ہے، البتہ بعض آیات ایسی ہیں کہ خود آیت میں کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا تھا یا پہلے تو جب تک سامع کے سامنے اس واقعہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر نہ ہو تو یکون السامع بالانتظار یعنی سننے والا اس کا منتظر ہوگا کہ متکلم قصہ کی تفصیل ذکر کرے تو ایسی صورت میں واقعہ بیان کر دیا جاتا ہے۔

جیسے قرآن مجید میں آیا۔

(اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ) (آل عمران ۱۷۳)

شان نزول کیا ہے؟

اب یہاں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا سامع منتظر ہے کہ قصہ کیا تھا۔ طبیعت مطمئن نہیں ہوتی تو اس

کے بیان کرنے کو شان نزول کہتے ہیں، لہٰذا اس آیت کی شان نزول یہ ہوئی کہ ابوسفیان کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ہوا تھا کہ فلاں دن اگلے سال بدر میں اکٹھے ہوں گے۔ جب وقت آیا تو مخالفین نے غلط خبر اڑا دی کہ بدر میں تو بہت سارے لوگ جمع ہیں۔ یہ اس لیے تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں نہ جائیں اور وعدہ خلافی کا الزام (نعوذ باللہ) آپ پر آ جائے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ نہ جانا چاہیے، لیکن حضور صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا کہ میں اکیلا بھی جاؤں گا اور پھر جب آپؐ وہاں پہنچے تو کفار میں سے کوئی بھی نہ تھا۔

تفصیل فرق اربعہ اور طریقۂ تردید

قرآن مجید میں مخاصمہ کی آیات کا تعلق فرق اربعہ کے ساتھ ہے۔ یعنی یہود، نصاریٰ، منافقین، مشرکین۔

اقسام مخاصمہ

اوران کے ساتھ مخاصمہ کی دو قسمیں ہیں:

اول: اس عقیدہ باطلہ کا ذکر کیا جائے اور بعدہ اس کی قباحت وشناعت صراحۃً بتلائی جائے اور پھر اس پر انکار کا بھی ذکر ہو۔

دوم: فرق باطلہ کے شبہات یعنی ایسے شبہات جو کہ المتشکلہ بشکل الدلائل ہوں (یعنی محض ہٹ دھرمی نہ ہوں) ان کو پہلے ذکر کیا جائے۔ پھر ان شبہات کو دور کرنے کیلیے قرآن خود دلائل دیتا ہے، باالفاظ دیگر دلائل کی دلائل سے تردید کی جاتی ہے۔

فرقۂ اولیٰ، مشرکین

مشرکین اپنے آپ کو حنفاء کہتے تھے، وہ ملت ابراہیمیہ کے اتباع کے مدعی تھے۔

حنیف کہتے ہیں (واتبع ملة ابراهيم حنيفا) کے مصداق پر دین ابراہیمی کا متبع ہو۔ دین ابراہیمی کی چند ایک خصوصیات تھیں۔ مثلاً حج بیت اللہ، استقبال بیت اللہ فی الصلوٰۃ، غسل جنابت، ختنہ کرانا جیسا کہ مشرکین مکہ ختنہ کراتے تھے۔ چنانچہ جب ہرقل کے پاس یہ اطلاع پہنچی کہ ایک خاتن قوم اس کو مغلوب کرے گی۔ اُس نے علم نجوم سے معلوم کیا تھا۔ اس نے لوگوں سے پوچھامن یختتن۔ چونکہ ہرقل نصرانی تھا، لہٰذا وہ جانتا تھا کہ نصاریٰ ختنہ نہیں کراتے۔ بہرحال لوگوں نے جواب دیا کہ قریش مکہ۔ (یاد رہے کہ قریش مکہ مسلمان نہ تھے اور جواب دینے والے حضرت ابوسفیان اس وقت خود بھی مسلمان نہ تھے، بلکہ مشرکین میں سے تھے)

ان کی خصوصیات میں سے یہ بھی تھا کہ تعظیم بیت اللہ بھی مشرکین کرتے تھے۔ نیز تحریم الاشھر الحرم بالقتال و الذبح فی الحلق والنحر فی اللبة اور محرمات نسبی ورضاعی کا بھی انکار نہ کرتے تھے۔

ان امور کی وجہ سے مشرکین مکہ سمجھتے تھے کہ وہ دین ابراہیمی پر ہیں، حالانکہ انہوں نے نماز وغیرہ کو چھوڑ دیا تھا۔ صوم من طلوع الفجر الی الغروب کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ صدقہ علی الیتامی، اعانت علیٰ نوائب الحق، حادثات میں مدد کرنا ان سب چیزوں کو چھوڑ دیا تھا۔

کیا یہ سب چیزیں دین ابراہیمی میں تھیں اوران پر مشرکین عمل نہ کرتے تھے؟ میں اس کی دلیل میں روایت وحی کو ذکر کرتا ہوں کہ جب آپؐ غار حرا سے تشریف لائے تو آپؐ نے فرمایا:

زملو نی زملو نی فز ملوہ حتی ذھب عنہ الروع فقال لخدیجة و اخبر ھا الخبر

مجھے کمبل اڑھاؤ مجھے کمبل اڑھاؤ تو انہوں نے آپ پر کمبل ڈالا۔ یہاں تک کہ آپ کا خوف و ہراس جاتا رہا تب آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو سارا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ اس واقعہ سے تو مجھ کو اپنی جان کا ڈر ہوا۔

حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا:

کلا واللہ لا یخزیك اللہ ابداً انك لتصل الرحم و تقری الضیف و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تعین علی نوائب الحق○ (الحدیث)(بخاری)

ہرگز نہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی نامراد نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں اور مہمان کی تواضع ومدارت کرتے ہیں اور بے سہارا لوگوں کیلیے سہارا بنتے ہیں اور کما کر غریب ونادار لوگوں پر خرچ کرتے ہیں اور حقیقی حادثات ومصائب میں لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔

ابھی تو وحی کا آغاز ہوا تھا اور ایسے احکام ابھی نازل نہ ہوئے تھے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ تمام باتیں دین ابراہیمی کی تھیں اور بخاری کی ایک اور روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ مشرکین سے تنگ آ کر مکہ سے باہر جا رہے تھے کہ ان کو ایک سردار ابن دغنہ مل گیا۔ اس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہاں تو دین کی کوئی بات بھی نہیں کرنے دیتا۔

تو ابن دغنہ نے کہا:

مثلك لا یخرج انك لتصل الرحم و تحمل الکل و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق۔ (بخاری)

ابن دغنہ نے حضرت ابوبکرؓ کی وہی صفات بیان کیں جو حضرت خدیجہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمائی تھیں۔

پس معلوم ہوا کہ دین ابراہیمی کی چند ایک باتیں بقایا تھیں۔ ورنہ وہ ان کا مداح کیسے ہوتا۔ یہ سب دین ابراہیمی کے شعائر تھے، لیکن مشرکین مکہ نے ملت ابراہیمی کا اتباع ترک کر دیا تھا۔ اسی طرح چوری و زنا حرام تھا، لیکن قریش مکہ اس پر عمل نہ کرتے تھے۔

مشرکین مکہ اللہ کو مدبر اعظم اور خالق مانتے تھے

اسی طرح ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ خالق ارض وسماء اللہ ہے اور مدبر اعظم اللہ ہے اور یہ بھی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول بھیجتا ہے اور ملائکہ عباد اللہ المقربون ہیں۔

مشرکین مکہ نے بتوں کو محدود اختیارات دیئے تھے

مشرکین مکہ نے ان باتوں کو تبدیل کر دیا تھا اور شبہات پیدا کر کے مشرک بن گئے کہ باقی امور میں بتوں سے سوال کرتے تھے، لیکن یہ یقین نہ تھا کہ بت خالق ارض وسماء ہیں۔ شفائے مرض کا تعلق بتوں سے کر دیا۔ رزق کا دینا بھی بتوں سے منسلک کر دیا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ ان بتوں کو خالق نہیں مانتے تھے اور تدبیری امور میں بھی شریک نہ کرتے تھے۔ یہ بھی یقین تھا کہ اللہ جب فیصلہ کرتا ہے تو بتوں کے اختیارات ختم ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بتوں کے اختیارات محدود تھے۔

یہ مشرکین مکہ صفات العباد کو اللہ کے ساتھ اور صفات اللہ کو عباد کے ساتھ ثابت کر کے شرک کرتے تھے اور کبھی کہتے کہ ہماری تو اولاد ہے تو خدا کی کیوں نہ ہوگی، لہٰذا ملائکہ کو بنات اللہ کہا۔ اس طرح خالق اور مخلوق کی صفات کو خلط ملط کر کے شرک کیا۔

آج کے مشرک کا شرک غیر محدود ہے

میرے خیال میں آج کا شرک مشرکین والا تو نہیں کہ یہ اللہ کو بھی مانتے ہیں، لیکن بہت سے کام غیر اللہ کے سپرد کیے ہوئے ہیں۔

انہی کی کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی ایک مریدنی تھی۔ اس کا بیٹا مر گیا تو مریدنی آپ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے بیٹے کو واپس دلاؤ اور بہت اصرار کیا۔ کتاب میں لکھا ہے کہ عزرائیل جا رہے تھے اور

ارواح ان کی زنبیل میں تھیں...... بزرگ نے ان سے کہا، اس کو واپس کر دو۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کا حکم ہے۔ القصہ اس بزرگ نے عزرائیل سے وہ زنبیل لے کر پھینک دی تو جتنی ارواح زنبیل میں تھیں، وہ سب انسان زندہ ہو گئے۔

عزرائیل جب اللہ تعالے کے پاس پہنچے تو سارا ماجرا بیان کیا۔ کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے پوچھا کہ دیکھو وہ پیچھے تو نہیں آ رہا۔ عزرائیل نے کہا کہ نہیں تو اللہ تعالے نے کہا کہ اگر وہ آ جاتا تو آدمؑ تک کی ارواح کو چھڑا کر لے جاتا (نعوذ باللہ من ذالک) معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ کا عقیدہ اس سے نرم تھا۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ مشرکین کا رد آج بھی جاری ہے، کبھی تخلف نہ ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

طریقہ تردید مشرکین

ان کے بارے میں آیات مخاصمہ کے اندر شرک کے عقائد باطلہ پر رد کیا گیا ہے۔

فرقہ ثانیہ یہود

وہ فرقے جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا، ان میں سے دوسرا فرقہ یہود کا ہے جو تورات پر ایمان لائے تھے۔ ان کی گمراہی یہ تھی کہ وہ تورات میں تحریف کرتے تھے۔ تحریف لفظی اور تحریف معنوی۔ وہ تورات کی آیات کا کتمان کرتے تھے اور ایسی آیات، جو کہ تورات کی آیات نہ ہوتی تھیں، اختراع کر کے، تورات سے الحاق کرتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ اخلاق سیئہ کے مرتکب ہوتے تھے۔

تحریف معنوی سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک آیت کے معانی محتملہ میں سے ایسا معنی متعین کرتے تھے جو یقیناً اس آیت کی مراد نہ ہوتی تھی۔

یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ ایک متدین فاسق ہوتا ہے جو دین موسی کو عقیدۃً قبول کرتا ہے، لیکن عمل نہیں کرتا۔ اس کی سزا خلود فی النار (یعنی آگ میں ہمیشہ رہنا) تو نہیں، البتہ آگ میں ڈال کر پھر نکال لیا جائے گا۔ یعنی چند دنوں کے لیے رہیں گے پھر نکال لیے جائیں گے۔ یہ بات وہ صرف یہود کے ساتھ مختص کرتے تھے جس کا ذکر قرآن مجید نے (وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً) (البقرۃ ۸۰) میں کیا ہے۔

دوسرا شخص جاحد کافر ہے اس کی سزا خلود فی النار ہے۔

آج کے یہود

آج کے زمانے میں اگر آپ ان کی مثال دیکھنا چاہیں تو جو خرابیاں یہود میں تھیں۔ جو ضلالات یہود میں تھے، وہی آج آپ علمائے سوء میں دیکھ سکتے ہیں۔

یہ علمائے سوء بالکل یہودیوں کا نقشہ آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ ان کا بھی قرآن پر ایمان ہے، لیکن قرآن کے احکام و معانی کی تحریف کرتے ہیں۔

وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا

اور لیتے ہیں اس کے (جو کچھ اللہ نے اتارا) عوض پونجی تھوڑی۔ (سورہ بقرہ/۱۷۴)

غلط فتوے دیتے ہوئے فقہاء کی عبارات کو کھینچ تان کر مرتب کرتے ہیں۔ صرف چند ٹکوں کے عوض وہ عجیب عجیب مسائل قرآن و حدیث سے استدلال کر کے اختراع کرتے ہیں۔ درحقیقت ان میں یہ خرابی حرص سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ حب مال اور حب جاہ کے مرض میں گرفتار ہیں۔

ایسے علماء آپ کو کافی مل سکتے ہیں جن کے پاس آپ جائیں۔ ان کو نذرانہ پیش کریں تو جس قسم کا فتوی چاہیں لے لیں اور یہ لوگ اس فن میں اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ بالکل واضح اور بدیہی غلطی کا ارتکاب کر کے قرآن سے استدلال کرتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں ایک وقت ایسا آیا تھا کہ آج کل کے علماء حب مال اور حرص کے جذبہ کے تحت حکومت کی حمایت کر کے قرآن سے استدلال کرتے تھے اور وہ آیات اور وہ حدیثیں جو خلیفہ یا امیر المومنین کے بارے میں ہوتی ہیں، ان کو موجودہ حکمرانوں پر چسپاں کرتے تھے، لہٰذا اطاعت امیر کی آیات

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ارباب حکومت کی اطاعت کرو۔ (سورہ نساء ۵۹)

جیسے احکام ان پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے تھے اور پھر صاف کہتے تھے کہ موجودہ حکومت کو بھی ولایت عامہ حاصل ہے۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس حکومت سے کچھ فوائد حاصل کریں۔ یہ حب مال کی بیماری تھی یا حب جاہ کی۔

لہٰذا اگر آپ اس زمانے کے یہودیوں کی تصاویر دیکھنا چاہیں جن پر قرآن نے الزامات عائد کیے ہیں اور ان پر کثرت سے رد کیا ہے تو انہی حالات کو علمائے سوء میں بڑی آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔

یہود کی خصلت کتمان آیات اور موجودہ علماء سوء

جہاں تک کتمان آیات تورات کا مسئلہ ہے تو آپ نے احادیث میں پڑھا ہوگا کہ رجم کی آیت تورات میں

موجود تھی، لیکن یہود نے رجم کو بالا جماع ترک کر دیا تھا اور خود ہی انہوں نے رجم کے قائم مقام تحمیم وجہ اور جلد مائۃ یعنی منہ کالا کرنا اور سو کوڑے مارنا بنالیا تھا۔ چنانچہ ایک مسئلہ میں ایک زانی کے متعلق یہود نے کوڑے اور منہ کالا کرنے کا حکم دیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم دے دیا۔ علمائے یہود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آیات رجم کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ہاں یہ آیات نہیں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات منگوائی اور فرمایا کہ پڑھو۔ وہ آیات مخصوصہ پر ہاتھ رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن سلام، جو اسلام لانے سے قبل امام الیہود تھے، نے ہاتھ اٹھوایا تو نیچے رجم کی آیت موجود تھی۔ آج کل کے علماء سوء بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

فرقہ ثالثہ نصاریٰ

تیسرا فرقہ نصاریٰ کا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، لیکن ان کی گمراہی یہ تھی کہ وہ تثلیث کے قائل تھے۔ اقانیم ثلاثہ کو مانتے تھے۔ ان کے نزدیک اللہ کے تین شعبے ہیں۔ (۱) الاب (۲) والابن (۳) و الروح القدس۔

الاب مبداء عالم ہے اور الابن شامل ہے جمیع موجودات کو اور روح القدس عقول مجردہ کو شامل ہے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اقنوم ابن عیسیٰ کی شکل میں متشکل ہو گیا اور یہ بھی کہتے تھے کہ یہ تین شعبے حقیقتاً ایک ہیں اور یہ ایک حقیقتاً تین ہیں۔

اور ان کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ حضرت عیسیٰؑ انسانی شکل میں ہمارے سامنے آئے تھے، لیکن فی الحقیقت وہ اللہ کا حصہ ہیں۔ جیسے جبرائیل فرشتہ تھے، لیکن انسانی شکل میں آئے تو یہ نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو کبھی اللہ اور کبھی ابن اللہ کہتے تھے۔

اور یہ بھی کہتے تھے کہ ان پر بشریت کے احکام بھی اور الوہیت کے احکام بھی متفرع ہوتے ہیں۔
جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰـهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الآیہ)
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے فرمائیں گے کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بناؤ؟ (سورہ مائدہ/۱۱۶)

انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے لیے ابن کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا؟

اس سلسلے میں نصاریٰ انجیل کی آیات سے استدلال کرتے تھے کہ بعض آیات میں عیسیٰؑ کے لیے لفظ ابن استعمال کیا گیا ہے۔

نصاریٰ ابن کے لفظ سے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے

لفظ ابن کے ذکر سے نصاریٰ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ اس زمانے کے مطابق لفظ ابن مقرب کے لیے استعمال کیا گیا تھا اور آج کل بھی ہے جیسے کہا جاتا ہے بیٹے! بات سننا۔ کیا بات ہے بیٹے؟ ذرا یہ کام کردو بیٹے؟ وغیرہ عرب میں بھی آج کل کہتے ہیں۔ یا ولد تعال (اے بیٹے! ادھر آؤ)

معلوم ہوا کہ نصاریٰ میں ایک یہ بھی غلطی تھی کہ لفظ ابن سے غلط استدلال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عقائد پر کافی رد فرمایا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ عبداللہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ابن اور حصہ نہ تھے، بلکہ بندۂ خدا تھے۔ ان کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں نے قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا تھا۔

لیکن قرآن کریم نے ان کا بھی رد فرمایا:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (النساء ۱۵۷)

اور نہ انہوں (یہود) نے اسے (حضرت عیسیٰؑ) کو قتل کیا ہے اور نہ ہی اسے سولی پر چڑھایا ہے لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا۔

اور فرمایا:

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (الآیہ)

اور انہوں نے یقیناً حضرت عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔ (سورہ نساء/۱۵۷/۱۵۸)

آج کے نصاریٰ

آج اس زمانے میں اگر آپ عیسائیوں (نصاریٰ) کا نقشہ دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ قبر پرست پیروں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کے بھی تقریباً اسی قسم کے عقائد ہیں۔ صاحب قبر کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ نے ان میں حلول کیا ہے اور یہ سب کچھ لے دے سکتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ فی الواقع نور تھے، لیکن لباس بشریت میں تھے۔ وہ بشر کہنے والوں کو کافر کہتے ہیں۔

آج کے نصاریٰ قرآن میں تحریف کرتے ہیں

ان کے ایک بہت بڑے پیر نے تمام دیو بندیوں کو کافر کہا اور استدلال میں یہ آیت پیش کی کہ پہلی امتوں کے پاس رسول آتے تو وہ کہتے:

فَقَالُوٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا (التغابن ٦)

تو نبی کو بشر کہا تو وہ کافر ہو گئے۔ (نعوذ باللہ)

حالانکہ قرآن کا مقصد صریح یہ ہے کہ بشر ہونے کی وجہ سے انکار کیا۔ یہ تو صراحۃً قرآن کریم کی تحریف ہے۔

بشریت اور نبوت ایک ذات میں جمع نہیں ہو سکتے یہ نصاریٰ کا عقیدہ تھا

اصل میں یہ نصرانیوں کا عقیدہ تھا کہ بشریت اور نبوت ایک ذات میں جمع نہیں ہو سکتے اور کہا کرتے تھے کہ ''نبی ہے تو بشر نہیں، بشر ہے تو نبی نہیں''۔

گویا ان کے نزدیک بشر ہادی ہو ہی نہیں سکتا۔

لہٰذا اسلام نے اس عقیدہ باطلہ کو بالکلیہ رد کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے بار بار فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الآیہ)

آپ کہہ دیجیے کہ بے شک میں تم جیسا بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ (سورہ کہف/۱۱۰)

ہماری اسمبلی کے تین قاری ہیں۔ تلاوت کے بعد ترجمہ بھی ہوتا ہے۔

ایک دن قاری صاحب نے تلاوت کی جس میں یہ آیت تھی:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (المائدہ:۱۵)

تو ترجمہ میں کہا گیا ''تمہاری طرف لباس بشریت میں نور آیا۔''

حالانکہ یہاں نور سے قرآن مراد تھا، لیکن نبی مراد لیا گیا۔ درحقیقت یہ لوگ عقیدۃ المنافات بین البشریت و النبوت یعنی نبوت و بشریت میں نفی کو مدنظر رکھتے ہیں۔ یہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا (الانعام/۹)

اگر ہم فرشتے کو رسول بناتے تو بھی اس کو آدمی بناتے۔

تو رسالت کے بارے میں صرف ''لو'' استعمال کیا گیا ہے جو کہ انتفاء الثانی بانتفاء الاول او بالعکس کے لیے ہوتا ہے جیسے کہ فرمایا:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الآیہ)

ترجمہ: اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوااور معبود ہوتے تو فساد برپا ہو جاتا (چونکہ کسی تکوینی امر میں فساد نہیں ہے، لہٰذا اس کے سوا کوئی اور معبود بھی نہیں ہے) (سورۃ الانبیاء ۲۲)

چونکہ فساد نہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ الٰہ ثانی نہیں۔ یہاں کفر کی شرط وجزا دونوں کی نفی ہو جاتی ہے اور یہاں شکل انسانی ضروری شمار کی گئی، لہٰذا معلوم ہوا رسول فرشتہ بھی نہیں ہوتا اور نہ نور لباس بشریت میں ہوتا ہے۔ کیونکہ رسول من جنس مرسل الیہ ہوتا ہے، لہٰذا فرشتہ بہ لباس بشریت ہوتا تب بھی لوگ اس کی بشریت کی وجہ سے کفر کرتے۔ اس لیے یہاں سرے سے رجل ہی بھیجا گیا۔ رسول کے لیے نور ہونا اس لیے ممنوع ہے کہ رسول ایک طرف سے اللہ سے متعلق ہوتا ہے اور ایک طرف مخلوق سے متعلق ہوتا ہے، لہٰذا امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ ہڈیوں کے جوڑ میں شروع کا حصہ نرم ہوتا ہے اس لیے ایک طرف تو اس کا تعلق گوشت سے ہے دوسری طرف ہڈی سے اسی وجہ سے رسول بھی بشر ہونا چاہیے تاکہ وہ بھی مرسل الیھم کو فائدہ پہنچا سکے۔ یہ لوگ صرف ایک عقیدہ (المنافات بین النبوۃ و البشریت) کے تحت تمام بشری آیات کی تاویلات کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا محتاط شمار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بشر نہ کہو "بے ادبی" ہے۔ ان کے نزدیک بشر کمزوریوں کا نام ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا مقالہ ایک غیر ملکی اسلامی میلہ میں پڑھا گیا اور انہوں نے اس میں فرمایا کہ پیغمبر بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں ہوتا، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ ایک دوسری قسم کی انتہا پسندی ہے۔

الغرض اگر آپ نے نصاریٰ کو دیکھنا ہے تو آج کل کے قبر پرست پیروں کو دیکھ لیں کہ نصاریٰ کے راہب بھی ایسے تھے۔ قرآن مجید نے اگرچہ صرف فرق اربعہ پر رد کیا ہے، لیکن آج کے تمام فرق باطلہ ان ہی چاروں میں سے ہیں، لہٰذا قرآن کا ردان لوگوں پر ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

فرقۂ رابعہ منافقین:

اس زمانے میں منافقین بھی تھے جو صرف ذاتی مفادات کے حصول کے لیے اسلام میں داخل ہوئے تھے، لیکن ان کے دلوں میں اسلام نہ تھا۔ وہ کلمہ بھی پڑھتے تھے لیکن تھے منافق۔ سورہ منافقون میں فرمایا:

قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ (الآیہ)

کہا ان منافقین نے ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (سورہ منافقون/۱)

یاد رہے کہ شہادت متضمن بہ یمین (یعنی قسم) بھی ہے پھر ایمان لائے اور رسول کہا۔ ان تمام تاکیدات کے باوجود، جو کہ ان منافقین نے عاید کیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (الآیہ) (ایضاً)

اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا:

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ (الآیه)

بے شک منافقین آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ (النساء ۱۴۵)

ان منافقین میں سے بعض ایسے تھے کہ ان کے دل میں کمزور سا ایمان پڑ گیا تھا، لیکن ایمان پڑ جانے کے باوجود لذّات دنیا کا اتباع ان کا شیوہ بن گیا تھا اور دل میں رسول و خدا کی محبت کے لیے جگہ نہ تھی...... الغرض یہ لوگ لذّات دنیا میں حد درجہ منہمک ہو گئے تھے۔ اس پر مزید یہ کہ اخلاق سیئہ نے ان کو اتنا گھیر لیا تھا کہ ان کے دلوں میں اللہ سے تعلق نہ رہا۔ وہ عبادات سے محروم کر دیئے گئے۔ چونکہ انھیں عبادت کا شوق نہ تھا، اس لیے اس کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالٰے نے فرمایا:

وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝ (الآیه)

اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کیلیے تو کھڑے ہوتے ہیں سستی کے ساتھ، لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں یاد رکھتے اللہ تعالیٰ کو، مگر بہت تھوڑا۔ (سورہ نساء/۱۴۲)

معلوم ہوا کہ صرف ریا کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔

حدیث میں ہے:

تلك صلواة المنافق يجلس يرقب الشمس حتى اذا اصفرت و كانت بين قرني الشيطان قام فنقر اربعا لايذكر الله فيها الا قليلا رواه مسلم ٥ (الحدیث)

(یہ عصر کی نماز جو آخر میں پڑھی جاتی ہے) یہ منافق کی نماز ہے کہ وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے جب سورج زرد ہو کر شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان (چھپنے کے قریب) ہو جاتا ہے تو جلدی سے اٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور اللہ کا ذکر بھی اس نماز میں قدرے قلیل ہی کرتا ہے۔

أى يسجدون بدون الطمانينة و بدون تعديل الاركان و بدون الجماعة٥

یعنی جلد بازی میں پھر رکوع سجدہ وغیرہ تعدیل ارکان اور اطمینان کے بغیر کر لیتا ہے اور بغیر جماعت کے نماز پڑھ لیتا ہے۔

آج کا منافق

آج کے دور کے منافق کو بھی دیکھیے۔ اس کے دل میں بھی عبادات کا شوق نہیں۔ مناجات رب کے لیے داعیہ بھی نہیں ہے۔ رکوع و سجود کرنے سے طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے۔ وہ ترک صلوٰۃ کا صرف اس لیے متحمل ہو گیا

ہے کہ آج تارک صلوٰۃ کو بھی مسلمان کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔ چونکہ وہ رواج نہ رہا اس لیے آج کے منافق نے ترک صلوٰۃ کی بھی گنجائش نکال لی اور آج کا منافق سال میں عیدین کی نماز پڑھ کر مسلمان کہلاتا ہے۔ ان سے وہ منافق اچھے تھے ان میں وہی داعیہ اور جذبہ پوشیدہ ہے۔ میں کہتا ہوں یہاں ایک قضا بھی ہو جائے تو یہ نماز نہیں ہے۔ کیونکہ نماز میں تو عذر بالکل نہیں ہے۔

آج کا منافق دو قسم کا ہے

اول ایسے لوگ کہ ان کے دلوں میں انکار ہے۔ یہ لوگ اسلام کا نام صرف اس لیے لیتے ہیں کہ معاشرے کے بندھن اس قسم کے ہیں اور اس خوف سے اسلام کا نام لیتے ہیں کہ کل مرنے کے بعد دفن کرتے وقت مقابر المسلمین میں دفن نہ کیا جائے گا۔ دوم یہ سیاسی لوگ ہیں کہ صراحۃً تو اسلام کا انکار نہیں کرتے کہ ووٹ نہیں ملے گا۔ پھر کہتے ہیں ہم اسلام نافذ کریں گے اور کبھی اپنے مسائل کے حل کے لیے مغرب کے نظریات سے استفادہ کرتے ہیں۔ حالانکہ اسلام ہی ہمارا سب کچھ ہونا چاہیے۔

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (الآیہ)

اور میں نے پسند کیا تمہارے واسطے دین کو اسلام۔ (سورہ مائدہ/۳)

زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام رہنمائی کرتا ہے اور اگر کوئی سیاست اور اسلام الگ کرتا ہے تو اس نے اسلام کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ صرف اس لیے نہیں سمجھا کہ یہ مسلمان نہیں ہے۔ یہ فی الواقع منکر اسلام ہیں اور پھر اپنی محفلوں میں کہتے ہیں کہ اسلام کیسے چل سکتا ہے؟ یہی آج کل کے منافق ہیں۔ یہ تو صرف سیاسی رکاوٹوں کے باعث اسلام کا نام لیتے ہیں، ورنہ فی الواقع یہ لوگ اسلام کو دین ہی نہیں سمجھتے اور اپنے اخلاق و عادات بھی اسلامی نہیں رکھتے۔

آج کے منافق پر نفاق کی تعریف صادق ہے

حدیث میں ہے:

آیت المنافق ثلٰث اذا حدث کذب و اذا وعدا خلف و اذائتمن خان (رواہ البخاری)

اور ایک روایت میں ہے۔ اربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً اذا حدث کذب و اذا وعد اخلف واذائتمن خان واذا خاصم فجر

جس شخص میں (درج ذیل) چار باتیں پائی گئیں وہ خالص منافق ہے۔ (۱) جب بات

کرے تو جھوٹ بولے (۲)، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (۳)، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے (۴) اور جب جھگڑے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔

یہ تمام عملی نفاق ہے۔ یہ بہت پھیلا ہوا ہے، لہٰذا قرآن کریم نے ان لوگوں کا بھی رد فرمایا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم میں آیات فرق اربعہ پر آج بھی رد کررہی ہیں اور آپ بڑی آسانی کے ساتھ ان کا مصداق معلوم کرسکتے ہیں نیز ان فرقوں کا ہونا یہ بھی ہمارے لیے آسانی کا باعث ہے، ورنہ ان آیات قرآن کا ہم افہام و تفہیم کیسے کرتے؟

مثلاً ان آیات قرآنیہ کا رد آپ صراحۃً دیکھتے جائیے......

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ (سورۃ بقرہ/۷)

اور لوگوں سے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور وہ مومن نہیں ہیں۔

پھر آگے فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ (الآیہ)

اور جب کہا جائے ان سے کہ فساد نہ مچاؤ زمین میں تو کہتے ہیں کہ ہم تو بیشک اصلاح کرنے والے ہیں۔ سنو یہی ہیں فساد مچانے والے، لیکن شعور نہیں رکھتے۔ اور جب کہا جائے ان سے کہ ایمان لے آؤ جیسا کہ ایمان لے آئے ہیں دوسرے لوگ تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی ایمان لائیں جیسا کہ ایمان لائے ہیں احمق؟۔ (سورۃ بقرہ/رکوع ۲)

یہ لوگ جب مولویوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے تابع فرمان ہیں، جب باہر اپنے چیلوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو مولویوں کو دھوکہ دے رہے تھے۔ ہماری تو تمام تر خدمات آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ آیات آج بھی ان منافقین پر اور ان بقیہ فرق اربعہ کا رد کررہی ہیں۔

ناسخ و منسوخ

قرآن کریم میں ایک عظیم مسئلہ ناسخ و منسوخ کا بھی ہے نیز ناسخ و منسوخ کی معرفت بھی ایک قابل توجہ مسئلہ ہے۔ دراصل ناسخ و منسوخ میں ایک اصطلاح متقدمین کی ہے کہ صحابہؓ و تابعین کے اقوال سے ایسی باتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین نے لفظ نسخ کو لغوی معنی میں استعمال کیا ہے، لیکن اصولیین نے ایک منقح تعریف کی ہے۔

تعریف النسخ عند الا صولیین بیان انتهاء مدة الحکمo

(یعنی مدت حکم کی انتہاء کا بیان کرنا)

ایک حکم شرعی جو فی الواقع موقت ومحدود تھا ابدی نہ تھا، لیکن اللہ نے یہ نہ بتلایا کہ یہ موقت ہے پھر جب ایک آیت اس حکم کو ختم کرنے کے لیے آئی تو مدت وقت کا اختتام معلوم ہوا۔

لہٰذا اگر نسخ کو قرآن کی ظاہر آیات پر محمول کیا جائے تو پورے قرآن مجید میں پانچ صد آیات منسوخہ ملتی ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صاحب جلالین معمولی بات پہ تنسیخ آیت کا حکم لکھتے ہیں۔

اقسام النسخ:

نسخ کی چند قسمیں ہیں:

اول منسوخ التلاوت (یعنی آیت کے الفاظ منسوخ ہو جائیں لیکن حکم باقی ہو)، دوم منسوخ الحکم (الفاظ قرآن میں باقی ہوں لیکن عمل نہ ہوتا ہو) سوم منسوخ التلاوت والحکم (یعنی الفاظ بھی قرآن میں نہ رہے اور حکم بھی نہ رہا)

منسوخ التلاوت میں بعض آیات ایسی ہیں کہ ان کا حکم تو باقی ہے، صرف تلاوت منسوخ ہے جیسے آیت رجم ہے:

الشیخ و الشیخة اذا زینا فار جمو هما نکالا من الله و الله عزیز حکیمo (الآیه)

شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو رجم کرو۔ یہ سزا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے ہیں۔

لہٰذا عمر فاروق ؓ نے فرمایا:

فاخشی ان یطول بالناس زمان ان یقول قائل لانجد اٰیة الرجم فی کتاب الله فیضلوا بترک فریضة قد انزلها الله (تفسیر ابن کثیر ج ۳) (تفسیر سورۂ النور)

مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ جب لوگوں پر کچھ زمانہ گزر جائے گا تو کوئی شخص نہ کہے کہ رجم کی آیت تو ہم قرآن کریم میں نہیں پاتے (لہٰذا انکار کریں گے) تو ایک ایسے فرض حکم کے چھوڑنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم فرمایا تھا اس لیے یہ حکم رجم واضح ہے، لیکن آیت کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔

اس طرح کی منسوخ التلاوت آیات سے اللہ کا مقصد ہمارا امتحان لینا ہے کہ دیکھو یہ قوم ایمان بالظاہر لاتی ہے یا ایمان بالغیب بھی رکھتی ہے۔ گویا اس سے مقصد ہمارا امتحان ہے۔ الغرض جیسا کہ معلوم ہوا کہ کل آیات منسوخہ پانچ صد ہیں، لیکن اگر آپ ان کا احاطہ تنگ کریں اور مزید غور وفکر کریں تو ابن العربی کے قول کے مطابق کل آیات منسوخہ بیس (۲۰) ہیں۔

تفصیل آیات منسوخہ:

اول: سورۃ بقرہ کی یہ آیت منسوخ ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ (سورۃ بقرہ/۱۸۰)

فرض قرار دے دیا گیا تم پر، جب تم میں سے کسی کے پاس موت آپہنچے تو وصیت کرنا ماں باپ اور رشتہ داروں کیلیے مناسب طریقہ پر۔ یہ حق ہے پرہیزگاروں پر۔

اس آیت کی وجہ سے ہر شخص پر لازم تھا کہ وہ مرنے سے پہلے وصیت کرے، لیکن آج وصیت فرض نہیں ہے۔ کیونکہ یہ آیت میراث کی آیت يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (الآیہ) (سورہ نساء/۱۱) سے منسوخ ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ آیت وصیت اس وقت تھی جب تک کہ میراث کے اصول نازل نہ ہوئے تھے، لیکن جب اللہ نے تقسیم کر دیا تو پھر تمہارا اختیار نہ رہا۔ پہلے تم **ذوی الفروض ذوی الارحام** اور عصبات میں خود فیصلے کرتے تھے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ صحیح حدیث میں ہے **لا وصیة للوارث للوالدین والأقربین ۝** وارث یعنی والدین اور اقربین کے لیے کوئی وصیۃ نہیں ہے۔

اب وصیت غیر وارث کیلیے صحیح تو ہے، لیکن یہ جائز ہے، واجب نہیں۔ آپؐ نے ثلث (تیسرے حصے) میں وصیت کی اجازت دی وقال الثلث کثیر یعنی تیسرا حصہ دینا۔ یہ آپؐ کی رضا نہیں بلکہ صرف ثلث کی اجازت دی ہے۔ آپ نے واضح کر کے فرما دیا:

لأن تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تد عهد عالة یتکففون الناس (تفسیر ابن کثیر ج۱)

تو اپنے خاندان والوں کو مالدار چھوڑے یہ زیادہ بہتر ہے اس سے کہ (تو مال لوگوں پر تقسیم کر دے) وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔

لہٰذا اس حدیث سے بھی آیت کی تنسیخ معلوم ہوتی ہے۔

دوم: سورہ بقرہ کی یہ آیت منسوخ ہے:

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ

یعنی جو لوگ طاقت رکھتے ہیں روزہ کی ان پر فدیہ ہے ایک مسکین کو کھانا کھلانا۔ (البقرہ/۱۸۴)

یہاں پر بعض لا مقدر مانتے ہیں یعنی **لا یطیقونہ**۔ بعض کہتے ہیں کہ یطیقون باب افعال ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کبھی کبھی سلب ماخذ ہوتا ہے لہٰذا **اطاق ای سلب الطاقة ۝**

جیسے اجلدت البعیر یعنی اونٹ کی کھال کھینچ لی۔ بہر حال یہ آیت منسوخ بھی ہو سکتی ہے اس آیت سے فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرۃ/۱۸۵) لہٰذا اس آیت سے صوم فرض ہو گیا بالیقین اور لا جو مقدر کیا جاتا ہے وہ لذی الفدیہ یعنی فدیہ دینے والوں سے متعلق ہے۔

اب ہمارے ہاں لامقدرہ کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ بالکل عاجز ہو گیا، شیخ فانی بن گیا تو یہ عجز دائمی ہے، لہٰذا اس کے لیے فدیہ ہے۔ دوم اگر ایسا مریض ہے کہ یہ زندگی بھر روزے نہ رکھ سکے گا۔ لا شتاءً ولا صیفاً کہ عجز عن الصوم دائماً الی الموت ہے یعنی موت تک قضا ممکن نہیں ہے تو پھر لایطیقونہ کا معنی ہے لا یطیقونہ علی التابید۔ گویا لایطیقونہ معذور کے لیے ہے اور فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ ''الخ'' قادر کے لیے ہے اس طرح دونوں آیات میں تطبیق ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیت محکم ہے۔

امام ولی اللہؒ نے اس آیت کے محکم ہونے کی ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ وعلی الذین یطیقونہ سے مراد صدقہ فطر ہے کہ جس کے پاس صدقہ فطر دینے کی طاقت نہ ہو تب بھی اس پر دینا لازم ہے۔ یعنی طعام دو وقت کا یہ صدقہ فطر ہے اور کفارہ ظہار میں اطعام ستین مسکینا سے ساٹھ صدقہ فطر مراد ہیں تو یطیقونہ کی ضمیر منصوب راجع الی الطعام ہے یعنی ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہیں غنی ہیں وہ طعام مسکین کی طاقت رکھتے ہیں۔

اشکال: اس ضمیر منصوب کا مرجع فدیۃ طعام مسکین ہے تو یہ اضمار قبل الذکر ہے ضمیر الی ماسبق راجع ہوتی ہے۔

جواب: امام شاہ ولی اللہؒ دہلوی نے جواب دیا کہ اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً ناجائز ہے لیکن یہ فقط اضمار قبل الذکر رتبۃً ہے لفظاً نہیں ہے۔

لہٰذا یہ جائز ہے۔ صاحب کافیہ نے مثال دی ہے کہ علی التمرۃ مثلھا زبداً یہ ناجائز ہے، لیکن ضرب غلامہ زید میں زید فاعل مسندالیہ ہے یہ رتبۃً مقدم ہے چونکہ فاعل مقدم ہے اصل میں عبارت یہ ہے ضرب زید غلامہ اور یہ جائز ہے۔ یہاں بھی یہی صورت ہے کہ وعلی الذین یطیقونہ خبر مقدم ہے۔ طعام مسکین مبتداء موخر ہے اور رتبہ میں مبتداء مقدم ہوتا ہے تو طعام مسندالیہ مقدم ہے لہٰذا اصل عبارت یہ ہے فدیۃ طعام مسکین علی الذین یطیقونہ لہٰذا یہ جائز ہے۔

اشکال: ضمیر کا مرجع مذکر ہونا چاہیے اور فدیہ مونث ہے۔

الجواب: اس کا جواب شاہ ولی اللہؒ نے دیا ہے کہ فدیۃٌ طعام مسکین میں فدیہ بتاویل طعام مسکین مذکر ہے تو معنی یہ ہوا کہ فدیہ کرنا طعام مسکین کا واجب ہے ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہیں فدیہ کی۔

لہٰذا یہ آیت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک غیر منسوخ ہے۔

الثالثہ:

سورہ البقرہ کی آیت " اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ "
حلال قرار دے دیا گیا تمہارے واسطے رمضان کی راتوں میں تمہاری عورتوں سے مباشرت کرنا۔
(سورۃ بقرہ/۱۸۶)

یہ ناسخ ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾

اے ایمان والو! تمہارے اوپر روزے فرض قرار دیدیے گئے جیسا کہ فرض قرار دے دیے گئے تھے تم سے پہلے لوگوں پر تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (سورۃ بقرہ/۱۸۳)

اب یہاں کما کتب میں کاف تشبیہ کے لیے ہے اور ماقبل امتوں کا روزہ یہ ہوتا تھا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رات کو اس وقت تک کھا بھی سکتے تھے اور پی بھی سکتے تھے جماع بھی کر سکتے تھے جب تک کہ سو کر نیند نہ کر لیں، لیکن رات کو سو جاتے تو پھر اس کے بعد یہ تینوں چیزیں حرام ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ وہ لوگ عشاء کے بعد سونے سے پہلے سحری کھا لیتے تھے، لیکن ہمارے ہاں ساری رات میں تینوں چیزیں حلال ہیں، اس لیے فرمایا:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ (الایۃ)

ترجمہ: کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے واسطے سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے یعنی فجر (سورہ بقرہ/۱۸۷)

لہٰذا بظاہر یہ آیت **كما كتب على الذين من قبلكم** منسوخ ہوگئی ہے، لیکن درحقیقت یہ آیت محکم ہے۔ اس لیے کہ یہاں **التشبيه في نفس الفرضية** ہے **اى فرض عليكم كما فرض على الذين من قبلكم** یعنی تشبیہ صرف فرضیت میں ہے، نہ کہ روزے کی تمام کیفیت میں۔ اگرچہ اسلام میں روزے کے تمام احکام گذشتہ روزوں جیسے نہیں ہیں، لیکن جب اس آیت کا مصداق صرف فرضیت میں تشبیہ ہے تو پھر یہ آیت منسوخ شمار نہ ہوگی۔

باقی جن صحابہ نے اس حکم پر عمل کیا تھا وہ اس لیے کہ ہماری امت فرضیت رمضان سے قبل پہلی امت کے روزوں کے طرز پر عمل کرتی تھی۔ وہ عمل اس آیت کی وجہ سے تھا۔ اس لیے منسوخ ہوگئی۔

الرابعہ:

سورہ بقرہ کی آیت يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ

ترجمہ: پوچھتے ہیں آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑنے کے متعلق، آپ کہہ دیجیے اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے (سورہ بقرہ/۲۱۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اشھر الحرم میں قتال حرام ہے، لیکن اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ یہ آیت یا آیت قاتلو المشر کین کافتہ یا یہ آیت حیث ثقفتموھم (سورۂ توبہ ۵/۶) بظاہر تو یہ بھی ناسخ ہیں۔

لیکن یہ آیت محکم ہے۔

یہاں بلا وجہ نسخ کا حکم عاید نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ آیت کے (قل قتال فیه کبیر) معنی یہ بنتے ہیں کہ اشہر حرم میں قتال گناہ کبیرہ ہے۔ والفتنة اکبر من القتل یعنی فتنۂ کفر اکبر من القتل ہے۔ معلوم ہوا کہ فتنہ فی الکفر اشھر الحرم میں قتل کو برداشت کرو، لیکن قتل تو بغیر کفر ہے لہٰذا جب فتنہ موجود ہے اشھر الحرم میں تو قتال کرو لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں اشھر الحرم میں حرمت قتال کا ذکر نہیں، بلکہ جواز قتل مع وجود الکفر بتلایا جارہا ہے۔ اس لیے یہ منسوخ نہ ہوگی۔

الخامسہ:

سورہ بقرہ کی آیت وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ (الآیه)

اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کیلیے خرچ ایک سال تک بغیر گھر سے نکالے۔ (سورہ بقرہ/۲۴۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی عدت ایک سال کی ہے، لیکن اس کے بعد دوسری آیت نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ

اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں اپنی بیویاں تو وہ انتظار کریں اپنے اوپر چار مہینے دس دن۔ (سورہ بقرہ/۲۳۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اب عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ یہ نسخ صریح ہے، لہٰذا تاویل کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے منسوخ ہوگئی۔ نیز حبر ھذہ الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی منقول ہے کہ یہ منسوخ ہے۔

السادسہ:

سورہ بقرہ کے آخر میں آیت ہے:

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (الآیہ) (سورہ بقرہ آخری رکوع)
یعنی اگر تم دلوں کی باتوں کو ظاہر کرو گے یا چھپاؤ گے تو دونوں صورتوں میں اللہ تعالی اس کا محاسبہ فرمائیں گے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ دل کی باتوں کا بھی حساب ہوگا۔ جبکہ حدیث النفس (نفس کے خیالات وغیرہ) غیر اختیاری ہیں۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

لا یکلف الله نفساً الا وسعها (الآیہ)

کہ اللہ تعالی اختیاری یعنی مکلفات کا حساب لے گا۔ غیر اختیاری اور غیر مکلّف کا حساب نہ ہوگا، لہٰذا بظاہر پہلی آیت منسوخ ہوگئی، لیکن درحقیقت یہ آیت محکم ہے۔

یہ بھی تو درست ہے کہ آیت میں مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ سے مراد حدیث النفس نہیں، بلکہ اختیاری نیت مراد ہے یعنی اَنْفُسِكُمْ سے مراد عزم وارادہ ہے اور حدیث النفس جو کہ غیر اختیاری ہے یہاں مراد نہیں ہے۔

بالفاظ دیگر پہلی آیت مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ میں ما عموم کے لیے ہے، لیکن بعد والی آیت سے خاص ہوگیا، لہٰذا یہ آیت بھی منسوخ نہ ہوگی۔

السابعہ:

سورۃ آل عمران میں ہے:

اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (سورہ آل عمران/۱۰۲)

اللہ سے ڈرو اور اللہ سے ڈرنے کا حق پورا کرو۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے کہ

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ

اللہ سے ڈرو جتنی تم استطاعت رکھتے ہو۔ (سورہ تغابن/۱۶)

لیکن درحقیقت یہ آیت محکم ہے۔

میرے خیال میں اس آیت کو منسوخ نہ سمجھا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اتقوا اللہ حق تقاتہ یہ اعتقادیات میں ہے کہ عقیدہ میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو اور ما استطعتم فی الاعمال ہے یعنی جیسے کہ وضو کی استطاعت نہیں تو تیمّم کر لو۔ قیام کی استطاعت نہیں تو قعود کر لو۔ الغرض اعمال میں استدراج ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ شرک وکفر میں پورا پورا ڈرو۔ آیت کا اگلا حصہ اس کی دلیل ہے کہ یہ آیت ایمان واعتقاد سے متعلق ہے:

ولا تموتن الا و انتم مسلمون O

لہٰذا یہ آیت منسوخ نہ ہوگی۔

الثامنہ:

سورہ نساء میں ہے:

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ط (النساء ۳۳)

یعنی جن کے ساتھ تم نے قسم کھا کر عقد کر لیے ہیں یعنی عقد موالات کر لیا ہے تو اس کو بھی وراثت کا حصہ دو۔

کیونکہ ولاء موالات بھی وراثت کا سبب ہے اس کے بعد آیت آئی:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ (الآیہ)

اور قرابت والے زیادہ حقدار ہیں ایک دوسرے کے کتاب الٰہی میں عام مسلمانوں اور مہاجرین سے۔ (سورہ احزاب/۶)

کہ بعض اقرب الی الوارث ہیں یہاں اولوالارحام سے اہل فرائض کی اصطلاح مراد نہیں یعنی ذوی الفروض اور عصبہ مراد نہیں ہے نسبی رشتہ دار مراد ہیں اور قاعدہ ہے کہ اقرب النسب وارث ہوتا ہے، لہٰذا پہلی آیت منسوخ ہوگئی۔

لیکن درحقیقت یہ آیت بھی محکم ہے۔ یہ آیت بھی منسوخ نہیں ہے۔ کیونکہ دوسری آیت سے تو یہ معلوم ہوا کہ وراثت تو اولوالارحام کے لیے ہے، البتہ صلہ رحمی، احسان، نیکی وغیرہ میں ولاء موالات کا حق ادا کرو، لہٰذا یہ آیت منسوخ نہ ہوگی۔

التاسعہ:

بعض لوگوں کے نزدیک آیت ثامنہ کی طرح یہ آیت:

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○

اور جب تقسیم کے وقت حاضر ہوں رشتہ دار، یتیم اور مسکین تو دو انہیں اس میں سے اور کہو ان سے بات معقول۔ (سورہ نساء/۸)

اور اس کے بعد فرمایا "فارزقوھم" تو یہ بھی منسوخ ہے اور ناسخ سورۃ احزاب والی مذکورہ بالا آیت ہے، لیکن حق تو بالاتفاق وارثوں کا ہے، لہٰذا یہاں دینے سے مراد یہ ہے کہ مستحب طریقہ ہے کہ دے دو۔ یہاں وراثت کا استحقاق مراد نہیں، بلکہ وراثت والی آیت میں استحقاق وجوبی کا ذکر ہے اور یہاں استحقاق استحبابی کا ذکر ہے۔ اس لیے یہ آیت بھی منسوخ نہ ہوگی۔

العاشرہ:

یہ آیت:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ (الآیہ)

اور جو بدکاری کریں تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو ان پر چار آدمی اپنے میں سے پھر اگر وہ گواہی دیدیں تو بند رکھو ان کو اپنے گھروں میں تاوقتیکہ آ جائے انہیں موت یا بنائے اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی سبیل۔ (سورۃ نساء/۱۵)

جو عورتیں فحش فعل کا ارتکاب کرتی ہوں تو ان کو تھوڑی سی اذیت دے دو (دو تین کوڑے لگا دو) یہاں تک کہ صریح حکم آ جائے۔ یہ بھی منسوخ ہے سورۃ نور کی آیت سے کہ

اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠

بدکار عورت اور بدکار مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ۔ (سورۃ نور/۲)

لیکن درحقیقت یہ محکم ہے۔

یہ آیت بھی منسوخ نہیں، کیونکہ پہلے محدود تھا کہ حکم آنے تک یہی کرو۔ یہی ابتدائی حکم تھا چونکہ لوگ قائم نہ تھے پھر یہ واضح حکم آ گیا، لہٰذا یہ آیت منسوخ نہ ہوگی۔

الحادی عشرۃ

سورہ المائدہ میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ الخ (مائدہ/۲)

اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینے کی۔

شہر حرام کی آیت سے معلوم ہوا کہ اشہر حرم میں قتال جائز نہیں ہے تو یہ آیت منسوخ ہے ان آیات سے جن میں قتال کا جواز ہے جیسے "فاقتلوا المشرکین کافه (سورۂ توبہ)" یا یہ ایک حدیث سے منسوخ ہوگی۔ فرمایا:

فان دمائکم و اموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلد کم هذا الی یوم تلقون ربکم ۝ (بخاری ج۱)

اس حرمت والے شہر، آج کے دن اور اس مہینے کی طرح تم لوگوں پر ایک دوسرے کا خون اور مال قیامت کے دن تک حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حرم کی زمین کے اندر ایک خاص ماہ میں ایک دن کی حرمت ہے تو یہ حکم متعلق بالبلد الحرام ہے۔ فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے اس دن کی حرمت کو فتح مکہ کے دوران ایک خاص وقت میں اُٹھا لیا، لیکن اب قیامت تک کے لیے حرام ہے یعنی حرمت لوٹ آئی۔ اس لیے اب حرمت بالبلد ہے بالشہر نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا: **ومن دخلہ کان امناً** ○ (سورۂ آل عمران ۹۷)

الثانیہ عشرۃ

فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ

پس اگر وہ (اہل کتاب) آئیں آپ کے پاس تو فیصلہ کیجیے ان کے درمیان یا اعراض کیجیے ان سے۔ (المائدۃ ۴۲)

یعنی جب کوئی مقدمہ پیش ہو تو چاہے فیصلہ کردو چاہے اعراض کرو۔ یہ منسوخ ہے اس آیت سے:

وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ

اور یہ کہ فیصلہ کیجئے ان کے درمیان مطابق اس کے جو نازل کیا اللہ نے اور نہ پیروی کیجئے ان کی خواہشوں کی۔ (سورہ مائدہ/۴۹)

تو فیصلہ کرنا آپ پر لازم ہو گیا جبکہ پہلے اختیار بین الاعراض والحکم تھا۔ اب اختیار نہیں رہا، بلکہ فیصلہ کرنا لازمی ہے یعنی جب اہل ذمہ یہود و نصاریٰ آجائیں تو قرآن کے مطابق ان کا فیصلہ کرو، لہٰذا پہلی آیت منسوخ ہو گئی۔ لیکن درحقیقت یہ آیت محکم ہے۔

یہاں پر ایک تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ ہمیں اب بھی اس کا اختیار ہے کہ فیصلہ ہم ان کے احبار کے سپرد کر دیں یعنی اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ میں یہ بات ہے کہ پہلا اختیار بحالہ قائم ہے، لیکن آپ نے فیصلہ کرنے کو اختیار کیا۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ (آیۃ نمبر ۴۸) لہٰذا نسخ نہ ہوا کہ قرآن کے مطابق فیصلہ کرو اور ان کی کتابوں کے مطابق بھی فیصلہ کرو۔

ثالث عشرۃ

سورۃ انفال میں ہے:

إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝

اگر ہوں گے تم میں سے بیس بھی صبر کرنے والے تو وہ غالب ہوں گے دو سو پر اور اگر ہوں گے تم میں سے ایک سو تو غالب ہوں گے ہزار پر ان میں سے جو کافر ہیں کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھ نہیں رکھتے۔ (سورۃ انفال/۶۵)

یہاں دس گنا کا مقابلہ ہے۔ چنانچہ حکم یہ ہے کہ اگر دس گنا ہیں تو فرار کی اجازت نہیں ہے، بلکہ مقابلہ ضروری ہے۔ اس کے بعد ساتھ ہی حکم بدل دیا ہے لہٰذا فرمایا:

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (انفال ۶۶)

اب تخفیف کر دی اللہ نے تم پر سے اور اس کو علم ہے کہ تم میں کمزوری ہے پس اگر ہوں تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے تو وہ غالب ہوں گے دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سے ایک ہزار تو غالب ہوں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے۔ اب ایک کا مقابلہ دو سے کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا پہلی آیت صراحتاً منسوخ ہے۔

رابع عشرۃ

سورہ براۃ میں ہے اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

نکلو ہلکے بھی اور بھاری بھی اور جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں یہی بہتر ہے تمہارے واسطے اگر تم علم رکھتے ہو۔ (سورہ توبہ/۴۱)

تم ہلکے ہو یعنی تمہارے پاس اسباب ووسائل کی کمی ہو یا تم بوجھل ہو۔ بہرحال آپ کو جہاد کے لیے جانا ہوگا۔

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ

''نہ تو اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج اور نہ بیمار پر کوئی گناہ''۔ (سورۃ فتح/۱۷)

تو اس آیت سے معذورین مستثنیٰ ہیں اس لیے پہلی آیت کو منسوخ سمجھا گیا ہے۔

لیکن یہ آیت محکم ہے۔

یہ آیت یہاں منسوخ نہ ہوگی چونکہ 'انفروا خفافاً و ثقالاً' کا تعلق بالوسائل ہے اور لیس علی الضعفاء کا تعلق بالذاتیات ہے، لہٰذا نسخ نہ ہوگا۔

خامس عشرة

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۡ وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ

زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت سے اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا، مگر زانی یا مشرک مرد۔ (سورۃ نور/۳)

یہ منسوخ ہے کیونکہ زانی شخص عفیفہ کے لیے کفو (برابر) نہیں ہے ناسخ آیت یہ ہے:

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ ۚ

اور نکاح کر دو رانڈوں کا اپنے میں سے اور نیک غلاموں اور کنیزوں کا۔ (سورۃ نور/۳۲)

ایامی ایسی عورت کو کہتے کہ من لا زوج لها (جس کا شوہر نہ ہو) تو بیوہ ہو یا غیر بیوہ اس میں زانیہ وغیر زانیہ کی تخصیص نہیں۔

اس آیت سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ زانیہ چونکہ کبیرہ کا ارتکاب کر چکی ہے اور کبیرہ کے ارتکاب سے معتزلہ کے نزدیک آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے وہ مومن کے لیے جائز نہیں ہے لیکن یہ آیت بھی منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے کیونکہ "وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی" والی آیت عام ہے اور "اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ" والی آیت خاص ہے اور عام خاص کو منسوخ نہیں کر سکتا۔

سادس عشرة

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ

اے ایمان والو اجازت لیا کریں تم سے وہ (غلام) جو تمہارے ملک یمین میں ہیں اور وہ (لڑکے) جو ابھی نہیں پہنچے حد بلوغ کو تم میں سے تین مرتبہ۔ (سورہ نور/۵۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں مذکورہ بالا دو قسم کے لوگ مذکورہ تین اوقات میں اجازت کے پابند ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات سے نوازا اور وسائل کی بہتات ہوگئی تو لوگوں نے گھروں پر پردے لٹکا دیے۔ بعض لوگ خیال کرنے لگے کہ شاید پردے لٹکانے کے بعد اجازت والا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور پردے ہی کافی ہیں، لیکن یہ بات درست نہیں۔ اجازت لینے کا حکم بدستور باقی ہے۔ لوگ اجازت نہ لے کر اس حکم کی تعمیل میں سستی کرتے ہیں۔

سابع عشرۃ

سورۃ احزاب میں ہے لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ (آیت نمبر ۵۲)
نہیں حلال آپ کے لیے عورتیں اس کے بعد اور نہ یہ کہ تبدیل کرلیں آپ ان سے اور عورتیں۔

اس آیت سے بظاہر نکاح کی ممانعت معلوم ہوتی ہے جبکہ دوسری آیت سے یہ ممانعت منسوخ معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ (احزاب: ۵۰) یعنی جن عورتوں کا حق مہر آپ ادا فرمائیں گے وہ آپ کے لیے حلال ہیں۔ گویا تعداد کی کوئی پابندی نہیں ہے اور اس توجیہ کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جو نسائی، ترمذی اور مسند احمد میں منقول ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول جب دنیا سے اٹھے ہیں تو اس وقت تک آپؐ نے جتنی عورتوں سے نکاح کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کے لیے حلال قرار دے دیا تھا۔ حاصل یہ ہے کہ تادم حیات آپؐ پر تعداد ازواج کے حوالہ سے کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی۔

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ آیت بالا منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے اور یہاں جو ممانعت مذکور ہے وہ صنف کے اعتبار سے مطلق ممانعت نہیں ہے۔ آیت میں اصناف اربعہ مذکور ہیں کہ آپ کے لیے چچازاد بہنیں، پھوپھی زاد بہنیں، ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں حلال ہیں اور ان کے علاوہ کوئی اور صنف جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس صورت میں دونوں اپنے اپنے محمل پر محمول ہوں گی۔ یعنی جس آیت سے ممانعت معلوم ہوتی ہے اس کا تعلق اصناف اربعہ کے علاوہ دوسری عورتوں سے ہے اور جس آیت میں حلت کا حکم ہے وہ اصناف اربعہ مذکورہ سے متعلق ہے۔ (فلا منافات بینهما) لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

ثامن عشرۃ

سورہ مجادلہ میں ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورۃ مجادلہ/۱۲)

اے ایمان والو جب تم سرگوشی (ملاقات) کیا کرو رسول اللہ سے تو ادا کیا کرو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ، یہی بہتر ہے تمہارے لیے اور زیادہ پاکیزہ پس اگر تم نہ پاؤ تو بلاشبہ اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم والا ہے۔

لیکن اسی آیت کا آخر ہے کہ

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ⑫

یعنی آپ کے پاس صدقہ کے لیے کچھ نہیں تو دینا بھی واجب نہیں جبکہ پہلے وجوب تھا لہٰذا آیت کا پہلا حصہ منسوخ ہو گیا۔

التاسعۃ العاشرہ

سورہ مزمل میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ① قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ② نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ③ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ④

''اے کپڑوں میں لپٹے ہوئے قیام کیجیے رات کو، مگر تھوڑا سا حصہ آدھی رات یا کم کیجیے اس میں سے تھوڑا سا حصہ یا زیادہ کر دیجیے اس پر اور پڑھیے قرآن ترتیل کے ساتھ''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کو نماز پڑھنا نصف شب یا ثلث یا اس سے کچھ کم یہ واجب ہے یا فرض ہے، لیکن سورہ مزمل میں دوسری آیت نازل ہوئی:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

ترجمہ: پس پڑھو جتنا آسان ہو قرآن میں سے۔ (سورہ مزمل/۲۰)

اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ اللیل یعنی نماز تہجد کا وجوب منسوخ ہو گیا۔

العشرین

سورہ ممتحنہ میں ہے:

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪

اور اگر تمہارے ہاتھ سے نکل گئی کوئی عورت تمہاری عورتوں میں سے کفار کے پاس پھر تم نے تعاقب کیا تو دے دوان (مسلمانوں) کو چلی گئیں جن کی عورتیں جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو۔ (سورہ ممتحنہ/۱۱)

ایک قول کے مطابق یہ آیات سیف (یعنی وہ آیتیں جن میں جہاد اور قتال کا حکم آیا ہے) سے منسوخ ہے دوسرے قول کے مطابق یہ آیت، آیت غنیمت کے ذریعہ منسوخ ہے۔

لیکن میرے نزدیک یہ آیت محکم ہے۔اس آیت کا حکم عام نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اس صورت حال سے ہے جب مسلمان کمزور ہوں اور کافر غالب، لہٰذا یہ آیت منسوخ نہ ہوگی۔

اس طرح کے اقوال مفسرین نے بیس آیات میں نقل کیے ہیں، لیکن امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ تمام آیات محکم ہیں منسوخ نہیں ہیں سوائے پانچ آیات کے۔گویا انہوں نے صرف پانچ آیات میں نسخ کا اعتراف کیا ہے۔

اول:

سورۃ بقرہ کی وہ آیت جس میں عدت متوفی عنھا زوجھا کا ذکر ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ

(سورۃ بقرہ/۲۴۰)

یہ منسوخ ہے اور ناسخ آیت:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ (سورۃ بقرہ/۲۳۴)

یہ ناسخ ہے۔اور یہ بات صحیح بھی ہے اس لیے کہ متوفی عنھا زوجھا کی عدت بالاتفاق و بالاجماع چار ماہ دس دن ہے **عند جمیع العلماء و المجتھدین**

دوم:

دوسری آیت جس کے منسوخ ہونے کو شاہ ولی اللہؒ نے بھی اختیار فرمایا ہے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۰ ہے (یہ پوری آیت ترجمہ سمیت پیچھے گزر چکی ہے) چنانچہ پوری امت کا اجماع ہے کہ والدین اور دیگر ورثاء کیلیے **لا وصیة لـــوارث** (یعنی وارث کیلیے وصیت جائز نہیں ہے) والا قانون لاگو ہے، لہٰذا مندرجہ بالا آیت منسوخ ہے اور اس کے لیے ناسخ آیت......

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ ہے

حکم دیتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے حق میں کہ مرد کا حصہ برابر ہے دو عورتوں کے۔ (سورہ نساء/۱۱)

سوم:

تیسری آیت جس کے منسوخ ہونے کے قول کو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اختیار فرمایا سورہ انفال کی آیت ۶۵ ہے اور اس کیلیے ناسخ آیت نمبر ۶۶ ہے۔پہلی آیت میں حکم تھا کہ ایک مسلمان کے مقابلے میں دس کافر ہوں، تب بھی مسلمان کو مقابلہ کرنا چاہیے اور میدان چھوڑنا جائز نہیں ہے، لیکن اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمائی کہ ایک کے مقابلے میں دو ہوں تو دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا واجب اور بھاگنا حرام ہے اور اگر کفار کی تعداد

مسلمانوں کے مقابلہ میں دگنی سے بھی زیادہ ہو تو کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا اگر چہ اب واجب نہیں، لیکن بڑی عزیمت وعظمت واجر وثواب کی بات ہے۔ چنانچہ لاکھوں کا مقابلہ ہزاروں کے ذریعہ سے کرنا صحابہ وتابعین کے وہ بے مثال کارنامے ہیں جن سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

چہارم:

چوتھی آیت جو کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ہاں بھی منسوخ ہے سورہ مجادلہ کی آیت نمبر ۱۲ کا ابتدائی حصہ ہے جس میں حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری کے وقت کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور پیش کیا کرو، لیکن اسی آیت کے آخر میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ہدیہ دینے کیلیے کوئی چیز نہیں پاتے ہو تو اللہ تعالی معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ گویا آیت کے آخری حصہ نے ابتدائی حصہ کو منسوخ کر دیا۔

پنجم:

پانچویں آیت جس کے نسخ کا قول حضرت شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے اختیار فرمایا ہے سورہ مزمل کی آیت نمبر ۲/۳ ہے۔ جس میں آدھی رات یا کچھ کم قیام کا حکم ہے پھر اس حکم کو منسوخ فرماتے ہوئے اللہ تعالی نے سورہ مزمل میں یہ ارشاد فرمایا کہ

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

یعنی اس کو (اللہ تعالی) معلوم ہے کہ نہیں نباہ سکتے تم اس کو سو رحم کیا اس نے تم پر پس پڑھو جتنا آسان ہو قرآن میں سے۔

یعنی نصف شب، یا ثلث وغیرہ کی جو تحدید تھی وہ ختم ہوگئی۔

قرآن کریم کے اسماء

قرآن کریم کے لیے قرآن کریم میں چار اسماء ذکر کیے گئے ہیں۔

الاول: القران:

سورہ یوسف کی آیت آپ کے پیش نظر رہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ (الآیہ)

ہم بیان کرتے ہیں آپ پر سب سے اچھا قصہ اس وجہ سے کہ ہم نے وحی کیا آپ کی طرف یہ قرآن۔

(یوسف/۳)

پھر ایک جگہ فرمایا:

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

بلاشبہ یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔(النمل/۷۶)

پھر ایک جگہ فرمایا:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝

بیشک یہ قرآن بڑی شان والا ہے، ایک کتاب میں جو محفوظ ہے کوئی نہیں چھو سکتا اس کو، مگر پاک (سورہ واقعہ/۷۷/۷۸/۷۹)

لفظ قرآن کی لغوی تحقیق اور معانی قرآن:

قرآن مصدر ہے قرأ یقرأ سے بروزن فتح یفتح جیسے خسران خسر سے اور غفران غفر سے یا کفران کفر سے، یاد رہے کہ فعلان کا وزن مصادر میں مستعمل ہے۔

اصل میں قرآن کہتے ہیں جمع کرنے اور ملانے کو

كقول العرب ...... ماقرأت هذه الناقة سلاقطo

(سلا کہتے ہیں رحم یعنی بچہ دانی کو) **یعنی لم تضم رحماً علی ولد قط** (کہ جس ناقہ کے بچہ نہ پیدا ہوا ہو) یعنی جس نے اپنے رحم کو کبھی بچہ کے ساتھ جمع نہیں کیا۔

چنانچہ قرآن کریم میں بھی ہے: **ان علینا جمعه وقرآنه** ۔اسی طرح کہا جاتا ہے **قرأت الشئی ای اذا جمعت الشئی بعضه الی بعضo**

یعنی قرأت الشئ اس وقت کہا جاتا ہے جب آپ ایک چیز کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جمع کر لیں۔

وجہ تسمیہ یعنی قرآن کو قرآن کیوں کہتے ہیں:

عبداللہ ابن عباسؓ سے **ان علینا جمعه و قرانه** کی تفسیر میں منقول ہے اور سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ ۝
یعنی ہم اس قرآن کو آپ کے سینہ مبارک میں جمع کر لیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

چونکہ آیات قرآنیہ کو آپ کے سینہ میں جمع کر دیا گیا ہے، اس لیے اس کو قرآن کہتے ہیں۔

الثانی: الفرقان:

قرآن حکیم میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝

بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے نازل کیا حق و باطل میں فرق کرنے والا (قرآن) اپنے بندے پر تاکہ وہ اہل عالم کیلیے ڈرانے والا ہو۔ (سورہ فرقان/۱)

الفرقان بھی مصدر ہے جیسے قرآن مصدر ہے۔ اسی طرح یہ بھی فرق سے مصدر ہے۔

وجہ تسمیہ، یعنی قرآن کو فرقان کیوں کہتے ہیں؟

قرآن کو فرقان اس لیے کہتے ہیں کہ لانہ فارق بین الحق و الباطل یعنی اس کے دلائل وحجج فارق ہیں:

بین الحق و الباطل و بین المحق و المبطل ۝

قرآن کے دلائل حق و باطل اور حق پرست اور باطل پرست کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

جب قرآن مجید کا نزول نہ ہوا تھا تو سب لوگ ایک جیسے تھے۔ نزولِ قرآن کے بعد جن لوگوں نے اسے قبول کیا وہ محق قرار دیے گئے اور جنہوں نے انکار کر دیا وہ مبطل ہو گئے الغرض خیر و شر میں تمیز کر دی گئی۔ نیز فرمایا:

وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ۝

اور ہم نے دکھائے اس کو دونوں راستے۔ (سورۃ البلد/۱۰)

ایک خیر ہے اور ایک شر۔ قرآن نے دونوں راستوں کی ہدایت فرمائی تو دونوں میں فرق ہو گیا۔ نیز فرمایا:

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ

دین میں زبردستی نہیں، ظاہر ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔ (سورہ بقرہ/۲۵۶)

قبل از قرآن رشد و غی یعنی ہدایت اور گمراہی میں فرق نہ تھا۔ اس لیے قرآن کو فرقان کہا گیا ہے۔

الثالث: الکتاب:

چنانچہ فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝

سب تعریفیں اللہ کیلیے ہیں جس نے نازل کی اپنے بندے پر یہ کتاب (قرآن) اور نہ رکھی اس میں کوئی کجی۔ (سورۃ کہف/۱)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ

یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ (سورہ البقرہ/۲)

وجہ تسمیہ قرآن کو کتاب کیوں کہتے ہیں؟

کتاب یہاں مکتوب کے معنی میں ہے جیسا کہ عام طور پر گفتگو میں مستعمل ہے۔ **ارسلت الی فلان کتاباً** لہٰذا خط کو بھی کتاب کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم تو پہلے ہی اللہ تعالے کے پاس لکھا ہوا تھا چنانچہ فرمایا:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ (سورۃ البروج/۲۱-۲۲)

لوح اس تختہ کو کہتے ہیں جس پر کچھ لکھا جاتا ہے۔ اس لیے اس تختے کو بھی کتاب کہا جاتا ہے۔

الرابع، الذکر:

جیسے قرآن حکیم میں ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

بلاشبہ ہم نے ہی اتارا ہے یہ ذکر (قرآن) اور بلاشبہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (الحجر/۹)

وجہ تسمیہ قرآن کو ذکر کیوں کہتے ہیں؟

قرآن مجید کو ذکر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ذکر من اللہ ہے:

یعنی یذکر به عباده ای یعرفهم حدوداً و فرائضهم ۝

یعنی اس میں حلال وحرام یاد دلائی جاتی ہے یا اس لیے کہتے ہیں کہ ذکر شرف وفخر کے لیے بھی آتا ہے چنانچہ فرمایا **وانه لذکر لک و لقومک ۝** یہ ذکر بھی فخر وشرافت ہے۔ یہ چاروں نام خود قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

آیاتہا ۷ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ۵ رکوعہا ۱

آیتیں ۷ سورۂ فاتحہ مکّہ میں نازل ہوئی رکوع ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۳ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۴
سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے ۝ بڑا مہربان نہایت رحم والا ۝ جزا کے دن کا مالک ۝
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۵ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۶ صِرَاطَ
ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ۝ ہمیں سیدھا راستہ دکھا ۝ ان لوگوں کا راستہ
الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷ ع
جن پر تو نے انعام کیا نہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے ۝

افاداتِ محمود:

سورۃ الفاتحہ کی بالاتفاق سات آیات ہیں، لیکن اختلاف اس میں ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آیت من الفاتحہ ہے یا نہیں؟

اگر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آیت من الفاتحہ ہے تو پھر بِسْمِ اللّٰهِ الخ پہلی آیت ہے دوسری آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الخ، تیسری آیت الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، چوتھی مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پانچویں اِيَّاكَ نَعْبُدُ الخ، چھٹی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ساتویں صِرَاطَ الَّذِيْنَ الخ ہے۔

اور اگر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سورۃ الفاتحہ کی آیت نہیں ہے تو پھر یہ آیت شمار نہ ہوگی اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تک پانچ آیات ہوگئیں اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ چھٹی ہو گی اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ الخ، ساتویں آیت شمار ہوگی۔ بہرحال تعداد آیات علی اختلاف القولین ایک ہی ہے۔

سورۃ الفاتحہ کے ۲۷ کلمات اور ۱۴۰ حروف ہیں؟

سورۃ الفاتحہ کا نزول مکہ میں ہوا یا مدینہ میں؟

علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کا نزول مکہ میں ہوا یا مدینہ میں' بالفاظ دیگر یہ سورت مکیہ ہے یا مدنیہ ہے؟ جمہور اہل علم کا قول یہ ہے کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی، لہٰذا یہ مکیہ ہے' لیکن بعض علماء سے منقول ہے کہ یہ

مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ قول مجاہد سے منقول ہے۔

بعض علماء کے نزدیک یہ دودفعہ نازل ہوئی۔ ایک دفعہ مکہ میں اور ایک دفعہ مدینہ میں اور دودفعہ نازل کرنے میں شاید یہ حکمت ہو کہ تنبیہ کرنا مقصود ہو **علی شرفها و فضلها و اهميتها بخلاف سائر القرآن فهي نزلت مرتين.** یعنی اس کے شرف وفضل اور جملہ قرآن میں دوسری سورتوں پر اس کی فضیلت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہو پس یہ سورۃ دودفعہ نازل کی گئی۔

اسماء سورۃ الفاتحہ

اس سورت کے بہت سے نام ہیں:

۱- فاتحۃ الکتاب:

نماز میں بھی افتتاح قرأت اسی سے ہوتا ہے اور قرآن مجید کا افتتاح بھی اسی سے ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ لوح محفوظ میں بھی پہلے سورۃ الفاتحہ ہے۔ احادیث میں بھی اسی نام سے اس سورت کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

لا صلواة لمن لم يقراء بفاتحة الكتاب ٥ (مسلم)

اس شخص کی نماز (کامل) نہیں جو سورہ فاتحہ کو نہ پڑھے۔

۲- الحمد:

اس لیے کہ اس سورۃ کی ابتداء الحمدِللّٰہ سے ہوئی ہے۔ بسا اوقات سورۃ کا نام پہلے لفظ سے رکھا جاتا ہے جیسے سورۃ البرأت کا نام کہ براءۃ من اللہ ورسولہ سے شروع ہوئی۔ الحمد کا ذکر حدیث میں بھی آیا ہے:

لاصلوٰة لمن لم يقراء بالحمد و سورة ٥

اس شخص کی نماز نہیں جو کہ الحمد اور سورت نہ پڑھے۔

۳- ام القرآن:

سورۃ الفاتحہ کو ام القرآن اس لیے کہتے ہیں کہ الام، الاصل کہا جاتا ہے۔

یہ اصل القرآن ہے کہ قرآن کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو ام القرآن کہتے ہیں اور حدیث میں بھی ہے:

لا صلوٰة لمن لم يقراء بام القراٰن ٥ (مسلم)

اس شخص کی نماز نہیں جو ام القرآن (فاتحہ) نہ پڑھے۔

۴۔ السبع المثانی:

چنانچہ فرمایا:

ولقد اتینک سبعًا من المثانی والقراٰن العظیم۔

اور ہم نے دی ہیں آپ کو سات آیتیں جو دہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظمت والا (سورہ حجر/۸۷)

(۱)......وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سبعہ تو اس لیے کہ سات آیات ہیں اور مثانی اس لیے کہا جاتا ہے۔ **لا نھا تثنی فی الصلوٰۃ** (یہ سورت نماز میں دو دفعہ پڑھی جاتی ہے۔ دو دفعہ پڑھنے میں وجوب وفرضیت ہے۔ باقی دوسری سورت بھی پڑھ سکتے ہیں، لیکن فرضیت و وجوب نہیں ہے)

تو مثانی جمع ہے مثنیٰ کی بمعنی دو دو یعنی یہ ساتوں آیات بار بار پڑھی جاتی ہیں۔

(۲)......وجہ تسمیہ **لا نھا انزلت مرتین** اگر یہ بات درست ہے کہ یہ **نزلت بالمکۃ و المدینہ** (یعنی مکہ میں بھی نازل ہوئی ہے اور مدینہ میں بھی) تو یہ تاویل درست ہے اس لیے اسے مثانی کہا جاتا ہے۔

۵۔ الوافیہ:

وافیہ بمعنی پوری یعنی یہ سورت پوری پڑھی جاتی ہے **فی الصلوت لا تقسم ولا تفرق بخلاف باقی السور** (کہ نماز میں تمام سورتوں میں تفریق وتقسیم ہے) یعنی سورۃ الفاتحہ کا کچھ حصہ پڑھنا، کچھ نہ پڑھنا ناجائز ہے، لیکن سورۃ الکوثر کی پہلی آیت کو اگر تین مرتبہ پڑھ لیا جائے تو کافی ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک وسطیٰ آیت کافی ہوتی ہے، لیکن ثلاثہ آیات پڑھنا صاحبین کا مذہب ہے، لہٰذا اگر ایک آیت کو بار بار پڑھا جائے تو ہر دفعہ نئی آیت شمار ہوتی ہے۔

۶۔ الکافیہ:

اس لیے کہ یہ کفایت کرتی ہے تمام قرآن مجید سے:

لانھا تکفی عن جمیع القراٰن و سائر القرآن لایکفی عنھا و الفاتحۃ تکفی عن جمیع القرآن

یعنی سورہ فاتحہ پورے قرآن کریم کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے، لیکن قرآن کریم فاتحہ کی جگہ کافی نہیں ہے۔

۷۔ الکنز:

یہ اس لیے کہتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ نے ایک روایت نقل کی ہے:

عن علی بن ابی طالبؓ قال حدثنا نبی الله صلی الله علیه وسلم انها انزلت من کنز تحت العرشo

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ سورہ فاتحہ عرش کے نیچے خزانہ میں سے نازل ہوئی ہے۔

۸۔الشافیہ:

اس طرح اسے سورت الشفاء بھی کہتے ہیں:

(۱)...... چنانچہ روایات میں ہے:

شفاء من کل داء ای الفاتحه رواه الدارمی و البیهقی فی شعب الایمان

سورۃ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفا ہے۔

(۲)......دوسری روایت میں ہے:

عن ابی سعید الخدریؓ مرفوعاً عن النبی صلی الله علیه وسلم "فقال فیه" الکتاب شفاء من کل سم

حضرت ابوسعیدؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ سورہ فاتحہ میں ہر زہر آلود (زہریلے جانور کے کاٹنے یا ڈسنے) چیز سے شفاء ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور ہر بیماری بھی زہر ہوتی ہے۔

(۳)......تیسری روایت صحیح بخاری کی ہے کہ ایک صحابی سے مروی ہے کہ ہم سفر میں جارہے تھے کہ ایک بستی کے کنارے پڑاؤ کیا:

فجائت جاریة وقالت ان سید الحی سلیم

''ایک عورت نے آکر کہا کہ قبیلہ کا سردار زخمی ہے''۔

فهل فیکم راقٍ

''کیا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے''۔

تو ایک صحابی اٹھے اور اس کے ساتھ چلے گئے۔ باقی صحابہ کہتے تھے کہ ہمیں یہ علم نہ تھا کہ یہ شخص رقیہ (تعویذ جھاڑ پھونک) بھی کرتا ہے۔ بہرحال وہ صحابی چلے گئے۔ انہوں نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کر دیا اور وہ ٹھیک ہوگئے۔ اس شخص نے ان کو تیس بکریاں نذرانہ دیں۔

اجرت علی الرقیہ (تعویذات) جائز ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اجرت علی الرقیہ جائز نہیں، لیکن یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ اجرت علی الرقیہ جائز ہے، بلکہ مانگنا بھی صحیح ہے۔ وہ اس لیے کہ اس صحابی کو جب بکریاں ملیں تو ان کو شک گزرا کہ شاید یہ ناجائز ہو۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پاس آئے اور اس کی حقیقت کے بارے میں دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ جائز ہے۔

اجرت زائد علی الضرورۃ لینا بھی جائز ہے

اب یہاں پر صحابی کی ضرورت ایک بکری سے بھی پوری ہوسکتی تھی، لیکن باوجود اس کے تیس بکریاں لیں۔ معلوم ہوا کہ اجرت کی زیادت علی الضرورت بھی جائز ہے۔ نیز اجرت کا مقرر کرنا بھی جائز ہے۔
اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ما ادراک انها رقية** تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ رقیہ ہے تو صحابی نے عرض کیا کہ میں نے تو صرف یہ آیات پڑھی تھیں۔

قرأت قرآن پر اجرت لینا حرام ہے اگرچہ مقرر نہ کی گئی ہو

قرأت قرآن پر اجرت لینا حرام ہے، لیکن رقیہ پر اجرت لینا جائز ہے، فرق یہ ہے، یہ عمل ہے اور قرأت قرآن عبادت ہے۔ عمل پر اجرت لینا جائز ہے۔ عبادت پر اجرت لینا حرام ہے، لہٰذا جب آپ قرأت قرآن بہ نیت تعویذ کریں تو اس کی اجرت جائز ہے اور اگر مقصود محض قرأت قرآن ہو تو اس پر اجرت لینا حرام ہے۔ **لانــــه لیــس عــمل** ۔ عبادت صریحہ پر اجرت جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مسئلہ اجرت علی الطاعات ہے، لہٰذا پڑھ کر پھر کھانا کھانا اور اجرت لینا جائز نہیں ہے۔
علامہ شامی نے اس کی بڑی تفصیل ذکر کی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ویسے دے دیتے ہیں، لیکن علامہ شامی نے کہا ہے کہ المعروف کالمشروط تو معروف شرط شدہ ہے۔ اسی طرح تراویح میں بھی حافظوں کیلیے اجرت لینا جائز نہیں ہے۔
تعلیم قرآن پر اجرت کے جواز کا فتویٰ متاخرین نے دیا ہے:
یہ فتویٰ استحساناً علی خلاف القیاس ہے، کیونکہ دوسری صورت میں ضیاع دین کا خطرہ ہے۔ بقائے دین کے لیے اجرت لینا جائز ہے، لیکن تراویح کا پڑھانا امامت کا حصہ نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن نہ سنائیں تو قرآن کا ضیاع ہے تو یہ غلط ہے کہ یہ قرأت بغیر تراویح کے خود بخود ہو جاتی ہے۔
سورۃ الفاتحہ امراض باطنہ کے ولیے بھی شفاء ہے کہ اس میں عقائد واعمال کی اصلاح کا بھی ذکر ہے۔

فضیلت سورۃ فاتحہ

سورۃ الفاتحہ کی فضیلت کے بارے میں متعدد روایات ہیں:

۱ – عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ ما انزل فی التورات ولا فی الانجیل ولا فی الزبور ولا فی القراٰن مثلھا و انھا لھی سبع المثانی التی اتا نی اللہ عزوجل (اشارہ ہے ولقد اٰتینک سبعاً من المثانی و القراٰن العظیم آیت کی طرف) رواہ الترمذی فی الجامع وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔"

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ سورۃ فاتحہ جیسی سورت اللہ تعالیٰ نے نہ تورات میں نازل کی اور نہ انجیل و زبور میں۔ یہ سات آیتیں ہیں دھرائی جانے والی۔ (اس سے اشارہ سورہ حجر کی آیت نمبر ۸۷ کی طرف ہے جس کا ترجمہ یہ ہے اور تحقیق ہم نے دی ہیں آپ کو سات آیتیں دھرائی جانے والی اور قرآن عظمت والا) اور کہا امام ترمذی نے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نیز اس حدیث کو ابوعبداللہ الحاکم نے بھی نقل کیا ہے مستدرک میں اور اس کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ (صحیح علی شرط المسلم)

۲ – عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ قسمت الصلواۃ بینی و بین عبدی نصفین٥

وقال فیہ اذا قال العبد الحمدللہ رب العٰلمین یقول اللہ حمد نی عبدی و اذا قال الرحمن الرحیم یقول اللہ اثنی علی عبدی و اذا قال مالک یوم الدین یقول اللہ مجدنی عبدی واذا قال ایاک نعبد و ایاک نستعین یقول اللہ ھذا بینی و بین عبدی و لعبدی ما سأل۔

یعنی پہلی تین آیات اللہ کے لیے تھیں اور چوتھی آیت مشترک ہے۔ اس حدیث سے کہ پہلے اللہ ہی کو معبود بنایا اور مدد دینے والا بنایا اور اس کا اقرار کیا تو ھذا لی فرمایا اور ایاک نستعین اپنے لیے مانگا ہے اور عبادت کا اقرار کیا ہے تو یہ بینی و بین عبدی ہے (پھر آگے فرمایا)

و اذا قال العبد اھدنا الصراط المستقیم (الآیہ) (آخری تین آیات)

"فقال اللہ ھذا لعبدی و لعبدی ما سأل "رواہ مسلم فی الصحیح۔"

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے نماز اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف، نصف تقسیم کر دی ہے۔

جب بندہ کہتا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری تعریف کی اور جب بندہ کہتا ہے "الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں میرے بندے نے میری ثنا بیان کی اور جب بندہ کہتا ہے "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور جب بندہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ حصہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کو وہ کچھ مل گیا جو اس نے مانگا اور جب بندہ کہتا ہے

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ ساری آیتیں میرے بندے کے حق میں ہیں اور میرے بندے کو مل گیا جو اس نے مانگا۔ (مسلم)

اس حدیث سے بھی سورۃ الفاتحہ کی فضیلت پر روشنی پڑتی ہے۔

۳- امام دارمی نے مسند دارمی میں اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ فاتحۃ الکتاب شفاء لکل داء (فاتحہ ہر بیماری کے لیے شفاء ہے)۔

۴- ایک روایت نقل کی ہے طبرانی نے "معجم الاوسط" میں:

عن السائب بن یزید قال عوذنی رسول الله صلی الله علیه وسلم بفاتحة الکتاب فَتَفَلَ و انا مریضٌ.

حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ میں بیمار تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحہ کے ساتھ مجھ کو دم فرمایا اور پھونک کے ساتھ ہلکی ہلکی لعاب دھن مبارک بھی مجھ پر تھتکار دی۔

یعنی میں بیمار تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحہ پڑھنے کے بعد تھوک کر دم کیا۔

۵۔ اسی طرح مسند بزار میں ایک روایت ہے:

عن انسؓ اذا وضعت جنبک علی الفراش و قرائت فاتحة الکتاب و قل هو الله احد فقد اٰمنت من کل شئی الا الموت۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب تو بستر پر پہلو کے بل لیٹنے لگے اور تو نے سورۃ فاتحہ و سورۃ اخلاص پڑھ لی تو تو سوائے موت کے ہر آفت سے محفوظ و مامون ہو گیا۔

فاتحہ کے ساتھ آمین کا تعلق کیا ہے؟

سورۃ الفاتحہ کے بعد آمین کا پڑھنا مسنون ہے۔اس کو ممدوداً بھی روایت کیا گیا ہے یعنی آمین اور مقصوراً بھی یعنی اَمین۔ یہاں مد قاریوں اور مجودین والا نہیں ہے، بلکہ مالک کی طرح ہے۔

آمین میں تشدید نہیں ہے

اس آمین میں تشدید نہیں ہے یعنی آمّین نہیں ہے اور قرآن مجید میں جو ولا آمّین البیت الحرام ہے وہ آمین یہاں نہیں ہے۔

آمین کا معنی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے لکھا ہے آمین ای استجب و اسمع یعنی سن لے اور قبول فرما۔امام بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں ایک روایت نقل کی ہے:

عن ابی میسرة ان جبرئیل علیه السلام اقراء النبی صلی الله علیه وسلم الفاتحة فلما قال ولا الضالین قال له قل اٰمینo

ترجمہ: حضرت ابومیسرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فاتحہ پڑھائی تو جب ولا الضالین پڑھا تو حضرت جبریلؑ نے آپؐ سے کہا کہ کہیے آمین۔

لہٰذا آمین کا کہنا مسنون ہے چاہے نماز کے اندر ہو یا باہر ہو۔

چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے......

اذا امن الامام فامنوا فانه من وافق تامینه تامین الملائکة غفر له ما تقدم من ذنبه۔ (بخاری)

جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہا کرو۔ پس جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے:

فان الملائکة تقولها (فرشتے بھی آمین کہتے ہیں) **و فی روایت النسائی و ان الامام یقولها** (اور امام آمین کہتا ہے)

(یاد رہے کہ یہاں میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ امام بھی آمین پڑھتا ہے۔)

آمین جہراً یا سراً

ان روایات میں، جو میں نے بیان کی ہیں وہ خفی ہونے کی حیثیت سے بیان کی ہیں، ابھی بالجہر کا مسئلہ ذکر نہیں کیا۔ ورنہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے:

اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين○

اس سے بعض لوگ بآواز بلند آمین کہنے پر استدلال کرتے ہیں۔ (حالانکہ یہاں ایسی کوئی بات نہیں) بہرحال امام کا آمین کہنا ثابت ہوا کہ **صراحة فان الامام تقولها** ہے لہٰذا ضمنی تصریحات کی ضرورت نہیں ہے۔

اور اگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا...... (**اذا قال الامام غير المغضوب**) میں امام کے لیے آمین بالسر مراد ہے اور مقتدی کو محل آمین بتلایا جا رہا ہے۔ ورنہ امام کا بالسر آمین کہنا ثابت ہوا اور مقتدی کا بالجہر تو ایسا کوئی قول موجود نہیں۔

آمین قرآن میں سے نہیں ہے

آمین لفظ من القرآن نہیں ہے جیسا کہ بسم اللہ قرآن مجید سے ہے اور اسی وجہ سے یہ مصاحف میں نہیں لکھی جاتی، لہٰذا **مابين دفتي القرآن ليس بموجود بل يقراء فقط**" یعنی آمین کسی جگہ قرآن میں لکھی ہوئی نہیں ہے۔ صرف پڑھی جاتی ہے۔

ابتداء تلاوتِ قرآن کیسے کی جائے؟

تلاوت قرآن پاک **اعوذ بالله من الشيطن الرجيم** سے ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ **اعوذ بالله من الشيطن الرجيم** قرآن میں سے نہیں ہے، لیکن تلاوت قرآن مجید سے پہلے پڑھنے کا فرمان قرآن مجید میں ہے۔

فاذا قرات القرآن فاستعذ بالله من الشيطن الرجيم○

پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو پناہ مانگ لیا کریں اللہ کی شیطان سے جو راندۂ درگاہ ہے۔ (سورہ نحل/۹۸)

فاذا قرأت کا مطلب یہ ہے کہ **فاذا اردت ان تقراء القرآن○**

"یعنی جب تو قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے"۔

کیونکہ عربی میں ارادۂ فعل پر فعل کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسے:

إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ ای اردتم إِلَى الصَّلٰوةِ (سورۂ مائدہ ۶/)

جب تم نماز کے لیے قیام کرو یعنی جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو۔

چنانچہ حدیث مبارک ہے کہ

اذا صليتم على الجنازة فاخلصوا له الدعاء "ای" اذا اردت۔ (مشکوٰۃ)

جب تم نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کرو تو خلوص سے میت کیلیے دعا مانگو۔

بدذوق لوگ استدلال کرتے ہیں کہ جب فارغ عن الجنازہ ہو جائے تو اخلاص سے دعا کرے۔ ان کو یہ کہا جائے کہ اگر آپ کا استدلال صحیح ہے تو پھر حکم مذکورہ بالا کے تحت قرأت قرآن سے فارغ ہو کر پھر تعوذ پڑھا کریں اور نماز پڑھ کر پھر وضو کیا کریں، حالانکہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ یہ لوگ دراصل قرآن وحدیث کے ذوق کو نہیں سمجھتے۔

تعوذ کے لیے مناسب الفاظ کون سے ہیں؟

تعوذ کے لیے مختار قول اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ہے۔ چونکہ یہ موافق آیت ہے کہ فاستعذ بالله من الشيطٰن الرجيم۔ اسی کو اختیار کیا ہے امام ابوحنیفہؒ اُن کے تلامذہ، امام مالکؒ اور جمہور امت نے، لیکن امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ الفاظ یہ ہیں اعوذ بالله من الشيطن الرجيم ان الله هو السميع العليم○

دراصل امام احمد بن حنبلؒ دو آیات کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔

(۱)...... فاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشيطٰن الرجيم ○

اس آیت کا ترجمہ قریب ہی گزر چکا ہے۔

(۲)...... و اما ينزغنك من الشيطٰن نزغ فاستعذ بالله انه هو السميع العليم○

اور اگر آنے لگے آپ کو شیطان سے کوئی وسوسہ تو پناہ مانگئے اللہ کی بیشک وہی ہے سب کچھ سنتا جانتا۔ (سورہ حٰم السجدہ/۳۶) اور بعض انہی روایات کو جمع کرتے ہوئے تعوذ کے لیے یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں۔

اعوذ بالله السميع العليم من الشيطٰن الرجيم○

البتہ مشہور ومقبول وہ الفاظ ہیں جو شروع میں ذکر کیے گئے ہیں۔

تشریح اعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم

تعوذ کا معنی:

عاذ، یعوذ کا معنی ہے کسی کی پناہ میں آ جانا۔ اعوذ میں پناہ لیتا ہوں بمعنی التجأ الى الله وامتنع به بمعنی

پناہ مانگنا، درخواست کا معنی بھی التجا ہے۔اس عبارت کا مفہوم یہ ہوا کہ میں اُن کی پناہ میں آ کر لوگوں کے شرور سے محفوظ رہنا چاہتا ہوں۔

شیطان کا معنی:

شیطان شطن سے مشتق ہے۔یہاں نون اصلی ہے بروزن فیعال ای تباعد (یعنی دور ہو گیا) جیسے کہا جاتا ہے شطنت دارہ یعنی وہ اپنے گھر سے دور ہو گیا۔ چونکہ شیطان بھی اللہ سے دور ہو گیا ہے۔اس لیے اسے شیطان کہتے ہیں۔

بعض کے نزدیک نون اصلی نہیں ہے اور یہ شاط یشیط سے ہے ای اذا ھلک و احترق. تو شیطان بھی گویا ہلاک ہو گیا اور یہ بروزن فعلان ہے جیسے عجلان، حیوان وغیرہ۔اب شیطان نام ہو گیا ہے یعنی اسم لکل عارم، العارم الشریر المفسد۔(شریر اور فساد کرنے والا)

شیطان سے مراد جن اور انسان دونوں ہیں

لفظ شیطان سے عام طور پر ذہن جنات کی طرف جاتا ہے، لیکن شیطان ہونا صرف جنات کا خاصہ نہیں ہے، بلکہ ہر سرکش من الجن والانس اس میں شامل ہے۔شیطان من الجن زیادہ قریب اور زیادہ قبیح ہے، کیونکہ اس میں نار شدید ہے۔خاکی شیطان میں نار کا صرف ایک جزء ہے، لیکن اگر یہ جز غالب ہو جائے تو شیطان من الانس ہے۔ لہٰذا شیاطین الجن زیادہ قوی ہیں شر میں باعتبار شیطان من الانس کے۔چنانچہ قرآن مجید میں بھی ہے

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا

اور اسی طرح کر دیا ہم نے ہر نبی کیلیے دشمن شریر آدمیوں کو اور جنوں کو جو کان میں پھونکتے رہتے ہیں ایک دوسرے کے جھوٹی باتیں دھوکہ دینے کو۔(سورۃ الانعام ۱۱۲)

لہٰذا تعوذ میں صرف ابلیس مراد نہیں، بلکہ تمام شیاطین مراد ہیں۔

اور ابلیس تو صرف شیاطین کا ایک فرد ہے، ورنہ اس کی اقسام تو بہت زیادہ ہیں، لہٰذا جب تعوذ پڑھیں گے تو تمام شیاطین من الجن والانس مراد ہوں گے۔

الرجیم:

فعیل کبھی بمعنی فاعل ہوتا ہے کبھی بمعنی مفعول جیسے العلیم السمیع کا معنی العالم والسامع ہے اور بمعنی مفعول جیسے

قتیل بمعنی مقتول کے اور ذبیح بمعنی مذبوح کے۔ اب یہاں رجیم میں دونوں احتمال ہیں۔ (۱) **بمعنی فاعل یعنی راجم الذی یرجم الوساوس و الشکوک و الخطرات فی قلب المومن.**

وہ جو وسوسے اور شکوک وشبہات مومن کے دل میں ڈالتا ہے۔

(۲) **بمعنی مفعول یعنی المرجوم کما هو المشهور** کہ یہ مرجوم بالشھب ہے عند استراق السمع یعنی جب کان لگا کر اوپر کی باتوں کو یہ شیطان سنتے ہیں تو ان کو شہاب مارے جاتے ہیں)

رجم بمعنی الطرد پھینکنا **ای هو مطرود من رحمة الله** ۔ نیز ملعون کو بھی کہتے ہیں جس پر لعنت پھینکی گئی ہو چنانچہ فرمایا:

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

اور بیشک تجھ پر لعنت ہے تا روز جزا۔ (سورہ حجر/۳۵)

تعوذ کے اندر اولاً اعتراف بالعجز والقصور ہے۔ ثانیاً الاعتراف بقدرۃ اللہ ہے۔

شیطان کا لفظ دواب (جانوروں) پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر سواری شریر ہو تو اس کو بھی شیطان کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ سواری پر بیٹھے تھے تو وہ بڑی سرکش تھی اور قابو میں آنے کے بجائے شوخی دکھا رہی تھی تو آپؓ اتر گئے۔

فقال ما حملونی الا علی الشیطان.

لہٰذا ہر سرکش کے لیے شیطان کا لفظ عام ہے خواہ وہ جن وانس سے ہو یا دواب یعنی جانوروں میں سے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"بسم الله" میں الباء للاستعانة او لِلتیمن او للتبرع" الله علم لذات واجب الوجود المستجمع لجیمع صفات الکمال المنزہ عن جمیع صفات النقصان

اللہ نام ہے اس ذات کا جو واجب الوجود ہے۔ تمام صفات کمالیہ اس کی ذات میں جمع ہیں اور تمام عیوب و نقصانات سے پاک ہے جیسے اندھا ہونا عاجز ہونا گونگا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یعنی کمال سمع، کمال بصر و کمال علم وغیرہ ذالک۔ اور ناقص نہیں ہے یعنی الاصم الاعمی العاجز وغیرہ۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:

دو صفات الٰہیہ ہیں اور **فعیل فعلان** کے وزن پر ہیں اور مبالغہ کے لیے ہیں لیکن رحمٰن میں مبالغہ اشد

ہے رحیم کی بہ نسبت۔

الرحمة: رقة القلب المقتضی للتفضل والاحسان

دل کا ایسا نرم ہونا جو فضل اور احسان کرنے کا تقاضا کرے۔

صفت الرَّحْمٰنِ کو الرَّحِیْمِ پر کیوں مقدم کیا گیا؟

وجہ اول:

رحمٰن اقرب الی اللہ ہے اس لیے کہ یہ سوائے اللہ تعالے کے کسی اور کے لیے نہیں بولا جاتا۔

وجہ دوم:

رحمٰن فی الدنیا و رحیم فی الآخرۃ ہے تو دنیا میں رحمت کے آثار قریب ہیں اس لیے الرحمٰن کو مقدم کیا۔

مبالغہ دو قسم پر ہے......

۱۔ مبالغہ فی الکم ۲۔ مبالغہ فی الکیف

مبالغه فی الکم ای فی التعداد لہٰذا رحمٰن یعنی زیادہ لوگوں پر رحم کرنا یا مبالغہ فی الکیف ہے لہذا رحمٰن یعنی کیفیت میں بڑے بڑے انعامات دینا اور رحیم یعنی کمیت میں زیادہ انعام دینا۔

لہٰذا الرحمن فی الدنیا و رحیم فی الآخرة.

لہٰذا دنیا پر اللہ کا رحم اور اللہ تعالی کی عطایا اُس کی صفت رحمٰن کا تقاضا ہے اور آخرت میں اُس کا رحم اور عطایا اُس کی صفت رحیم کا اقتضاء ہے۔

تسمیہ فاتحہ کا جزو ہے یا نہیں؟

قراء مدینہ، قراء بصرہ، قراء کوفہ، فقہائے مدینہ اور فقہائے کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ جزء من السورۃ نہیں ہے اور یہی مذہب ہے امامِ مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا، لیکن امام مالکؒ کا قول ہے کہ یہ تسمیہ قرآن میں سے ہی نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے، لیکن یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب واضح ہے کہ تسمیہ آیت من القرآن ہے اور یہ نازل کی گئی ہے **للفصل بین السورتین و نزل بالتکریر۔**

بسم اللہ مکرر نازل ہوئی ہے اور سورتوں کے درمیان فصل کیلیے اتاری گئی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ابوعبداللہ الحاکم کی روایت ہے اور اس کے بعد کہا ہے......

صحيح على شرط الشيخين. عن ابن عباسؓ قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يعرف الفصل بين السورتين حتى ينزل عليه بسم الله الرحمن الرحيم (الحديث)

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو سورتوں کے درمیان جدائی نہیں کر پاتے تھے، یہاں تک کہ اُن پر بسم اللہ نازل ہوگئی۔ امام حاکم نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ روایت شیخین کی شرط پر ہے۔

یاد رہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو سورۃ نمل میں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ہے انه من سليمان و انه بسم الله الرحمن الرحيم ○ ان لا تعلو على واتونى مسلمين○ اختلاف صرف اوائل سورۃ کی تسمیہ کے بارے میں ہے۔

پیغمبروں کے خطوط طویل نہیں ہوتے تھے:

جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ہے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مختصر خط تحریر فرمایا کرتے تھے۔ جیسے ہرقل وغیرہ کے نام تھا، لیکن مرزا قادیانی ملعون نے ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھا تو وہ بشکل کتاب تھا۔ یہ اُس کے کاذب ہونے کی دلیل ہے۔

سورتوں کے شروع میں تسمیہ کا منکر کافر نہیں:

سورتوں کے شروع میں جو تسمیہ ہے اس میں مجتہدین کا اختلاف ہے اور ہر ایک مجتہد حق پر ہے۔

جزء تسمیہ من الفاتحہ میں تفصیل مذاہب:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ قراء مدینہ و بصرہ و کوفہ وغیرہ اور امام مالک و امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ قرآن ہی میں سے نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ آیت ہے اور بار بار نازل ہوئی ہے۔ دو سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے یہ نازل ہوئی۔ یہ جزء من الفاتحہ یا کسی اور سورت کا بھی جزء نہیں ہے۔ یہ اختلاف اس تسمیہ کے بارے میں ہے جو اوائل سورہ میں موجود ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی جو تسمیہ اوائل سورہ میں ہے وہ ہر سورت کا جزء ہے۔

سورۃ البراءۃ میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی؟

اس کی وجہ بہت سے صحابہؓ سے منقول ہے کہ سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ کے مضامین ایک طرح کے ہیں اور

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کے ساتھ دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا، یہاں تک کہ آپ وفات پا گئے۔ لہٰذا اس میں شبہ ہو گیا کہ یہ دونوں ایک ہیں یا الگ الگ سورتیں ہیں، لہٰذا ان کے درمیان تسمیہ نہیں لکھا گیا اور فاصلہ کے لیے ایک لکیر ڈال دی گئی کیونکہ یہ امر مشتبہ تھا۔

امام ابو حنیفہؒ و مالکؒ کی دلیل

دلیل اول:

امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے:

قال صليت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم و خلف ابى بكر و خلف عمر فلم يجهر احد منهم بسم الله الرحمن الرحيم

انہوں نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو ان میں سے کسی نے بھی بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھی۔

اس سے یہ استدلال ہوتا ہے اگر یہ جزء من الفاتحہ ہوتا تو اس کا حکم بھی فاتحہ کی طرح ہوتا، لیکن یہ بات عجیب ہے کہ فاتحہ جہراً پڑھی، لیکن تسمیہ نہ پڑھی۔

دلیل ثانی:

گذشتہ صفحات میں ایک روایت ذکر کی گئی جو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے اس میں فاتحہ کے بندہ اور خدا کے درمیان تقسیم کا ذکر تھا۔ وہاں بھی تسمیہ کا ذکر نہ تھا۔ اگر تسمیہ فاتحہ کا جزو ہوتا تو اس کا بھی ذکر کیا جاتا کہ اس کی تقسیم کس طرح ہے۔

دلیل ثالث:

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ

عن عبدالله بن مغفل قال سمعنى ابى و انا فى الصلوٰة اقراء بسم الله الرحمن الرحيم الحمدلله رب العٰلمين یعنی بسم اللہ جہراً پڑھا **(فقال ابى يا بنى اياك و الحديث**

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے منقول ہے کہ میرے والد نے مجھ کو سنا کہ میں نماز میں الحمد للہ پڑھنے سے قبل بسم اللہ کو اونچی آواز سے پڑھتا ہوں تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے بیٹے! اس نئی بدعت سے اپنے آپ کو بچائے رکھ (یعنی آئندہ اونچی آواز سے بسم اللہ نہ پڑھنا)۔

لہٰذا اگر یہ جزء من الفاتحہ ہوتی تو وہ اس کو بدعت نہ کہتے۔اس روایت کو ترمذی نے جامع میں بھی نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں عبداللہ بن مغفل کا اپنے باپ کے بارے میں یہ قول نقل فرمایا:

ولم اَرَ رجلاً ابغض اليه الحدث منه

میں نے اپنے والد جیسا بدعت سے زیادہ نفرت کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

یاد رہے کہ قائلینِ عدم الجزء میں ایک صحابہ کی جماعت ہے جس میں خلفائے راشدین (ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ و علیؓ) عبداللہ بن مسعود اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام شامل ہیں۔

تشریح سورۃ الفاتحہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یہ کلام اللہ ہے، لیکن یہ جاری ہے بندوں کی زبانوں پر، لہٰذا یہاں قولوا مقدر ہے یعنی تم کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ایسی آیات جو اللہ کا مقولہ بن سکتی ہیں ان کو مقولۂ عباد بنانا ضروری نہیں ہے۔کبھی اللہ تعالیٰ اپنی حمد خود بھی کرتے ہیں۔

مفسرین نے ان آیات کو بھی مقولۂ عباد قرار دیا ہے اس لیے کہ اس کے بعد کی آیات یقیناً متعلق بالعباد ہیں تو پہلی آیات بھی متعلق بالعباد ہیں۔

حمد:

حمد کا معنی ہے زبان کے ساتھ کسی کے ایسے وصف جمیل پر تعریف کرنا جو اس کے اختیار میں ہو (لیکن اگر وہ وصف جمیل اختیاری نہیں ہے تو اس پر حمد بھی نہیں ہے) اور تعریف تعظیم کے طریقہ پر ہے بطور طنز نہیں۔

لہٰذا یہاں مدح نہیں کہا کیوں کہ مدح اللہ کی نہیں ہوتی بوجہ تمام اوصاف کمال اختیار یہ کے۔

یاد رہے کہ اللہ کی صفات میں فلسفہ سے جرح کرنا صحیح نہیں ہے۔فلسفہ کا اسلام سے تعلق اس قسم کا نہیں ہے جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔عام لوگ اس وجہ سے متاثر ہو گئے کہ فلسفہ کو عربی میں منتقل کر دیا گیا ہے۔فلسفہ عربی میں ہونے کی وجہ سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی اسلام کا جزو ہے۔چنانچہ انہوں نے تقابل شروع کر دیا اور حرکت فلک، گردش کواکب اور ستاروں کا آسمان میں مرکوز ہونا ایسی بحثیں شروع کر دیں اور خرق والتیام میں الجھ گئے۔

اور پھر جب سائنسدان چاند پر چلے گئے تو کہنے لگے اسلام پر ضرب لگ گئی اور پھر وہاں سے پتھر اور دیگر اشیاء لے کر آئے تو اور زیادہ فکر مند ہو گئے اور جب مریخ پر گئے تو حیران ہوئے کہ وہ کیا تعلق تھا۔ان کے غلط ہونے سے جملہ مشینوں کے ساتھ کیسے نکل گئے حتیٰ کہ تنگ آ کر کہا کہ اسلام پر ضرب لگ گئی۔حقیقت یہ ہے کہ

فلسفیانہ مسائل کا قرآن سے اسلام پر ضرب نہیں لگی، بلکہ بطلیموس کی غلاطتیں ختم ہوگئیں۔

چاند پر جانے سے معراج بھی تسلیم ہوگئی:

اب ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے۔اس کے منکرین چودہ سو سال سے موجود تھے، لیکن آج سائنس کے اس کارنامہ کی وجہ سے ہم جیت گئے۔ہم نے کہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں، لیکن آج تک ایک طبقہ انکار کر رہا تھا۔وہ بھی آج شرمندہ ہیں۔

چاند پر جانے سے اسلام پر نہیں یونانی حکمت پر ضرب لگی ہے:

آج ہم جیت گئے، اسلام جیت گیا۔ہمیں خوشی ہونی چاہیے تھی، نہ کہ الٹا ہم یہ کہیں کہ اسلام پر ضرب لگ گئی۔یہاں شکست اسلام کی نہیں، اس یونانی حکمت کی ہے جس یونانی حکمت کو ایک طبقہ اسلام سمجھ بیٹھا تھا، حالانکہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔

رب العالمین:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ اللہ اسم ذات ہے۔اب یہاں سے اس کے اوصاف اربعہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱)...... رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۲)...... الرَّحْمٰنِ (۳)...... الرَّحِیْمِ (۴)...... مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ

تحقیق لفظ رب:

لفظ رب اگر مطلقاً ذکر کیا جائے تو اس کا اطلاق اللہ تعالے پر ہوتا ہے، لیکن اگر اسے کسی اور اسم کی طرف مضاف کر دیا جائے تو اس کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے۔ کما قال رب الدار (گھر کا مالک) جیسے باب مضاربت میں رب المال کہا جاتا ہے۔چنانچہ سورۃ یوسف میں فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ الخ ۝

ترجمہ: پھر جب آیا اس کے پاس شاہی فرستادہ تو یوسف نے اس سے کہا کہ لوٹ جا اپنے مالک کے پاس۔(سورہ یوسف/۵۰)

تحقیق لفظ عالم:

العالم ما سوی الله تعالی من الموجودات چونکہ عَلَم ہے علی وجود الصانع کہ مصنوع کے وجود سے صانع پر دلالت ہوتی ہے ای علم علی صانعه و خالقه ۝

عالم ایسا لفظ ہے کہ جمیع ماسوی اللہ پر اطلاق ہوتا ہے۔ اس کا ایک اطلاق خاص ہے اور ایک عام ہے۔ عام سے مراد یہ ہے کہ موجودات کی ایک نوع پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ عالم الجن، عالم الانس، عالم الملائکہ، عالم الحیوان، عالم جواہر، عالم النباتات، عالم ارواح، عالم جمادات۔

العالمین جمع کا صیغہ کیوں لائے:

یہاں عالم سے مراد اصناف عالم ہیں، لہٰذا عالمین جمع کا صیغہ لائے۔

یا، نون اور واؤ، نون کی جمع میں معنوی فرق:

جمع بالواو والنون یہ مختص ہے بالعقلاء لہٰذا غیر عقلاء کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ نہیں آتی اور جمع بالیاء والنون، یہ غیر عقلاء کے لیے ہے۔ اب دیکھئے عالم کی اکثریت غیر عقلاء کی تھی کہ صرف تین ذوی العقول ہیں یعنی عالم الملائکہ و عالم الانس و عالم الجن لہٰذا یہاں یاء اور نون کی جمع لائے ہیں۔

تحقیق ربوبیت:

ربوبیت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱)......ربوبیت عامہ (۲)......ربوبیت خاصہ

ربوبیت خاصہ:

اولاد کے لیے والدین کی ربوبیت۔ والدہ کی تربیت کا تعلق ذاتی و جسمانی ہے اور باپ کی تربیت کا تعلق روحانیت سے ہوتا ہے، لیکن یہ مختص ہے بالاولاد یا باغبان کی ربوبیت درختوں اور پودوں کے لیے مختص ہے یا چرواہے کی ربوبیت جو صرف جانوروں کیلیے مختص ہے۔

ربوبیت عامہ:

ربوبیت عامہ وہ ہے جس کا تعلق عامۃ الموجودات کے ساتھ ہو اور دائمی ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ ہے اور علی الدوام یعنی مستقل ہے۔

کیا شمس و قمر کی ربوبیت عام نہیں؟

یہ بات صحیح ہے کہ شمس و قمر کی ربوبیت عامہ ہے، کیونکہ شمس اپنی حرارت سے سارے عالم کی تربیت کر رہا ہے۔ اگر شمس کی حرارت اور یبوست نہ مل سکتی تو انسان، نباتات اور جمادات نشو ونما نہ پا سکتے۔ قمر بھی تربیت کر رہا ہے۔ اگر اس میں برودت اور رطوبت نہ ہوتی تو بھی اس عالم کی نشو ونما ممکن نہ تھی۔ لہٰذا بظاہر آفتاب و ماہتاب کی

ربوبیت عامہ ہے، لیکن نظر عمیق سے اور فکر و تحقیق سے دیکھا جائے تو یہ ربوبیت عامہ نہیں، بلکہ خاصہ ہے۔ کیونکہ تربیت عامہ میں شرط ہے کہ وہ علی الدوام ہو جبکہ کواکب و شمس و قمر جب غروب ہو جاتے ہیں تو ان کی ربوبیت ختم ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم پر حجت قائم کرنا چاہی تو فرمایا:

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ۝

ترجمہ: پھر جب اس نے دیکھا چاند چمکتا ہوا تو کہا یہی میرا رب ہے پھر جب وہ غائب ہو گیا تو بولا کہ اگر نہ ہدایت کی ہوتی مجھے میرے رب نے تو میں ہو گیا تھا گمراہ لوگوں میں سے۔ (سورۃ انعام/۷۷)

اسی طرح

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۝

پھر جب اس نے دیکھا سورج چمکتا ہوا تو بولا یہی میرا رب ہے۔ یہ تو سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولا کہ اے میری قوم میں تو بیزار ہوں ان سے جنہیں تم اللہ کے شریک ٹھہراتے ہو۔ (سورہ انعام/۷۸)

لیکن جب وہ غروب ہوا تو پھر انکار کر دیا۔ ان سب چیزوں کو مسترد کرنے کی وجہ یہی غروب اور ربوبیت بغیر الدوام ہے۔

ربوبیت سبب ہے معبودیت کا:

جب اللہ ہی رب ہے تو ربوبیت ہی سببِ معبودیت ہے، اس لیے اب اللہ کی عبادت کا ذکر فرمایا کہ وہ عبادت کے لائق ہے۔

تحقیق عبادت:

عبادت کے معنی ہیں نہایت تعظیم کرنا۔ انتہائی تعظیم اسی کی ہونی چاہیے جس کے احسان بھی ہم پر انتہائی ہوں اور وہ اللہ ہی ہے۔ یوں تو ہر محسن کی تعظیم ہوتی ہے، لیکن اگر محسن کا درجہ کم ہے تو تعظیم بھی کم ہوگی اور تعظیم کی کمی عبادت نہیں ہے۔

افضل عبادت سجدہ ہے:

انسان کے بدن میں اشرف الاعضا پیشانی ہے اور زمین سے زیادہ انتہائی پستی کسی میں نہیں ہے۔ عبادت میں اس پیشانی کو زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو محسن کے سامنے ذلت کی انتہا تک پہنچا دینا یہی انتہائی تعظیم اور عبادت ہے۔ غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا حرام ہے، کیونکہ انتہائی عبادت انتہائی محسن کے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں۔

اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام تھا تو آدم کو کیوں سجدہ کرایا گیا:

قیام مطلقاً عبادت نہیں اس میں نیت ضروری ہے، البتہ سجدہ مطلقاً عبادت ہے۔ اس میں نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ باقی آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کرایا گیا تو وہ بحیثیت کعبہ تھا ورنہ اصل سجدہ خدا تعالیٰ کو تھا۔

ابراہیم علیہ السلام نے شمس وقمر کو ھذا ربی کیوں کہا:

بعض لوگ تاویل کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے ھذا ربی جو کہا تھا وہ بمعنی اھذا ربی تھا، یعنی کیا یہ رب ہے؟ لیکن تاویل نہ کریں تو اچھا ہے، بلکہ یہ کہیں کہ یہ بھی ایک طریقہ تعلیم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ آیت میں بیان فرمایا

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

دعوت دیجیے لوگوں کو اپنے رب کے راستہ (اسلام) کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ (سورہ نحل/۱۲۵)

اس آیت میں دعوت کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ وہ طریقہ یہ تھا کہ جب دیکھا کہ تمام قوم یہاں موجود ہے تو آئندہ کے لیے دلیل بنا کر تعلیم دیتے ہیں۔ آپ نے چاند کو دیکھ کر فرمایا ھذا ربی، لیکن جب وہ چاند غروب ہو گیا تو لوگوں نے سمجھ لیا کہ نور دائمی نہیں ہے۔ پھر سورج کو دیکھ کر کہا کہ ھذا ربی۔ پھر وہ بھی غائب ہو گیا تو لوگوں کی عقل میں بھی بات بیٹھ گئی کہ ان کا یہ کمال دائمی نہیں ہے۔ اب موقع تھا کہ قوم کے ذہن کو بدل دیا جائے لہٰذا فرمایا:

اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

میں نے متوجہ کیا اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو سب سے منہ موڑ کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ (انعام/۷۹)

یہ تعلیم دینے کا ایک طریقہ تھا اور باقی لفظ ھذا ربی جو کہا ہے، وہ صرف تعلیم دینے کے لیے کہا تھا۔ یہاں ہمزہ استفہامیہ داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے ربوبیت کا ذکر کس طرح کیا؟

موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے پاس گئے تو فرعون نے پوچھا:

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۳﴾

فرعون بولا اور وہ رب العالمین کیا ہے؟

تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ (الآیہ)

فرمایا پروردگار آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے۔ (شعراء/۲۴)

لیکن فرعون اس جواب سے خوش نہ ہوا اور کہا:

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾

فرعون بولا بیشک تمہارا رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف وہ تو دیوانہ ہے۔ (شعراء/۲۷)

یہاں فرعون نے پوچھا تھا وما رب العالمین اور "ماھو" سے ذاتیات کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے یہاں سوال عن حقیقت الشئی ہے، لیکن جواب میں اللہ کے اوصاف ذکر کیے گئے کیونکہ اللہ کی حقیقت معلوم نہیں لایحد ولا یتصور (نہ اُس کی حد ہے، نہ وہ تصور میں آ سکتا ہے) پھر دوبارہ پوچھا تو فرمایا:

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۶﴾

فرمایا پروردگار تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا۔ (شعراء/۲۶)

پھر سہ بارہ پوچھا تو فرمایا:

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ (الآیہ)

فرمایا پروردگار مشرق اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے۔ (شعراء/۲۸)

ربوبیت زمانی و مکانی و وضعی:

ایک ربوبیت فی کل مکان ہے، لہٰذا اس کا ذکر فرمایا:

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ

کہ ہر مکان کا رب ہے اور دوسری آیت میں ربوبیت فی کل زمان کا ذکر فرمایا:

رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۶﴾ (الآیہ)

اور ربوبیت وضعی کے عموم کا ذکر فرمایا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ

یہاں زمان ومکان ووضع کی تفہیم مقصود تھی تو یہاں تین تعمیمات سے جواب دیا اور ثابت کر دیا کہ ربوبیت الٰہی عامہ ہے اور اس کے مقابل میں فرعون کی ربوبیت خاصہ فی المکان ہے کہ اس کی ربوبیت صرف افراد مملکت کے لیے ہے اور ربوبیت زمانی ووضعی میں بھی عموم نہیں ہے۔ اس طرح یہ ثابت کر دیا کہ فرعون کا کہنا غلط ہے۔ صرف اللہ ہی رب العالمین ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اور وہی اللہ روز جزاء کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اختصاص صرف یوم الدین کے ساتھ کیوں؟

یہاں یوم الدین کا اختصاص اس لیے ذکر کیا کہ یوم الدین کی ملکیت صرف اللہ ہی کے لیے مختص ہے، اگرچہ دنیا میں بظاہر بہت سے لوگ ملکیت کا دعوے کرتے ہیں کہ ملکِ فلاں ملکِ فلاں۔ یہ صرف یہاں کے مالک ہیں، آخرت کے نہیں۔

غیر اللہ کو شہنشاہ کہنا کیسا ہے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی کو ملک الاملاک یعنی بادشاہوں کا بادشاہ نہ کہو اور لفظ شہنشاہ یعنی شاہ شاہاں کہنا بھی اسی حکم میں شامل ہے لہذا یہ صراحۃً ممنوع ہے، بلکہ یہ لفظ صرف اللہ کے لیے مختص ہے۔ چنانچہ فرمایا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

کس کی حکومت ہے آج؟ اللہ ہی کی جو ایک ہے بڑا غالب۔ (سورہ مومن/۱۶)

مٰلِكِ

اسی لفظ کو امام قرأت حفص مالک بالف پڑھتے ہیں اور امام عاصم کوفی مٰلک میم کے اوپر کھڑی زبر پڑھتے ہیں۔

مِلك اور مٰلِكِ میں کیا فرق ہے؟

مالک اسم فاعل کا صیغہ ہے یہ عام طور پر ملکِ سے استعمال ہوتا ہے اور ملک صفت ہے، اس کا مصدر مُلک ہے یعنی بادشاہی۔ آخرت میں مَلِک بھی اور مالک بھی اللہ ہے، لہٰذا دونوں صحیح ہیں۔ خدا مالک بھی ہے اور اس کی ربوبیت بھی عامہ ہے، زمان ومکان اور وضع میں تو عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔

اقسام عبادت:

عبادت دو قسم کی ہے جلالی وجمالی۔

عبادت جمالی:

اگر عبادت بوجہ محبت ہو یعنی سبب عبادت محبت ہو تو اس کو عبادت جمالی کہتے ہیں، جیسے حج کی عبادت۔ اس میں محبت کے سوا اور کیا چیز ہے؟ اسی طرح صوم بھی عبادت جمالی ہے کہ محبوب کے کہنے پر ہی تو کھانا پینا اور جماع کو چھوڑا کہ یہ تمام علائق دنیا ہیں۔ زن وزر یہ تمام مصائب ہی تو ہیں اور خدا سے روکنے والی چیزیں ہیں۔

تفصیل جمال وکمال:

محبّ پر محبوب کا ایک حق ہوتا ہے اور محبّ محبوب کا پرتو ہوتا ہے۔ صوم رمضان بھی عبادت جمالی ہے کہ علائق دنیا سے کلیۃً لاتعلق ہو گئے۔

محبوب بھی نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ خواہشات کا اتباع کرتا ہے۔ محبّ نے بھی یہ سب کچھ کیا۔ پھر محبّ کی طبیعت محبوب کے گھر جانے کی طرف مائل ہوئی تو ایک لمبا سفر بحرٗ بر، دشت ودریا کا طے کر کے جاتے ہیں:

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتش عشق تیز تر گردد

جیسے جیسے ملاقات کا وقت قریب آتا جاتا ہے تو عشق ومحبت کی آگ بھی تیز ہوتی جارہی ہے۔

پھر سلے ہوئے کپڑے اتار دیتے ہیں اور چادریں جو میت کے کفن سے مشابہ ہوتی ہیں، پہن لیتے ہیں۔ گویا اب محبوب کے لیے زندگی سے بھی لاتعلق ہو گئے اور پھر لبیک کہہ کر تمام توجہات محبوب کی طرف کر لیتا ہے۔ جب بیت اللہ کا دیدار کرتا ہے تو وصال کی خوشی برداشت نہ کرتے ہوئے بلبلاتا ہے، تلملا اٹھتا ہے اور مسجد حرام میں جا کر محبوب کے گھر کے اردگرد متحیر ہو کر پھرتا ہے۔ کما قال الشاعر

امر علی الدیار دیار لیلیٰ اقبل ذالجد ارو ذالجدار
فما شغفن حب الدیار قلبی ولکن من سکن الدیار

میں جب لیلیٰ کے مکانوں کے قریب سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں۔ میری محبت کا یہ حال ان مکانوں کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان مکانوں میں رہنے والوں کی وجہ سے ہے۔

حج دیوانگی سے قبول ہوتا ہے فرزانگی سے نہیں:

حج دیوانگی سے قبول ہوتا ہے فرزانگی سے نہیں۔ حج میں انسان تلاش کرتا ہے کہ محبوب کہاں ہے؟ حج کی عبادت میں محبت ہی محبت ہے اور محبت پیدا ہوتی ہے کمال سے، احسان سے اور اس کے لیے عبادات جمالی ہیں۔

دوم عبادت جلالی:

عبادت جلالی میں نفع کی امید ہوتی ہے، ضرر کا خوف ہوتا ہے۔ عبادت جلالی کے بارے میں کہا گیا:

هو النافع الضار ۝

جیسے کہ نماز اور زکواۃ۔ یہ دونوں جلالی ہیں۔ اگر یہ عبادت نہ کرے تو عذاب ہے۔ اگر کرے تو ثواب ہے اس عبادت کا سبب محبوب کی عظمت اور اس کا جلال ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں ذکر جمال وکمال:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں کمال کا ذکر کیا اور رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ میں جمالیات کا ذکر اور احسانات کا ذکر فرمایا۔ احسان وکمال کی وجہ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ یہی محبت سبب ہے عبادت کا اور عبادت میں تکاسل وتغافل یعنی سستی اور غفلت کا خطرہ تھا تو مالک یوم الدین کہہ کر متنبہ کر دیا۔

يَوْمِ الدِّيْنِ .... بمعنی روز جزاء ...... دان يدين ۝

بدلہ دینا جزاء دینا کما قال الحماسہ:

فد ناهم كمادانوا ۝

ہم نے ان کو ویسا ہی بدلہ دیا جیسے انہوں نے دیا تھا۔

اسی وجہ سے مالک یوم الحشر کے بجائے مالک یوم الدین کہا اور اس کا ذکر اس لیے فرمایا کہ آخرت میں اللہ اچھے کام کی جزاء اور برے کام کی سزا بھی دے گا۔

اور اس جزاء وسزا کا سبب مالک یوم الدین ہونا ہے۔

یہاں تک سورۃ الفاتحہ میں تمہیدات تھیں جن سے معلوم ہوا کہ اب سوائے خدائے عز وجل کے اور کوئی محبوب ومعبود اور مقصود ومسجود موجود نہیں ہے۔ ان تمہیدات میں چونکہ محبوب ومعبود کی ذات کا بظاہر تعین نہ کیا جارہا تھا، لہٰذا غائب کے صیغے استعمال کیے گئے اور اب تعین ہو چکا ہے۔ اب حاضر کے صیغے استعمال کیے جارہے ہیں اور فرمایا:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

ایاک مفعول بہ مقدم ہے۔

نَعْبُدُ لكَ

یہاں صرف یہ مفہوم ہوتا کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے مدد مانگتے ہیں تو نعبدک ونستعینک ہونا چاہیے تھا، لیکن ایاک نعبد تقديم ما حقه التاخير يفيد الحصر والاختصاص کہ ہم خاص تیری ہی

عبادت کرتے ہیں تو یہاں حصر فی العبادت مقصود ہے اور وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ میں حصر فی الاستعانت مراد ہے۔

اقسام عبادت:

انسان کے ہر عضو کی عبادت ہوتی ہے، کبھی زبان سے جیسے تسبیح اور کلمات الخیر اور کبھی آنکھ سے جیسے نظائر قدرت اللہ جیسے فرمایا:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ۝ (الآیہ)

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں اونٹ کی طرف کہ کیسے پیدا کیا گیا؟ (سورہ غاشیہ/۱۷)

کہ دیکھنے سے آپ کو سبق ملے گا۔ اسی طرح عبادت السمع کلام اللہ کا سننا ہے، ہاتھوں اور پاؤں کی عبادت جہاد میں جانا، مسجد کی طرف جانا اور ہاتھ سے قرآن کی تفسیر لکھنی وغیرہ۔

الغرض تمام قویٰ ظاہری و باطنی کو اللہ کی رضا میں استعمال کریں تو یہ عبادت ہے۔

فرقہ قدریہ و جبریہ اور مسلک اہلسنت والجماعت:

وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ سے رد ہے دو فرقوں جبریہ و قدریہ پر۔

جبریہ فرقہ جو انسان کو مجبور محض کہتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کالحجر ہے کہ وہ خود کوئی حرکت نہیں کرتا جب تک کہ دوسرا حرکت نہ دے۔

قدریہ وہ فرقہ ہے کہ ان کے نزدیک انسان اپنے افعال خود کرتا ہے اور ان پر قادر ہے۔ وہ اپنے افعال کا خالق بھی ہے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ان کے درمیان میں ہے اور افراط و تفریط سے پاک ہے کہ انسان کو ایک حد تک اختیار ہے۔ جبریہ کے عقیدہ کے مطابق انسان عبادات کے ساتھ مکلّف نہیں ہوگا۔ کیونکہ مکلّف کو تکلیف دی جاتی ہے امور اختیاریہ میں، لیکن امور اضطراریہ میں تکلیف دینا ممکن نہیں۔ کحرکۃ المرتعش یعنی جس آدمی پر رعشہ طاری ہو جائے اور اس کے ہاتھ ہر وقت ہلتے ہیں۔ اب اس کو یہ کہنا کہ ہاتھ ہلاؤ یا ہاتھ نہ ہلاؤ دونوں باتیں بے کار ہیں۔ اسی طرح جبریہ کا جب یہ عقیدہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے تو پھر اس کو احکام کا پابند کرنا اور منہیات سے روکنا بے معنی ہے۔ ان کا عقیدہ اختیار کی مکمل تردید کرتا ہے۔ ان کے عقیدے سے انسان سے امور تکلیفیہ سلب ہو جاتے ہیں، لہٰذا جبریہ کی ایاک نعبد سے تردید کی گئی ہے کہ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ جبریہ سے سوال کریں کہ عبادت کرنے کا کیا فائدہ، جب ثواب نہیں۔ معلوم ہوا کہ جبریہ کا عقیدہ باطل ہے۔ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق انسان ایسا بااختیار بھی نہیں کہ خود ہی قادر بن جائے۔ لہٰذا ہم اپنے اختیار کے ساتھ عبات کرتے ہیں،

لیکن استعانت اللہ کی ہوتی ہے۔ استعانت سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے تندرستی دی اور اعضاء دیے، جھکنے کو اور جوڑوں کو موڑنے کی صلاحیت دی تو ایاک نستعین فرما کر قدریہ پر رد فرمایا سو انسان قادر ہے، لیکن اختیار کی حد تک۔

استعانت کا معنی کیا ہے؟

استعانت کا معنی ہے طلب العون (مدد طلب کرنا)۔ بعض صوفیاء کہتے ہیں استعانت مشتق ہے عین سے (باب یائی ہے) یعنی مراد مشاہدہ ہے کہ ہم مطالبہ کرتے ہیں مشاہدہ کا یعنی درخواست ہے کہ ہم آنکھوں سے آپ کو دیکھ لیں، لیکن یہ محض تکلف ہے۔ معنی اول راجح و معتبر ہے۔

مدد کس سے مانگی جائے:

اگر استعانت ما تحت الاسباب غیر اللہ سے ہو، لیکن اس کا رجوع اللہ کی طرف ہو تو یہ جائز ہے اور اگر استعانت ما تحت الاسباب محض غیر اللہ سے طلب کر رہا ہے تو یہ نا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کسی سے مدد مانگے اور اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ یہ مدد بتوفیق اللہ ہے یعنی استعانت غیر مستقلہ ہو اور مرجع اللہ ہی ہو تو یہ جائز ہے، لیکن استعانت خاصہ و ذاتی صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس وجہ سے إِيَّاكَ نَعْبُدُ پر ہی نَسْتَعِينُ کا عطف کرتے تو کام بن جاتا، لیکن نَسْتَعِينُ کے ساتھ بھی إِيَّاكَ لگایا تا کہ واضح ہو کہ مدد صرف اللہ ہی سے مانگی جا سکتی ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

مومن صراط مستقیم پر ہی ہوتا ہے پھر صراط مستقیم مانگنے کا کیا فائدہ؟

صراط مستقیم کی استقامت پر نظر ڈالیں تو اس کو کئی حیثیتوں سے صراط مستقیم کہا جاتا ہے۔

اول:

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ای الطریق القصیر

(چھوٹا راستہ) ایسا چھوٹا راستہ جو منزل پر جلدی پہنچا دے لہذا استقامت باعتبار الطّول والعرض ہے۔

دوم:

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ای الطریق المستوی

(برابر راستہ) کوئی چیز حائل نہیں۔ کانٹے نہیں، کوئی تکلیف دہ چیز نہیں ہے۔

سوم:

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ای الطریق المأمون ٥

(محفوظ راستہ) یعنی چور ڈاکو اور راہزن نہیں ہیں۔ درندہ وغیرہ نہیں ہیں۔ اب یہاں گذشتہ اشکال کہ مومن پہلے ہی سیدھے راستہ پر ہے پھر یہ صراط مستقیم کیوں مانگتا ہے۔ اس کا جواب بھی ہو گیا کہ اگر وہ صراط مستقیم یعنی چھوٹے راستہ پر ہے تو صاف راستہ مانگ رہا ہے اگر صاف راستہ پر ہے تو محفوظ راستہ مانگ رہا ہے۔ لہٰذا تحصیل حاصل نہ رہا اور یہاں صراط مستقیم دنیوی مراد ہے اخروی مراد نہیں۔ کیونکہ اس کے بارے میں یہ تفصیل نہیں ہے وہاں در بند ہوگا یا کھلا ہوگا۔

استقامت کی تفصیل:

استقامت تین چیزوں میں ہے (۱) فی الاقوال (۲) فی الافعال (۳) فی الاحوال۔

ایک آدمی کو ایک اعتبار سے تو استقامت حاصل ہے یعنی اقوال میں، لیکن اپنے افعال میں کچھ کمزور ہے تو اس کی طلب کر رہا ہے اگر اس میں بھی صحیح ہے تو فی الاحوال کی طلب کر رہا ہے، لہٰذا تحصیل حاصل نہ ہوا۔

اصل استقامت کیا ہے؟

الاعتدال بین الافراط و التفریط○

ایسا اعتدال اور میانہ روی کہ اس میں حد سے بڑھنا بھی نہ ہو اور گھٹنا بھی نہ ہو، یہی خاصہ ہے دین اسلام کا۔

اللہ تعالی نے ہر انسان میں تین قوتیں دویعت فرمائی ہیں ۔(۱)......قوت عقلیہ (۲)......قوت شہویہ (چاہتوں والی قوت) (۳)......قوت غضبیہ (دفاعی قوت) قوت عقلیہ کے ذریعہ انسان چیزوں کی حکمتیں معلوم کر سکتا ہے اور اللہ تعالی نے جگہ جگہ غور وفکر کی دعوت دی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ۝

کیا وہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں اونٹ کی طرف کہ کیسے پیدا کیا گیا؟ (سورہ غاشیہ)

لیکن اگر کوئی شخص رات دن فقط سوچتا ہی رہے اور تمام چیزوں کو بھول جائے تو یہ ناجائز ہوگا۔

(۲) اسی طرح قوت شہویہ کا استعمال جائز طریقے سے ہو تو ٹھیک ہے اور اگر کوئی اپنی چاہتوں کو پورا کرنے کے لیے جائز و ناجائز کی تمیز و تفریق نہ کرے تو یہ بھی استقامت کے خلاف افراط و تفریط ہوگی۔

(۳) اسی طرح اگر کوئی شخص ہر وقت غصہ میں مشتعل رہتا ہے اور جلدی سے کوئی بھی قدم اٹھاتا ہے تو یہ تہور ہے۔ یہ منع ہے اور اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کو کبھی غصہ ہی نہیں آتا تو یہ جبن یعنی بزدلی ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بزدلی سے اللہ کی پناہ مانگی ہے فرمایا:

اللھم انی اعوذبک من الجبن○

''اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں بزدلی سے''۔

الغرض قوت غضبیہ کے استعمال کے یہ دونوں طریقے افراط و تفریط پر مبنی اور استقامت و اعتدال کے خلاف ہیں۔ اعتدال یہ ہے کہ قوت غضبیہ کا استعمال انسان سوچ سمجھ کر کرے۔

عبادات میں اعتدال کا حکم:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نوجوان تھے۔ ان کے والد حضرت عمرو بن عاصؓ بہت ماہر سیاست دان تھے۔ تمام عرب پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ حضرت معاویہؓ کو بھی ان کی وجہ سے کامیابی ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی کرا دی۔ کئی دنوں کے بعد بہو سے پوچھا کہ آپ نے میرے بیٹے کو کیسے پایا۔ وہ کہنے لگی رات کو نوافل میں قرآن کریم پڑھتا ہے۔ دن کو روزہ رکھتا ہے۔ بڑا نیک ہے تو حضرت عمروؓ سمجھ گئے کہ بہو کی حق تلفی ہو رہی

ہے۔ کسی ذریعہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ کو بلوا کر پوچھا کہ کتنا پڑھتے ہو تو کہنے لگے، سارا قرآن، تو حضورؐ نے سمجھا بجھا کر بڑی مشکل سے ایک رات میں ایک منزل پر راضی کر لیا کہ سات راتوں میں قرآن کریم مکمل ہوا کرے گا اور روزوں کے متعلق فرمایا کہ مہینہ میں تین روزے رکھو۔

فقال انی اطیق اکثر من ذالک ہ

یعنی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن بغیر روزہ کے رہو یعنی صوم داؤدی پر راضی کر لیا تو استقامت و اعتدال کے پیش نظر عبداللہ کو عبادت چھوڑنے پر مجبور فرمایا۔ ان کی قبر قاہرہ میں ہے۔ میں نے زیارت کی ہے۔ جب یہ ضعیف ہو گئے تو فرماتے کہ حضورؐ کا مشورہ قبول کرتا تو اچھا تھا۔ کیونکہ اب وہ نصاب پورا کرنے کی طاقت نہیں رہی۔ عبادت اگرچہ کم نہیں کی، لیکن مشورہ قبول کرنے کی...... تمنیٰ فرمائی، لہٰذا ایسے اعمال شاقہ جو انسانی طاقت سے باہر ہوں، یہ بھی استقامت کے خلاف ہے، لہٰذا صراط مستقیم سے مراد استقامت ہے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

رجال کار کو حجت بنانا:

یہاں صراط مستقیم کا تعارف کرایا گیا رجال کار سے۔ گویا اصلاح کے لیے نظریاتی طور پر رجال کار درکار ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخصیت پرستی ہے اور صحابہ کرام کے اقوال کا انکار کرتے ہیں۔ ان کو بطور حجت تسلیم نہیں کرتے۔ رجال کار کو درمیان سے نکال لینے کے بعد کوئی کام نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا یہاں صراط مستقیم قرآن و حدیث کو نہیں کہا، بلکہ بتایا گیا کہ اگر صراط مستقیم درکار ہے تو اس سے پہلے رجال کار تلاش کرو۔

منعمین کون ہیں؟

چنانچہ القرآن یفسر بعضہ بعضا

یعنی قرآن کریم ہی کے بعض حصے دوسرے بعض حصوں کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں تو یہ منعمین یعنی انعام یافتہ لوگ ہمیں قرآن ہی میں مل گئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ

وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ (سورۃ نساء/۶۹)

اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا پس وہی لوگ ہوں گے ان کے ساتھ انعام کیا اللہ نے جن پر نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالح لوگوں میں سے اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں۔

تعارف نبیّین:

النبی انسان بعثه الله تعالی لتبلیغ احکامه

یعنی نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالی نے اپنے احکام لوگوں تک پہنچانے کے لیے مبعوث فرمایا ہو۔ نبی کی حفاظت اللہ تعالی فرماتے ہیں وہ محفوظ ہوتا ہے۔ من الخطاء و المعاصی ٥ (غلطی اور گناہوں سے) چنانچہ جن احادیث و آیات میں پیغمبروں کی کچھ خطاؤں کا ذکر ہے۔ محدثین و مفسرین نے ان کی اطمینان بخش تاویلات کی ہیں کہ اصل میں وہ گناہ نہیں ہوتا، بلکہ خلاف اولی بات ہوتی ہے جس پر

حسنات الابرار سیات المقربین٥

کے اصول کے تحت گناہ کا اطلاق لفظاً کیا گیا، لہٰذا جب انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم و محفوظ ہیں تو ان کا راستہ انعام والا راستہ ہوگا۔

انبیاء علیہم السلام سے متعلق مودودی صاحب کا قول:

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی انبیاء علیہم السلام کے متعلق لکھتے ہیں:

''بسا اوقات اللہ تعالی پیغمبروں سے حفاظت اٹھا کر گناہ کراتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ بشر ہیں، خدا نہیں ہیں۔ گویا خدا اپنی خدائی کو بچانے کے لیے ان سے غلطی کراتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان میں عملی کمزوریاں ہیں۔ یہ خدا نہیں ہیں''۔

لیکن پیغمبروں کو خدا سے الگ کرنے کے لیے یہ دلیل بہت ہی کمزور ہے۔ انبیاء کو اللہ تعالی سے الگ ثابت کرنے کے لیے اور بہت سے دلائل موجود ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ﴿۷﴾

وہ کہتے ہیں کہ کیا ہوا اس رسول کو کہ کھاتا ہے کھانا اور چلتا ہے بازاروں میں۔ کیوں نہ اتارا گیا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ وہ ہوتا اس کے ہمراہ ڈرانے والا۔ (سورہ فرقان/۷)

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم صدیقہ کے متعلق ارشاد ہے:

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ

نہیں ہے مسیح ابن مریم، مگر ایک رسول۔ تحقیق گزر چکے ہیں اس سے پہلے بہت رسول اور اس کی والدہ حق کی تصدیق کرنے والی تھی۔ وہ دونوں کھاتے تھے کھانا۔ (سورہ مائدہ/۷۵)

حضرات انبیاء علیہم السلام جب کھاتے پیتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے تو الوہیت کی نفی کے لیے یہی باتیں کافی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لم یلد ولم یولد یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ حضرت انبیاء علیہم السلام کے ہاں تو الدو تناسل کا سلسلہ جاری رہتا تھا، لہٰذا وہ خدا نہیں ہو سکتے۔ الوہیت کی نفی کے لیے یہ باتیں کافی شافی ہیں اور پیغمبروں کی غلطیوں کا جواز پیدا کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، ورنہ پورے دین پر سے اعتماد اٹھ جائے گا اور ہر کس و ناکس نبی کی غلطی کو اپنے لیے سہارا بنائے گا۔ اگر کوئی خطاء ہوئی ہے تو اجتہادی خطا ہوئی ہے جس میں دوام نہیں ہوتا۔ جیسے اساریٰ بدر کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو حضورؐ پاک کو بتلایا گیا کہ منشاء خداوندی کے خلاف ہوا ہے تاکہ آئندہ اعتماد قائم رہے۔

انبیاء علیہم السلام کا استغفار کرنا:

رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم استغفار فرماتے تھے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے تو استغفار ہمیشہ گناہ کا نتیجہ نہیں ہوا کرتا، بلکہ رفع درجات اور اظہار بندگی کے لیے بھی ہوتا ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے:

"اللھم باعد بینی و بین خَطَایایَ کما باعدت بین المشرق و المغرب" (مشکوٰۃ)

اے اللہ مجھ میں اور گناہوں و خطاؤں میں ایسا فاصلہ رکھئے جیسا کہ آپ نے مشرق و مغرب میں فاصلہ رکھا ہے۔

بہرحال حضرات انبیاء پر اللہ تعالیٰ نے ستر ڈال کر ان کو گناہوں سے معصوم و محفوظ کر لیا ہے نیز حسنات الابرار سیأت المقربین (نیک لوگوں کی خوبیاں قریبی لوگوں کی خامیاں ہیں) کے اصول کے پیش نظر استغفار غیر اولیٰ بات کی وجہ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

تعارف صدیقین:

یہ وہ جماعت ہے کہ ان کے پاس نظری قوت ایسی ہوتی ہے جیسے انبیاء کی ہوتی ہے کہ طبعاً و عملاً معاصی سے بچے رہتے ہیں جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل بھی عبادت اصنام سے بچے رہے تھے۔ ایسا ہی انبیاء علیہ السلام نبوت ملنے سے پہلے طبعاً گناہوں سے بچے رہتے ہیں تو صدیق اگرچہ مبعوث تو نہیں ہوتے، لیکن قوت نظری ان

کی بہت قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کا مزاج بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شریف جیسا تھا۔

غار حرا سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے اور نزول وحی کی ابتداء ہوگئی۔ آپؐ نے گھر میں آ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ولقد خشیت علی نفسی (یعنی مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہوا ہے) تو حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کلا لا یخزیک اللہ الخ اس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔ جب حضرت صدیق اکبرؓ لوگوں سے تنگ آ کر باہر جانے لگے تو ابن الدغنہ نے آپ کے وہی خصائل بیان کیے جو حضرت خدیجہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے تھے۔ گویا صدیق اکبرؓ میں وہی خصائل تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے اور صدیق اکبرؓ کا وہی مزاج تھا جو نبی کا تھا۔ یہ صدیق قیامت تک ہوں گے۔ بہت سے صحابہ اپنی نظری قوت کی وجہ سے اصنام پرستی سے بچ گئے۔ جیسے حضرت علیؓ وغیرہ۔

تعارف شہداء:

ان حضرات کی قوت عملیہ مضبوط ہوتی ہے۔ یہ لوگ دین اسلام کی سربلندی کے لیے جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

تعارف صالحین:

ان کی نظری و عملی دونوں قوتیں مضبوط ہوتی ہیں اور یہ دین کی اتباع کی وجہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ یہ چاروں مصداق ہوئے منعم علیھم اور انعام یافتہ لوگوں کے۔ حقیقت میں یہی لوگ انعام یافتہ ہیں۔ یہود اور نصاریٰ نے اگرچہ اس طرح بہت سے دعوے کیے، لیکن ان کی بات صرف دعوے کی حد تک تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کے دین کے ساتھ نصاری نے اور حضرت عیسیٰؑ کے دین کے ساتھ یہودیوں نے جو کچھ کیا کسی نے نہیں کیا:

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ ۝

مغضوب علیہم اور ضالین کو خارج کر دیا، اس طور پر کہ یہ معطوف و معطوف علیہ بدل ہے الذین انعمت علیہم سے انعام یافتہ لوگ نہ تو مغضوب علیہم ہیں اور نہ ہی ضالین، یعنی گمراہ، ہیں۔ بعض لوگ اس کا ترجمہ کرتے ہیں نہ راستہ ان لوگوں کا جو مغضوب علیہم ہیں اور گمراہ ہیں، لیکن یہ ترجمہ غلط ہے۔ کیونکہ اس سے بدل کا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے ''راستہ ان لوگوں کا کہ انعام کیا تو نے ان پر کہ نہ وہ مغضوب علیہم ہیں اور نہ گمراہ ہیں۔''

مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّينَ کا مصداق:

مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ آج کل کے علمائے سوء بھی مغضوب علیہم میں شامل ہیں، کیونکہ علمائے یہود میں یہ چند خصلتیں تھیں:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ (سورہ بقرہ/۱۴۶)

وہ لوگ جنہیں دی تھی ہم نے کتاب وہ اس رسول کو پہچانتے ہیں جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بیشک کچھ لوگ ان میں سے چھپاتے ہیں حق بات کو اور حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حق کو جانتے ہوئے غلط فتوے دیتے تھے اور حق بات کو چھپا لیتے تھے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىہُ مَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ

اور خوب جانتے تھے کہ جس نے مول لیا وہ (جادو) نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ۔ (سورہ بقرہ/۱۰۲)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور نہ ملاؤ سچ میں جھوٹ اور نہ چھپاؤ سچی بات جان بوجھ کر جبکہ تم جانتے ہو۔ (سورہ بقرہ ۴۲)

معلوم ہوا کہ یہود سچ اور جھوٹ بھی ملاتے تھے اور حق بات کو جان بوجھ کر چھپا لیتے تھے، یعنی یہ خوب جانتے تھے کہ یہ فتوے بیچنا آخرت اور خیر و ایمان کے بدلے ہیں۔

آج کل بھی علمائے سوء خیر اور ایمان کے تقاضوں کے خلاف قرآن وحدیث پڑھ کر لوگوں کو صرف ذاتی مفاد کی خاطر غلط راستوں پر ڈالتے ہیں۔ بہت سے مفتی دارالافتاء کھولے ہوئے ہیں، وہ اس ظالم حاکم کو امیر المومنین (اُن دنوں ضیاء الحق حکومت پر قابض تھے) کا لقب دیتے ہیں۔ خدا کے بندو کیا یہ **"اولی الامر منکم"** کا مصداق ہے اور کیا اسے ولایت عامہ حاصل ہے؟ یہ لوگ یہ کام صرف چند ٹکوں کی خاطر کرتے ہیں، ایمان اور خیر کو بیچ کر، ذلیل ہو کر قرآن وحدیث بیچ دیتے ہیں، حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار

ظالموں کی طرف ذرا برابر میلان بھی نہ کرنا، ورنہ آگ تمہیں پکڑ لے گی۔

اللہ تعالیٰ نے تو ادنیٰ میلان کو بھی منع فرمایا ہے، لیکن ان لوگوں کے ایمان کمزور ہیں۔ یہ متشابہات میں سے آیات نکالتے ہیں پھر ان سے غلط مفہوم مراد لیتے ہیں۔ کیا انہیں اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر ایمان نہیں ہے۔ ان علماء سوء کا کوئی مقام نہیں ہے، لہٰذا جب تم " اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۵﴾ " پڑھو تو مغضوب علیہم کے مفہوم میں اس زمانہ کے ان لوگوں کو بھی شامل کرو۔

الضَّآلِّيْنَ:

ضَآلِّيْنَ سے مراد اگرچہ نصاریٰ ہیں، لیکن اس زمانہ کے جاہل مشائخ بھی ان میں شامل ہیں۔ کوشش کیجیے کہ ان سے بھی کسی طرح نجات حاصل ہو جائے۔ ایسے مشائخ کی وجہ سے لوگوں کے عقائد مسخ ہو گئے ہیں۔ اہل قبور کو تصرف کرنے والا جانتے ہیں۔ وہ صریح فتوی اگرچہ نہیں دے سکتے، ورنہ ان کا عقیدہ یہی ہے۔ اسی طرح کا عقیدہ نصاریٰ کا تھا۔ ان سے بھی نجات ملنی چاہیے۔ مغضوب علیہم عمل میں خطاء کرتے تھے اور نصاریٰ، جو کہ ضالین ہیں، فساد عقیدہ رکھتے تھے۔ مغضوب علیہم اندر سے جانتے ہوئے غلط فتوی دیتے تھے اور ضالین جیسے بعض مشائخ نے لوگوں کے عقائد بگاڑ دیئے۔ دعاء کے وقت ان کو بھی یاد رکھا کریں یعنی ایسے فتنوں سے بچنے کی دعاء کرنی چاہیے۔

سورۃ فاتحہ کا خلاصہ:

سورۃ فاتحہ پورے قرآن کریم کا خلاصہ ہے، قرآن کریم میں ایک تو توحید ہے کہ صرف اللہ تعالی عبادت کے لائق ہے۔ یہ پورا مضمون فاتحہ میں آ گیا۔ رسالت کا بھی ذکر ہے کہ رسولؐ کی بھی اتباع کرو اور رسولؐ کے متبعین کی بھی اتباع کرو۔ اس میں قیامت کا بھی ذکر ہے۔ گویا مبدأ و معاد دونوں کا ذکر آ گیا۔ مبدأ خدا کی ذات ہے اور معاد قیامت ہے۔ ہدایت کے لیے مغضوب علیہم اور ضالین سے اپنے آپ کو جدا کرو تو اجمالاً یہ تمام باتیں سورۃ فاتحہ میں آ گئیں۔

۲ سورۃ البقرۃ مدنیۃ ۸۷

آیتیں ۲۸۶ — سورۂ بقرہ مدنی ہے — رکوع ۴۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ
یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے۞ جو بن دیکھے ایمان لاتے
بِالۡغَیۡبِ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴿۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ
ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۞ اور جو ایمان لاتے ہیں
یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ وَ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۴﴾
اس پر جو اُتارا گیا آپ پر اور جو آپ سے پہلے اُتارا گیا اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں۞
اُولٰٓئِکَ عَلٰی ہُدًی مِّنۡ رَّبِّہِمۡ ٭ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ
وہی لوگ اپنے رب کے راستہ پر ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں۞ بے شک جو لوگ
کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾ خَتَمَ
انکار کر چکے ہیں برابر ہے انہیں تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے۞ اللہ نے
اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَ عَلٰی سَمۡعِہِمۡ ؕ وَ عَلٰۤی اَبۡصَارِہِمۡ غِشَاوَۃٌ ۫ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ
ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا
عَظِیۡمٌ ﴿۷﴾ ع
عذاب ہے۞

افاداتِ محمود:

اس سورۃ میں دوسو چھیاسی ۲۸۶ آیات ہیں، چھ ہزار اکیس ۶۰۲۱ کلمات اور پچیس ہزار پانچ سو ۲۵۵۰۰ حروف ہیں۔ یہ سورۃ مدنی ہے۔ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس کی خصوصیت ہے:

اکبر السور فی القرآن البقرۃ و اکثرھا احکاماً

یعنی قرآن کریم کی سورتوں میں سب سے بڑی سورۃ، سورہ بقرہ ہے اور اس میں سب سے زیادہ احکام ہیں۔ چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ سورہ بقرہ سے پانچ سو (۵۰۰) احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ صرف ایک آیت جو اس سورۃ اور قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت ہے، یعنی آیت نمبر ۲۸۲ سے ۲۰ احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ اگرچہ مفسرین نے صرف اِسی قدر ہی لکھا ہے، لیکن قرآن کریم کے لطائف وعجائبات واحکام ختم نہیں ہوتے۔ ممکن ہے کہ بعد میں آنے والے علماء ان سے بھی زیادہ احکام مستنبط فرمادیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ تسمیہ سورۃ بقرہ:

اس سورۃ کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس میں بقرہ کا ذکر ہے اور اس کے ذبح کا بھی ذکر ہے۔ پھر اس بقرہ کے گوشت کے ایک ٹکڑے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک مردہ کو زندہ فرمایا۔ اس عجیب قصہ کی وجہ سے اس سورۃ کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا ہے۔ بظاہر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ سورۃ بقرہ میں قصص وامثال وغیرہ اور بھی بہت ہیں تو پھر خاص بقرہ کے ساتھ موسوم کرنے کی وجہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ دوسرے قصص اور واقعات کا ذکر اس بسط و تفصیل کے ساتھ نہیں ہے، جتنی تفصیل سے بقرہ کا قصہ بیان ہوا ہے، لہٰذا بقرہ کے ساتھ موسوم کرنا درست ہوا۔ بقرہ کا قصہ کسی اور سورۃ میں نہیں ہے۔

سورتوں کی ترتیب:

میں نے یہ بتلا دیا تھا کہ قرآن کریم میں سورتوں کی ترتیب لوحِ محفوظ کی ترتیب کے موافق ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ترتیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتلائی تھی۔ یہ ترتیب توقیفی ہے اجتہادی نہیں ہے، لیکن مفسرین کرام اس ترتیب میں بھی مناسبت پیدا کرنے کے لیے ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن سے سورتوں کے درمیان ربط ثابت ہوتا ہے۔

سورہ فاتحہ اور بقرہ میں ربط:

(۱)......سورہ فاتحہ میں اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ دعا مانگی گئی تھی اور سورہ بقرہ کی شروع کی پانچ آیات هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ تک میں آپ کو بتلایا گیا ہے کہ ہدایت پر کون ہے اور کون نہیں یعنی تم نے جو ہدایت والا راستہ مانگا تھا اس پر چلنے کے لیے یہ اوصاف اپنانے ہوں گے۔

(۲)......سورہ فاتحہ میں ایک تو مُؤۡمِنِيۡنَ منعم عَلَيۡهِمۡ کا ذکر تھا جو انبیاء شهداء وغیرہ تھے اور دو کافر فرقوں کا بیان تھا۔ (۱) الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ جو یہود ہیں (۲) ضَآلِّيۡنَ جو نصاریٰ ہیں۔ یہاں سورہ بقرہ کی ابتداء میں تین فرقوں کا ذکر ہے (۱) مؤمنین کا ذکر هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ تک (۲) وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ تک دو آیتوں میں

کفار ملحدین کا ذکر ہے (۳) پھر دوسرے رکوع کی ابتداء سے آخر تک منافقین کا ذکر ہے۔ یہ بھی کافر ہیں جیسا کہ ارشاد ہے " وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ " یہ دو وجوہات ربط کی ہو گئیں۔ اگر چہ مفسرین نے اور بھی بہت وجوہات بیان کی ہیں، لیکن یہ دو کافی ہیں۔

حروف مقطعات کی تحقیق انیق:

سورۃ بقرہ کی ابتداء الٓمٓ سے کی گئی ہے۔ یہاں ابتداء میں حروف مقطعات کی تشریح مناسب ہے۔ جن سورتوں کے اوائل میں حروف مقطعات ہیں ان کی تعداد ۲۹ ہے۔ حروف مقطعات میں مکررات کو حذف کرنے کے بعد کل چودہ حروف ہیں جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں۔ (۱) الف (۲) لام (۳) میم (۴) ص (۵) را (۶) کاف (۷) ھا (۸) یا (۹) عین (۱۰) طا (۱۱) سین (۱۲) حاء (۱۳) قاف (۱۴) نؔ جن کا مجموعہ صراط علی حق نمسکه"

بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حروف مقطعات کے نزول کا کیا فائدہ؟ جب ان کے معنی ومفہوم متعین نہیں ہیں اور آگے اللہ تعالی نے فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ تو جب مفہوم ہی معلوم نہیں تو پھر ہدایت کیسے ہوگی؟

الجواب: ان حروف کے مفاہیم متعین کرنے کے لیے مفسرین حضرات نے بہت سی باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

(۱)......سب سے سہل اور مشکلات سے پاک راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے قصور علم وفہم کا اعتراف کر کے ان حروف کی تاویل ومفہوم کو اللہ تعالی پر چھوڑ دے۔ و ما یعلم تاویله الا الله یعنی ان متشابہات کی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۲)......حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں۔ ان کی مراد سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِىٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

(سورہ آل عمران/۷)

وہی ہے جس نے نازل کی آپ پر یہ کتاب جس کی بعض آیتیں محکم ہیں وہی ہیں اصل کتاب اور دوسری متشابہ۔ سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ تو پیروی کرتے ہیں ان کی جو متشابہ ہیں، اس میں سے فتنہ انگیزی کی غرض سے اور اس کی تاویل معلوم کرنے کے لیے۔ اور نہیں جانتا ان کی تاویل کوئی بھی سوائے اللہ کے اور جو پکے ہیں علم میں وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر کہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نہیں نصیحت قبول کرتے، مگر عقل مند لوگ۔

جولوگ راسخین فی العلم ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان سے جواللہ کی مراد ہے،اس پر ہمارا ایمان ہے،لیکن ان کی تشریح وتاویل وہ نہیں جانتے۔ چونکہ حروف مقطعات متشابہات ہیں، دیگر متشابہات کے متعلق جوحکم ہے وہی ان کے بارے میں ہے۔

(۳) یہ امتحان ہے علماء کے لیے، کیونکہ محققین علماء کی عادت ہوتی ہے کہ یہ ہر بات کی تحقیق کرتے ہیں۔ اگر کوئی بات سمجھ نہیں آتی تو راتوں کو جاگ کر لازماً اس کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔گویا یہاں اللہ تعالیٰ نے کہا،رک جاؤ،لہٰذا آمنا بہ کہہ کررک جانا چاہیے۔

(۴) **وما یعلم تأویله الا الله** پر وقف کریں **والراسخون فی العلم** مبتدا ہےاور **یقولون آمنا به** اس کی خبر ہے۔اس کا سابقہ جملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔یہی اصل طریقہ ہے۔انسان بڑی سر دردی سے بچ جاتا ہے۔چنانچہ مفسرین عام طور پر لکھتے ہیں **والله اعلم بمراده بذالک** یعنی اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ متشابہ سے اس کی مراد کیا ہے۔

(۵) بہت سے علماء نے تاویلیں کی ہیں۔وہ مذکورہ بالا آیت میں **والراسخون فی العلم** کا عطف **الا الله** پر کرکے **والراسخون فی العلم** پر وقف کرتے ہیں، **الا الله** پر وقف نہیں کرتے اور **یقولون آمنا به** کو خبر بنادیتے ہیں مبتدائیے **محذوف** کے لیے جو کہ ھم ہے گویا متشابہات کی تاویل کو اللہ تعالیٰ بھی جانتے ہیں اور **راسخین فی العلم** بھی جانتے ہیں،لہٰذا وہ کوئی نہ کوئی تاویل کر لیتے ہیں۔

(۶) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ اسرار یعنی راز ہیں اللہ اور اس کے رسول صلعم کے درمیان۔ **سر الحبیب مع الحبیب یستوجب ان لا یطلع علیه الرقیب** یعنی ایک محبوب کا دوسرے محبوب کے ساتھ جو راز ہے،اس کا تقاضا یہی ہے کہ اس پر کوئی رقیب اور غماز مطلع نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صدیق سے منقول ہے کہ **لکل کتاب سر وسر القران اوائل السور** یعنی ہر کتاب کے لیے کوئی نہ کوئی راز ہوتا ہے اور قرآن کریم کا راز سورتوں کے اوائل یعنی حروف مقطعات ہیں۔لوگوں میں ان کے مفہوم کی اشاعت مقصود ہی نہیں ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جب یہ سر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تھا اور آپ کو ان کی اطلاع تھی۔سر یا راز دو اشخاص کے مابین ہوتا ہے تو ایک اللہ کی ذات ہے اور ایک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور فائدہ یہ ہے کہ یہ کلمات مہملہ نہیں ہیں، بلکہ ذو معنی ہیں۔حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ **لکل کتاب صفوة و صفوة الکتاب حروف الهجی** یعنی ہر کتاب کا ایک خالص اور عمدہ حصہ ہوتا ہے اور قرآن کا عمدہ حصہ حروف تہجی ہیں۔

(۷) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں اور یہ اکثر متکلمین کا مذہب ہے اور اسی کو خلیل وسیبویہؒ نے اختیار فرمایا ہے جو نحو کے بڑے امام ہیں۔

(۸) ایک تاویل یہ بھی ہے کہ یہ حروف اسماء اللہ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے نام ہیں،لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ

بالترکیب یا بدون الترکیب ہیں۔ مرکب نام جیسے الرحمٰن الرحیم ہیں۔ ممکن ہے کہ اس طرح ترکیب کے ساتھ لیتے ہوں، لیکن میرے خیال میں بعض حروف مقطعات اکیلے اکیلے بھی مراد ہوں گے کیونکہ وہاں ترکیب ممکن نہیں ہے۔ جیسے قٓ، نٓ وغیرہ۔

(۹) ایک تاویل یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات اسماء اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں پر دلالت کرنے والے ہیں۔ الف سے اشارہ اول کی طرف، لام سے اشارہ لطیف کی طرف اور م سے اشارہ مجید، ملک، منان وغیرہ کی طرف۔ گویا بدون الترکیب بھی یہ حروف اشارات ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی طرف۔

(۱۰) حضرت قتادہ جو مشہور تابعی ہیں اور کلبی سے منقول ہے کہ یہ حروف مقطعات اسماء القرآن ہیں۔ جیسے الف سے مراد اللہ تعالیٰ "ل" سے مراد حضرت جبریلؑ اور م سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ای اللّٰہ انزل ھذا الکتاب بواسطة جبریل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب (قرآن کریم) بواسطہ جبرائیلؑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔

(۱۱) بعض مفسرین کے ہاں الف سے مراد "انا" ہے ل سے مراد "لی" ہے م سے مراد "منّی" ہے یعنی "انا" ذات واحد میں اکیلا ہوں ساری کائنات "لی" ساری کائنات میرے لیے ہے اور ساری کائنات مخلوق ہے، "منی" یعنی ساری کائنات کو میں نے ہی پیدا کیا ہے اور میری ملکیت ہے۔

(۱۲) عبدالعزیز ابن یحییٰ اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات سے بچوں کے لیے طریقہ تعلیم واضح کر دیا گیا ای یبداء اولا بحروف التھجی ثم بالمرکبات یعنی پہلے بچوں کو حروف تہجی پڑھاؤ اور پھر مرکبات پڑھاؤ۔ بچے ایک خاص عمر تک مکلف نہیں ہوتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

رفع القلم عن ثلاث عن الصبی حتیٰ یبلغ و عن المجنون حتی یفیق و عن النائم حتیٰ یستیقظ

قلم اٹھایا گیا ہے تین آدمیوں سے (۱) بچے سے تاوقتیکہ بالغ نہ ہو (۲) پاگل سے یہاں تک کہ صحیح ہو جائے (۳) اور سوئے ہوئے شخص سے جب تک کہ جاگ نہ جائے۔ (ابن کثیر)

(۱۳) قرطب نحوی نے یہ تاویل کی ہے کہ مشرکین عرب قرآن سننے سے انکار کرتے تھے کیونکہ اس میں ان کے عقائد باطلہ کا رد ہے اور ان کے معبودین باطلہ کا رد ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور کہا انہوں نے جو کافر تھے کہ نہ سنو تم اس قرآن کو۔ غل مچاؤ اس میں شاید تم غالب رہو۔ (سورۃ حم السجدہ/۲۶)

مشرکین کی اس عادت کی وجہ سے تقاضا یہ ہوا کہ ایسے الفاظ لائے جائیں کہ ان سے لوگ مانوس ہوں اور ان کے عقائد وغیرہ پر رد نہ ہو۔ جیسے الف لام میم تو اتنے میں متوجہ ہو گئے اور متوجہ ہونے کے بعد بتلا دیا کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ یعنی یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ حروف مقطعات سے تھوڑے سے مانوس

ہو کر متوجہ ہو گئے تو حکمت کے ساتھ پھر اگلی بات سنا دی جو مقصود بالذات ہے۔

(۱۴) مبرد سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے ذریعہ یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ قرآن کریم بھی ان الفاظ وحروف سے مرکب ہے جنہیں تم اپنے روزمرہ کلام میں استعمال کرتے ہو جیسے الف با تا ثا الخ۔ گویا قرآن کا مبنیٰ یہی حروف ھجا ہیں اور ان ھجاء سے کلامِ الٰہی مرکب ہے۔ تمہارے روزمرہ استعمال ہونے والے کلام کا مبنیٰ بھی یہی حروف ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ لوگ قرآن کریم کی چھوٹی سی سورت کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ فصحاءِ عرب و بلیغ شعراء اکٹھے ہوتے۔ اشعار اور ادیبانہ کلام بناتے۔ پھر خود فیصلہ کرتے کہ ہمارا کلام قرآن جیسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جھوٹ نہ بولتے تھے، **لأن الكذب عيب في جميع الامم** یعنی جھوٹ ہر امت وملت میں عیب سمجھا جاتا رہا۔ ان کے ہاں ایک مقولہ مشہور تھا **القتل اتقٰى للقتل** یعنی ناحق قتل کا دروازہ قصاص کے قتل کے ذریعہ ہی بند کیا جا سکتا ہے، لیکن جب قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ: اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو تاکہ تم بچو۔ (سورۃ بقرہ/۱۷۹)

تو انہی فصحاء نے اس کا انکار کر دیا کیونکہ یہ منزل من اللہ تھی۔

(۱۵) حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ یہ حروف مقطعات اشارات الی الآجال ہیں یعنی ایک امت کے لیے یک وقت و مدت مقرر ہوتی ہے۔ اس مدت کے اختتام کے ساتھ وہ امت ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ ابو یاسر ابن اخطب یہودی، یہود کی ایک جماعت سمیت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ الخ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اس نے آ کر اپنے بھائی حیی ابن اخطب کو یہ واقعہ سنا دیا۔ اس نے کہا واقعی یہ بات درست ہے؟ وہ کہنے لگا بالکل درست ہے۔ حیی ابن اخطب بھی یہود کی ایک جماعت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ کیا آپ الٓمّٓ وغیرہ پڑھتے ہیں؟ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ وہ یہودی کہنے لگا کہ آپ سے قبل بھی اللہ تعالیٰ انبیاءؑ کو مبعوث فرماتے رہے، لیکن کسی کی مدت اقامت معلوم نہیں ہوئی تھی۔ آپ کی امت کی مدت کا تو پتا چل ہی گیا۔ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ الف سے مراد ایک سال ہے ل سے مراد ۳۰ سال ہیں اور م سے مراد ۴۰ سال ہیں۔ گویا اس امت کی مدت اقامت ۷۱ سال ہے۔ تو کیا آپ لوگ ایسے دین میں داخل ہونے کے لیے تیار ہیں جس کی مدت اقامت صرف ۷۱ سال ہو؟ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اس کے سوا کچھ اور بھی ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا ہاں۔ کہنے لگا وہ کیا ہے؟ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا، الٓمّٓصٓ ہے تو حیی ابن اخطب کہنے لگا یہ تو پہلے سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ الف سے مراد ایک سال، ل سے مراد ۳۰ سال اور م سے مراد ۴۰ سال اور ص سے ۹۰ سال مراد ہیں۔ یہ کل ۱۳۱ سال ہو گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اور بھی ہے؟ آپ ؐ نے

ارشاد فرمایا ہاں الٓر وہ یہودی کہنے لگا یہ تو پہلے سے بھی مشکل ہے، کیونکہ الف سے ایک سال ل سے ۳۰ سال اور ر سے ۲۰۰ دوصد سال مراد ہیں۔ یہ کل ۲۳۱ دوصد اکتیس سال ہو گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اس کے ساتھ کچھ اور ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا ہاں' پوچھا کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا الٓمٓر' تو حیی ابن اخطب کہنے لگا کہ یہ تو پہلے سے بھی زیادہ مشکل ہے کیونکہ الف سے مراد ایک سال، ل سے ۳۰ سال، م سے ۴۰ سال اور ر سے ۲۰۰ دوسو سال یہ کل ۲۷۱ سال ہو گئے۔ پھر ساتھیوں سے کہنے لگا، یہاں سے چلو، ہمارے اوپر معاملہ خلط ملط ہو گیا ہے۔ پتا نہیں چلتا کہ زیادہ مدت ہے یا تھوڑی ہے۔ (ابن کثیر)

جماعتوں کے لیے بھی ایک خاص مدت ہوتی ہے:

جماعتوں کے بھی اوقات ہوتے ہیں۔ جیسے مسلم لیگ تھی اور اب اسے کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ سیاسی جماعتوں کی بھی عمریں ہوتی ہیں۔ میں نے ایک دفعہ یہ بھی کہا تھا کہ تجدیدی تحریکوں کی ایک مدت ہوتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے

ان اللہ یبعث علی رأس ماۃِ سنۃ لھذہ الامۃ من یجد دھا یعنی اس امت محمدیہ کی احیاء کے لیے اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد مبعوث فرمائیں گے جو تجدید دین کرے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجدد کی مدت سو سال کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ دیوبند کی تحریک بھی تجدید کی تحریک تھی۔ اس کے بھی سو سال پورے ہو گئے ہیں۔ اب تم لوگ بہت ہو، لیکن کچھ نہیں کر سکتے ہو۔ ایسے لوگ جن کو لوگ لوگوں میں شمار کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے آپ لوگوں پر حملہ آور ہوئے اور آپ سب متشتت ہو گئے۔ دیوبند کے قلعہ میں شگاف پڑ گیا۔ بہر حال یہ بہت بڑا نقصان ہے کہ تمہارے وجود کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

علماء دیوبند کی خصوصیات:

علماء دیوبند کی دو خصوصیتیں ہیں اور ان امتیازی خصوصیات کی وجہ سے ان کا مقام و درجہ قائم تھا (۱) اتباع سنت اور بدعات سے اجتناب، سنتوں کو زندہ کرنا اور دین کی ایسی معتدل تعریف کرنا کہ تمام باطل باتیں نکل جائیں۔ (۲) دوم استقامت' جفاکشی' ریاضت اور ہر باطل قوت سے ٹکر لینا۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتا تھا، لیکن وہ حضرات اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتے تھے۔ آپ تاریخ پڑھیں حضرت شیخ الہندؒ کا ایک ایک شاگرد اپنی جگہ پر پہاڑ تھا۔ ایک امام اعظم ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے، جیسے امام ابو یوسف' امام محمد' امام زفر اور یحیٰ ابن معینؒ پھر دیکھو ابن ہمام مصنف فتح القدیر تو حضرت شیخ الہند کو ایک ملکہ ملا تھا۔ وہ بے مثال استقامت کے مالک تھے۔ ہر باطل سے ٹکرانے والے تھے۔ نہ بکنے والے، نہ جھکنے والے، لیکن اب دیوبندیوں میں بھی وہ بات نہیں رہی۔ تم لوگ بدعات کے مرتکب ہوتے ہو۔ مثلاً محرم میں سبیلیں لگانا' شہادت سیدنا حضرت حسینؓ کو غیر فطری طریقوں سے بیان کرنا' ربیع الاول میں میلاد اور رجب میں معراج منانا۔ مفتی رشید احمد گنگوہیؒ کہ علماء دیوبند کے لسان تھے، نے فرمایا کہ محرم

میں شہادت حسینؓ کا بیان کرنا اگرچہ صحیح روایات سے ہو، بوجہ روافض کی مشابہت کے حرام ہے۔ دیکھئے فتاوی رشیدیہ۔ اگر شہادت ہی بیان کرنی ہے تو کسی اور مہینہ میں بیان کرو، اب بتلاؤ کہ ان باتوں سے کون خالی ہے؟

یہ سب روافض کے پروپیگنڈوں کے اثرات ہیں، جوان لوگوں پر چھا گئے ہیں۔ میلاد کی مجلس منعقد کرنا اور جھوٹی روایات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر کرنا، ان باتوں کی وجہ سے ہمارے اکابرین نے عدم جواز کا فتوی دیا ہے جیسے حضرت گنگوہیؒ وغیرہ نے۔ میلاد کا ذکر ہر مجلس میں اچھا ہے، لیکن معتاد (مروج) طریقوں سے منع ہے۔ اسی طرح معراج کے واقعات کو غلط طریقے سے بیان کرتے ہیں جیسے بارات جارہی ہے، اللہ منتظر ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اب اس طرح کی باتیں علمائے دیوبند بھی کرتے ہیں تو بدعتی علماء میں اور ان میں کیا فرق ہوا؟ رہی نہ بکنے والی اور نہ جھکنے والی صفت تو اس اعتبار سے تمہارا خانہ خراب ہو چکا ہے۔

فضلائے دیوبند کی دستار بندی کے متعلق حضرت مفتی صاحب کی رائے:

اس سال حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس سال فضلائے دارالعلوم دیوبند کی دستار بندی کرنی ہے۔ میں نے ان کی خدمت میں دو تجویزیں پیش کی تھیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ تین جلسوں کا انعقاد تین ممالک میں کرایا جائے۔ ایک پاکستان میں، ایک بنگلہ دیش میں اور ایک انڈیا میں۔ کیونکہ پاکستان اور بنگلہ دیش سے ہزاروں کی تعداد میں علماء کا انڈیا جانا مشکل ہے۔ نہ تو اتنے علماء کو پاکستان جانے دے گا اور نہ انڈیا آنے دے گا۔ تمام دیوبندی علماء کو اکٹھا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ تینوں ملکوں میں جہاں جلسہ ہوگا، دیوبند کے اکابر ادھر جائیں گے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ علمائے دیوبند ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں گے اور سواد اعظم کو جو لوگ اقلیت کہتے ہیں، انہیں بھی پتا چل جائے گا۔ عوام کا اعتبار نہیں۔ بات علماء کی ہے۔ اس مظاہرہ سے شاید لوگوں کو کوئی عبرت بھی ہو۔

(۲)...... دوسری تجویز یہ تھی کہ دیوبند کسی خاص ادارے یا مدرسے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک مکتبہ فکر کا نام ہے۔ آپ لوگوں نے (حاضرین درس فضلاء) دیوبند دیکھا بھی نہیں، لیکن اگر آپ لوگوں کی دستار بندی نہ کی جائے تو آپ لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ میری دوسری تجویز کا حاصل یہ تھا کہ کسی بھی معتمد مدرسہ سے فارغ ہونے والے تمام علمائے دیوبند اور فضلاء کی دستار بندی ہونی چاہیے کیونکہ وہ بالواسطہ دارالعلوم دیوبند کے ہی فاضل ہیں۔ پھر لوگوں کو سواد اعظم کا پتا چلے گا۔ میری یہ تجویزیں حضرت نے نوٹ بھی فرمائی تھیں، لیکن معلوم نہیں کہ پھر کیا ہوا۔ مقصد کہنے کا یہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے سو سال پورے ہو گئے تو اب پھر تجدید ہونی چاہیے۔

ہمارے مجدد الف ثانیؒ:

ہمارے مجدد حضرت مجدد الف ثانی تھے۔ ہم ابھی الف ثانی کی ابتداء میں ہیں کیونکہ الف ثانی کے چار سو

سال ابھی پورے نہیں ہوئے ہیں۔ ہم حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متبعین میں سے ہیں اور دیو بندی تو ہم لوگ ہیں ہی۔ یہ تحریک چلتی رہے گی، بشرطیکہ تم لوگ وہ امتیازی خصوصیات اپنالو، ورنہ کچھ نہ ہوگا۔

(۱۶) بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات کے ذریعہ قسم کھائی ہے اور حرف قسم مقدر کہا ہے، یعنی حروف مقطعات بہت شرف اور قدر والے حروف ہیں کیونکہ تمام زبانوں کا مبنی یہی حروف ہیں:

ولها شرف وقدر فا قسم الله سبحانه و تعالى بها۔

تو اللہ تعالیٰ نے الٓمّٓ کی قسم کھائی کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ

(۱۷) حروف مقطعات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ بالکل امی تھے **لم يتعلم حرفا، الامي قد يتكلم باللغة الفصحي** ٥ امی بھی کبھی کبھی انتہائی فصیح گفتگو کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے۔ حروف ہجا کا بھی علم نہ تھا، لیکن خوب فصیح گفتگو فرماتے تھے۔ قریش مکہ کو علم تھا کہ آپ امّی ہیں، لیکن جب حروف ہجا گنوائے گئے تو خوب گنواتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ حروف منزل من اللہ ہیں اور سارا قرآن بھی منزل من اللہ ہے کیونکہ امی ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم حروف ہجا پڑھتے تھے۔

سورۂ بقرہ کا خلاصہ:

(۱) اس سورہ میں مناظرہ بالیہود (۲) تہذیب الاخلاق (۳) تدبیر منزل (۴) سیاست مدنیہ، چار موضوعات ہیں۔

اصل میں حکمت عملیہ کی تین قسمیں ہیں (۱) تہذیب الاخلاق (۲) انفرادی زندگی کے لیے تدبیر منزل (۳) اور سیاست مدنیہ۔ سورہ بقرہ میں اجمالاً یہ تینوں قسمیں آ گئی ہیں۔ شروع میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہدایت یافتہ لوگ کون ہیں اور ان کے مقابلہ میں باطل پرست لوگ کون ہیں؟ پھر حکمت عملیہ کی تینوں قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ پہلے رکوع کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ جو مغضوب علیہم وضالین ہیں کو دعوت الی الکتاب دی گئی ہے۔ متقین اور ہدایت یافتہ لوگوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے مدمقابل منکرین و کفار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

فضائل سورۃ البقرہ:

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں یہ روایت نقل فرمائی ہے:

عن عبدالله ابن مسعودؓ قال من حلف على سورة البقرة فعليه بكل اية منها يمين۔

(مُصَنَّف ابن ابی شیبہ)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی قسم کھائے تو اس پر ہر آیت کے عوض الگ الگ قسم ہے۔

سورۃ بقرہ کی ۲۸۶ آیتیں ہیں تو گویا سورہ بقرہ کے ذریعہ قسم کھانے والے نے دوصد چھیاسی قسمیں کھائیں۔ میرے خیال میں حانث (قسم توڑنے والا) ہونے کی صورت میں کفارے ۲۸۶ نہ دینا ہوں گے، بلکہ ایک ہی کفارہ کافی ہوگا اور حضرت ابن مسعودؓ کے قول کا تعلق گناہ کے ساتھ ہے۔ یعنی اس ایک قسم کو توڑنا ایسا ہے جیسا کہ ۲۸۶ قسمیں کسی نے توڑ دی ہوں۔

هذا يتعلق بالاثم و اما الكفارات ففيها تداخل۔

یعنی ہر آیت کو ایک مستقل قسم شمار کیا گیا ہے۔ یہ بات گناہ سے متعلق ہے۔ باقی رہا کفاروں کا مسئلہ تو ان میں تداخل ہے یعنی ایک ہی کفارہ کافی ہے۔ قانوناً ایک ہی قسم ٹوٹی ہے اور ایک قسم کا ایک ہی کفارہ ہوتا ہے۔ جیسے کوئی شخص تین بار کہے **والله لاادخل هذه الدار** اللہ کی قسم میں اس گھر میں داخل نہ ہوں گا اور پھر اس گھر میں داخل ہو کر حانث ہو جائے تو باوجود مکرر قسم کھانے کے ایک ہی کفارہ دینا پڑے گا۔ یہ تداخل فی الکفارات کا حکم اس وقت ہے جبکہ تکرار **في القسم و الحلف قبل الحنث** (قسم توڑنا) پایا جائے۔ اگر ایک بار قسم کھانے کے بعد قسم توڑ کر حانث ہوا خواہ کفارہ دیا ہو یا نہ دیا اور پھر وہی قسم دوبارہ اٹھائی تو اب حانث ہونے کی صورت میں دوسرا کفارہ بھی لازم ہوگا اور **تداخل في الكفارات** نہ ہوگا۔ اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی **فمن شاء صبر و من شاء فجر** یعنی جو چاہے صبر کرے اپنی قسم پوری کرے اور جو چاہے گناہ کا مرتکب ہو یعنی قسم توڑ دے۔ ان الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں صرف سورہ بقرہ کی قسم کو تعدد قسم پر جو محمول کیا گیا تو یہ گناہ کے اعتبار سے ہے، نہ کہ کفارات کے اعتبار سے۔

(۲) آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سورہ بقرہ گھروں میں پڑھا کرو، گھروں میں شیطان نہ آئے گا۔

(۳) اور فرمایا **لا يستطيعها البطلة** یا تو مراد یہ ہے کہ ساحر و کاہن اس سورۃ بقرہ کو پڑھ نہیں سکتے، یاد نہیں کر سکتے یا مراد یہ ہے کہ ساحر اور کاہن اس سورۃ کے مقابلہ میں نہیں آسکتے یعنی سورہ بقرہ پڑھنے کے بعد ساحر کا سحر بے اثر ہو جاتا ہے۔

(۴) صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے تو پاس باندھا ہوا گھوڑا بدکنے لگا۔ حضرت اسیدؓ کو فکر ہوا کہ کیا کیا جائے۔ جب گھوڑے کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ خاموش کھڑا رہا پھر جب پڑھنا شروع کیا تو پھر بدکنے لگا۔ کئی بار ایسا ہوا تو حضرت اسیدؓ کا بیٹا یحییٰ پاس سویا ہوا تھا۔ حضرت اسیدؓ کو خطرہ ہوا کہ گھوڑا کہیں اسے روند نہ ڈالے۔ جب گھر سے باہر نکلے تو ایک چراغاں کی کیفیت تھی اور روشنی والی چھت کا سائبان تھا جس کی وجہ سے گھوڑا بدک رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسیدؓ سے فرمایا کہ یہ فرشتے تھے جو سورہ بقرہ کی تلاوت کی وجہ سے نازل ہو رہے تھے۔ اگر تو صبح تک پڑھتا تو عجائبات کا مشاہدہ کرتا اور ان فرشتوں کو لوگ بھی دیکھ لیتے۔

(۵) حضرت فاروق اعظمؓ نے سورہ بقرہ ۱۲ سال میں سیکھی تھی۔ یہ حضرات طوطے کی طرح صرف رٹتے نہ تھے، بلکہ جمیع احکام کے ساتھ سیکھتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے ۸ سال میں سیکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ قرآن کے احکام سیکھنے کے لیے کتنا وقت صرف کرتے تھے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ:

''ذٰلِكَ'' اسم اشارہ بعید کے لیے ہے۔ قرآن کریم اگرچہ ہمارے ہاتھوں میں ہے، لیکن اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ یہاں علو مرتبت کی وجہ سے اسم اشارہ بعید کا استعمال کیا گیا یعنی اس کتاب کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ کتاب احکام شرعیہ کا ماخذ ہے۔ بنیادی طور پر احکام شرعیہ کے ماخذ چار چیزیں ہیں (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) الاجماع (۴) قیاس۔ بعض احکام کتاب اللہ سے ثابت ہوتے ہیں جیسے صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حرمت خنزیر۔ بعض احکام سنت سے ثابت ہوتے ہیں جیسے نماز جنازہ۔ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ آپؐ کے قول وفعل سے معلوم ہوا ہے۔ بعض احکام اجماع وقیاس سے معلوم ہوتے ہیں جیسے دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور یہ حکم قرآن سے ثابت ہے، لیکن ملک یمین میں اگر دو بہنیں اکٹھی ہو جاتی ہیں تو ان کا جمع رکھنا ملک یمین میں بھی حرام ہے۔ جب تک ایک کو الگ نہ کرے تو دوسری سے نکاح یا مجامعت جائز نہیں تو یہ ملک یمین کی حرمت کو قیاس کیا مجتہدین امت نے حرمت نکاح پر اور اس پر اجماع بھی ہو گیا۔ ملک یمین کے مقاصد بہت ہوتے ہیں اور ملک نکاح کا مقصد مجامعت ہی ہے جو کہ سبب ہے نسل انسانی کی بقاء کا تو دونوں میں فرق معلوم ہو گیا۔ ملک یمین ہو اور مجامعت نہ ہو، یہ صورت ممکن ہے، لیکن نکاح میں مجامعت ضروری ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ:

ہدایت ہے متقین کے لیے' متقین سے کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا کہ صرف متقین کے لیے ہدایت ہے اور غیر متقین کے لیے ہدایت نہیں ہے، حالانکہ متقین کو ہدایت مل چکی ہے؟ اصل میں اتقاء استغناء کے مقابل ہے۔ ایک شخص صحراؤں میں اور پہاڑوں میں چلتا ہے، اسے خطرہ ہے، ڈر ہے کہ ان تنگ وتاریک راستوں میں کہیں بھٹک نہ جاؤں تو نشانات وغیرہ کو دیکھ کر چلتا ہے اور وہ نکل جاتا ہے۔ ایک آدمی شتر بے مہار بن کر چلتا جا رہا ہے۔ کسی سے پوچھنے یا علامات وغیرہ دیکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ اسے کون راستہ بتلائے؟ وہ آپ کی آواز بھی نہ سنے گا تو اس کی ہدایت کے لیے سو قرآن کریم بھی ناکافی ہیں۔ کیونکہ وہ مستغنی ہے۔ اس کی مزید وضاحت سورۃ لیل میں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى ۝ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى ۝ (سورۃ لیل پارہ عم)

تو جس نے دیا اور پرہیزگار رہا اور تصدیق کی نیک بات کی تو ہم آسان کردیں گے اس کے لیے چلنا آسان راستہ پر، لیکن جس نے بخل کیا اور بے پروا رہا اور جھٹلایا نیک بات کو، سو ہم آسان کردیں گے اس کے لیے چلنا تنگی کے راستہ پر۔

یہاں چار چیزیں چار چیزوں کے مقابل ہیں۔ (۱) اعطاء وانفاق بخل کے مقابلے میں (۲) اتقاء اور استغناء مدمقابل ہیں (۳) تصدیق بالحسنیٰ اور تکذیب بالحسنیٰ (۴) تیسیر یسر اور تیسیر عسر مقابل ہیں یہاں چونکہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو استغناء کے مقابل ذکر فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ میں متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو ہدایت سے مستغنی نہیں سمجھتے، بلکہ محتاج بن کر جگہ جگہ ہدایت کے متلاشی اور طالب ہوتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ عبس میں بھی ارشاد ہے:

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰىۙ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰىؕ۝

تو جو بے پروائی کرتا ہے سو آپ اسی کے لیے توجہ کرتے ہیں۔

یہاں بھی استغناء کا ذکر فرمایا جس سے مراد بے پروائی ہے۔ اس سے پچھلی آیات میں ارشاد ہے لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓۙ۝ یعنی ہدایت متقی اور طالب کو ہوتی ہے مستغنی کو نہیں ہوتی تو "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" سے مراد وہ لوگ ہیں جو بے پروا اور مستغنی نہ ہوں۔

(۲)...... بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے متقین کے درجات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

(۱) عوام کا تقویٰ کفر سے بچ کر اسلام کو اختیار کرنا (۲) خواص کا تقویٰ اوامر کو پورا کرنا اور نواہی سے بچنا (۳) اور اخص الخواص کا تقویٰ یہ ہے کہ مشتبہات سے بچیں۔ چنانچہ

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ

اور لازم کردی ان پر بات پرہیزگاری کی اور تھے وہ زیادہ حق دار اس کے اور اس کے سزاوار۔ (سورۃ فتح/۲۶)

یہاں تقویٰ کی پہلی قسم مراد ہے۔

(۲) وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ

اور اگر وہ ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو البتہ ثواب اللہ کے ہاں کا بہت بہتر تھا۔ (سورۃ بقرہ/۱۰۳)

یہاں تقویٰ کی دوسری قسم مراد ہے۔

(۳) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ (سورۃ آل عمران ۱۰۲)

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے جیسا حق ہے اللہ سے ڈرنے کا اور ہرگز نہ مرنا، مگر اس حال میں کہ تم سچے مسلمان ہو۔

اس آیت میں تقویٰ کی تیسری قسم مراد ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ

الحلال بین و الحرام بین و بینهما امور مشتبهة فمن ترک ما شبه علیه من الاثم کان لما استبان له اترک و من اجتراء علی مایشک فیه من الاثم او شک ان یواقع ما استبان و المعاصی حمی الله من یرتع حول الحمی یوشک ان یواقعه ○ (بخاری ج ۱/۲۷۵)

حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیاں کچھ مشتبہ امور ہیں (یعنی ان کے ارتکاب سے گناہ گار بننے میں شبہ ہے) پس جو شخص اس کام سے بچے گا جس کے ارتکاب سے گناہ گار ہونے کا شبہ ہے تو جو کام یقیناً اور واضح گناہ ہیں ان سے وہ بطریق اولیٰ بچے گا اور جو شخص ان کاموں پر جری ہوگا جن کے کرنے میں گناہ کا اندیشہ ہے تو ممکن ہے جو واضح طور پر گناہ کے کام ہیں، ان کا بھی ارتکاب کر بیٹھے اور گناہ اللہ تعالیٰ کی چراگاہیں ہیں اور جو چراگاہ کے اردگرد جانور چراتا ہے، قریب ہے کہ وہ جانور چراگاہ کے اندر چلا جائے (یعنی گناہ کے قریب پھٹکنے سے انسان گناہ میں مبتلا ہوسکتا ہے) اس حدیث میں بھی تقویٰ کی تیسری قسم مراد ہے۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ:

جو ایمان لاتے ہیں غیب پر۔

بعض ایسے امور ہوتے ہیں جو حواس سے ظاہر نہیں ہوتے جیسے ملائکہ اور قیامت کا دن اور صفات باری تعالیٰ۔ ایسے امور غیبیہ پر ایمان لانے کا ذکر ہے یعنی دل سے ان کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے، بن دیکھے صرف وحی پر اعتماد کرتے ہوئے ان امور پر ایمان لایا جائے تو ایسے ایمان والا مسلمان ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ سے روایت ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے پوچھا کہ بہتر ایمان والا شخص کون ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ فرشتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتوں کے ایمان سے کوئی مانع اور رکاوٹ موجود نہیں ہے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہے۔ وہ غیب کی باتیں دیکھتے ہیں تو ان کے ایمان میں کیا رکاوٹ ہے؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ بہتر ایمان والے انبیاء علیہم السلام ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے ان کو ممتاز فرمایا ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے عرض کی کہ بہتر ایمان والے صحابہ کرام ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام پر قربان فرمایا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صحابہ کا ایمان کوئی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ انہوں نے طرح طرح کے معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ حضرت فاروق اعظمؓ نے

عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پھر آپ ہی فرمائیے کہ بہتر ایمان والے کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہترین ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے ہیں، بلکہ **الذین ھم فی اصلاب آبائھم** وہ اپنے آباؤ اجداد کے اصلاب میں موجود ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایمان بالغیب ہی اصل ایمان ہے، نہ کہ ایمان بالمشاہدات۔ کیونکہ ایمان بالمشاہدات تو ہوتا ہی ہے۔ یاد رکھیے کہ صحابہ کرامؓ کی فضیلت علی الاطلاق ہے۔ ایک مولوی صاحب جلالین پڑھا رہے تھے تو آیت **و رضوان من اللہ اکبر** کا ترجمہ یہ کیا کہ رضوان جنت کا داروغہ ہے اور رضوان اللہ کا بڑا کیا ہوا ہے پھر لوگوں سے کہا کہ یہ جزوی فضیلت ہے لہٰذا سوال نہ کرنا۔ اس طرح کی باتیں جہلاء کرتے ہیں۔ ترجمہ ہی غلط کیا تو تشریح کیا خاک کریں گے۔

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ

اور قائم رکھتے ہیں نماز کو۔

صلوٰۃ اور اقامت صلوٰۃ میں فرق:

ایک صلوٰۃ ہے اور ایک اقامت صلوٰۃ۔ صلوٰۃ کا معنی نماز پڑھنا اور اقامت صلوٰۃ کا معنی نماز کو قائم رکھنا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ **اتمام الصلوٰۃ اتمام الرکوع و السجود و القعود و الخشوع والا قبال علیھا** یعنی اقامت صلوٰۃ و تکمیل صلوٰۃ رکوع سجدہ قعدہ ٹھیک ٹھیک کرنے، خشوع اور دھیان سے ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ صفوں کی درستگی اقامت صلواۃ میں سے ہے (۲) حضرت ابوقتادہؓ نے یہ تفسیر فرمائی ہے کہ

اقامة الصلواة المحافظة علیھا و علی مواقیتھا وو ضوئھا و رکوعھاو سجودھاo

اقامت صلواۃ سے مراد نماز کی حفاظت اور نماز کے وقتوں، وضوء، رکوع، سجود ان سب کی حفاظت ہے۔

اسی لیے قرآن مجید میں ہر جگہ اقامت صلواۃ کا حکم وارد ہوا ہے، صلوٰۃ کا نہیں ہے۔ صرف ایک جگہ صلوٰۃ کا ذکر، صلوٰۃ خوف کے بیان کے ضمن میں ہے۔ **فلیصلوا معک** اور ظاہر ہے کہ خوف کے دوران تو نماز پڑھنا مطلوب ہے۔ اگر جنگ میں لمبے لمبے ارکان ہوں تو حال خراب ہو جائے گا۔ اس لیے یہاں اقامت صلوٰۃ نہیں۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

اور اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا خرچ کرتے ہیں۔

انفاق کی اشکال سبعۃ:

یہ انفاق بظاہر سات قسموں پر (مشتمل علی سبعۃ اصناف) مشتمل ہے۔ (۱) فرض زکواۃ کو ادا کرنا (اداء الزکواۃ الفروضۃ) (۲) صدقہ فطر (۳) **الصدقة النافلة علی الیتامی' و المساکین و الضیوف** یعنی وہ نفلی

صدقات جو یتیموں مسکینوں اور مہمانوں پر صدقہ کئے جاتے ہیں۔(۴) **الوقف للمساجد ولا بناء السبیل وللمرضی و المدارس و الخانات** یعنی وقف برائے مساجد، مسافروں کے لیے سرائے، بیماروں کے لیے ہسپتال، مدارس اور مسافر خانوں اور مہمان خانوں کے لیے جائیداد وقف کرنا۔(۵) **الانفاق فی مصارف الحج** یعنی حج پر مال خرچ کرنا کیونکہ حج مرکب ہے عبادت بدنیہ اور مالیہ سے (۶) **والجهاد** یعنی جہاد میں مال خرچ کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے **من جهز غازیاً فله اجر مثله** یعنی جس شخص نے کسی غازی کو سامان فراہم کیا، اس کو غازی و مجاہد جتنا اجر ملے گا۔(۷) **الانفاقات الواجبة علی الزوجة والاولاد الخ** صدقات واجبہ جیسے بیوی بچوں پر خرچ کرنا۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ میں ارشاد ہے کہ **من تبعیضیه** ہے یہ بڑے کام کی بات ہے، ورنہ سارا مال دینا پڑتا۔ حدیث میں ہے **خیر الصدقة عن ظهرا الغناء** یعنی غنی شخص کا صدقہ کرنا بہترین صدقہ ہے اور غنی آدمی اس وقت ہوتا ہے جب اس کے پاس مال ہو۔ معلوم ہوا کہ سارا مال خرچ کرنا مقصود نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ (سورۃ بقرہ/۲۱۹)

اور پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا خرچ کریں (راہ خدا میں) کہہ دیجیے جو زائد ہو۔

معلوم ہوا سارا مال مراد نہیں ہے۔ یہی اچھا صدقہ ہے۔ ہاں دل مضبوط ہے ایمان قوی ہے تو اور بات ہے۔ جیسے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کا غزوہ تبوک میں انفاق۔ اِس غزوے میں حضرت فاروق اعظمؓ اپنا آدھا مال اور صدیق اکبرؓ سارا مال اٹھالائے تھے۔

اس آیت میں **تحریص علی الانفاق** (خرچ کرنے پر برانگیختہ کرنا) ہے کہ یہ خرچ کرنا کون سی بڑی بات ہے۔ مال تو ہمارا ہے۔ ہم نے تمہیں دیا ہے۔ تم میرا دیا ہوا مال خرچ نہیں کر سکتے۔ اگر مال اپنا ہوتا تو بات کوئی اور ہوتی اور اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ من تبعیضیہ ہے اور جس مال کا خرچ کرنا مقصود ہے وہ مال حلال ہو، حرام نہ ہو۔ یعنی ہم نے جو رزق حلال اور مال حلال تمہیں دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے رہو۔ چنانچہ جامع ترمذی میں پہلی حدیث حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے:

لاتقبل صلوٰة بغیر طهور ولا صدقة من غلول

یعنی بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں اور چوری کے مال میں سے صدقہ قبول نہیں۔

اصطلاحی طور پر اگر چہ غلول خاص مال غنیمت میں سے چوری کو کہتے ہیں، لیکن یہاں حدیث میں مطلق حرام مال مراد ہے۔

کیا حرام رزق ہے؟

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل سنت والجماعت کے ہاں جو ضابطہ ہے کہ ''الحلال رزق والحرام رزق'' حلال

بھی رزق ہے اور حرام بھی رزق ہے۔ یہی درست ہے بخلاف معتزلہ کے کہ ان کے ہاں حرام رزق نہیں ہے اور رزق کی تعریف کرتے ہیں مملوک یا کلمہ المالک یعنی رزق سے مراد وہ مملوک چیز ہے جسے مالک کھا لے۔ اس ضابطہ کی رُو سے تمام جانور چوپائے حرام کھاتے ہیں۔ اسی طرح عمر بھر حرام کھانے والوں کو گویا اللہ تعالیٰ نے رزق ہی نہیں دیا۔ حالانکہ ظہور معتزلہ سے قبل حرام کے رزق ہونے پر امت کا اجماع تھا۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان شرط ہے **بکل ما انزل اللہ سواء کان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم او علی من کان قبلکم** (تمام ان باتوں پر جو اللہ تعالیٰ نے اتاردیں خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یا آپ سے قبل دیگر انبیاء علیہم السلام پر، تورات اور انجیل غیر محرف پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؏

اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ اس دن اعمال کا محاسبہ ہوگا۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

آئین میں مسلمان کی تعریف:

یہ آئین جب ہم بنا رہے تھے تو ہم نے ایک دستوری کمیٹی سے پہلے چند اصول بنانے تھے۔ اب اس میں مسلمان کی تعریف پوچھنا چاہتے تھے۔ جے۔ اے۔ رحیم غصہ میں آ گیا اور کہا کہ مجھے کیا کہتے ہو۔ ان کے نزدیک خود کو مسلمان کہنا مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے یعنی مسلمان وہ ہے جو خود کو مسلمان کہتا ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ

اور نہ کہو اس سے جو پیش کرے تم پر سلام کہ تو مومن نہیں۔ (سورۃ نساء/۹۴)

یہ شروع اسلام کے زمانے میں تھا۔ جب کسی کے کفر و ایمان کا پتا نہ تھا۔ اب اگر واضح ہو تو پھر کیا کریں۔ جے۔ اے رحیم نے پھر کہا کہ مسلمان کی تعریف کیسے کرو گے۔ میں نے کہا کہ قرآن سے کریں گے؟ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے کرو۔ میں نے یہ آیت پڑھ دی کہ

وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ الخ ایمان بالغیب، توحید، اقامۃ الصلوٰۃ، ایتاء الزکواۃ

تو یہ اعمال ضروریات دین میں سے ہیں۔ اُس نے کہا کہ ختم نبوت کا ذکر تو نہیں آیا۔ میں نے کہا کہ ہے۔ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ تو ہے، من بعدک نہیں کہا ہے۔ تو مِنْ قَبْلِكَ ۚ سے تمام انبیاء مراد ہیں اور اگر آپ کے بعد بھی نبی ہوتا تو پھر من بعدک بھی ہوتا۔ اب ان کے پاس علم تو تھا نہیں کہ میں اس کو ایک ناقابل شکست برہان پیش کرتا۔ بس ان کو ساکت کر دیا۔

چار باتیں ایمان ہیں:

اب چار باتوں پر ایمان ہے۔(۱)ایمان باللہ وحدہ،(۲)ایمان بہ ختم النبوۃ(۳)ایمان بالآخرۃ(۴)ایمان بضروریات الدین۔اب بھی آئین میں درج ہے۔یہ مسئلہ مرزائیت کے متعلق اقلیت قرار دیے جانے کے فیصلے سے قبل تھا۔بعد میں اسے بالکل واضح کر دیا گیا۔

پاکستان میں سات اقلیتیں بشمول مرزائی:

ہمارے آئین میں جن اقلیتوں کا ذکر ہے۔ان کی چھ صنفیں تھیں۔ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی، بدھ مت، اور شیڈول کاسٹ (چوڑھے)۔ان کو سیٹیں ملی تھیں۔اب تو قومی اسمبلی میں مرزائیوں کی سیٹ بھی ہے۔سندھ اور فرنٹیر میں ایک ایک مرزائی موجود بھی ہے۔ایک پنجاب میں ہے۔یہ سیٹ کس کو ملے تو ہم نے کہا کہ ایک اور ملا دیں کہا جو خود کو احمدی لکھیں تو ہم نے کہا نہیں یہ احمدی نہیں ہیں۔

وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ (سورۃ الصف/۶)

اور میں (عیسٰی) خوشخبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئیں گے، ان کا نام احمد ہوگا۔

مرزائی اپنے جعلی نبی کو **من بعد اسمہ' احمدؐ** کا مصداق کہتے تھے۔اس لیے ہم نے بریکٹ بھی منظور نہیں کی۔ہم نے کہا کہ مرزائی لکھو اور بریکٹ میں قادیانی اور لاہوری لکھو۔وزیر قانون نے کہا کہ کیا وہ خود کو مرزائی کہتے ہیں۔انگریزی میں فالور آف مرزا (follower of Mirza) لکھا اور پہلے یہ کہا کہ مرزا غلام قادیانی کے پیرو کار لکھ دیں۔پھر کہا کہ آئین میں نام نہیں ہوتا، حالانکہ دیباچہ میں محمد علی جناح کا نام موجود ہے۔ہمارے ذکر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئین میں موجود ہے۔انہوں نے نہیں مانا۔وزیر قانون نے کہا ہے کہ پاک دستور میں ایک منحوس کا نام نہ لکھیں۔میں نے کہا کہ قرآن مجید میں فرعون و ابلیس کا ذکر بھی ہے۔یہ میرے جذبات سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔پھر اپوزیشن کے لوگ مجھ سے جدا ہو گئے۔کہا کہ تم کیا کرتے ہو۔میں نے کہا کہ تم احمدی کو دستور کا حصہ نہیں بنا سکتے تھے۔بریکٹ میں لکھا ہوا دستور کا حصہ نہیں ہوتا۔وزیر قانون نے کہا کہ یہ لکھ دو کہ ''جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں'' تو میں نے صاف صاف کہہ دیا اپنے ساتھیوں سے بھی کہا کہ ان کا نام بریکٹ کے بغیر قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ لکھ دیں اور ''جو احمدی کہلاتے ہیں'' بریکٹ میں آ جائے تو یہ بات لکھی گئی۔قادیانی گروپ ساتواں ہو گیا اور پھر اقلیتوں میں شامل ہو کر ایک شخص اسمبلی میں آ گیا اور یہ بحث سے خارج ہو گئے اور کافر ہونے پر عملی دلیل قائم ہو گئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الآیہ

وہ لوگ جو کفر کر چکے ہیں برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

یہاں سے کفار کے دو فرقے مشرک یعنی کھلم کھلا کفر کرنیوالا اور منافق کے حالات اور ان کی تنقیح بیان کی جاتی ہے۔ پہلا فرقہ مجاہر کافروں (کھلے کافروں) کا ہے۔ یہ دو آیات جو ابھی پڑھی گئیں، یہ ان کے متعلق ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ بتانا چاہتے ہیں کہ ان دو فرقوں کا کفر پر رہنا اور ایمان نہ لانا اس لیے نہیں ہے کہ قرآن کی ہدایت میں کچھ کمی ہے۔ ہدایت میں قرآن کامل کتاب ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں کی فطرت ہی فاسد ہے۔ فاعل کے فعل میں کوئی فرق نہیں، منفعل کے انفعال (حصول ہدایت کی صلاحیت) میں فرق ہے۔ منفعل کے انفعال میں کوتاہی ہے۔ ان میں انفعال کا مادہ نہیں۔ فطرت اگر غیر سلیمہ ہے تو جو لوگ کفر کرتے ہیں۔ برابر ہے انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں لَا یُؤْمِنُوْنَ یہ اسی طرح مر جائیں گے۔ موت ان کے کفر کو قطعی بنا دیتی ہے۔

یہاں پر ان الذین کفروا سے تمام کفار مراد نہیں ہیں۔ اس لیے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ کفار اسلام لاتے ہیں۔ عہد نبوی میں بھی بہت سے لوگ مسلمان ہوئے، اس آیت کے نزول کے بعد بھی، تو یہاں پر الذین موصول معرفہ ہے اور اس سے معہود کفار (خاص قسم کے کافر) مراد ہیں۔ اس لیے شیخ ابوالحسن اشعری کا مذہب یہ ہے کہ جب تک کافر کا خاتمہ کفر پر نہ ہو، اسے کافر نہ کہا جائے۔ گویا خاتمہ علی الکفر سے کفر متحقق ہوگیا۔ اس لیے کہ نزع کے وقت قبل الغرغرہ ایمان معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ غرغرہ کی حالت میں ایمان بالشہادۃ ہوتا ہے۔ مرنے والا فرشتوں کو دیکھتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ نیک عمل شخص کے پاس ریشمی اور خوشبودار لباس والے فرشتے آتے ہیں۔ وہ قبل اخراج الروح فرشتوں کو دیکھتا ہے۔ اگر جہنمی ہے تو فرشتے غلیظ کپڑے لاتے ہیں، جب دیکھ لیتا ہے تو ایمان بالغیب نہ رہا، ایمان علی الشہادہ ہوگیا۔ اس یقین کا فائدہ نہیں ہے، اس حالت سے قبل ایمان لانا ہے تو ایمان معتبر ہے، ورنہ مرتے وقت تو فرعون بھی ایمان لے آیا تھا۔ اس وقت کا ایمان معتبر نہیں ہے۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝۹۰

یہاں تک کہ جب وہ (فرعون) ڈوبنے لگا تو بولا میں نے یقین کر لیا کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس ذات کے جس پر ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ (یونس/۹۰)

اس وقت فرعون حالت غرغرہ میں ایمان لایا تھا جو معتبر نہیں۔ یہ جمہور کا مذہب ہے۔ اگرچہ بعض نے اس کے برعکس بھی کہا ہے۔ جیسے شیخ اکبر شیخ ابن عربی نے فتوحات میں اس پر دلائل دیئے ہیں۔ شیخ اکبر کے نزدیک فرعون مومن تھا۔

اللہ نے اس کے ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ اس آیت میں یہ مفہوم موجود ہے کہ وہ

مومن نہیں۔ پہلے جب اختیار تھا تو ایمان نہ لایا۔ ایمان فعل اختیاری ہے۔ انسان مکلّف ہے فعل اختیاری پر۔ جب ایمان اضطراری بن جاتا ہے تو کچھ نہیں ہوتا۔

فرعون مومن نہیں تھا:

اس لیے کہ فرعون کا ایمان ایمان اضطراری ہے۔ اس کے بعد یہ بھی فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً

سو آج ہم نجات دیں گے تیرے بدن کو تاکہ تو ہو ان کے لیے جو تیرے پیچھے آنے والے ہیں عبرت۔ (سورۃ یونس/۹۲)

تو اگر مومن ہوتا تو اللہ پاک یہ نہ فرماتے۔ یہ بھی قرینہ ہے کہ اس کا ایمان عند اللہ قبول نہیں ہے۔ ایک اور مقام پر فرعون کے بارے میں آتا ہے۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۞

وہ (فرعون) پیشرو ہوگا اپنی قوم کا قیامت کے دن پس جا داخل کرے گا انہیں دوزخ میں اور وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے جس پر وہ وارد ہوں گے۔ (سورۃ ھود/۹۸)

بھلا یہ باتیں مومن کے متعلق کہی جا سکتی ہیں۔ یہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے۔

مسئلہ اختلافی یہ ہے کہ موت سے پہلے کافر کو کافر کہا جائے یا نہ کہا جائے۔ شیخ ابو الحسن اشعری کے نزدیک کوئی کافر نہیں ہے، یہ اس کا نام ہے۔

خواتیم کا مسئلہ

اس میں شیخ ماتریدی کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک کسی کے خاتمہ کا علم نہیں ہے تو کیا کسی کو کافر نہ کہنا چاہیے۔ جو لوگ کفر کرتے ہیں وہ کافر ہیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو لوگ آپ کے مقابل تھے۔ آپ کے قتل کے درپے تھے۔ ایذاء دیتے تھے۔ مکہ سے نکالنے والے تھے۔ آپ کے ساتھ دست بدست لڑنے والے تھے۔ قرآن نے ان کو بالجہر (علانیہ) کافر کہا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان بھی ہوئے۔ ابو سفیان غزوہ احد میں مشرکین مکہ کی فوج کا سالار تھا اور حضرت خالد بن الولید کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان بھی پہنچا۔ وہ پیچھے سے کفار کا دستہ لے کر حملہ آور ہوئے تھے، لیکن مسلمان ہو کر سیف اللہ کا خطاب پایا۔ کسی کے خاتمہ کا علم نہیں ہے۔ وہ تو زندگی میں اسلام لے آئے۔

لَا یُؤْمِنُوْنَ ہیں تو پھر انذار کا فائدہ کیا ہے:

اشکال۔ عام مفسرین نے اس شبہ کا ذکر کیا ہے کہ جب ایمان نہیں لائے اور یہ فیصلہ شدہ بات ہے جیسے ابو لہب وابوجہل وغیرہ مخصوص افراد تو پھر ان کے انذار سے فائدہ کیا ہے؟

یہاں سواء علیہم، ان پر برابر ہے۔ آپ پر برابر نہیں ہے۔ علیک نہیں کہا تو آپ نے انذار کر کے اس کے باوجود اپنے درجات بلند فرمائے۔ یہ تو اللہ کا فیصلہ ہے کہ ان کا انجام عدم ایمان ہے، لیکن ہمارا کام تو تبلیغ ہے۔ اس کی وجہ بیان فرمائی کہ ان کی فطرت کیوں مسخ ہے کہ کیوں اسلام نہیں لاتے۔ ان کے بھی دل ہیں۔ قرآن کی آیات سنتے ہیں۔ یہ وجہ بیان فرمائی:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۙ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (بقرہ/۷)

مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے

اور ان کے لیے عذاب ہے بہت بڑا۔

قلب گوشت کا ایک مضغہ (ٹکڑا) ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ادراک کی قوت رکھی ہے **مدرک عند الشرع قلب** ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ

ان کے دل ہیں کہ وہ ان سے (حق کو) سمجھتے نہیں۔ (سورۃ اعراف/۱۷۹)

دوسری جگہ ارشاد ہے **ولم تؤمن قلوبھم** ان کے دل ابھی مومن نہیں ہوئے۔ تو محل جازم قلب ہے۔ چنانچہ بخاری میں روایت ہے:

ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الاوھی القلب ٥

بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے

اور جب وہ ناکارہ ہو جاتا ہے تو سارا جسم ناکارہ ہو جاتا ہے۔ سن لو کہ وہ (لوتھڑا) دل ہے۔

قلب درست رہے تو ہاتھ پاؤں ناک کان بھی درست کام کرتے ہیں، ورنہ تمام فاسد ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ محل ایمان قلب ہے۔

قلب کی تعریف:

قلب انسان میں ایک لطیفہ ربانی ہے۔ انسان میں دس لطائف ہیں۔ پانچ عالم امر سے اور پانچ عالم خلق سے متعلق ہیں۔ قلب عالم امر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے۔ اسے نفس اور روح بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن

کریم میں اس لطیفہ کو مختلف الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ﴿۳۷﴾ (سورۃ ق/۳۷)

بیشک اس (کتاب) میں نصیحت ہے اس کے لیے جسے حاصل ہے دل یا وہ لگاتا ہے کان حضور قلب سے۔

لیکن اگر لطیفہ قلب مرا ہوا ہو تو وہ کیا ادراک کرے گا؟ کیا ذکر حاصل کرے گا؟ اسی طرح ارشاد ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ پس اس کو بتا دی اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیزگاری۔ فجور اور تقویٰ کا الہام بھی نفس ہی کو ہوتا ہے۔

اشکالات مع جوابات:

یہاں دو ترکیبیں ہیں۔ (۱) ایک ہے کہ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ معطوف علیہ ہو اور وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ معطوف ہو یہ تمام لوازمات سے مل کر جملہ معطوف علیہ ہو اور وَعَلٰۤی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ایک جملہ ہو اس کا عطف پہلے جملے پر ہوگا۔ یہ از قبیل عطف جملہ علی الجملہ ہوگا۔ اس صورت میں قلب بھی مختوم ہے اور سمع بھی مختوم ہے جبکہ بصارت پر غشاوہ ہے۔ (۲) دوسری ترکیب یہ ہے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ایک جملہ ہو اور وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ دوسرا جملہ ہو۔ غشاوۃ مبتداء مؤخر ہو اور وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤی اَبْصَارِهِمْ معطوف معطوف علیہ خبر مقدم ہو۔ اس صورت میں قلب مختوم ہوگا اور سمع و بصارت پر غشاوہ ہوگا۔ ترکیبیں تو دونوں جائز ہیں کیونکہ کوئی لفظی یا معنوی رکاوٹ نہیں ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دونوں میں سے افضل ترکیب کون سی ہے؟ "القرآن یفسر بعضہ بعضا" قرآن کریم کے بعض حصے بعض دوسرے حصوں کی تفسیر کرتے ہیں کے اصول کے مطابق قرآن کریم میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک اور جگہ ختم کی نسبت بغیر کسی دیگر وجہ کے سمع اور قلب دونوں کی طرف ہوئی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ (سورۃ جاثیہ/۲۳)

پس کیا آپ نے دیکھا اس کو جس نے ٹھہرا لیا اپنا معبود اپنی خواہش نفس کو اور گمراہ کر دیا اسے اللہ نے، جانتے ہوئے اور مہر کر دی اس کے کان اور اس کے دل پر اور ڈال دیا اس کی آنکھ پر پردہ۔ پس کون ہدایت کرے اس کو بعد اللہ کے۔ پس کیا تم غور نہیں کرتے؟

یہاں ترکیب اول ثابت ہوئی اور سمع کو قلب سے پہلے ذکر کیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ سمع پر مہر لگی ہوئی ہے اور غشاوہ نہیں ہے، بلکہ غشاوہ فقط ابصار پر۔ (۲) دوسرا اشکال یہاں یہ ہے کہ یہ فرق کیوں رکھا گیا کہ سمع اور قلب پر تو ختم ہے اور ابصار پر غشاوہ ہے، ایسا کیوں نہیں ہے کہ تینوں پر یا تو ختم ہو یا غشاوہ ہو؟

جواب: وجہ یہ ہے کہ قلب ادراک کرتا ہے بواسطہ (۱) حس سلیم (۲) یا خبر صادق (۳) یا عقل کے۔ قلب اگر کسی بات کا یقین کرتا ہے تو ان تینوں کے ذریعہ کرتا ہے تو یہ تین سبب ہوئے۔

حقیقت سمع:

سمع کیا ہے؟ یہ ایک پردہ ہے کان میں کہ باہر سے جب ہوا متکیف ہوتی ہے صوت سے تو اس سے ٹکرا کر آواز سنائی دیتی ہے۔ اگر پردہ درست ہو تو اندر سے اس میں احساس ہو جاتا ہے۔ گویا سمع میں کام اندر سے ہوتا ہے باہر سے چیزیں لگتی ہیں تو اندر احساس ہوتا ہے۔

حقیقت بصر:

بصر کیا ہے؟ آنکھ سے ایک شعاع نکلتی ہے اور مرئیات پر لگتی ہے۔ گویا روشنی اندر سے باہر کی طرف آتی ہے اور باہر کی چیزیں اپنی اصلی حالت پر قائم ہیں تو گویا بصر میں اندر سے اخراج شیئ ہوتا ہے اور سمع وقلب میں ادخال شئ ہوتا ہے یعنی

القلب و السمع یقبلان الاثر من الداخل و البصر یقبل الا ثر من الخارج o

یعنی دل اور کان اندر داخل ہونے والی شے سے اثر لیتے ہیں اور آنکھ باہر سے اثر لیتی ہے تو جہاں باہر سے اندر چیزیں جاتی ہیں۔ وہاں اس کے روکنے کے لیے ختم اور مہر استعمال ہوتی ہے۔ آپ نے خط لکھا، مہر لگا کر بند کر دیا۔ اگر کوئی اضافہ کرے گا تو اضافہ تصور ہوگا جیسے کتب فقہ میں باب خط القاضی الی القاضی میں ہے۔ اندر کی چیزوں کو باہر جانے سے روکنے کے لیے پردہ اور غشاوہ استعمال ہوتا ہے۔

الغشاوۃ لمنع الاخراج و الختم لمنع الا دخال o

ختم باہر سے چیزیں داخل ہونے سے روکنے کے لیے استعمال ہوتی ہے، لہٰذا سمع اور قلب کے لیے ختم کا اور بصر کے لیے غشاوہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح سمع اور قلب کا ادراک من جمیع الجہات ہے تو اس کے لیے لفظ ''ختم'' استعمال کیا گیا جو کہ امتناع عن جمیع الجہات کے لیے وضع ہے اور بصر کا ادراک چونکہ جہت واحدہ سے ہے، لہٰذا اس کے لیے لفظ ''غشاوہ'' استعمال کیا گیا جو کہ امتناع عن جہت واحدہ کے لیے وضع ہے۔

(۳) تیسرا اشکال یہ ہے کہ سمع مفرد ہے اور ابصار جمع ہے۔ قلوب پر تو کوئی اعتراض نہیں ہے البتہ سوال یہ ہے کہ ''سمع'' مفرد اور ''ابصار'' جمع ہے قانون یہ ہے کہ

الجمع المضاف الی الجمع یقتضی تقسیم الاحاد علی الاحاد o

جمع جب جمع کی طرف مضاف ہو تو یہ اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ احاد کی تقسیم آحاد پر ہو جیسے...... رکبوا دوا بھم و لبسوا ثیا بھم

یعنی وہ سب لوگ اپنی سواریوں پر سوار ہو گئے اور انہوں نے اپنے کپڑے پہن لیے۔ دواب جمع مضاف ہے، ھم ضمیر جمع کی طرف اور ثیاب جمع مضاف ہے، ھم ضمیر جمع کی طرف یعنی ہر شخص اپنی سواری پر سوار ہوا اور ہر شخص نے اپنے کپڑے پہن لیے۔ سمع فی الواقع مفرد ہے اسی طرح قلب بھی جمع ہوتے ہوئے مفرد ہے اور ابصار بھی جمع کے ہوتے ہوئے مفرد ہے باعتبار تقسیم الاحاد علی الاحاد کے۔ جیسے شرح عقائد میں ہے مرافق اور کعبین کے متعلق بھی یہی سوال تھا اور یہی جواب ہے کہ مرافق سے مراد ہر شخص کی کہنیاں اور ''کعبین'' سے ہر شخص کے ٹخنے مراد ہیں، لیکن پھر بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ہر شخص کے دو کان اور دو آنکھیں ہوتی ہیں تو پھر سمع کو مفرد اور ابصار کو جمع لانے کی کیا وجہ ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ سمع ایک پردہ ہے جو کان کے سوراخ میں بچھا ہوا ہے۔ ہوا کے ساتھ اصوات ٹکرانے سے اس کو احساس ہوتا ہے یعنی کان میں ایک ہی پردہ ہے اور قوت بینائی کے مختلف طبقات ہوتے ہیں۔ آنکھ میں الگ الگ پردے ہیں۔ یہ شئی واحد نہیں ہے بلکہ قوٰی کثیرہ ہیں:

فبالنظر الی کثرۃ القویٰ جمع الابصار و بالنظر الی الشئی الواحد افرد السمع ○

یعنی بصارت میں پردوں کی کثرت کی وجہ سے ابصار کو جمع لایا گیا ہے اور کان میں ایک پردہ ہونے کی وجہ سے سمع کو مفرد لایا گیا۔

(۴)...... خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ جملہ فعلیہ ہے اور وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ جملہ اسمیہ ہے، جملہ فعلیہ حدوث پر دال ہوتا ہے کہ ابھی کیا ہے پہلے نہیں تھا اور جملہ فعلیہ میں دوام و استمرار نہیں ہوتا۔ اور جملہ اسمیہ دال ہوتا ہے دوام و استمرار پر۔ جملہ فعلیہ میں حدوث ہے اور جملہ اسمیہ میں دوام و استمرار ہے تو یہ فرق کیوں ہے؟ بظاہر اس کی وجہ یہ ہے واللہ اعلم کہ مہر لگانا دل پر جیسے میں نے کہا تھا کہ کوئی چیز باہر سے اندر نہ چلی جائے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہاں علت ادراکیہ موجود ہے اور ختم سے علت ادراکیہ کو منع نہیں کیا کہ ان میں پوری استعداد ہے، لیکن باہر سے مہر لگا دی یعنی علت ہے، لیکن اس کی تاثیر کو بند کر دیا موثر نہیں رہی۔ فقط یہ وجہ اس کی ختم ہے جو مانع ہو گئی۔

المانع لتاثیر العلۃ موخر عن العلۃ ○

تاثیر علت میں جو رکاوٹ ہوتا ہے، وہ علت سے مؤخر ہوتا ہے تو گویا جملہ فعلیہ جو دال علی الحدوث ہے سے اشارہ کر دیا کہ ختم اور مہر لگانا مؤخر ہے استعداد سمعی و قلبی سے اور غشاوۃ آنکھ کی شعاع کو روکتا ہے باہر آنے سے تو پردہ ڈال کر شعاع کے نکلنے کو بند کر دیا۔ غشاوۃ مانع عن العلت ہے، مانع عن التاثیر نہیں ہے۔ گویا علت پیدا ہی نہیں ہوئی۔ یہاں عدم اصلی ہے۔ اس لیے یہاں حدث نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ ابھی نہیں ہوا ہے یا نہیں کیا، بلکہ ہے ہی نہیں۔

(۵)...... پانچواں اشکال یہ ہے کہ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ میں جملہ اسمیہ کا جو فائدہ بیان ہوا تو یہ

ضابطہ ٹوٹ جاتا ہے سورہ جاثیہ والی آیت سے جس میں ارشاد ہے "وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً" اس آیت میں غشاوہ کو بھی جملہ فعلیہ ہی میں ذکر کیا گیا تو دوام استمرار والا فائدہ نہ رہا؟

جواب اس کا یہ ہے کہ افعال قلوب مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں لہٰذا افعال قلوب کے لیے مفعول اول مبتدا اور خبر مفعول ثانی ہوتی ہے جیسے علمت زیدا فاضلاً تو زید بمنزلہ مبتدا اور فاضلاً بمنزلہ خبر ہے۔ نحات نے لکھا ہے کہ افعال قلوب جملہ فعلیہ ہوتے ہوئے بھی ان میں حدوث نہیں ہوتا کیونکہ ان کے دونوں مفعول حقیقت میں مبتدا خبر ہوتے ہیں تو جملہ اسمیہ کی طرح دوام واستمرار ان میں ہوتا ہے، نہ کہ حدوث۔ اسی طرح "جعل" بھی دو مفعول چاہتا ہے عام طور پر جعل مرکب ہوتا ہے جعل بسیط نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جعل کے دو مفعول بمنزلہ مبتدا اور خبر کے ہیں اور جملہ اسمیہ والا دوام واستمرار برقرار رہے گا تو علی بصرہ بمنزلہ خبر مقدم ہے اور غشاوۃ مبتدا موخر ہے لہٰذا اشکال رفع ہوا۔

(۶)......قلب اور سمع کو بصر پر مقدم کرنا:

چھٹا اشکال یہ ہے کہ قلب اور سمع کو بصر پر مقدم کیوں کیا گیا؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ قلب کا مقدم کرنا تو بالکل واضح ہے کیونکہ اصل میں قوت ادراکیہ قلب ہی ہے، لہٰذا اس پر کوئی خاص اشکال نہیں ہے۔ رہی بات سمع کی تو وجہ یہ ہے کہ اصم اور بہرا ہونا بڑا عیب ہے بنسبت نابینا ہونے کے۔ سمع اور بصر میں جو زیادہ اہم ہوگا وہی مقدم ہونے کے زیادہ مناسب ہوگا۔ سمع اور بصر دونوں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، لیکن بعض نعمتیں بعض کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ عرب کا مشہور مقولہ ہے "لیس وراء العین البیان" یعنی آنکھ سے دیکھے بغیر کسی چیز کی حقیقت نہیں کھلتی۔ کائنات کے انکشافات میں بصر کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ نابینا دنیا سے الگ تھلگ ہوتا ہے، لیکن جب ہم غور کرتے ہیں تو اصم اور بہرا ہونا نابینا ہونے کے مقابلہ میں بہت بڑا اور زیادہ عیب ہے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نابینا تو گزرے ہیں، لیکن بہرا کوئی نہیں ہوا۔ گویا نابینا ہونا منافی نبوت نہیں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نابینا ہوگئے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ (سورہ یوسف/۸۴)

اور واپس پھرا ان کے پاس سے اور کہنے لگا ہائے یوسف اور سفید ہوگئیں اس کی آنکھیں غم سے پس وہ غم کو پی رہا تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام بھی نابینا ہوگئے تھے۔ اس لیے نابینا ہونا نبوت کے منافی نہیں ہے، لیکن بہرا ہونا نبوت کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ نابینا ہونا عیب نہیں ہے۔ جب نابینا مجلس میں آتا ہے تو مجلس باغ باغ ہوجاتی ہے اور کوئی دقت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی بہرا مجلس میں آجائے تو سب چلائیں گے۔ مجلس کو تباہ کرنے والا

بہرا ہے اور گونگے پیدائشی بہرے ہوتے ہیں۔ ورنہ اکثر گونگے نہ سننے کی وجہ سے گونگے بن جاتے ہیں، نہ اس وجہ سے کہ زبان خراب ہے۔ بعض دفعہ شروع میں ٹھیک ہوتے ہیں، لیکن بعد میں کچھ لوگ بہرے بن جاتے ہیں اور یہ بات ان کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے بنسبت پیدائشی گونگوں کے کیونکہ یہ لوگ سننے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ مشہور ہے کہ بہرا دو دفعہ ہنستا ہے۔ ایک دفعہ لوگوں کے ساتھ، ایک دفعہ جب خود سنتا ہے۔ بہرحال نابینا تو بڑے بڑے علماء، محدثین، قراء، علمائے نحو، علمائے لغت اور لاکھوں حدیثوں کے حفاظ گزرے ہیں۔ آنکھوں سے بینائی ختم ہو جاتی ہے، لیکن حس حافظہ اور روحانی قوت مضبوط ہوتی ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ کا واقعہ مشہور ہے کہ حج کے سفر پر تھے۔ راستہ میں ایک جگہ چلتے چلتے سر نیچے کر دیا۔ بظاہر وہاں کوئی سبب نہ تھا۔ ساتھیوں کے پوچھنے پر امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہاں ایک درخت تھا جس کی ٹہنیاں جھکی ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے میں نے سر نیچے کر دیا۔ جب لوگوں نے کہا کہ یہاں تو کوئی درخت نہیں ہے تو امام ترمذیؒ، جو نابینا تھے، ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ آس پاس کے لوگوں سے معلوم کرلو۔ اگر میری بات کی تصدیق ہو جاتی ہے تو حدیثیں بدستور بیان کرتا رہوں گا اور اگر میری بات کی تصدیق نہیں ہوتی، مجھ کو کوئی مغالطہ ہوا ہے تو پھر حدیثیں بیان کرنا چھوڑ دوں گا۔ کیونکہ یہ تو قوت حافظہ کے خراب ہونے کی علامت ہوگی۔ قریب کی ایک بستی کے بزرگوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے امام ترمذیؒ کی تصدیق کی اور آپ کو تسلی ہوگئی۔ یہ ایک نابینا محدث کا عالم ہے جس کا اندازہ اس قدر مضبوط ہے۔ بہرحال آیت ذیل میں ختم اللہ الخ سے مراد تشبیہ ہے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا (سورہ اعراف/۱۷۹)

ان کے دل ہیں کہ وہ ان سے (حق کو) سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں کہ وہ ان سے دیکھتے نہیں۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:

أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ (سورۃ محمد/۲۴) ای فکانھا مختومۃ

یا ان کے دلوں کو تالے لگے ہوئے ہیں۔ یعنی ان کے دلوں پر مہریں لگی ہوئی ہیں۔

جب ایک عضو وہ کام نہ کرے جس کے لیے پیدا کیا گیا تو وہ بیکار ہے۔ اس لیے آگے فرمایا وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ یعنی یہ لوگ مجبور محض نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر آنکھیں نہ ہوتیں تو جو عبادت متعلق بالعین ہے، اس کے مکلف نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی مجبور کو مکلّف نہیں بنایا۔ ایک شخص مجنون ہے لیس لہ قلب (اس کے دل میں سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے) تو یہ مکلّف نہیں ہے۔ ایک اعرج (لنگڑا) ہے تو جو عبادت متعلق بالرجلین ہے اس کا یہ مکلّف نہیں۔ گونگا شخص فاقرؤا ما تیسر من القرآن پس پڑھو جو حصہ قرآن سے تمہیں آسان معلوم ہو، کا مکلف نہیں ہے۔ حج گونگے پر فرض ہے، لیکن تلبیہ پڑھنا اس کے ذمہ فرض نہیں ہے۔ اس آیت میں تشبیہ بتاتی ہے کہ اللہ تعالی

نے یہ حواس تو عطاء فرمائے ہیں، لیکن یہ لوگ اسے کسی کام میں نہیں لاتے۔ باقی تقدیر میں کیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ ہم اس کے مکلّف نہیں ہیں، البتہ خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک افعال العباد کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر کوئی شخص معاصی و گناہ کرتا ہے تو اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ معتزلہ کے نزدیک انسان خود اپنے افعال کا خالق ہے، لیکن

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا فرمایا اور جو اعمال تم کرتے ہو ان کو بھی۔ (سورۃ الصّٰفّٰت/۹۶)

یہ حکم خداوندی صراحۃً معتزلہ کے اس عقیدہ کی تردید کر رہا ہے اور معتزلہ کا عقیدہ اس آیت کے قطعی خلاف ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق اگر انسان اپنے افعال کا خود خالق ٹھہرا تو مشرکین کی طرح پھر خالق خیر و شر بنانے پڑیں گے۔ جب دو خالق تسلیم کرنے والے مشرکین ہیں تو کیا کروڑوں خالق تسلیم کرنے والے مشرک نہ ہوں گے؟ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں لکھا ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایک آدمی شراب کا پیالہ پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے نگلواتا ہے، لیکن یہ نظریہ غلط ہے انسان مجبور محض نہیں ہے **کالحجر لا یتحرک الا بتحریک الغیر** یعنی انسان پتھر کی طرح مجبور نہیں ہے کہ کسی کی حرکت دیئے بغیر حرکت نہ کر سکے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝

اور ہم عذاب نہیں دیا کرتے جب تک کہ نہ بھیجیں کوئی رسول۔ (سورہ بنی اسرائیل/۱۵)

اور فرمایا قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ظاہر ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے (بقرہ/۲۵۶)۔ اتنا کچھ فرمانے کے بعد انسان کو مجبور محض اور بے اختیار کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اگر انسان کسی ایسی جگہ ہو کہ اسے احکام خداوندی کسی ذریعہ سے بھی نہ پہنچیں تو بھی ان مصنوعات و عجائبات قدرت کو دیکھ کر صانع کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ وحدانیت کا یہ یقین اسے جنت میں لے جائے گا، کیونکہ عقل کی وجہ سے انسان احکام شرع کا مکلّف ہوتا ہے۔ جب عقل نہ ہو تو پھر مکلّف بھی نہیں رہتا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

رفع القلم عن ثلاث عن الصبی حتی یبلغ و عن النائم حتی یستیقظ و عن المجنون حتی یفیق ۝

تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے (۱) نابالغ بچے سے، یہاں تک کہ بالغ ہو جائے (۲) سوئے ہوئے شخص سے، یہاں تک کہ جاگ جائے (۳) پاگل سے، یہاں تک کہ ٹھیک ہو جائے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ (سورۃ بقرہ/۸)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر، حالانکہ وہ مومن نہیں۔

اقسام المنافقین:

منافقین کی کئی اقسام ہوتی ہیں۔(۱) سب سے ارذل واذل درجہ کے منافق یہ ہیں کہ زبان سے اقرار کریں، لیکن دل میں مکمل جحود وانکار ہو۔(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ جو ظاہر و باطن دونوں میں متردد ہو۔ظاہر میں یہ سمجھتا ہو کہ یہ لوگ (مسلمان) غالب آئیں گے یا نہیں؟ اگر غالب آ گئے تو ہم بھی ساتھ ہو جائیں گے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللهِ قَالُوٓا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوٓا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (سورہ نساء/۱۴۱)

سو اگر تمہیں حاصل ہو فتح اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو حصہ ملے (جنگ میں غلبہ وغیرہ) تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ تھے اور نہیں بچایا ہم نے تم کو مسلمانوں سے۔

اور اگر ان مسلمانوں کو شکست ہوگئی تو ان کی تحریک ناکام ہو جائے گی اور دوسرے لوگوں سے ہمارا تعلق قائم رہے گا۔ گویا تذبذب وتردد میں ہیں۔نہ ادھر ہیں نہ ادھر ہیں۔

مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ

متردد ہیں اس کے درمیان میں نہ ادھر کے اور نہ ادھر کے۔(سورۃ نساء/۱۴۳)

یہ لوگ ظاہر و باطن دونوں میں متردد ہیں۔ ہر طرح گناہ کئے ہیں۔ یہ بھی ان کی خواہش ہے کہ یہ گناہ صاف ہو جائیں تو کیا ہی اچھی بات ہوگی۔ چنانچہ گناہ بخشوانے کے لیے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَن يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ (سورۃ منافقین/۶)

برابر ہے ان پر آپ مغفرت مانگیں ان کے لیے یا نہ مغفرت مانگیں ان کے لیے، ہرگز نہیں بخشے گا اللہ تعالیٰ ان کو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ (سورۃ توبہ/۸۰)

آپ مغفرت مانگیں ان کے لیے یا نہ مانگیں ان کے لیے (برابر ہے) اگر آپ مغفرت مانگیں گے ان کے لیے ستر مرتبہ بھی تو ہرگز نہیں بخشے گا اللہ انہیں۔

اس قسم کے منافقین کے دلوں میں جحود نہ تھا، کورے نہ تھے، لیکن دنیا کی محبت ان کے دلوں میں اس قدر جاگزیں ہوگئی تھی کہ اپنے مفادات کو چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ حدیث میں ہے **حب الدنیا راس کل خطیئۃ** یعنی

دنیا کی محبت ہر غلطی کی جڑ ہے۔

موجودہ دور کے منافقین بھی ظاہر و باطن دونوں میں متردد ہیں۔ اس لیے ایک بھائی اگر ایک پارٹی میں ہے تو دوسرا کسی اور پارٹی میں ہے۔ جو بھی پارٹی غالب آ گئی تو ہمارا کام بنتا رہے گا۔ (یقدم رجلاً و یأخر اخریٰ) یعنی ایک قدم ایک طرف اٹھا کر دوسرا قدم رکھنے اور نہ رکھنے میں متردد ہے۔ باطن میں کہتے ہیں کہ اسلام کا قانون نافذ ہو جاتا تو اچھا تھا، لیکن مفادات ہیں کیا کریں۔ ان کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اسمبلی میں بھی مخالفت کرتے ہیں اور ووٹنگ کے وقت بھی بھاگ جاتے ہیں۔ ہمیں بھی ووٹ نہیں دیتے، دوسروں کو بھی نہیں دیتے۔ امیدوار پھر ان کو کمروں سے اٹھا کر لاتے ہیں کہ ان کی مجبوری ہے تو یہ منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟

بہر حال منافقین نے "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" میں مبداء اور معاد دونوں پر ایمان کا دعویٰ کیا ہے، لیکن ضابطہ یہ ہے کہ الشئی اذا خلا عن المقصود لغا جو چیز جس مقصد و حکمت کے تحت بنائی گئی ہو اور وہ اس مقصد سے خالی و عاری ہو تو وہ بیکار ہوتی ہے۔ اسی طرح منافقین کے ایمان پر کوئی نتیجہ متفرع نہیں ہوتا تھا۔

نفاق فی الاعتقاد والاعمال یعنی اعتقادی نفاق اور عملی نفاق:

نفاق کی دو قسمیں ہیں (۱) اعتقادی نفاق (۲) عملی نفاق

عملی نفاق تو اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ کچھ دنیوی منافع حاصل ہوں۔ جیسے مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ ہونا، مال غنیمت وغیرہ میں شریک ہونا اور جو حدیث مشہور ہے کہ

اٰیۃ المنافق ثلاث ○

یعنی منافق کی تین علامتیں ہیں (تو اس سے عملی نفاق مراد ہے)

اور اعتقادی نفاق فساد عقیدہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے......

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾ (سورہ المنفقون ۱/)

جب آتے ہیں آپ کے پاس منافق تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بلاشبہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق لوگ البتہ جھوٹے ہیں۔

اس سے اعتقادی نفاق مراد ہے کیونکہ یہ لوگ اسلام کی بیخ کنی کے لیے اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ اسی طرح ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ (سورہ توبہ ۱۰۷/)

اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بنائی ایک مسجد ضرر دینے اور کفر پھیلانے اور تفرقہ ڈالنے کے لیے مسلمانوں میں اور انتظار کرنے کے لیے اس شخص کا جو لڑتا رہا اللہ اور اس کے رسول سے، اس سے پہلے۔ اور ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہے ہم نے کچھ اور سوائے بھلائی کے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور جھوٹے ہیں۔

یہ مسجد بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی نیت سے بنائی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو افتتاح کی دعوت دی گئی، لیکن آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ یہ مسجد نہیں، بلکہ محاربین کی کمین گاہ ہے، آپ اس کے قریب بھی نہ جائیں۔ یہ بھی اعتقادی نفاق ہے۔

سوال:

ایمان والوں کے حالات بیان کرنے کے لیے پانچ آیتیں لائی گئیں هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک۔ کفار مجاہرین جو دل وزبان دونوں اعتبار سے کافر ہیں ان کے حالات بیان کرنے کے لیے صرف دو ایتیں لائی گئیں "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" سے عذاب عظیم تک۔ منافقین کے حالات بیان کرنے کے لیے تقریباً (۱۳) تیرہ آیات لائی گئیں ہیں۔ " وَمِنَ النَّاسِ " سے لے کر رکوع کے آخر تک۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے کافر ہے اس کی مذمت زیادہ ہونی چاہیے اور جو صرف دل سے کافر ہے اور زبان سے مسلمان ہے تو اس کی مذمت کم ہونی چاہیے " **كفر المنافق من جهة واحدة و كفر المشرک من جهتين** "یعنی منافق صرف ایک اعتبار سے کافر ہے اور مشرک و کافر دونوں حیثیتوں سے کافر ہے۔

الجواب:

اصل بات یہ ہے کہ منافق کی زبان بھی جھوٹ بولتی ہے اور دل بھی جھوٹا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۝ یعنی اللہ گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں کیونکہ زبان سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ موافق قلب ہے، حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔ کافر مجاہر چونکہ دل وزبان دونوں سے منکر ہوتا ہے، لہٰذا وہ اگر کہتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں موافق قلب ہے تو وہ صادق ہے، سچ کہہ رہا ہے، لہٰذا منافق سے زیادہ خطرہ ہے بنسبت کافر مجاہر کے تو منافق، کا تذکرہ مفصل کیا گیا اور مثالوں سے وضاحت فرمائی گئی۔ جبکہ کافر مجاہر سے خطرہ کم ہے۔ وہ کھلا دشمن ہے تو اس کا تذکرہ مختصر کیا گیا۔ اس کی دشمنی زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح پاکستان میں اسلام کو خطرہ عیسائیت یا بدھ مت سے نہیں، بلکہ منافقین سے زیادہ خطرہ ہے۔ یہ منافق آپ کو فریب دینا چاہتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ

اور کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ

بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

وہ ایماندار نہیں ہیں۝ اللہ اور ایمانداروں کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو دھوکا دے رہے

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ

ہیں اور نہیں سمجھتے ۝ ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر اللہ نے ان کی بیماری بڑھا دی اور ان کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۱۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي

دردناک عذاب ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ۝ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ مُلک میں فساد

الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ

نہ ڈالو تو کہتے ہیں کہ ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں ۝ خبردار بیشک وہی لوگ فسادی ہیں

وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا

لیکن نہیں سمجھتے ۝ اور جب انہیں کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں

اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳

کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں خبردار وہی بے وقوف ہیں لیکن نہیں جانتے ۝

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ

اور جب ایمان داروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۴ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ

ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف ہنسی کرنے والے ہیں ۝ اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے اور انہیں مہلت دیتا ہے کہ وہ اپنی

يَعْمَهُوْنَ ۝۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا

گمراہی میں حیران رہیں ۝ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی سو ان کی تجارت نے نفع نہ دیا اور ہدایت

كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۱۶ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ

پانے والے نہ ہوئے ۝ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب آگ نے اس کے آس پاس کو روشن

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ
کردیا تو اللہ نے ان کی روشنی بجھا دی اور انہیں اندھیروں میں چھوڑا کہ کچھ نہیں دیکھتے ۞ بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ
لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ
نہیں لوٹیں گے ۞ یا جیسا کہ آسمان سے بارش ہو جس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی ہو اپنی انگلیاں
اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾
اپنے کانوں میں کڑک کے سبب سے موت کے ڈر سے دیتے ہوں اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے ۞
يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ
قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اُچک لے جب ان پر چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں چلتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا ہوتا
قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
ہے تو ٹھہر جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور آنکھیں لے جائے بے شک اللہ ہر چیز پر
قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾
قادر ہے ۞

ع ۲

افاداتِ محمود:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ الآية:

مِنَ النَّاسِ خبر مقدم ہے اور ''مَنْ يَّقُوْلُ'' مبتداء موخر ہے یہاں سوال یہ ہے کہ یہ تو بدیہی بات ہے کہ جو اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہے گا وہ لوگوں میں سے ہی ہوگا تو یہ اس خبر کا کیا فائدہ ہے؟

لان کل احد یقول ھکذا فھو من الناس یعنی جو بھی اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہے گا وہ لوگوں میں سے ہوگا؟ جواب اس سوال کا یہ ہے کہ فائدہ کا مدار خبر کے وصف پر ہے اور وہ بعضیت ہے یعنی بعض افراد ایسے ہیں، سارے نہیں ہیں۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے..........

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ڮ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ (سورۃ احزاب/۲۳)

مسلمانوں میں سے بہت سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو کچھ انہوں نے عہد کیا تھا اللہ سے پھر کوئی تو ان میں وہ ہے جس نے پورا کر دیا اپنا اقرار اور کوئی وہ ہے جو منتظر ہے اور انہوں نے ردوبدل نہیں کیا ذرا بھی۔

سوال:

اب سوال یہ ہے کہ کھلے کافر کے متعلق تو فرمایا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اور منافق کے بارے میں فرمایا کہ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ تو دونوں میں فرق کیا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اصل میں منافق کی حس بیدار ہوتی ہے اور کھلے کافر کی حس ماری ہوئی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

لهم قلوب لايفقهون بها o

ان کے دل ہیں لیکن وہ ان کے ذریعہ سمجھتے نہیں۔

کافر کی حس کمزور ہے جیسے بدن کا کوئی حصہ اگر سن ہو جائے تو پھر اس کو کسی چیز کا احساس نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے تو کفار مجاہرین کے لیے "عَذَابٌ عَظِيْمٌ" فرمایا کہ ان کو محسوس تھوڑا ہوتا ہے۔ جس کی حس زندہ ہوتی ہے تو ان کو عذاب زیادہ محسوس ہوتا ہے اور تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے۔ منافقین کے لیے "عَذَابٌ اَلِيْمٌ" فرمایا یعنی درد ناک عذاب۔ کافر بالکل جاہل ہے، اس کی نیت درست ہے، عمل غلط ہے۔ منافق کا عمل درست ہے، لیکن ایمان غلط ہے، لہٰذا کافر کا عذاب دردناک نہ ہوگا اور منافق کا عذاب دردناک ہوگا۔ جو قبروں پر سجدے کرتے ہیں اور دل سے اس کو ٹھیک خیال کرتے ہیں۔ وہ بھی اسلام سے زیادتی کرتے ہیں۔ یہ ان کی حماقت ہے، لیکن منافقین کی تو نظیر ہی نہیں ملتی۔

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ:

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ میں ان کے فعل کا ذکر ہے اور "وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ" میں فعل کے فاعل کی مذمت وشناعت کی گئی ہے۔ کیونکہ فعل کی شناعت متعدی الی الفاعل ہوئی ہے اور یہ جملہ دوام پر دال ہے۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ میں ایمان بالفعل کا ذکر ہے جس میں دوام واستمرار نہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ یہ نفی علی الدوام ہے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ الآیہ:

دھوکہ دیتے ہیں اپنے زعم میں، لیکن وہ درحقیقت اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہیں کیونکہ فریب اس کو دیا جاسکتا ہے جس کو سازش کا علم نہ ہو اور اللہ تعالی عالم بکل شئی، و قدیر علی کل شئی ہے فھو لا یخدع یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں اور ہر چیز پر قادر ہیں، لہٰذا اسے دھوکہ نہیں دیا جاسکتا۔

سوال:

المخادعۃ باب مفاعلہ سے ہے اور مخادعۃ طرفین سے ہوتا ہے تو حاصل یہ ہوا کہ وہ اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور

مومنین کو دھوکہ دیتے ہیں کیا یہ جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیا جاسکتا ہے؟ حالانکہ ابھی کہا ہے کہ **لا یخدع اللہ** (یعنی اللہ کو دھوکا دینے) کا امکان نہیں ہے اس لیے **یعلم تفاصیلہ قبل خلقہ و بعد خلقہ،** البتہ مومن دھوکہ کھا سکتا ہے حدیث میں ہے ''**المؤمن غر کریم** '' مومن سادگی کی وجہ سے دھوکہ کھا جاتا ہے۔ **و المنافق خب لئیم** منافق دھوکا باز اور کمینہ ہوتا ہے۔ اپنا مطلب نکالنے کے لیے ڈاڑھی کو ہاتھ لگاتا ہے اور پاؤں کو بھی ہاتھ لگاتا ہے۔ جب کوئی ایک شریف آدمی کی داڑھی کو ہاتھ لگاتا ہے، وہ باپ کے قاتل کو بھی معاف کردے گا۔ ہمارا بھی ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے کہ ان سے دھوکا کھانا ہر وقت ممکن ہے۔ ملک کا جو سب سے بڑا ہوتا ہے وہ بھی داڑھی کو ہاتھ لگانے کے لیے تیار ہوتا ہے، لہٰذا ہم اسے اکیلے نہیں ملتے۔ مومن فریب کھاتا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ محفوظ کرے تو پھر محفوظ ہو جاتا ہے۔ جیسے حدیث میں ہے **المومن لا یخدع و لا یخدع** یعنی مومن نہ دھوکا دیتا ہے نہ دھوکہ کھاتا ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ممکن ہے؟

الجواب:

(۱)...... جواب یہ ہے کہ باب مفاعلہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مبالغہ کے لیے (۲) مقابلہ کے لیے یہاں باب مفاعلہ مبالغہ کے لیے ہے، مقابلہ کے لیے نہیں ہے یعنی دھوکہ دہی میں وہ خوب مبالغہ کرتے ہیں۔ (**یبالغون فی الخداع**)

(۲)...... دوسرا جواب یہ ہے کہ خداع سے بچاؤ کرنا اور ان کی سازشوں کو دفع کرنا، یہ جواب خداع ہے۔ اس کو خداع کہا گیا ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے " **و مکروا و مکر اللہ واللہ خیر الماکرین**" یعنی وہ کفار بھی تدبیر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی تدبیر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والون میں سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کو بھی مکر کہا گیا اور لوگوں کی تدبیر کو بھی مکر کہا گیا۔ اسی طرح یہاں خداع کو بھی خداع کہا گیا اور جواب خداع کو بھی خداع کہا گیا ہے۔ اسی لیے باب مفاعلہ لایا گیا ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ:

ھم ضمیر کا اعادہ دال ہے حصر پر یعنی یہی لوگ مفسد ہیں، لیکن ان میں شعور نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں اور کفار کو جوڑنے والے ہیں اور مذہبی تعصّبات کو چھوڑنے والے ہیں۔ ہم رابطہ للا صلاح ہیں، لہٰذا ہم مصلح ہیں تو اس آیت میں بتایا گیا کہ یہ رابطہ شر میں ہیں، مصلح نہیں ہیں۔ یہ لڑاتے ہیں اس وقت مذہبی منافرت کو ہوا دینا بھی انہی لوگوں کا کام ہے۔ یہ لڑائیاں انگریزوں نے پیدا کیں اور اب بھی وہی لڑاتے ہیں۔ مفتن یعنی فتنہ پرور لوگوں کا جرم قتل کرنے والوں سے زیادہ سخت ہے اور یہ منافقین ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ

وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ (سورہ بقرہ/۲۱۷)

پوچھتے ہیں آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کے متعلق، کہہ دیجیے کہ اس میں لڑائی بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کے راستہ سے اور اس سے انکار کرنا اور مسجد حرام سے (روکنا) اور اس کے رہنے والوں کو اس میں سے نکالنا اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے، اللہ کے نزدیک' اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی بڑھ کر جرم ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جس طرح ایمان لائے ہیں دوسرے لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم بھی ایمان لائیں جیسا کہ ایمان لائے احمق۔

آج کل بھی لوگ کہتے ہیں کہ مولویوں والا اسلام ہم کیسے قبول کریں۔ ان کا دائرہ کار بڑا سخت ہے۔ یہ لوگ چونکہ اسلام سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ ہم روشن خیال اور آزاد (لبرل) اسلام چاہتے ہیں۔ سال میں بارہ دفعہ امریکا اور لندن جاتے ہیں اور ہم ایسا نہیں کرتے، لہٰذا کہتے ہیں کہ مولویوں کا اسلام تنگ نظری پر مبنی ہے، برملا کہتے ہیں کہ ہمیں ایسا اسلام نہیں چاہیے۔

اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

خوب سمجھ لو کہ وہی ہیں احمق، لیکن وہ نہیں جانتے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ گزشتہ آیات میں جب منافقین کی صفت فساد کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ وہ شعور نہیں رکھتے اور جب یہاں صفت سفہہ کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ یہ جانتے نہیں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ شعور کا تعلق ظاہری حس کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں **والمشاعر الحواس وقوله "وانتم لاتشعرون" ونحو ذالک معناه لا تدرکونه بالحواس** یعنی مشاعر حواس ظاہرہ کو کہتے ہیں اور قرآن کریم کی جن آیات میں شعور کی نفی کی گئی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ حواس کے ذریعہ تم ان چیزوں کا صحیح ادراک نہیں کر سکتے۔ فساد بھی محسوس چیز ہے۔ اسی وجہ سے وہاں فرمایا کہ وہ شعور نہیں رکھتے۔ سفاہت اور بے وقوفی کا تعلق عقل سے ہے اور یہ امر باطنی ہے، لہٰذا یہاں فرماتے ہیں کہ یہ سفاہت وحمق کی وجہ سے نہیں جانتے۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب وہ ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لا چکے ہیں اور جب وہ خلوت میں ملتے ہیں اپنے شیطانوں سے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں

(ان سے) تو ہم صرف دل لگی کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے سامنے منافقین صرف لفظ اٰمنا سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ جملہ فعلیہ ہے جو کہ دال علیٰ الحدوث ہے اور کسی قسم کی تاکید بھی ساتھ نہیں ہے، جبکہ اپنے بڑوں کے سامنے انہوں نے جن الفاظ سے ان کی معیت ورفاقت کا ذکر کیا تو تاکید ہی تاکید ہے۔ ایک حرف مشبہ بالفعل، دوسرا جملہ اسمیہ تو حاصل یہ ہوا کہ مسلمانوں کے سامنے ظاہرداری اور تکلف سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں، جبکہ اپنے کافروں کے سامنے دل کی گہرائیوں سے معیت کا اعلان کرتے ہیں۔ رہی وہ بات جو ہم نے مسلمانوں کے سامنے کی تھی تو ہم ان سے مذاق کرتے ہیں اور ان کی بے عقلیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم مسلمانوں سے استہزاء کرتے ہو، حالانکہ تم خود اس قابل ہو کہ تم سے استھزاء (مذاق) کیا جائے تو معلوم ہوا کہ یہ مذبذبین (منافقین) آدمی نہیں ہیں۔ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی سرکشی میں مہلت دراز دیتا ہے "يَعْمَهُونَ" العمہ سے مشتق ہے۔ العمہ اس وقت کہا جاتا ہے جب دل کا نور ختم ہو جائے اور عمیٰ اس وقت کہا جاتا ہے جب آنکھ کی روشنی چلی جائے۔ گویا عمیٰ ضد ہے بصارت کی اور العمہ ضد ہے بصیرت کی۔ ابتدائً استہزاء کرنا جہالت ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے "قَالُوٓا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ" وہ بولے کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے؟ کہا میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں (سورہ بقرہ/۶۷)۔ معلوم ہوا کہ تمسخر کرنا جہالت ہے، لیکن جواب استھزاء حقیقت میں استہزاء نہیں ہے، بلکہ ایک امر واقعی ہے۔ البتہ صورۃً اسے بھی استہزاء سے تعبیر فرمایا گیا ہے جو لفظی اشتراک کی وجہ سے حسن لفظی کی ایک قسم ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔

جب اسلام کا کلمہ کہا تو ان منافقین کا ایمان والوں کے ساتھ ایک ربط پیدا ہو گیا۔ یہ خیال تھا کہ ہم ان سے بھی فائدہ اٹھائیں یعنی اس ایمان سے مالی نفع حاصل کرنا چاہتے تھے تو ہدایت قدرے قریب تھی، لیکن اس کے بدلے میں گمراہی لی یعنی ظاہری ایمان سرمایہ تھا۔ اس سرمایہ سے باطنی ایمان حاصل کر سکتے تھے، مگر بدبختی کی وجہ سے اس تھوڑی ہدایت کے عوض اندر کی گمراہی حاصل کی۔ اس لیے آگے ارشاد ہوا "فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ" ان کی تجارت نے ان کو نفع نہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف زبانی جمع خرچ ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بری خصلت اور قبیح عادت ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ آگے مثال دے کر سمجھاتے ہیں:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۖ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی (اندھیرے میں) پس جب روشن کر دیا

آگ نے اس کے ارد گرد کو تو اچک لی اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی اور چھوڑ دیا انہیں اندھیروں میں کہ اب نہیں دیکھتے۔

یعنی حرارت اور روشنی حاصل کرنے کے لیے آگ جلائی۔ جب آگ نے ارد گرد کو روشن کر دیا تو اس نے اس پر کفایت کی اور سمجھا کہ اب آگے خود بخود چلوں گا۔ پھر اللہ نے اس کے نور کو بجھا دیا اور اس کو اندھیروں میں چھوڑ دیا۔ ایک قبر کی زندگی کا اندھیرا، جھوٹ بولنے کا اندھیرا، افتراء و بہتان تراشی کا اندھیرا، مسلمانوں کو سفہاء کہنے کا اندھیرا، استہزاء کرنے کا اندھیرا، جہل مرکب کا اندھیرا، پھر یہ لوگ واقع میں مفسد ہیں، مگر مصلح ہونے کے دعوے دار ہونے کا اندھیرا، تو یہ بہت سے اندھیرے جمع ہو گئے۔

آں کس کہ نہ داند و نہ داند کہ نہ داند، یعنی جو شخص جانتا بھی نہ ہو اور یہ بھی نہ جانتا ہو کہ وہ نہیں جانتا تو وہ پھر اندھیرے میں ہی ہوگا اور قاعدہ و تجربہ یہ ہے کہ دائمی اندھیرے میں تو کچھ نہ کچھ نظر آتا ہے، لیکن جب روشنی کے بعد اندھیرا چھا جائے تو پھر کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ پس وہ رجوع نہ کریں گے۔

صمٌّ یہ خبر ہے "ھم" مبتداء محذوف کے لیے اسی طرح بُكْمٌ عُمْیٌ ہیں۔ صم جمع ہے اصم کی، بکم جمع ہے ابکم کی اور عمی جمع ہے اعمٰی کی، گویا منافقت کے نتیجہ میں ان لوگوں میں استعداد ہی ختم ہو گئی ہے۔ تمام قویٰ فیل ہو گئے ہیں۔ اس مضمون کی مزید وضاحت کے لیے آگے ایک اور مثال بیان کی گئی ہے۔

اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَ اللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾

یا جیسا کہ بارش ہے آسمان سے جس میں تاریکیاں اور گرج اور بجلی ہو کہ ٹھونس لیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے، ڈرتے ہوئے موت سے اور اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔

یہاں بہت سارے اندھیروں کا ذکر ہے ایک ابر کا اندھیرا ایک بارش کا اندھیرا، ایک رات کا اندھیرا۔ یہ بہت سے اندھیرے ہیں۔ بجلی کی کڑک دن کو بھی ہو سکتی ہے، لیکن بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں رات کو بجلی کا کوندنا اور چمکنا مراد ہے جیسا کہ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ ۙ سے ظاہر ہے کیونکہ بجلی کی چمک میں چلنا اور چمک نہ ہونے کی صورت میں نہ چل سکنا، یہ علامت رات کے چلنے کی ہے۔ رعد یہ کڑک کی آواز ہے۔ یہ آواز کہاں سے آتی ہے۔ اس کو چھوڑ دو یہ بادلوں کے ٹکراؤ سے یا اجزائے دخانیہ سے، دونوں صورتیں ممکن ہیں نیز رعد ایک فرشتے کا بھی نام ہے۔ یہ بارش ابر، برق، رعد اور صوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انذار کی مثالیں ہیں۔ یَجْعَلُوْنَ

اَصَابِعَهُمْ سے مراد انگلیوں کے پورے اور سرے ہیں کیونکہ ساری انگلی کان میں ڈالی نہیں جا سکتی لیکن مبالغہ مقصود ہے کہ ان کی حالت ایسی ہے کہ اگر ساری انگلی کان میں داخل کی جا سکتی تو یہ داخل کر دیتے۔ موت کے ڈر سے یہ حالت ہوئی ہے کہ اوسان خطاء ہو گئے ہیں۔ "اَوْ كَصَيِّبٍ کا عطف مَثَلُهُمْ" پر ہے اور یہاں "او" شک کے لیے نہیں، بلکہ تخییر کے لیے ہے یعنی مقصود منافقین کا حال سمجھنا ہے۔ خواہ پہلی مثال سے سمجھو یا دوسری سے۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ

قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی بینائی کو اچک لے اور ختم کر دے۔

اس آیت میں کفار و منافقین کا دنیوی حال بیان کیا گیا ہے اور وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں۔ ایک اور آیت میں ان کا اُخروی حال بھی اسی طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا۝ (سورہ بنی اسرائیل/۹۷)

اور ہم اٹھائیں گے ان کو قیامت کے روز ان کے منہ کے بل اندھے اور گونگے اور بہرے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے کہ جب وہ بجھنے لگے گی تو ہم ان پر اس کو اور بھڑکائیں گے۔

گویا دنیا میں بھی ان پر حقائق پوشیدہ ہیں اور آخرت میں بھی ان پر حقائق پوشیدہ رہیں گے۔

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ:

یہ منافقین ہیں کہ یہ اسلام سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ جہاں فائدہ ملنے کی امید ہو تو آجاتے ہیں اور اگر فائدہ ملنے کی امید نہ ہو تو دور بھاگتے ہیں۔ جیسے غزوہ احد میں ہوا کہ راستہ سے ہی تقریباً تین سو منافقین بھاگ گئے، لیکن مال غنیمت کی تقسیم کے وقت پھر آ گئے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝:

حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم سب کے لیے ہدایت ہے، لیکن منافقین نے اس ہدایت کے عوض گمراہی کو اپنا لیا تو وبال کے مستحق ہو گئے۔

یہاں کان میں انامل ڈالے جاتے ہیں تو یہ ذکر جہالت ہے یعنی رأس الاصبع ڈالتے ہیں یعنی ان کی حالت ایسی ہے کہ ساری انگلی جا سکتی تو وہ بھی ڈال دیتے۔ بہر حال یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کی ہدایت ان کے لیے بھی تھی، لیکن ان پر وبال ہے۔ اگلی آیت میں طریقۂ ہدایت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً

تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ ○ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا

اور آسمان سے پانی اُتارا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل نکالے سو کسی کو

لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى

اللہ کا شریک نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے بھی ہو ○ اور اگر تمہیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے

عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ

پر نازل کی ہے تو ایک سُورت اس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا جس قدر تمہارے حمایتی ہوں

اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا

بُلا لو اگر تم سچے ہو ○ بھلا اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے

النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ

تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ○ اور ان لوگوں کو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

خوشخبری دے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ان کے لئے باغ ہیں ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ

جب انہیں وہاں کا کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے ملا تھا

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا

اور انہیں ہم شکل پھل دیئے جائینگے اور ان کے لئے وہاں پاکیزہ عورتیں ہوں گی اور وہ وہیں ہمیشہ

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ

رہیں گے ○ بیشک اللہ نہیں شرماتا اس بات سے کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

سو جو لوگ مومن ہیں وہ اسے اپنے رب کی طرف سے صحیح جانتے ہیں اور جو کافر ہیں

فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ

سو کہتے ہیں اللہ کا اس مثال سے کیا مطلب ہے اللہ اس مثال سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اس سے

كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ

ہدایت کرتا ہے اور اس سے گمراہ تو بدکاروں ہی کو کیا کرتا ہے ○ جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد

بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ

توڑتے ہیں اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے توڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے ہیں

اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ

وہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں ○ تم اللہ کا کیوں کر انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے پھر تمہیں زندہ کیا

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي

پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے ○ اللہ وہ ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب

الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ

تمہارے لئے پیدا کیا ہے پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں سات آسمان بنانا اور وہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

ہر چیز جانتا ہے ○

افاداتِ محمود:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا:

اس رکوع میں تذکیر بآلاء اللہ سے ہدایت کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس میں منافقین کی دوسری قسم جو قابل اصلاح ہے جن کا نورِ ایمان بالکل بجھا نہیں ہے۔ ان میں تھوڑی سی رمق باقی ہے۔ ان کی اصلاح کا طریقہ بھی اس رکوع میں مذکور ہے۔

"اے لوگو! اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ الخ عبادت کرو تم اپنے پروردگار کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے (یعنی تمہارے آباؤ اجداد) تا کہ تم متقی ہو جاؤ۔ وہ تمہارا پروردگار جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا

بنایا اور آسمان کو چھت اور نازل کیا آسمان سے پانی پھر اس سے نکالا پھلوں کو تمہارے کھانے کے لیے۔ نہ بناؤ اللہ کے لیے شریک حالانکہ تم جانتے بھی ہو اور اگر تم شک میں ہو اس چیز سے جو ہم نے نازل کی اپنے بندے پر تو لے آؤ کوئی سورت اس جیسی اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو بچو اس آگ سے کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

یہ تو آپ نے سمجھ لیا کہ ربوبیت سبب ہے معبودیت کے لیے۔ ربوبیت میں سب سے بڑی نعمت اور پہلی نعمت خلق کی نعمت ہے۔ ایک شئی کو عدم سے وجود میں لانا یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس لیے یہاں پر عبادت کا حکم دیا، لیکن اعبدو اللہ نہیں کہا، بلکہ اعبدو ربکم کہا تو سبب عبادت بھی پہلے بیان کر دیا۔ عبادت کرو اپنے پروردگار کی۔ چونکہ یہاں بعض نعمتیں بھی مذکور ہوئی ہیں تو یہ تذکیر بآلاء اللہ ہے۔ پہلی نعمت الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ہے۔ نعمت خلق کا ذکر ہے وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ تم سے پہلے لوگوں کی بھی پرورش کی۔ اتنی بڑی نعمت کہ نیست سے ہست میں لے آئے۔ اس کی عبادت تمہارا فرض ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ اس سے پہلے پڑھا کہ یہ کتاب ہدایت ہے متقین کے لیے اور متقی انسان اس طرح بنتا ہے۔ متقی بن کر اس ہدایت کے مستحق ہوں گے جس کے لیے کتاب نازل کی گئی ہے۔ متقی بننا یہ بھی عبادت ہے اور تقویٰ خود عبادت ہے۔

یہاں پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اگر تقویٰ عبادت ہے تو پھر لَعَلَّكُمْ تعبدون ہونا چاہیے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے بجائے۔ لَعَلَّكُمْ تعبدون سے تکرار لازم آئے گا کہ عبادت کرو تاکہ عبادت گزار بن جاؤ؟ اور اگر اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ کے بجائے اتقوا ربکم کہا جاتا تو یہاں بھی تکرار ہے۔ یعنی عمل اور نتیجہ عمل دونوں ایک ہو جائیں گے تو اس سے کلام میں فائدہ نہیں ہوگا؟

جواب یہ ہے کہ عبادت صرف تقویٰ ہی نہیں عبادت کا ایک وسیع مفہوم اور متعدد مدلولات ہیں، لیکن یہاں عبادت سے مراد مبداء عبادت ہے اور تقویٰ منتہی عبادت ہے۔ تم عبادت کرو یعنی نسبت عبدیت اس کے ساتھ قائم کر لو۔ اس کے بعد نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ انتہائی مدارج عبادت کو پہنچ جائیں گے۔ قیام نسبت عبادت ہے اور انتہٰی میں تقویٰ کے اصل مقام تک پہنچ جاؤ گے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ تم ابتداء کرو تاکہ انتہاء کو پہنچ جاؤ۔ اس لیے تکرار نہیں ہے اور فائدہ بھی ہے۔ یہ اعتراض عام طور پر مفسرین نے لکھا ہے۔ چنانچہ حضرت علقمہ سے بالتصریح روایت ہے کہ جس آیت کی ابتداء یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ سے ہوتی ہے۔ وہ آیت مکی ہوتی ہے اور جس آیت کی ابتداء یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے ہوتی ہے وہ مدنی ہوتی ہے۔ آیت مکیہ میں مخاطب مشرکین ہوتے ہیں اور آیت مدنیہ کے مخاطب مومنین مدینہ و غیرھم ہوتے ہیں، لیکن سورۃ بقرہ مدنیہ ہے اور یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ کی آیت بھی مدنیہ ہے۔ کسی نے انکار بھی نہیں کیا ہے۔ اگرچہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مدنی سورت میں مکی آیت اور مکی سورت میں مدنی آیت آ جائے، لیکن یہ بالاتفاق مدنی ہے۔ گویا یہاں مفسرین کا قاعدہ مجروح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے بالعکس بھی ہے، یعنی سورہ تحریم میں آتا ہے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا الخ یہ آیت يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہوئی باوجودیکہ سورہ تحریم مکی ہے تو اس سے بھی وہ قاعدہ مجروح ہو جاتا ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حضرت علقمہ نے یہ نہیں کہا کہ جہاں يٰاَيُّهَا النَّاسُ ہو وہ آیت مکیہ ہوگی ورنہ مدنیہ ہوگی، بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ يٰاَيُّهَا النَّاسُ کے مخاطب مشرکین مکہ ہوتے ہیں خواہ آیت مدنی ہو اور يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مومنین مراد ہیں (مشرکین مکہ جب ایمان لائے تھے تو پہلے ان سے خطاب تھا) تو یہاں پر يٰاَيُّهَا النَّاسُ اس سے مخاطب وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان نہیں لائے ہیں، وہ مشرکین ہیں کہ لوٹ آؤ اور پروردگار کی نعمتوں کو دیکھو۔

لعل کا لفظ ترجی کے لیے ہوتا ہے۔ امید ہے مستقبل میں ایسا ہوگا تو ترجی بالنسبت الی اللہ کیسے جائز ہوئی۔ ہم تو اس لیے ترجی کرتے ہیں کہ ہمیں اصل واقعہ کا علم نہیں ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ تو مستقبل کا عالم ہے تو توقع کی کیا بات ہے۔ گویا اللہ کے کلام میں لعل صیغہ ترجی کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے؟

چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ لعل جب بھی اللہ کے کلام میں آئے تو اس سے مراد یقین ہی ہوتا ہے۔

قدریہ چونکہ تقدیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کے بھی منکر ہیں کہ کسی کام کے ہو چکنے سے قبل اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات نہیں ہوتی کہ یہ کام کیسے ہوگا؟ ہوگا یا نہیں ہوگا! تو ان کے ہاں لفظ "لعل" یہاں بھی حقیقی معنی پر محمول ہے یعنی ترجی اور شک کے معنی میں ہے۔

وجه تسمية القدرية بالقدرية:

لانهم يثبتون القدر لا نفسهم و ينفونه من الله ٥

یعنی یہ لوگ صفت قدر کی نفی اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں اور اپنے لیے اس کو ثابت کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کو قدریہ کہا جاتا ہے۔

یہاں سے ایک آدمی پنڈی کے لیے چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس نے گوجرانوالا ٹھہرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مجبور نہیں کیا۔ وہ اپنے اختیار سے ٹھہرا۔ اللہ کے علم نے اسے مجبور نہیں کیا۔ قدریہ علم کے منکر نہیں ہیں، مگر اُس کی قدرت کے منکر ہیں۔ ہمارے ہاں تقدیر صرف علم الٰہی کا نام ہی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنے کا نام تقدیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل کسی کو نہیں بتاتا۔ اسی تفصیلی علم کا نام تقدیر ہے۔

اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا الآيه

جس نے زمین کو بچھونا بنایا مانند فرش کے کہ جس میں تم سکونت کرتے ہو۔

نہ تو ایسا سخت بنایا پتھر کی طرح کہ جس پر سکونت کرنا مشکل ہو اور نہ اتنا نرم بنایا کہ اس میں دھنس جائے۔ فِرَاشًا

یعنی سکونت کے قابل بنایا گیا ہے۔ زمین کو فرش بنانا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے پھر آسمان کو چھت بنانا بھی بہت بڑا احسان ہے۔ بہر حال آسمان وزمین کو اس طرح بنایا کہ تم آرام وسکون سے رہو اور یہ دونوں اپنے اپنے مقام سے ہلتے نہیں ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا (سورۃ فاطر/۴۱)

بے شک اللہ ہی تھامے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ وہ ٹل جائیں اپنی جگہ سے۔

قدیم فلاسفہ کے مطابق ستارے آسمان میں مرکوز ہیں، لیکن قرآن کی ہدایات کی روشنی میں تارے آسمان سے نیچے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے...... وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ الخ اور ہم نے اراستہ کیا آسمان اول کو چراغوں سے۔ یعنی زمین کی طرف ساتویں اور سب سے نچلے آسمان کو آراستہ کیا ہے ستاروں سے اور جس چیز کے ذریعہ زینت دی جاتی ہے وہ چیز ہمیشہ سامنے لگتی ہے۔ اس لیے آسمان اوپر ہے اور تارے نیچے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ آسمان ٹھوس جسم ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے کچھ طبقات ہوں۔ بہر حال اس کی تحقیقات ہمارے عقیدہ سے متعلق نہیں ہیں۔ زیادہ توجہ عقیدہ کی درستگی پر مرکوز رکھیں۔ باقی کسی آسمان کا سونے یا زبرجد کا ہونا کسی مستند روایت سے ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح زمین کے مختلف طبقات اور مختلف حصے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ اور زمین میں پاس پاس کئی قسم کے ٹکڑے ہوتے ہیں، (سورۃ رعد/۴)
"وفی الارض آیات للمؤمنین" اور زمین میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے۔ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ اور پہاڑوں میں سے حصے ہیں سفید اور سرخ مختلف رنگوں کے اور کالے سیاہ (سورہ فاطر/۲۷) اور پھر زمین سے مختلف قسم کی چیزیں اگتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے والارض ذات الصدع اور (قسم ہے) زمین کی جو پھٹ جاتی ہے (نباتات سے) زمین میں سب سے بڑی قوت انبات یعنی اگانے کی ہے اور پانی بھی زمین سے نکلتا ہے، جیسا کہ فرمان خداوندی ہے "وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بقدر فاسکناہ فی الارض" اور نازل کیا ہم نے آسمان سے پانی ایک اندازے کے ساتھ پھر ٹھہرا دیا ہم نے اس کو زمین میں تو یہی پانی پھر زمین سے نکلتا رہتا ہے۔ اس طرح زمین میں نشو ونما کی طاقت ہے۔ چیزیں اُگنے کے بعد پھر بڑھتی رہتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة مائة حبة○

مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ،
اُگیں جس سے سات بالیں، ہر بال میں ہوں سو دانے، یہ زمین کی نشو ونما کی مثال ہے۔

اسی طرح زمین سے تیل بھی نکلتا ہے۔ پہلے تیل نہیں نکلتا تھا، لیکن اب نکلتا ہے۔ سمندروں کے درمیان سے

اور سمندروں کی تہہ سے بھی تیل نکالتے ہیں۔ اس لیے دریا میں جو شور زمین ہے، وہ بھی بے فائدہ نہیں ہے۔ اسی طرح تمام معادن سونا چاندی سب زمین میں ہیں۔ پتا نہیں آپ کو زمین سے کیا کیا مل رہا ہے۔ عرب جو فاقہ کش قوم تھی، اب ان کے پاس اتنی دولت ہے کہ امریکا برطانیہ یہ بڑی طاقتیں بھی ان کے آگے جھکی جاتی ہیں، لیکن عربوں کو سیاسی طور پر کھڑا نہیں ہونے دیتیں۔ سامراج انہیں استعمال کرنا چاہتا ہے۔ تیل کے کنوؤں پر ان عربوں کے اپنے کارندے محافظ نہیں ہیں، بلکہ سب یورپ کے لوگ ہیں۔ عرب کماحقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ آسمان اور زمین کی تخلیق کے بعد حجاز میں اتنی دولت کبھی نہیں آئی تھی۔ اب یورپ کے تمام بنک ان کے سونے سے چلتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنا پیسہ وہاں سے نکال لیں تو اُن کی تمام عیاشیاں بند ہو جائیں گی۔ ان لوگوں کا کپڑا وغیرہ تمام چیزیں یورپی ممالک کی ہوتی ہیں۔ بازاروں میں تمام چیزیں باہر کی ہوتی ہیں۔ غلہ بھی باہر سے آتا ہے اور یہ گاڑیاں بھی باہر سے منگواتے ہیں۔ تھوڑی سی استعمال کی اور اس کو چھوڑ کر نئی خرید لی۔ سامراج نے عربوں کو عیاشی میں مبتلا کر کے ان کی سیاسی نظر مقصد سے ہٹا رکھی ہے۔ ورنہ تمام دنیا عالم اسلام کے سامنے جھک جاتی۔ سب کچھ اللہ نے دیا۔ اسی لیے ارشاد ہے کہ

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ (سورہ ق/۷،۸)

اور زمین کو ہم نے بچھا دیا اور ڈال دیئے اس میں مضبوط پہاڑ اور اگائیں اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں۔ بصیرت اور نصیحت ہے رجوع کرنے والے بندے کے لیے۔

بندوں کی وجہ سے یہ زمین زندہ ہے اور ایک جگہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝ (سورہ زخرف/۱۱)

اور جس نے نازل کیا آسمان سے پانی ایک اندازے سے پھر زندہ کر دیا ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ بستی کو۔ اسی طرح تم دوبارہ نکالے جاؤ گے۔

یعنی پانی کے ذریعہ بلدمیت یعنی بانجھ زمین کو زندہ کر دیا۔ الغرض زمین کو فرش بنانا اور آسمان کو (چھت) بنانا۔ صرف ان اجرام و اجسام کی تخلیق ہی نہیں کی، بلکہ انسان کی سکونت و نظام زندگی کے تمام تر وسائل ان میں فراہم کیئے گئے ہیں، ودیعت کیئے گئے ہیں۔

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ

اور آسمان سے پانی اتارا۔ پس اس کے ذریعہ پیدا کیئے پھل جو کہ تمہارے واسطے رزق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اتنے احسانات ہیں انسانوں پر۔ اسی طرح آسمانوں میں تارے ہیں۔ شمس و قمر کا نظام ہے ان کے خاص اثرات ہیں، جن سے کائنات کا سارا نظام چل رہا ہے۔ اگر سورج غروب نہ ہو تو سارا سال دن رہے اور

حرج عظیم لاحق ہو۔ پھر موسم کے مطابق زمین میوے نکالتی ہے۔ اسی طرح گرمی اور سردی کا اعتدال باقی رکھا گیا ہے۔ تم لوگ روشنی حاصل کرتے ہو۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا الخ

پس شریک نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو۔

یہ نتیجہ ہے سابق کلام کا کہ جب اللہ تعالیٰ کے تم لوگوں پر بے پناہ احسانات ہیں تو اس کے ساتھ شرک نہ کرو۔ اس کو اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے ایک مانو۔ مشرکین مکہ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ کواکب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو کہا گیا کہ پھر ربوبیت میں کیوں شرک کرتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ اس کے ساتھ اس کی ذات میں یا صفات میں کوئی شریک نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے......

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (العنکبوت:٦١)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو؟ اور مسخر کیا سورج اور چاند کو تو وہ ضرور کہیں گے اللہ ہی نے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب سب عبادت خاص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو عبادت بھی اس کے ساتھ خاص ہونی چاہیے۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ یہ دو آیتیں ہیں ایک کو اللہ تعالیٰ نے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ پر ختم فرمایا اور دوسری کو وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ پر ختم فرمایا۔ ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پانچ نعمتیں ذکر فرمائی ہیں جو اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے لیس لہ شریک ولا نظیر ولا ند یعنی اللہ تعالیٰ کا نہ تو کوئی شریک ہے اور نہ اس جیسا ہے اور نہ اس کا کوئی ہم پلہ ہے۔ (۱) تمہارا خلق (۲) تمہارے آباؤ اجداد کا خلق (۳) زمین کی پیدائش (۴) آسمان کی پیدائش (۵) آسمان سے پانی برسانا اور زمین میں چیزیں اگانا اسی کا کام ہے۔ نعمت نمبر ۱، ۲ چونکہ دونوں ایک ہی جنس سے ہیں تو ان کو ایک آیت میں جمع کیا اور نعمت نمبر ۳، ۴، ۵ یعنی خلق سماء، خلق ارض اور انزال ماء من السماء و اخراج الثمرات من الارض یہ تینوں نعمتیں ایک جنس کی ہیں لہٰذا ان تینوں کو ایک آیت میں جمع فرمایا (۲) پہلی دو نعمتیں روحانی ہیں اور بعد کی تینوں نعمتیں جسمانی وحسی ہیں (۳) پہلی دونوں نعمتوں کا تعلق روح ونفس دونوں کے ساتھ ہے جبکہ بعد کی تینوں نعمتیں صرف نفس سے متعلق ہیں۔ پھر آخری تینوں کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے زمین پھر آسمان پھر آسمان وزمین دونوں مرکب یعنی پہلے مفردات کے فوائد بیان ہوئے پھر مرکب کے۔ المفرد مقدمٌ علی المرکب طبعا یعنی طبعی طور پر مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔ پھر زمین کو مقدم ذکر کیا کیونکہ زمین اقرب ہے بنسبت آسمان کے تو اقرب کو مقدم ذکر فرمایا۔

زمین گول ہے یا نہیں:

بعض لوگوں نے ''فراشاً'' سے استدلال فرمایا ہے کہ زمین گول نہیں ہے کیونکہ فراش کا معنی ہے بچھونا جس کو بچھایا جاتا ہے اور جو چیز بچھائی جائے تو چپٹی ہوتی ہے گول نہیں ہوتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زمین کا کروی شکل کا ہونا ''فراش'' ہونے کے منافی نہیں ہے۔ کرہ جب بہت بڑا ہو تو اس کی سطح چھوٹے بچھونے کی طرح ہوتی ہے اور زمین کی کروی ہونے پر شواہد کثیر ہیں اور قرآن کریم میں کہیں کروی ہونے کا انکار نہیں ہے۔ اب ہوائی جہاز پوری زمین میں جاسکتے ہیں۔ فیجی، فلپائن سے جا کر امریکہ سے مل جاتے ہیں تو ایک جگہ سے روانہ ہو کر پھر اسی جگہ پہنچ جانا کرہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ غروب وطلوع کا اختلاف اور اوقات نماز سحر وغیرہ کا اختلاف یہ سب علامات ہیں زمین کے کرہ ہونے کی تو اختلاف مطالع اس وجہ سے ہے۔

شبہ وجواب شبہ:

اب سوال یہ ہے کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے یا ابر سے۔ بظاہر قرآن کریم میں دونوں طرح کی آیات موجود ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں اور اس جیسی دیگر آیات میں تو یہ مذکور ہے کہ بارش آسمان سے برستی ہے اور ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَ اَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ (سورہ حجر/۲۲)

اور بھیجا کرتے ہیں ہم ہوائیں بھری ہوئی (بخارات سے) پھر نازل کیا کرتے ہیں ہم آسمان سے پانی۔ پھر وہ پانی ہم تم کو پلاتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾

کیا تم نے اس کو اتارا بادل سے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں؟ (سورہ واقعہ/۶۹)

اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اس آیت میں ''من'' ابتداء کے لیے ہے یعنی پانی کی ابتداء آسمان سے ہے یا مزن سے ہے۔ الجواب، مفسرین نے ان آیات میں تطبیق یوں بیان فرمائی ہے کہ ایک نفس مطر کی ابتداء ہے کہ مطر کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟ اور دوسرا مطر کی قضاء اور مطر کے حکم کا فیصلہ کہاں سے ہوا؟ چنانچہ یہ مطر من تحت العرش ہے۔ آسمان اور تحت العرش سے پانی نازل فرمایا یعنی اس کا حکم عرش سے آیا تو مطر باعتبار حکم وقضاء کے من السماء ہے اور نفس مطر من السحاب ہے، لہٰذا اشکال رفع ہو گیا اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ بوئنگ طیارہ جو تقریباً ۳۵، ۳۷ ہزار فٹ بلندی پر ہوتا ہے۔ یہ بادلوں کے اوپر ہوتا ہے۔ جب موسم صاف ہو تو آسمان نیل گوں نظر آتا ہے تو اوپر بارش نہیں ہوتی اور پتا بھی نہیں چلتا۔ لہٰذا بارش مزن (بادل) سے ہوتی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے

کہ پہلے "وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً" والی آیت صادق آتی" ہے کہ آسمان سے بارش برسنے کے بعد جب زمین میں پانی ٹھہرا تو پھر بخارات بن کر اوپر چڑھ گیا اور بادلوں سے برسنے لگا تو من المزن والی آیت بھی درست ہے۔ گویا مختلف اعتباروں سے دونوں آیتیں درست ہیں (لو لا الاعتبارات بطلت العبارات) اور پہلی آیت میں تمہارے خلق کو مقدم کیا ہے کیونکہ وہ بنسبت آباؤ اجداد کے خلق کے اقرب ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

اور اگر تم ہو شک میں اس کلام کی بابت جو نازل کیا ہم نے اپنے بندے پر تو تم بھی لے آؤ ایک سورت اس جیسی۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ کفار یہ کہہ سکتے ہیں کہ جی ہم اللہ کی عبادت کریں گے، لیکن جس وحی کی بنیاد پر ہمیں دعوت دی جارہی ہے اس وحی کی صداقت وحقانیت میں ہمیں شک ہے۔ اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا ارشاد فرمایا کہ اگر اس کتاب کے کلام خداوندی ہونے میں تمہیں شک ہے تو پھر اس کی کوئی نظیر ومثال پیش کرو۔

شبہ اولیٰ:

کفار کو جو شک قرآن کریم کی حقانیت میں ہو رہا تھا تو ممکن ہے کہ اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ قرآن کریم تورات و انجیل کی طرح دفعۃً نازل نہیں ہوا، بلکہ موقع کی ضرورت کے پیش نظر تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ اس وجہ سے کفار نے شک کیا ہو کہ اگر یہ کلام الٰہی ہوتا تو دفعۃً نازل ہو جاتا جیسا کہ تورات، انجیل سے اللہ تعالیٰ نے معاملہ فرمایا۔

شبہ ثانیہ:

اور ان کے شک کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جیسے فصحاء و بلغاء و شعراء کلام کو تالیف کر کے دفعتاً پیش کرتے تھے اور تھوڑا تھوڑا تالیف نہ کرتے تھے۔ قرآن کریم بھی حسب موقع تھوڑا تھوڑا اترتا گیا۔ انہوں نے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیاس کیا شعراء و بلغاء پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس سے کلام تھوڑا تھوڑا تالیف کر کے پیش کرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اگر تمہیں شک ہو تو اس کی مثال پیش کرو۔ اس کے مضامین جیسی کوئی ایک چھوٹی سی سورت پیش کرو اور یہاں پر "اَنْزَلْنَا" نہیں فرمایا بلکہ "نَزَّلْنَا" باب تفعیل کو استعمال فرمایا تا کہ معلوم ہو کر قرآن نجماً نجماً نازل ہوا ہے۔

قرآن کریم کی اعجازی شان:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شعراء کا دور دورہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے زمانہ میں حکیموں اور طبیبوں کا دور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں کا راج تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایسا معجزہ عطاء فرمایا کہ نبی کے دور میں جس فن کے ماہر تھے ان پر حجت تمام ہو جائے تاکہ ان کو نبوت ورسالت پر دلائل کی دنیا میں قائل کیا جاسکے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا عصاء نصیب فرمایا کہ میدان میں اژدھا بن گیا۔ تمام جادوگر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے اور ان کا جادو اس لاٹھی کے آگے ماند پڑ گیا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادرزاد نابینا بچوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بینا کر دیتے تھے اور مردوں کو زندہ کر کے اللہ کے حکم سے اٹھا لیتے تھے۔ کوڑھ کی بیماری میں مبتلا لوگوں کو اللہ کے حکم سے اچھا کر دیتے تھے، جبکہ کوڑھ کے بیمار اور مادرزاد نابینا کو حکیم لاعلاج قرار دے چکے تھے۔ اسی طرح سرور دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بڑے بڑے شاعر، بڑے بڑے بلغاء وفصحاء موجود تھے۔ اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن عظیم کا معجزہ نصیب فرمایا جس کے آنے کے بعد فصحاء کی فصاحت، بلیغوں کی بلاغت اور شعراء کی شاعری کے بازار ٹھنڈے پڑ گئے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے چیلنج کرنے پر نہ تو کوئی سورت پیش کر سکے اور نہ آیت۔ اعجاز باب افعال کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے عاجز کر دینا۔ کفار کو چیلنج کیا گیا کہ تم اپنے معین و مددگار اکٹھے کرو پھر قرآن کی کوئی مثل تیار کرو۔ شھداء شھید کی جمع ہے۔ شھید ماخوذ ہے شھود سے۔ یہ لوگ اپنے معبودین کو یہ سمجھتے تھے کہ جب بھی پکارا جائے تو وہ پہنچ جاتے ہیں۔ علم اور قدرت دونوں کو بتوں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ وہ لوگ مشکل میں یا عزیٰ و یالات کہتے تھے۔ آج بھی تکلیف میں کوئی کسی کا نام لیتا ہے تو کوئی کسی کا۔ اور سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس علم محیط ہے۔ ہماری آواز کو سنتے ہیں۔ ان کا عقیدہ بھی مشترکہ ہے۔ بعض آدمی جب غلطی پر ہوتے ہیں تو دلائل پیش کرنے کے لیے اتنی دور چلے جاتے ہیں کہ واپس نہیں لوٹ سکتے۔

مشرکین کہتے تھے کہ یہ گواہ ہیں اللہ کے پاس، تو شہید معنی گواہ کے بھی ہوگا اور فرمایا کہ ایک سورت قصیر بنالو۔ اگر تم اس عقیدہ میں سچے ہو کہ تمہارے معبود قادر ہیں یا مشکل کشا ہیں یا استعانت ان سے جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر عبدنا کہا ہے رسولنا نہیں کہا ہے۔ باوجودیکہ یہاں رسولنا کہنا بظاہر زیادہ مناسب تھا کہ نزول وحی رسول پر ہوئی ہے۔ ایک شخص جب صفت نبوت کے ساتھ موصوف ہو تو تنزیل ورسالت میں تو مناسبت ظاہر ہے، لیکن عبدیت ورسالت میں بظاہر کوئی ربط نہیں ہے؟

یہاں عبدیت کے شرف کو ظاہر کرنے کے لیے عبدنا کہا ہے کہ عبد ہونا نچلا مقام نہیں ہے۔ چنانچہ متعدد مقامات میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان صفت عبدیت سے بیان فرمائی ہے۔ سورہ کہف کی پہلی آیت ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝

اسی طرح سورہ فرقان کی پہلی آیت ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ

ان تمام جگہوں میں صفت عبدیت کو ملحوظ رکھا گیا۔

مسئلہ نقل کلام العباد، کلام اللہ ہے یا نہیں؟

قرآن کریم میں بسا اوقات عباد کے کلام کو نقل کیا گیا ہے۔ قال فرعون وغیرہ نقل کیا ہے تو وہ آیات جس میں اللہ نے کسی عبد کے کلام کو نقل کیا۔ کیا اس کی نظیر بھی پیش نہیں کر سکتے کہ وہ کلام اللہ ہے۔ اب فاتحہ میں الحمد للہ رب العالمین الخ پڑھی تو یہ بندہ کہتا ہے تو سورۃ الفاتحہ ھو قول علی لسان العباد یعنی کلام العبد ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں جو قصص وارد ہیں تو اس کی نظیر کیوں پیش نہیں کی جا سکتی۔

اصل میں دوسرے کے کلام کو نقل کرنے کے دو طریق ہیں۔ ایک روایت باللفظ ہے، ایک روایت بالمعنی ہے۔ جیسے احادیث میں ہوتا ہے۔ روایت باللفظ میں ہمیشہ وہی الفاظ رکھے جاتے ہیں اور روایت بالمعنی میں الفاظ اپنے اور مراد دوسرے کی ہوتی ہے۔ اللہ نے قرآن کریم میں جہاں عباد کے کلام کو نقل کیا ہے۔ وہاں الفاظ اس کے اپنے ہیں تو یہ روایت بالمعنی ہے کیونکہ فرعون کی زبان عربی نہیں تھی، لیکن سب عربی میں نقل کیا فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا وما رب العالمین اور پھر اس کے جوابات ان رسولکم الذی ارسل الیکم الخ تو یہ عربی میں نہیں کہا تھا۔ یہ روایت بالمعنی ہے اور اللہ کا کلام ہے۔ اس لیے اس کی مثل نہیں پیش کر سکتے۔ اس لیے یہ تحدی عام تحدی ہے۔ عام چیلنج ہے۔

یہاں سورہ بقرہ میں ایک سورت کا چیلنج کیا گیا ہے اور سورۃ یونس میں بھی سورۃ کا چیلنج کیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (سورہ یونس/۳۸)

کہہ دیجیے کہ تم لے آؤ کوئی سورت ویسی ہی اور بلا لو جنہیں تم بلا سکو اللہ کے سوا اگر ہو تم سچے۔

اسی طرح سورہ ھود میں دس سورتوں کا چیلنج کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ الآیہ (سورہ ھود/۱۳)

کہہ دیجیے تو لے آؤ تم بھی دس سورتیں ویسی گھڑی ہوئی۔

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں پوری کتاب کا چیلنج کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل ۸۸)

(اے نبی) آپ کہہ دیجیے کہ اگر انسان اور جنات اس قرآن کی مثل لانے پر متفق ہو جائیں تو اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ ان کے بعض بعض کے مددگار ہوں۔

اس آیت میں پورے قرآن کی مثل کا چیلنج کیا گیا ہے۔ یہ کل چار مقامات ہیں۔ ان چار مقامات کی تحدی اور چیلنج میں کوئی معارضہ یا تضاد نہیں ہے۔ شاید پہلے پورے قرآن کی مثل کا چیلنج کیا گیا ہو۔ جب یہ مثل پیش کرنے سے عاجز رہے تو پھر دس سورتوں کا چیلنج کیا گیا۔ پھر ایک سورت اور بعض سورت کا بھی چیلنج کیا گیا۔ گویا تنزل ہے من الاعلیٰ الی الاسفل اور یہ طریقہ کار خصم و دشمن کے لیے انتہائی ذلت و پسپائی کا ہے۔ یہ ارخاء عنان ہے کہ نہ پورے قرآن کی مثل پیش کر سکیں، نہ کوئی سورت، نہ کوئی آیت۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖۚ

پس اگر تم (سورت پیش) نہ کر سکو اور ہرگز (پیش) کر بھی نہیں سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

یہاں فاتقوا کا جملہ فرمایا کہ اس کے ذریعہ تم متقین میں شامل ہو جاؤ گے اور ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ جب شروع میں فرمایا کہ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا تو کوئی یہ سوچ سکتا تھا کہ اگر مجھ کو مہلت مل گئی اور تیاری کا موقع مل گیا تو ہم مثل پیش کر دیں گے۔ پھر اس وہم کو بھی دور فرمایا کہ تم اس معاملہ میں جتنی کوشش کرو گے لاحاصل ہو گی، خواہ کتنا ہی طویل زمانہ تم کو مل جائے، لیکن ہرگز اس کی مثل پیش نہیں کر سکو گے۔ ''ان'' جملہ شرطیہ پر داخل ہوتا ہے اور اس میں امکان مقدم شرط نہیں ہے مقدم ہو یا نہ ہو، لیکن جملہ شرطیہ میں اصل میں تلازم بین الشرط والجزاء کو دیکھا جاتا ہے۔ جیسے ان کان زید حمارا کان ناهقا' تو تلازم بین الشرط والجزاء درست ہے یہ جملہ صادقہ ہے اور مقدم کا امکان نہیں ہے۔ یہاں بھی فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا میں مقدم کا امکان نہیں ہے یعنی مثل پیش کرنے کا امکان نہیں ہے تو یہ ان کا فائدہ ہوا اور آگے ''وَلَنْ تَفْعَلُوْا'' فرما کر مایوس کر دیا کہ یہ کام تو تم سے ہرگز نہیں ہو سکے گا، البتہ تقویٰ کی فکر کرو۔ ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل ہونے کی فکر کرو اور اس آگ سے بچنے کی فکر کرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اور یہ چیلنج عربی زبان میں ہے کہ عربی زبان میں اس کی مثل پیش کرو۔ کسی اور زبان کو چیلنج نہیں ہے۔ وَقُوْدُ وہ چیز جس سے آگ روشن ہوتی ہے اور وَالْحِجَارَةُ سے مراد یا تو وہ پتھر ہیں جن سے بت تراشے گئے تھے یا گندھک نما پتھر جن سے آگ خوب تیز ہوتی ہے اور شاید اس حکم میں

جنات بھی شامل ہوں۔ ان کو اللہ کے قہر وغضب سے ڈرایا گیا ہو، لیکن پہلے مخاطب انسان ہیں کیونکہ خطاب یَاَیُّهَا النَّاسُ سے شروع ہوا ہے:

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ تیار کی گئی ہے کفار کے لیے۔

الجنة والنار مخلوقتان جنت اور جہنم پیدا کئے جا چکے ہیں:

'اعدت' ماضی مجہول کا صغیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ تیار ہے اور جنت وجہنم پیدا کئے جا چکے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ قیامت کے دن پیدا کئے جائیں گے۔ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت مسلمانوں کا ہے۔ کیونکہ تحقق وقوع کی تاویل نہیں کر سکتے۔ ہمارا یہی عقیدہ ہے۔ تاویل کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب کوئی نص بظاہر اصول مذہب کے خلاف نظر آتا ہو۔ پھر اگر کوئی خصم تاویل کے لیے کہتا تو ہم اس تاویل کو رد نہ کرتے۔ یہاں ظاہر آیت مذہب کے موافق ہے۔ اس لیے ظاہر پر عمل کرنا بہتر ہے۔ جہنم ایک جگہ ہے وہاں کے عذاب کی شکلیں اور صورتیں انسان کے اعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح جنت ایک جگہ ہے۔ وہ نعمتیں مومن کے اعمال صالحہ سے پیدا ہوتی ہیں، البتہ ہر شخص کا حصہ الاٹ ہے اور اعمال صالحہ کرتے کرتے انسان اور جنت میں ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے، لیکن خدانخواستہ اگر انسان نے کفر کیا اور اس کفر پر خاتمہ ہو گیا تو یہ سب کچھ چٹ یعنی صاف ہو جاتا ہے اور وہ شخص جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح برے اعمال سے انسان جہنم کے قریب تر ہو جاتا ہے، لیکن ایمان قبول کر کے آخر میں جنت میں چلا جاتا ہے۔ پھر احادیث کے ذریعہ معلوم ہوا کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا، اس کو جہنم سے نکال دیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ ایک شخص کو جنت کے قریب کرتے کرتے پھر جنت میں داخل کر دیا جائیگا اور جنت کی نعمتوں کے متعلق اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ الآیة

اور خوشخبری سنایئے ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے ہیں اور اعمال صالحہ کرتے ہیں کہ ان کے لیے جنتیں ہیں۔

آٹھ جنتیں ہیں۔ (۱) جنت الفردوس (۲) جنت عدن (۳) جنت الماویٰ (۴) جنت دار الخلد (۵) جنت دار السلام (۶) جنت دار المقامۃ (۷) علیین (۸) جنت النعیم۔ آٹھ جنتوں سے مراد جنت کے آٹھ طبقات ہیں۔ جبکہ جہنم کے سات طبقات ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا کہ ان جنتوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یعنی سیلاب نہ ہوگا، مکان نہ گریں گے۔ وہ نہریں نقصان دہ نہیں ہوں گی۔

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ

جب بھی دیا جائے گا ان کو اس جنت میں سے کوئی پھل بطور رزق کے تو کہیں گے کہ یہ وہی تو ہے جو اس سے قبل ہم کو دیا گیا تھا اور دیئے جائیں گے ملا جلا یعنی پہلے رزق کے ہم رنگ و ہم صورت پھل دیئے جائیں گے۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ لفظ كُلَّمَا دلالت کرتا ہے تمام افرادِ رزق پر اور تمام ثمرات رزق کو شامل ہے یعنی جو بھی چیز جس وقت بھی دی جائے گی۔ تو وہ لوگ کہیں گے کہ یہ پہلی کی طرح ہے۔ جیسا کہ طلاق میں لفظ كُلَّمَا میں تعمیم ہوتی ہے ہر عورت اور ہر نکاح اس لفظ میں شامل ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جنت میں جب پہلی بار بالکل ابتداء میں جنتیوں کو گوشت یا پھل وغیرہ ملیں گے تو اُس وقت یہ کیسے کہیں گے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ کیونکہ اس سے پہلے تو ان کو کوئی چیز ملی نہیں ہوگی؟ جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ مِنْ قَبْلُ سے مراد اس صورت میں دنیا کی نعمتیں ہوں گی۔ کیونکہ جیسے دنیا میں کھجوریں، انگور، انار، سیب وغیرہ پھل اور گوشت کے انواع ہیں تو جنت میں بھی کم و کیف کی تبدیلی کے ساتھ یہی چیزیں ہوں گی۔ مذکورہ جواب پر بھی یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب جنت کی نعمتوں کی مثالیں دنیا میں موجود ہیں اور شکل و صورت میں جنت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں کی طرح ہوں گی تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہو گا؟ **مالا عین رأت ولا اذن سمعت الحدیث** اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مفسرین نے تو من قبل کو عام کر دیا اور مطلب یہ ہوگا ای **من قبل سواء کان فی الجنة او فی الدنیا** یعنی قبلیت جنت کے پہلے پھلوں کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہے اور دنیا کی نعمتوں کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ من قبل سے مراد جنت ہی کے پہلے پھل مراد ہیں اور جب اہل جنت کو پھل اور دیگر نعمتیں ملیں گی تو وہ پہلے پھلوں اور نعمتوں سے جو ان کو مل چکی ہیں مشابہ ہوں گی۔ تشابہت کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

انهار اربعه في الجنة:

انہار جنت...... جنت میں جو نہریں ہیں، وہ چار قسم کی ذکر کی گئی ہیں۔ پانی کی نہریں، شہد کی نہریں **وانهار من عسل مصفّٰی**، دودھ کی نہریں اور شراب کی نہریں۔ واضح رہے جنت کی شراب میں نشہ نہیں ہوگا۔

شرابی اعتراض کریں گے کہ پھر مزہ ہی کیا ہوا، لیکن دنیا کے شرابی آخرت میں محروم ہوں گے **من لبسه في الدنيا لم يلبسه في الآخرة** (الترغیب) یعنی جس نے دنیا میں ریشمی لباس پہن لیا، آخرت میں اس کو نصیب نہ ہوگا۔ اگرچہ حقیقت میں وہ جنت میں چلا جائے، لیکن **ولباسهم فيها حرير** نہیں ہوں گے۔ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ الآیہ اور ہم ان کے سینوں سے کینہ نکال باہر کریں گے (سورہ حجر/۴۷) تو شراب جس کو نہ ملے گی وہ بھی قانع ہوگا اور ایک غریب آدمی جس کو روٹی مل جائے تو وہ بڑے وڈیروں کی روٹی کی طرف نظر نہیں کرتا۔ باقی تشتھی الانفس ہے تو اس کا نفس چاہت نہیں کرے گا۔

وَ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ عورتوں میں جھگڑا نہیں ہوگا جبکہ یہ بڑی صفت ہے۔عورت کے بارے میں فرمایا:

یامعشر النساء تصدقن و اکثرن الاستغفار فانی ر ایتکن اکثر اھل النار فقالت امراۃ من ھن ومالنا یا رسول اللہ اکثر اھل النار؟ قال تکثرن اللعن و تکفرن العشیر ٥ الخ (بخاری)

اے عورتوں کے گروہ صدقہ کیا کرو اور کثرت استغفار کیا کرو۔ بیشک میں نے تمہیں دیکھا ہے کہ جہنم میں زیادہ تم ہی ہو۔ایک عورت ان میں سے بولی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیوں ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا اس وجہ سے کہ تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو اور رشتہ داروں کی ناشکری کرتی ہو۔

لو احسنت الی احدھن دھرا اگر تو ساری زندگی ان پر احسان کرے اور پھر ذرا برابر کوئی کمی کی بات ہو گئی تو کہتی ہے **مارأیت خیرا منک قط** یعنی میں نے آپ سے کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔(بخاری)

سارے احسان ایک دن میں بھول جائے گی۔وہاں (جنت) کی عورتیں لڑیں گی نہیں۔

مطہرہ یعنی پاک ہوں گی نجاستوں سے حیض سے نفاس سے۔یہاں تک کہ بلغم بھی نہ ہوگا۔ناک کی رطوبت بھی نہیں ہوگی۔فضلات بھی نہ ہوں گی، بول براز نہ ہوگا۔ایک عجیب زندگی ہوگی۔ادھر ادھر بھاگنا نہ پڑے گا۔کوئی چیز نفرت کی نہ ہوگی کہ کھانا ایک ڈکار سے ہضم ہو جائیگا۔چنانچہ دنیا کے ہر شخص کو عورت ملے گی تو جنت میں بھی مردوں سے زیادہ ہوں گی کہ برابر ہوں گی۔اب اگر کسی عورت کے یکے بعد دیگرے متعدد شوہر ہوں تو وہ پہلے والے کو ملے گی یا آخر والے کو۔

راجح یہ ہے کہ آخر والے کی ہوگی۔حال ہی میں یہ سوال ہوا تھا کہ ایک عورت چار شوہر رکھ سکتی ہے؟ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے۔کیونکہ اس سے یہ نقصان ہوگا کہ لوگوں کے نسب خلط ملط ہو جائیں گے۔ایک بچے کے متعدد باپ ہوں گے تو وہ کس کا شمار ہوگا؟ یہ یورپ والوں کی بات ہے۔اس طرح تو حکمت تمدن بالکل نہ رہے گی۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ عورتوں کی پیدائش زیادہ ہے اس لیے تعدد ازواج کا حکم دیا گیا ہے۔عورتوں کی کثرت بہت زیادہ ہے۔تناسب اسی اعتبار سے ہوگا۔ غیر شادی شدہ کو غیر شادی شدہ مل جائے گی۔

وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ خلود کے بغیر کوئی نعمت بڑی نعمت نہیں ہوسکتی ہے۔آج نعمت ہے، کل چھن گئی۔آج کی حسرت عمر بھر قائم رہے گی۔اس لیے اس حسرت کو دور کرنے کے لیے خلود کی بشارت دے دی کہ عدم نعمت کا خطرہ نہ رکھو۔

علم الاشیاء الثلاثۃ ضروری المبداء و المعاد والمعاش:

محققین نے لکھا ہے کہ ایک انسان کو تین چیزیں دریافت کرنی چاہئیں۔اول مبداء کہ میں کہاں سے آیا، کیا تھا۔دوم معاش کہ آج میری زندگی کہاں سے چل رہی ہے۔سوم معاد کہ میری انتہا کہاں ہے۔تین چیزوں کا علم

انسان کے لیے ضروری ہے۔اس آیت میں تینوں چیزیں یاد دلائی ہیں۔ خلقکم تو مبداء عدم ہے کہ عدم سے وجود میں لائے۔ معاش کا ذکر جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا اور رِزْقًا لَّكُمْ ہے۔ پھر معاد کا بتلایا۔ معاد دو فرقوں کا الگ الگ ہے فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي الخ معاد الکفار ہے۔ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تا خٰلِدُوْنَ معاد المومنین ہے۔

جب اللہ تعالی نے مشرکین کے اس شبہ کو رد کر دیا کہ یہ قرآن منزل من اللہ نہیں ہے تو ایک شبہ اور تھا مشرکین کا کہ قرآن کو کیسے اللہ کا کلام مانیں کہ اس میں بڑی حقیر چیزوں کو پیش کیا جاتا ہے اور کوئی بڑا آدمی ان چیزوں کا ذکر نہیں کرتا جیسے مچھر، مکھی وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس کو اس سے نہیں چھڑا سکتے۔ (سورہ حج/۷۳)

اور کوئی تو ان کا نام بھی نہیں لیتا اگر اللہ تعالی بزرگوں کا بزرگ ہے وہ کیوں کر ذکر کرے گا۔ لہٰذا یہ منزل من اللہ نہیں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا الآیہ اللہ تعالی نہیں حیاء کرتے، اللہ نہیں شرماتے کہ اللہ مچھر سے مثال بیان کرے یا جو مچھر سے اوپر ہے پس وہ لوگ جو مومن ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ رب کی طرف سے حق ہے اور کافر کہتے ہیں کہ اللہ نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا۔ اللہ ایسی مثال دے کر بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے اور نہیں گمراہ کرتا، مگر گمراہوں کو جو عہد کو توڑتے ہیں، یعنی توڑتے ہیں ان چیزوں کو جن کو جوڑنے کا حکم ہے اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی لوگ زیاں کار ہیں اور تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو کہ تم کو زندہ کیا پھر مار کر زندہ کرے گا وہ اللہ کہ جس نے تمام آسمان و زمین کو پیدا کیا۔

مچھر کی مثال دینے سے اللہ نہیں شرماتا فَمَا فَوْقَهَا مچھر سے اوپر کے کیا معنی ہیں۔ یعنی مچھر سے جسامت میں بڑا مراد ہے جیسے مکڑی اور مکھی تو عنکبوت اور ذباب بھی بعوضۃ سے فوق ہیں اور اللہ مثال دیتے ہیں مچھر کی یا جو فوقھا ہو یا اس سے اصغر ہو یعنی مچھر سے بھی بڑھ کر چھوٹا ہو چھوٹے پن میں جیسے جناح بعوضۃ یعنی مچھر کے پر کے برابر۔ جیسے حدیث میں ہے:

لو کانت الدنیا تعدل عنداللہ جناح بعوضۃ ماسقی اللہ کافرا منھا شربۃ ماء○ (تفسیر ابن کثیر)

اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ نافرمان کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا،

لیکن لوگ دنیا کے کتنے دلدادہ ہیں؟ معلوم ہوا کہ کروڑ پتی ہونا بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ مچھر کے پر کے ساتھ مثال حقارت کے لیے دی ہے۔

عرب میں بعوضہ سے چھوٹے پن کی مثالیں عام دی جاتی ہیں۔

ما البق و ما الشحم مارجل الجراد

یعنی پسو کچھ نہیں، چربی کچھ نہیں، ٹڈی کی ٹانگ کچھ نہیں۔ یہ ساری مثالیں تحقیر کے لیے ہیں، جیسے اردو میں مشہور ہے کہ۔ ''کیا پدی کیا پدی کا شوربا''۔ مثالیں ہمیشہ سمجھانے کے لیے دی جاتی ہیں، جیسے حدیث میں ارشاد ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا تو اسے جہنم سے نکال دیا جائے گا۔ تمثیل میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ مثال اور ممثل لہ میں جہت جامعہ درست ہے یا نہیں۔ مومن اس مثال کو حقیقت جان کر مومن رہتا ہے اور کافر بھی اس مثال کو مانتے ہیں، لیکن کفر کر جاتے ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

دونوں مقابل ہیں اکثر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان والے کم اور کفار زیادہ ہیں، جیسے ایک اور جگہ ارشاد ہے مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر ان میں نافرمان ہیں۔ (سورہ آل عمران/۱۱۰) ایک اور جگہ ارشاد ہے......

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ (سورہ ص/۲۴)

مگر جو لوگ ایمان دار ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے اور تھوڑے ہی ہیں ایسے لوگ۔

حقیقت یہ ہے کہ نیک لوگ ظاہری طور پر تھوڑے اور گناہ گار زیادہ ہوتے ہیں، لیکن نیک لوگ تھوڑے ہونے کے باوجود زیادہ کارآمد ہوتے ہیں اور برے لوگ زیادہ ہونے کے باوجود ان کی کثرت مفید نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے:

ان الکرام کثیر فی البلاد وان قلوا کما غیرھم قلو اوان کثروا

معزز اور شریف لوگ شہروں میں زیادہ (غالب) ہوتے ہیں اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہوں
جیسا کہ برے لوگ حقیقت میں تھوڑے ہوتے ہیں اگرچہ تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہوں۔

انسان کے وزن کو دیکھو رؤس (سروں) کو شمار نہ کرو ووٹ میں کافر زیادہ ہیں رؤس (سروں) کو شمار کرنا یہود کی حماقت ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک ہزار میں سے صرف ایک جنتی ہے اور باقی جہنمی ہیں تو رؤس کو شمار نہ کرو، ورنہ کفار کو غلبہ ہوگا يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا میں لف نشر غیر مرتب ہے کیونکہ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا کا تعلق وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے ہے جو کہ موخر ہے اور وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا کا تعلق، فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے ہے جو کہ مقدم ہے بہرحال یہ قرآن کے دعوت کے مختلف انداز ہیں۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الفاسق الخارج عن حد العقل و الشرع

یعنی فاسق وہ ہے جو حد شرع اور حد عقل دونوں کو پھلانگ جائے۔ ان میں حد شرع سمجھنے کی استعداد باقی نہ رہے۔

فاسق جنت میں جائیگا یا جہنم میں؟

پہلا سوال تو یہ ہے کہ فاسق مسلمان رہتا ہے یا کافر ہو جاتا ہے؟ فاسق ایک تو وہ ہے جو کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہو یا صغائر پر اصرار و دوام کرتا ہو اور توبہ بھی نہ کی ہو، لیکن اس کے دل میں ایمان ہو۔ یہ فاسق اھل سنت و الجماعت کے نزدیک (ھوالمومن) مومن ہے۔ معتزلہ کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہے، لیکن درمیان میں ہے۔ **لیس بمؤمن ولا کافر** یعنی نہ مومن ہے اور نہ کافر ہے۔ گویا معتزلہ کے ہاں تین درجے ہیں۔ (۱) مسلم (۲) کافر (۳) فاسق۔ خوارج کے نزدیک ایسا شخص داخل فی الکفر ہے اور معتزلہ کے ہاں **اذا خرج من الاسلام فیدخله فی النار ولا یصلی علیه ولا یدفن فی مقابر المسلمین** یعنی جب وہ اسلام سے خارج ہو گیا تو پھر ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ ہمارے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ہم اہل سنت والجماعت کے دلائل بہت زیادہ اور قوی ہیں۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ الآیہ

جب ایک شخص نے کلمہ پڑھا تو گویا اس نے عہد کر لیا۔ منافقین بھی اس عہد و پیان میں شامل تھے اور کہتے تھے کہ **نشهد انک لرسول الله**۔ پھر اس کو توڑتے تھے۔ **وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ** یعنی اللہ نے جس چیز کے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ توڑتے ہیں۔ مخالفین کو لڑائی پر اکساتے ہیں غلط پراپیگنڈہ کرتے ہیں۔ **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ** یہ خسران اور ٹوٹے میں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پھر انہیں **آلاء الله** تسلیم کراتے ہیں کہ تم کیسے کفر کرتے ہو جب تم اموات تھے، عدم میں تھے۔ تم میں حیات نہیں تھی۔ ہم نے تمہیں حیات دی۔ پھر موت کے بعد حیات دیں گے۔

عدم دراصل مستور (پوشیدگی) ہوتا ہے۔ اس جہان میں عدم اصل سے وجود میں آ گیا۔ لہٰذا موت کے بعد موت کا آنا ہے۔ **التعقیب مع الوصل** ہے، لیکن حیواۃ کے بعد بھی جو موت آتی ہے۔ اس میں فاصلہ ہوتا ہے۔

موت بھی نعمت ہے کہ یہ جو حیاتِ دنیا ہے، کچھ نہیں ہے۔ البتہ بعد کے مقامات اچھے ہیں اور حیاتِ دنیاوی قطع کئے بغیر وہ دیئے نہیں جاسکتے۔ اس لیے بطور انعام ذکر کیا۔

حیات برزخی اور حاضر وناظر کا مسئلہ:

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ یہاں موت کے بعد بھی حیات ہے، لیکن فاصلہ ہے۔ پھر کافی دن کے بعد تم لوٹائے جاؤ گے۔ موت کے بعد لوٹتے ہیں اور جو لوگ اس حیات کو حیات برزخی پر محمول کرتے ہیں وہ اس حیات کا انکار کرتے ہیں، لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہاں حیات برزخی مراد ہے کیونکہ احادیث دلالت کرتی ہیں حیات برزخ پر کہ وہاں قبر میں منکر نکیر کا سوال ہوگا۔ پھر پوچھا جائے گا **من ربک، فیقول ربی الله** اور بعض روایات میں ہے

ماتقول فی ھذا الرجل کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پیش کردی جائے گی۔ الغرض قبر میں جاتے ہی فورا آپ کی زیارت ہوجائے گی۔ یہ بڑی بشارت ہے۔ اس سے حاضر و ناظر ہونا لازم نہ آئے گا۔ اب تو ٹیلی ویژن نے اس کو رد کردیا ہے۔ صدر اور وزیر اعظم ہزاروں جگہ نظر آتے ہیں لیکن حاضر ناظر نہیں ہیں۔ کیا اللہ کے ہاں ایسا کیوں ممکن نہیں ہے کہ ہر قبر میں ایک سیٹ لگا دیا جائے۔ قبر میں انسان کو ایک گونہ حیات حاصل ہوجاتی ہے، بلکہ ہمارے نزدیک عذاب قبر کی تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں وعذاب القبر للعصاۃ من المومنین حق اور مومنین کو نعمتوں کا اِستلذاذ ہوتا ہے اس لیے اگر حیات نہ مانیں گے تو ادراک اتم کیوں کر ہوگا۔ کافرین میں بھی یک گونہ حیات ولو حیات الضعیفة ضروری ہے۔ عذاب قبر تواتر سے ثابت ہے۔

اقسام الحیاۃ الاربعۃ:

اسی موت اور بعد کی حیات کے درمیانی عرصہ کو قبر کہا جاتا ہے۔ قبر صرف گڑھا نہیں ہے۔ (۱) اب روح کا جسد سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوگا۔ کافر کے لیے ہے کہ صرف زخم برداشت کرلے۔ یہ حیات اضعف ہے۔

ولو بجزء من البدن مومن کے کہ ادراک الم و استلذاذ بھی ہوتا ہے۔ حیات ضعیف ہے حیاتِ برزخ میں۔ (۲) اس سے فوق حیات شھداء کی ہے جو کہ حیاتِ متوسط ہے۔ جس سے بدن بھی محفوظ رہتا ہے۔ (۳) اس سے فوق حیات الانبیاء حیات الاقویٰ ہے۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء انبیاء کا صرف بدن ہی محفوظ نہیں ہے، بلکہ حیات بھی ہیں۔ کیونکہ بدن کا محفوظ ہونا تابع حیات ہے۔ (۴) اس سے فوق حیات دنیویہ ہے یہ محافظ ہے جب تک انسان زندہ ہو تو گلے گا سڑے گا نہیں۔

ان صلوتکم معروضة علی قالوا لکن بلیت ورمت٥

یعنی جب آپ کا جسد اطہر مٹی میں بوسیدہ ہو چکا ہوگا تو اعمال کیسے پیش ہوں گے؟ پھر آپ نے فرمایا ان اللہ حرم الخ رواہ ابو داؤد. اس لیے بات عرض صلوٰۃ کی ہے تو تحفظ جسد ضروری ہے۔ جسد میں شعور و ادراک نہ ہو تو پھر صحابہ کا مراد کیسے بنے گا۔ حدیث کے سیاق وسباق کو دیکھو۔ یہ درجات ہیں۔

دو باتیں بطور عقیدہ یاد رکھو:

دو باتیں بطور عقیدہ کے ہیں۔ اول یہ کہ حضرات انبیاء پر موت طاری ہوتی ہے۔ انبیاء قدیم نہیں ہیں۔ انک میت و انھم میتون کہ جسے تم موت کہتے ہو کہ اس میں دوران خون بند ہوجاتا ہے یہی معروف موت ہے۔ یہ موت پیغمبروں پر لازماً آتی ہے۔ باقی حیات انبیاء ایک علمی تحقیق ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے آب حیات میں تحقیقات سے کہا ہے کہ انبیاء کی حیات و وفات کا دوسروں سے کیا فرق ہے۔ جو یہ عقیدہ نہ رکھے وہ

گمراہ ہے۔ دوم برزخ میں حیات ہوتی ہے۔ کسی کی ضعیف کسی کی اضعف کسی کی قوی اور کسی کی اقوی الخ کما ذکرنا اور یہ حیات کیسے آتی ہے کیسے آئی۔ جزء بدن مراد ہے یا کل بدن مراد ہے۔ رد الله علی روحی مراد ہے۔ جسد مثالی ہے یا عنصری ہے۔ یہ سب تحقیقات علمیہ ہیں۔ یہ سب تحقیقات علیین و سجین سے قائم ہیں۔ اس میں تم بھی آزاد ہو اور عوام بھی آزاد ہیں۔ جو لوگ سرے سے موت کو نہیں مانتے، یہ بھی گمراہی ہے اور موت کو ماننے کے بعد جو لوگ پتھر کی مثل کہتے ہیں۔ یہ پتھری لوگ ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

اللہ نے التذکیر بآلاء الله کے ضمن میں فرمایا کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے پیدا کیا تمہارے لیے ("لَكُمْ" کا لام انتفاع کے لیے ہے)۔ وہ جو کہ زمین میں ہے سارا کا سارا۔ پھر آپ متوجہ ہوئے آسمان کی طرف پھر بنایا آسمانوں کو سات آسمان۔ یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش بلکہ مافی الارض الجمادات و النباتات و الحیوانات کو پہلے پیدا کیا تو ترتیب خلق یہ ہے۔ آسمانوں کو بعد میں پیدا کیا ہے۔ چنانچہ دوسری آیات میں دیکھتے ہیں تو معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خلق سماء مقدم ہے اور خلق ارض مؤخر ہے۔ آپ دیکھیں اس طرح بھی صریح آیتیں ہیں۔ سورہ نازعات میں ہے:

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾

تمہاری پیدائش مشکل ہے یا آسمان کی تخلیق جس کو اللہ نے بنایا۔

وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ (نازعات/۳۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کو پہلے بنایا اس کے بعد ارض کو پیدا کیا اور پھیلایا۔ یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش بعد میں ہوئی ہے۔ ان آیات کے درمیان مطابقت کیسے ہوگی؟

بعض لوگ تطبیق یوں دیتے ہیں کہ خلق الارض مقدم ہے علی خلق السماء۔ ایک دحاح الارض ہے، وہ مؤخر ہے خلق آسمان سے یعنی زمین کو پہلے مختصر پیدا کیا۔ سوال یہ ہے کہ یہاں مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ہے کہ جبال بھی ہیں، نباتات بھی ہیں کہ مَا فِی الْاَرْضِ ہے۔ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ ہے تو پھر دحوا الارض کی تطبیق کیسے ہے کیونکہ انسان وغیرہ والارض کے بعد ہی تو ہوں گے۔ تو اگر نفس ارض ہوتا تو یہ توجیہ تو صحیح ہوتی، لیکن یہاں مَا فِی الْاَرْضِ ہے۔

قبل الدحو جبال یا انہار ٥

پہلے ان کی اجمالی صورت تھی۔ اس کے جبال بھی مختصر تھے۔ جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ تھا تو تمام اعضاء چھوٹے چھوٹے تھے۔ کبھی کبھی کوئی چیز ظاہر ہوتی ہے، لیکن اجمالاً تمام اعضاء ہوتے ہیں۔ اس طرح زمین کے اندر جو چیزیں ہیں من النباتات و الجبال و الانہار یہ ساری چیزیں اس میں اجمالاً تھیں، لیکن یہ سب تفصیل کے ساتھ نہ تھے، پھر آسمان پیدا کیا گیا ہے۔ پھر انہار سمندر وغیرہ پھیل گئے تو جیسے دحوا الارض و خلق

الارض کا فرق ہے۔اس طرح مافی الارض اجمالاً و تفصیلاً کا فرق کرلیں تو درست ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے،فرماتے ہیں کہ آسمان اور زمین کے خلق سے قبل ایک عرش تھا اور ایک پانی تھا۔جیسے حدیث کی روایات میں پڑھا ہوگا کہ **وکان عرشه علی الماء قبل خلق السموات والارض** ہے۔اس کے بعد پانی میں تموج آیا،جنبش آئی اور اس حرکت سے حرارت پیدا ہوئی۔حرارت سے دھواں پیدا ہوا،پھر وہ دھواں اوپر کی طرف چڑھا اور یہ مادہ دھوئیں کا آسمان بنا۔چنانچہ اس آیت میں بھی ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ **وهی دخان** ہے۔اشارہ ملتا ہے کہ اس کے بعد پانی میں کچھ تحجر ہوا،سردی پیدا ہوئی۔تحجر یعنی سخت ہونا شروع ہوا اور وہ پانی جو متحجر ہوگیا وہ زمین کا مادہ بنا۔دھواں آسمان کا مادہ بنا اور سخت پانی زمین کا مادہ بنا۔مادہ زمین کا پہلے تھا اور آسمان کا مادہ بعد میں پیدا ہوا۔پھر زمین کے کچھ اقلیم بنے۔چنانچہ اس روایت میں اور دوسری روایات کے اندر بھی تفسیر ہے کہ زمین کی ابتدائی پیدائش مقدم ہے اور خلق سماوات موخر ہے۔

کوے کی حلت وحرمت کی خبر پر تبصرہ:

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مذہبی منافرت ملک میں بہت بڑھ چکی ہے اور یہ لوگ نئے نئے مسئلے پیدا کر رہے ہیں۔اب پھر دیوبندی اور بریلوی کے مسئلے کو پیدا کرنے کے لیے حکومت کے ایماء پر یہ حرکت کی گئی ہے۔ایسی حرکت کرنیوالے صرف دیوبندی و بریلوی اختلاف کے شوشے چھوڑتے ہیں۔مجھے افسوس ہے ان لوگوں پر' کوے کے علاوہ اور بہت سی چیزوں پر ائمہ کا اختلاف ہے۔وہاں کیا کرو گے؟ مثلاً مینڈک ہے۔جب ہم حلت و حرمت کے بارے میں بڑے بڑے اختلافات کو برداشت کئے ہوئے ہیں تو کوے کے حلال وحرام کا کون سا مسئلہ ہے۔کہتے ہیں کہ کوا ان کا،حلوہ ہمارا۔پھر''**الطیبٰت للطیبین**'' پڑھتے ہیں۔اس کوے میں بھی اختلاف ہے۔امام ابو یوسف مکروہ کہتے ہیں،امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے۔امام ابو یوسف امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے۔اگر ان کے اختلاف سے آپ کو دکھ نہیں ہے۔یعنی حلال وحرام جو خلط ملط کرتا ہے،اس کے بارے میں امام ابو یوسف کا قول ہے کہ مکروہ ہے جیسے **دجاجة المخلاۃ** یعنی باہر آزاد پھرنے والی مرغی کا مسئلہ ہے۔اس مسئلے کو اتنا بڑا بنا کر جذبات کو ابھارنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔بہت سی چیزیں حلال ہوتی ہیں،لیکن مستعمل نہیں ہوتیں۔اس لیے یہ حرام کہلاتے ہیں۔جیسے سوسمار ہے۔اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کھایا ہے لیکن آپ نہیں کھائیں گے۔کوا حلال بھی ہو،لیکن شکل مردار ہے۔باقی کوے کی سرخ چونچ ہو تو وہ حلال ہے،لیکن اس کو بھی کسی نے نہیں کھایا ہے۔

بہرحال **خلق سماوات والارض فی ستة ایام** ہوا ہے(اور جہاں ہے **والارض بعد ذالک دحٰها** تو **دحو الارض** یہ بعد میں ہے اور خلق الارض پہلے ہے)

مقصد بیان خلق سماء وارض نہیں، بلکہ تعارض دور کرنا ہے:

باقی چھ دن میں جو کچھ ہے وہ پیدا کیا گیا ہے، لیکن ہم ان باتوں پر زور نہیں دیتے۔ آپ لوگ ان باتوں پر زیادہ زور نہیں دیتے جو عقیدے سے متعلق ہیں۔ آپ علمی تحقیقات پر زور دیتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ سے آسمان وزمین کی پیدائش کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔ یہاں تفصیل بیان کرنے سے مقصود قرآن کی دو آیات کے ظاہری تعارض کو دور کرنا ہے اور اس کو ہم نے دور کر دیا۔

ارض وسمٰوات سبعہ یعنی سات زمین اور سات آسمان:

آسمان کے طبقات سبعہ ہیں۔ سمٰوت بصیغہ جمع اور ارض بصیغہ مفرد قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں، لیکن زمینیں بھی سات ہیں۔ **ومن الارض مثلھن** جب اللہ نے فرمادیا تو سات زمینیں ہی ہیں۔ جیسے ایک حدیث بالکل مشابہ ہے کہ ہر زمین میں اپنی اپنی مخلوق ہے اور وہاں پیغمبر بھی آتے ہیں۔ **وادمھم کآدمکم ومحمد ھم کمحمد کم** ہیں تو وہ قوم کہاں بستی ہے۔ ان کا آدم اور ہے ہمارا اور ہے۔ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے سلسلے میں بہت بڑی تفصیل بیان کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمینیں الگ الگ ہیں کہ سبعہ اقلیم پر محمول کرلیں اور سات اقالیم پیدا کی ہیں تو زمین کے جو اقلیم ہیں وہ مراد ہیں۔ کیونکہ فی الواقع زمین ایک ہے۔ اس کے حصص سات ہیں بخلاف آسمانوں کے کہ آسمان فی الواقع سات ہیں سات طبقات ہیں اور انہیں علم ہیت اور علماء یونان نے اس پر استقامت ظاہر کی ہے اور کہا ہے کہ نو ہیں۔ ہر ایک میں ایک ایک سیارہ ہے۔ سماء الدنیا قمر، عطارد، مریخ، شمس، زہرا، زحل، مشتری ہے اور ایک فلک ثوابت ہے کہ باقی تمام تارے اس میں ہیں اور نمبر ۹ فلک الافلاک اور فلک اطلس بھی کہتے ہیں۔ اس میں کوکب نہیں ہیں۔ پھر ان کی حرکات بھی الگ الگ ہیں، لیکن اسلام سے ان کو کوئی تائید حاصل نہیں ہوتی۔ پھر حرکت یومیہ فلک الافلاک سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ بڑی تفصیل علم ہیئت میں آتی ہے۔ یہ ان کا ذہنی منصوبہ ہے جس پر یورپ کے انتظام متفرع ہیں۔

تکلفاً اسلام میں بھی سات آسمان ہو سکتے ہیں:

اسلام میں سات آسمان کا تذکرہ تو ہے، لیکن اسلام میں وسع کرسیہ السموات بھی ہے کہ کرسی آسمان کے اوپر ہے اور عرش بھی ہے۔ اس لیے علمائے ہیئت یونان سے تطبیق کر کے کہتے ہیں کہ اس طرح بھی ۹ بنتے ہیں یعنی کرسی کو آٹھواں آسمان اور عرش کو فلک الافلاک قرار دیتے ہیں لیکن یہ بھی تکلف ہے۔ تمام علماء نے بطلیموس کی ہیئت کو پڑھ کر مطابقت دینے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں آسمان قدیم ہیں اور قرآن کے نزدیک ''اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝'' ہے اور اسلام کے مطابق آسمان سے آگے بھی جاسکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان پر ابراہیمؑ، پانچویں

پر موسیٰ، پھر پہلے پر آدمؑ اور دوسرے انبیاء سے ملے ہیں۔ایک ہی روایت ہے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ ساتوں سے گزر گئے تھے۔اس لیے جو تصور علمائے یونان نے لیا ہے وہ غیر اسلامی تصور ہے۔زبردستی تاویل کیوں کرتے ہیں۔یہ تطبیق دے کر اسلام کی خدمت نہیں کی، بلکہ آج وہی خرابی پیدا کر رہے ہیں کہ وہاں سے پتھر توڑ کر لائے ہیں۔اسی وجہ سے تو ہمارے عقائد خراب ہو گئے۔لہٰذا تطبیق کی یہی صورت بہتر ہے جو ہم نے بیان کر دی کہ خلق ارض اجمالاً مقدم ہے اور تفصیلاً مؤخر ہے۔

خلق العالم في ستة ايام:

باقی پیدائش چھ دن میں ہے تو احادیث میں ترتیب و تفصیل ہے۔ابتداء اتوار سے ہو گی یکشنبہ کے دن آسمان کا مادہ دخان اور زمین کا مادہ الماء المتحجر یہ دونوں پیدا کئے۔دوشنبہ یعنی سوموار کے دن زمین کو سات حصص میں تقسیم کر دیا۔سہ شنبہ کے دن پہاڑوں کو زمین پر قائم کیا۔والجبال ارسھا چہار شنبہ کو خلق نباتات ہوا ہے اور اس میں گویا حیوانات وانسان کے رزق کا انتظام ہے۔پنج شنبہ کو آسمان بنایا اور سات حصص میں تقسیم کر دیا پھر جمعہ کے دن فرق کواکب کیا، اشکال بنائے۔سبت یعنی ہفتہ کا دن خالی کر دیا، کواکب کو چھٹے دن پیدا کیا چھٹے دن اس میں شمس بھی ہے۔یہ دن رات کس سے پیدا ہوئے طلوع وغروب سے تو یہ چھ دن میں پیدا کیا۔سوال یہ ہے کہ دن کہاں سے آئے جبکہ کواکب نہیں آئے تھے۔دن گردش شمسی سے پیدا ہوئے ہیں تو ستۃ ایام کیوں آیا جبکہ لیل ونہار نہیں تھے۔

بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہاں پر حقیقتہً ایام مراد نہیں ہیں، تقدیراً مراد ہیں۔یعنی ایام کا اندازہ لگایا گیا ہے، واقع میں دن رات نہ تھے۔اتنی مدت مراد ہے جتنی ایک یوم کی ہوتی ہے۔گویا کہ چھ دنوں کی مدت میں آسمان و زمین کا خلق ہوا یعنی اندازے کے اعتبار سے۔اگر آج کے ایام پر تقسیم کر دیا جائے تو چھ دن بنتے ہیں۔

بعض کے نزدیک رات اور دن جیسے تابع ہیں حرکت شمس کے تو قبل الشمس کچھ اور حوادث ہوں گے۔اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ کچھ اور حوادث اور چیزوں کی حرکتیں پیدا فرمائی ہوں اور ان کے ساتھ وقت کا نظام وابستہ ہو کہ وقت حرکت کی مقدار ہے۔ان حوادث کے ساتھ فرق یوم ولیل کیا ہو جیسے آج ہمارا مشاہدہ طلوع وغروب سے متعلق ہے۔آج کل اس تقدیر پر یعنی اندازہ پر بھی بات درست ہے۔جیسے آج کل قطب شمالی کے نزدیک چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات ہے۔ایک دن ایک سال کا ہے تو وہاں نماز بتقدیر الایام پڑھیں گے۔ورنہ تو سال میں پانچ نمازیں پڑھیں گے۔

وہاں عام لوگ رات دن اندازہ سے طے کرتے ہیں۔ورنہ چھ ماہ روزہ کیسے رکھیں گے۔بالایام المقدر آج وہاں تقدیر ہے تو اس زمانے میں بھی ایسا ہی ہوگا۔اس لیے جواب اول موزوں معلوم ہوتا ہے۔بعض علاقوں میں ۲۳ گھنٹے کی رات اور ایک گھنٹے کا دن ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔کبھی ایسا ہوا کہ ادھر غروب ہے اور

ادھر صبح صادق ہوگئی۔ عشاء کا وقت بھی نہیں ملتا۔ وہاں بھی تقدیر ایام ہے۔ یہ بات خط استواء سے ۶۰،۶۲ درجہ جانب شمال کو ہے۔ وہاں بھی انسان آباد ہے۔ آج کل ایسے ذرائع ہیں کہ بحر منجمد میں بھی رہائش ممکن ہے۔ جیسے یہاں شدید گرمی میں ایئر کنڈیشنڈ لگا کر رہتے ہیں۔ وہاں ہیٹر لگا کر رہ سکتے ہیں۔

اب وقت کے تقرر کا سبب صلوٰۃ ہے، لیکن ہمیشہ ایسے نہیں ہوسکتا کہ وہاں بھی پانچ اوقات ہوں، اس لیے وہاں پر فقہاء کے نزدیک تقدیر الاوقات ہوگی۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو فساد پھیلائے اور خون بہائے حالانکہ ہم تیری

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ وَعَلَّمَ اٰدَمَ

حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں فرمایا میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ۝ اور اللہ نے آدم کو

الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَي الْمَلٰۗىِٕكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِــُٔـوْنِيْ بِاَسْمَاۗءِ هٰٓؤُلَاۗءِ

سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا مجھے ان کے نام بتاؤ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ

اگر تم سچے ہو ۝ انہوں نے کہا تو پاک ہے ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں بتایا ہے بیشک تو

الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۳۲ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ

بڑے علم والا حکمت والا ہے ۝ فرمایا اے آدم ان چیزوں کے نام بتادو پھر جب آدم نے انہیں ان کے نام بتادیئے

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا

فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر

تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہوں ۝ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۤ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۴ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ

سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہوگیا ۝ اور ہم نے کہا اے آدم

اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا

تم اور تمہاری بیوی جنت میں جا کر رہو اور اس میں سے جو چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۵ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا

درخت کے نزدیک نہ جاؤ پھر ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ۝ پھر شیطان نے ان کو وہاں سے ڈگمگایا پھر انہیں اس عزت و راحت

مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ
سے نکالا کہ جس میں تھے اور ہم نے کہا تم سب اُترو کہ تم ایک دُوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں
مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ
ٹھکانا ہے اور سامان ایک وقت معیّن تک ○ پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کئے پھر اس کی توبہ قبول فرمائی
إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم
بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ○ ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے نیچے اُتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس
مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ
میری طرف سے کوئی ہدایت آئے پس جو میری ہدایت پر چلیں گے ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اور جو
كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٩﴾ ع
اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی دوزخی ہوں گے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

افاداتِ محمود:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً کہ میں بنانے والا ہوں ایک نائب۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا آپ نائب بنانا چاہتے ہیں دُنیا میں جو فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ حالانکہ ہم تسبیح پڑھتے ہیں، تیری حمد کے ساتھ اور ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں وہ جو تم نہیں جانتے اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں پر پیش کیا۔ اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ فرشتوں نے کہا کہ تو پاک ہے۔ نہیں ہے ہمارے لیے، مگر جو کہ آپ نے بتلایا ہے۔ بے شک تو بڑی حکمتوں والا اور علیم ہے اور فرمایا جب آدم سے کہ آپ بتادیں ان چیزوں کے نام ان کو۔ انہوں نے بتائے ان چیزوں کے نام تو اللہ نے فرمایا کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں اور جانتا ہوں وہ جو کہ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو''۔

یہاں خطاب فرشتوں سے ہے کہ انسان پیدا نہیں ہوتے تھے تو ذوی العقول کی دو جنسیں تھیں۔ ملک اور جن اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ بناؤں گا' اس رکوع کا خلاصہ یہ ہے کہ نظام عالم کے لیے خلیفہ کی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا کنتم ثلاثاً فامروا یعنی ایک امام کے بغیر یعنی اجتماعی نظام کے لیے ایک امیر بنایا جائے، انتشار ہوگا۔ ہر آدمی اپنا اپنا فیصلہ کرے گا۔

قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا الآیہ فرشتوں نے یہ کہا کہ آپ ایسے آدمی کو خلیفہ بنائیں گے جو انتشار کرے گا اور

اشارہ کردیا کہ امارت امن کے لیے ہوتی ہے۔ آج کی حکومتیں بھی قیام امن کے لیے ہوتی ہیں۔ جس حکومت میں قیام امن نہ ہو وہ حکومت کہلانے کے مستحق نہیں ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ہمارے عہد میں امن نہیں ہے تو امام کا تقرر اللہ تعالیٰ نے اس لیے فرمایا کہ وہ امن قائم کرے، لیکن یہ تو خون بہائے گا۔ یہ کیسے خلیفہ بنائیں گے۔ جو چیز خلافت کی صفت سے منافی تھی یعنی فساد فی الارض اور سفک الدماء ہے اپنے متعلق بتایا کہ ہم تو اللہ کی تسبیح وتحمید و تقدیس بیان کرتے ہیں۔

لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝

وہ نہیں نافرمانی کرتے اللہ کی جو وہ انہیں حکم دے اور وہ کرتے ہیں وہی جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ (سورہ تحریم/ ٦)

کہ ہم کبھی عصیان نہیں کرتے کہ ہمارے ہاں فساد نہیں ہے۔

اصل میں فرشتوں کو خلیفہ بننے کا شوق پیدا ہوا کہ دوسرا کیوں بنا رہے ہو، ہم موجود ہیں۔ شاید آدم کی جبلت ظاہر کردی گئی تھی کہ قوت ملکیہ' قوت شھویہ' قوت غضبیہ بھی اس میں تھی۔ جتنے نزاعات ہیں تو وہ زن، زر، زمین کی وجہ سے ہیں۔ تمام انسان ان چیزوں کی وجہ سے لڑتے ہیں۔ دنیا میں ان چیزوں کے باعث فسادات ہوتے ہیں کہ آدم میں قوت شہویہ ہے اور منقسم ہے۔ دو قسموں کی طرف **شهوة البطن و شهوة الفرج**۔ قوت غضبیہ بھی ہے یعنی اشتعال سے حملہ کر کے خون بہادیا۔ آدم کی جبلت تھی۔ وہ فرشتوں پر ظاہر کردی گئی تھی۔ اس میں ملکیت بھی ہوگی اس پر اعتراض نہیں کیا گیا۔ قویٰ ثلثہ میں سے صرف دو پر اعتراض لازم تھا کہ فرشتے اصل الملکیہ ہیں اور تنقیدی صفت جو پکڑی ہے، وہ صفت نقض امن ہے۔ یہ خلافت کے خلاف ہے۔ یہ بھی امیدوار ہیں اور انتخابات میں امیدوار اپنے منتخب کرنے والے کے سامنے دو باتیں ضرور کہتا ہے۔ ایک اپنے استحقاق کے دلائل دیتا ہے اور دوسرے کی نااہلی کا ذکر کرتا ہے کہ میں ہوں اور وہ نہیں ہے۔ اپنے لیے اہلیت کی صفات پیش کرتا ہے اور دوسروں کی نااہلی کی صفات ذکر کرتا ہے، لیکن یہاں سوال انتخاب کرنے والی قوت کے سامنے کیا ہے کہ انتخابی قوت خدا ہے۔ فرشتے بھی آج کل کے الیکشن کی طرح کرتے ہیں کہ ہم تو امن میں ہیں کہ نہ غضب ہے' نہ شہوت ہے۔ باقی طلب خلافت شہوت نہیں ہے۔ الیکشن لڑنے کا طریقہ آ گیا ہے کہ مخالف کی صفات پکڑو' لیکن یہ عوام تو نہیں تھی کہ عوام کو روٹی' کپڑا' مکان کا دھوکا دکھاتے ہیں کہ یہاں انتخاب کرانے والی طاقت غلط ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ ہیں جس کے قول فعل میں ذرا برابر کسی غلطی کا امکان نہیں، لہٰذا اس نے یہ کہہ کر کنوینسنگ کو ختم کردیا کہ میں نے ٹھیک کردیا ہے' تم نہیں جانتے۔ اب آدم کو پیدا کردیا' فیصلہ ہوگیا اور فرشتوں کو زمین کی خلافت کے لیے نااہل قرار دے دیا۔ آدم کو اہل قرار دیا۔ اب اللہ فرشتوں پر حجت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وعلم آدم الاسماء کہ آدم کو اسماء کی تعلیم دی۔ یہ تعلیم معنوی ہے۔ یہ اللہ نے اس کی فطرت میں ڈال دی ہے۔ اگرچہ افہام وتفہیم سے نہیں ڈالی، مگر اللہ کو علم ہے کہ یہ آدم کی ضرورت

ہے قوۃ شھو یہ کی وجہ سے کہ کھائے اور پیئے۔ اس مقصد کے لیے وہ زمین میں کاشت کرے گا۔ پھر روٹی پکا کر کھائے گا تو تمام اعمال جیسے گندم صاف کرنا، پیسنا، آگ، پھر روٹی پکے گی تو گویا آدم کھانے وغیرہ کے محتاج تھے۔ یہ ساری فطرتیں تھیں اس لیے اُسے آلات کاشت کا نام بتلا دیا۔ اب فرشتوں کو کیا علم کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ کہ اگر تم سچے ہو کہ خلافت کے لائق ہو تو پھر ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ لوگوں کے نظام اور ان کی ضروریات کا کفیل بننا پڑے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے الامام ضامن یعنی امام ذمہ دار ہے۔ یہاں امام سے مسجد کا امام مراد ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، لیکن عام معنی میں بھی مراد ہوسکتا ہے۔ جناب عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی مرجائے "**لو مات الکلب جو عا علی شطر الفرات لکان عمر مسئولا یوم القیامۃ**" اگر ایک حکمران ضروریات کے وقت کام نہیں آتا تو وہ مستحق خلافت نہیں ہے۔ خلیفہ وقت صرف انسانوں کا ذمہ دار نہیں ہوتا بلکہ اپنی محکومہ و مملوکہ زمین میں بسنے والی تمام مخلوق کا ضامن ہوتا ہے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ کہ تیری ذات پاک ہے ہر عیب سے یعنی ہم میں عیب ہے، ہمیں علم نہیں، صرف تحمید و تسبیح کا علم ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ اب حجت قائم کرتے ہیں فرشتوں پر کہ اللہ کا انتخاب صحیح ہوا ہے۔ آدم سے پوچھا تو فرفر بتا دیا۔ پھر فرمایا کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم لائق نہیں ہو۔

خلافت سے مراد ساری خلافت مراد ہے۔ میں نے متعلقہ وزیر سے بات کی تھی۔ میں نے کہا کہ تربیلا بند میں جو بجٹ برباد ہوا، اس کا ذمہ دار کون ہے؟ تو جب نظام خلافت ظاہر نہ ہو تو ہر شئی بغاوت کرتی ہے۔ ظالم حکمران کے خلاف ہر چیز باغی ہو جاتی ہے۔ یہ دریائے سندھ میں جو سیلاب ہے یہ بھی ظلم کے خلاف بغاوت ہے۔ جیسے عمرؓ نے دریائے فرات پر جا کر لاٹھی مار کر اس کو ٹھہرا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے کہ پہاڑ پر زلزلہ آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہر **فانما علیک نبی و صدیق و شهید**۔ اس طرح حضرت فاروق اعظمؓ کے دور میں زلزلہ آیا۔ آپؓ نے زمین سے فرمایا کہ میں تیری پیٹھ پر انصاف نہیں کرتا؟ جب ایک خلیفہ فی الواقع خلافت کا مستحق ہوتا ہے تو ہر چیز اس کی موافقت کرتی ہے۔ جس طرح حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظمؓ کے فرمان کے مطابق دریا میں رقعہ پھینکا تھا۔ اب دریا تو خدا چلاتا ہے لیکن بظاہر اس نے خلیفۂ وقت کی اطاعت کی۔ تو بچے بھی خدا عطا کرتا ہے لیکن بغیر شادی کے نہیں، لیکن اپنی قدرت دکھانے کے لیے یہ کیا ہے کہ آدم کو بغیر والدین کے پیدا کر دیا۔ انسان کو جب حکومت ملے گی تو لازماً فساد کریں گے۔

ایک حکومت ہے ایک خلافت ہے:

ایک حکومت کرنا ہے اور ایک ہے نائب ہو کر حکومت کرنا۔ حاکم علی الاطلاق اگر ہوگا تو ضرور فساد ہوگا۔ فرشتوں نے اس کو اصل حاکمیت پر محمول کیا **لکن الانسان من حیث خلیفة** ہو تو پھر اس میں یہ فساد نہ ہوگا۔ وہ حاکم نہیں ہے۔ **ان الحکم الا لله** حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے تو انسان میں بحیثیت الانسان فساد ہے، لیکن جب خلیفہ من عند اللہ ہوں گے تو پھر فساد نہ ہوگا کہ اپنی قویٰ کو آزادانہ استعمال نہیں کرتا۔ پھر کیوں فساد ہوگا۔ اللہ نے

بتایا ہے کہ اُس نے مطلق حکمران نہیں بنایا ہے۔ آج جتنی حکومتیں ہیں، وہ حکمران خلیفہ عنداللہ نہیں ہیں۔ یہ اپنے مزاج سے خود حکومت کرتے ہیں۔ اس لیے تمام مسلمان اور کافر حکومتوں میں گڑ بڑ ہے۔ خدا کسی کی حکومت نہیں چلاتا خواہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ آج خلیفہ نہیں۔ اسی لیے سفک دماء ہے۔ اس لیے فرشتوں نے صحیح کہا ہے۔ اب بھی میں کہتا ہوں کہ ایک آدمی اگر خدا کے احکام کو مضبوطی سے تھامے اور حقیقی معنی میں اپنا حکم استعمال نہ کرے تو کوئی فساد نہ ہوگا۔ اسی حیثیت سے دار الخلافہ نہیں ہے۔ لہٰذا دار الحکومت کہا کرو دار الخلافہ نہ کہا کرو۔ جب خلافت نہیں ہے تو دار الخلافہ کیوں ہو۔

علماء اگر فرشتے بن جائیں تو وہ حکومت و خلافت کے اہل نہیں ہیں:

ایک اور بات ہے۔ کیا اس وقت خلافت کی صورت نظر آتی ہے؟ میں آپ کو بتاؤں کہ فرشتے حکومت کرنے کے اہل نہیں تھے۔ رہا نماز پڑھنا تو وہ تحمید و تقدیس کے ماہر تھے۔ اس لیے آپ جو علماء ہیں کہ تہجد و نماز ہی پڑھتے ہیں، لیکن لوگوں کی ضرورتوں سے جاہل ہیں۔ قریبی گھر میں آگ لگ جائے تو آپ کہیں گے کہ اے اللہ فضل کر دے، لیکن بالٹی بھر کر پانی نہیں ڈالیں گے کہ تمہارے قویٰ مضمحل ہیں۔ تم میں سمجھ نہیں ہے۔ جب تک تم لوگوں کی ضروریات کے کام نہیں کر سکتے، تم کبھی خلافت نہیں چلا سکتے۔ میں تمہاری توہین نہیں کرتا۔ تمہارا مقام بہت اونچا ہے۔ مجھے تمہارے خیمے جنت میں ابھی نظر آ رہے ہیں۔ جب فرشتے رد کر دیے گئے تو تم بھی رد کر دیے جاؤ گے۔ تم لوگوں کی ضروریات پوری کرو۔ انگریزی خواں لوگوں کی ضروریات جانتے ہیں۔ دنیاوی علوم کو جانتے ہیں، لیکن خداوند کے احکام کو نہیں لے سکتے۔ وہ حاکم بنے تو شریک خدا بنے، لیکن خلیفہ خدا نہیں بنے گا۔ اب یا تو وہ خدا سے جڑ جائیں تو خلافت کا نظام قائم ہو۔ اب یا تو تم مسجد سے باہر نکلو، یا ان کو مسجد میں لے آؤ۔ تم مسجد میں رہو اور وہ باہر رہیں تو نظام خلافت نہ چل سکے گا۔ یہ معنی نہیں کہ بالکل ان کی طرح باہر نکل جاؤ، بلکہ معنی یہ ہے کہ ان کے مصائب دور کرو۔ تمھارے یہ علوم کہ تم نماز روزہ کے فساد کو جانتے ہو، کیا تم اور بھی کچھ جانتے ہو۔ پیغمبروں کے پاس بھی دونوں قسم کے علم تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کشتی سازی کے ماہر تھے، لیکن پیغمبر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے من حیث الانسان نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا

اور بنا کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے۔ (ھود/۳۷)

حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی سکھائی چنانچہ ارشاد ہے:

وَعَلَّمْنَٰهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ

اور سکھا دیا تھا ہم نے اس کو بنانا زرہ کا تمہارے لیے۔ (سورہ انبیاء/۸۰)

حضرت یوسف علیہ السلام جیسے نبی تھے، ویسے علم الحساب کے ماہر بھی تھے۔

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَآئِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿۵۵﴾

اس (یوسف) نے کہا مجھے مقرر کیجیے ملک کے خزانوں پر بیشک میں بڑا محافظ صاحب علم ہوں۔ (سورہ یوسف/۵۵)

یہاں خزانہ صرف حساب سے مل سکتا ہے ایک امین نہیں، بد دیانت ہے۔ وہ بھی وزارت خزانہ کا اہل نہیں ہے۔ تم بھی دنیا کے لوگوں سے تعلق رکھو۔ ان کے دکھوں کا علاج کرواور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرو۔ آپ خلیفہ بن گئے۔ استحقاق ثابت ہوگیا۔ مقابلہ کے امتحان میں آپ کا جدامجد جیت گیا اور فرشتے شکست کھا گئے۔ اب فرشتوں پر جب آپ کی برتری ثابت ہوگئی تو فرمایا فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کو۔

فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ ط لیکن ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہوگیا تھا (اللہ کے علم میں)۔

سجدہ غیر اللہ کسی بھی ملت میں ثابت نہیں ہے:

غیر اللہ کو سجدہ، یہ کسی بھی دین اور ملت میں جائز نہیں ہے۔ یہ عبادت و توحید کا مسئلہ ہے۔ شرک فی العبادۃ سے اجتناب ضروری ہے۔ ہر ملت میں سجدہ اور عبادت صرف اللہ کے لیے رہا ہے۔ بغیر توحید کے کوئی دین نہیں آیا ہے۔ یہاں سجدہ سے مطلق تعظیم مراد ہے اور عبادت سے بھی انتہائی تعظیم مراد ہے اور انتہائی تعظیم معبود حقیقی کے ساتھ خاص ہے۔ کماذ کرنا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تو جب سجدہ مطلق تعظیم ہے تو یہاں بھی یہی مراد ہے۔

اب فرشتوں کا انسان کے بارے میں عیب جوئی کرنا غیبت نہیں ہے۔ یہ جبلت کا تذکرہ ہے۔ بعض کے نزدیک سجدہ اور عبادت صرف اللہ کی ہے اور آدم بمنزلہ کعبہ کے ہے۔ ہم کعبہ کی نماز نہیں پڑھتے، لیکن عبادت کا مرکز ہوکر بھی شرف وکرامت کا مستحق ضرور ہے۔ **واذ جعلنا البیت مثابة للناس** ہے۔ عبادت بیت کی نہیں، بلکہ رب البیت کی ہے۔ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ﴿۳﴾ تو یہاں سجدہ تو اللہ کا ہے۔ مرکز اور قبلہ آدم تھا۔ جیسے کعبہ معبود نہیں، اسی طرح آدم بھی معبود نہیں ہے۔

إِلَّآ إِبْلِيسَ:

اب سوال یہ ہے کہ ابلیس فی الواقع فرشتوں میں سے نہیں تھا۔

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ط

وہ تھا جنوں میں سے پس اس نے اپنے رب کے حکم کی سرتابی کی۔ (سورۃ کہف/۵۰)

جب یہ اللہ کے حکم سے نکل گیا تو شیطان بن گیا۔ اللہ نے حکم دیا تھا فرشتوں کو، مگر یہ تو جن تھا۔ اس کو سجدہ کا حکم نہیں تھا۔ وہ تو مامور بالسجدہ بھی نہیں تھا۔ اس لیے عذاب کیونکر ہوا؟ عام مفسرین یہ توجیہ کرتے ہیں کہ جن عام ملائکہ سے نہیں تھا، لیکن اختلاط بالملائکہ ضرور تھا۔ یہاں فرشتوں کی جماعت سے خطاب تھا، جیسا کہ میں اس

جلسے سے خطاب کر رہا ہوں۔اس جلسے میں ایک ایسا شخص بھی ہے کہ یہاں پر اس کا داخلہ نہیں ہے اور میں یہاں پر کسی وجہ سے کہوں کہ سب کھڑے ہو جاؤ۔جو بھی جلسہ میں ہے۔سب کھڑے ہو گئے۔ایک آدمی نہ کھڑا ہوا۔اس کا نام بھی رجسٹر میں نہیں ہے۔داخلہ بھی نہیں لیا' کوئی غیر تھا۔اس نے بات نہیں مانی تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس دن طالب علموں سے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ تو ایک کمبخت کھڑا نہ ہوا جو مجلس کے لوگوں سے خطاب تھا، لیکن حکایت میں صرف طالب علم سے تعبیر کیا کہ الحکم للاکثر۔اگر اکثریت فرشتے تھے تو مجلس سے اللہ کا خطاب تھا۔حکایت میں صرف فرشتوں کا تذکرہ ہے۔خطاب میں ابلیس بھی سجدہ میں شامل تھا کہ اسجدوا لآدم ہے۔لانہ شامل فی جلسة الملائکه: و الخطاب یشمله' کما یشمل الملائکة جب قصہ یہ بیان کر دیا تو اس میں فرشتوں کا ذکر کیا کہ خطاب للمجلس تھا للملائکہ نہیں تھا۔اس لیے وہ عصیان کا مرتکب ہوا۔اس لیے لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلا گناہ جو اس جہان میں ہوا وہ حسد کا گناہ ہے کہ آدم کو مقام خلافت کیوں دیا گیا۔اس کو مسجود کیوں بنایا گیا کہ

والحسد و الکبر اولی المعاصی من عصیان الله

یعنی حسد اور تکبر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں سے پہلی نافرمانیاں ہیں۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿١٢﴾

کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو گارے سے پیدا کیا ہے۔(سورۃ اعراف/۱۲)

اب شیطان پیچھے ہے۔شیاطین الانس غالب آ گئے شیاطین الجن پر۔

وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ الآیه

اور ہم نے کہا کہ آدم رہو تم اور تمہاری زوجہ جنت میں (وہ ان کی پسلی سے پیدا ہوئی، لیکن خلقت معہودہ کی طرح نہیں من جنبہ الایسر پیدا ہوئیں) اور تم کھاؤ میری جنت سے وسعت کے ساتھ۔کوئی پابندی نہیں ہے۔جہاں سے چاہو کھاؤ۔پابندی صرف ایک ہے کہ اس درخت کے قریب مت جاؤ۔اگر تم قریب گئے تو فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

شجرہ سے کیا مراد ہے اس میں بھی کلام ہے مشہور یہ ہے کہ گندم مراد ہے۔

تعریف الشجر:

الشجرة الحنطة

شجرہ کہتے ہیں کہ ینبت من الارض و یقوم علی الساق (جو زمین سے اُگے اور تناور ہو)۔جو زمین پر

پھیل جائے تو وہ شجرہ نہیں ہے۔ جیسے کدو اور تربوز وغیرہ۔ اگرچہ قرآن میں ہے......

وَاَنۡۢبَتۡنَا عَلَيۡهِ شَجَرَةً مِّنۡ يَّقۡطِيۡنٍ (الصّٰفّٰت/۱۴۶)

ہم نے اُگایا اس پر کدو کا درخت

یہاں کدو کو شجرہ کہا گیا، لیکن وہ یقطین حضرت یونس علیہ السلام پر ایک لمبی ساق تھی۔ پھر اوپر بیل کو پھیلا دیا تا کہ آدمی اس کے نیچے آ جائے۔ اس بیل کا ساق بھی موجود تھا اس لیے اُسے شجرہ کہا گیا ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيۡطٰنُ

''شیطان نے ان کو پھسلایا پھر ان دونوں کو نکال دیا جنت کی راحت و آرام سے اور ہم نے کہا کہ اتر جاؤ بعض تمہارے بعض کے لیے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور رہنا ہے۔ دوام نہیں ہے۔ ایک وقت تک رہو گے۔ پھر آدم علیہ السلام نے کچھ کلمات اللہ سے حاصل کیے۔ اللہ نے القاء کیا اور انہوں نے وصول کیا۔ وہ کلمات پڑھ کر توبہ کرو بے شک وہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پس اگر آ جائے میری طرف سے ہدایت الخ

جنت سے نکالنا یہ بھی ایک حیلہ اور نعمت ہے:

حضرت آدم علیہ السلام پہلے جنت میں گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں فرمایا تھا اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً (میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں) آدم کو جنت میں جانے اور جنت میں رہنے کے لیے پیدا تو نہیں کیا ہے، ورنہ خلیفہ جنت میں ہوگا اور رعایا دنیا میں ہوگی۔ آدم کی فضیلت پر یہ دلیل قائم کی۔ اس لیے وہاں لے جا کر پھر جنات و ملائکۃ کو بتلایا کہ ان کی کیا عظمت ہے۔ اب یہاں جنت میں سے نکالنا بھی تھا۔ انہیں بے جا نکالنا کیسے ہوتا۔ نکلنے کا بہانہ ضروری تھا دو طرفہ بہانہ بنایا گیا۔ ادھر آدم پر الزام لگایا گیا کہ تم نے خود ظلم کیا ہے۔ جب انسان اپنی غلطی میں خود ماخوذ ہو جاتا ہے تو وہ متزلزل ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ کلمات سکھائے گئے کہ اقرار کرو کہ زیادتی آدم کی اپنی تھی۔ انہوں نے خوشی سے نکلنا قبول کیا کیونکہ وہ دلیل سے شکست کھا گئے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ شیطان کی شیطنت و اضلال اور آدم کے لیے مشکلات پیدا کرنا اور ایک مقام سے گرانا اور تفضیح حال میں ظاہر کرا دینا۔ یہ بھی تو بتا دیا تھا کہ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ بیشک وہ تمہارا دشمن ہے کھلا ہوا۔ گویا شیطان کی نفرت اور ان کے اضلال کا اقرار ابتداء میں آدم و حوا یعنی دادی دادا کے دل میں ڈال دی گئی تا کہ آدم کا ورثہ بھی یہی ہو۔ بہر حال ایک ہی بات سے دونوں فائدے حاصل ہو گئے۔ حضرت آدم بھی جنت سے باہر آ گئے اور شیطان کی عداوت کا تصور بھی ذہن نشین ہو گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ حضرات انبیاء معصوم ہیں۔ قبل النبوۃ بھی اور بعد میں بھی معصوم ہوتے ہیں۔

عن الخطاء و العصیان و الظلم.

غلطی، نافرمانی اورظلم سے۔

یہاں نبی نے کیسے ظلم کیا کہ یہاں فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کہا گیا ہے۔ یہاں شجرہ کھا کر ظالم بن گئے اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾

اورنافرمانی کی آدم علیہ اسلام نے اپنے رب کی پس وہ بھٹک گئے۔ (سورہ طٰہٰ/۱۲۱)

خلاصہ سوال یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام جب معصوم ہوتے ہیں تو پھران کی طرف عصیان وغیرہ کے الفاظ کی نسبت کیوں ہوئی۔ اس کے متعدد جوابات ہیں۔

(۱) ایک جواب جوعام ہے، یہ ہے کہ جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام میں سے بعض کی طرف ظاہراً جھوٹ کی نسبت کی گئی ہے یا عصیان کی یا ظلم کی تو اسی طرح حضرت آدم کی طرف بھی عصیان کی نسبت کی گئی۔ چنانچہ حدیث میں کذبات ثلاثہ کا تذکرہ ہے کہ یعنی حضرات ابراہیم علیہ السلام کے تین بار جھوٹ بولنے کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) جب فرعون مصر کے پاس گئے تو حضرت سارہؓ جو حضرت ابراہیمؑ کی بیوی ہیں کے متعلق فرمایا کہ هذه اختى فى الله یہ اللہ کے لیے میری بہن ہے۔ (۲) جب قوم نے لہو ولعب کی طرف حضرت ابراہیمؑ کو دعوت دی اور ساتھ لے جانا چاہا تو حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں کی طرف دیکھا فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ پس اس نے غور سے دیکھا ایک بار ستاروں میں پھر کہا بیشک میں تو بیمار ہوں۔ (سورہ صافات/۸۸/۸۹)

(۳) جب حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کی گردنیں اڑائیں اور لوگوں نے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ تو فرمایا کہ ان بتوں میں سے جو بڑا ہے اسی نے کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ (الانبیاء۶۲/۶۳)

وہ بولے کیا تو نے ہی یہ کام کیا ہے ہمارے معبودوں سے اے ابراہیم۔ اس نے کہا (نہیں) بلکہ یہ کیا ہوگا ان کے سب سے بڑے (بت) نے۔ پس پوچھوان سے اگر یہ بولتے ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ نے گردنیں مارنے کا کام بت کی طرف منسوب فرمایا، حالانکہ آپ نے یہ کام خود سرانجام دیا تھا۔ ان تینوں باتوں پر حدیث میں کذب کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی اور اسرائیلی کو چھڑاتے چھڑاتے قبطی کو مکا مار دیا تو وہ مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۖ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۖ (سورہ قصص/۱۵،۱۶)

یہ تو شیطانی حرکت ہے بلاشبہ وہ دشمن ہے بہکانے والا صریح، بولا اے میرے رب بیشک
میں نے ظلم کیا اپنے نفس پر پس معاف کر مجھ کو سو معاف کر دیا اللہ نے اس کو۔

یہ تمام باتیں خواہ حضرت ابراہیم علیہا السلام سے متعلق ہوں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یا کسی اور نبی سے یہ معصیت ہے ہی نہیں۔ معصیت یہ ہے کہ بالارادہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے۔

(۲) یہ باتیں صورۃً معصیت تھیں، لیکن حقیقت میں یہاں کوئی معصیت نہیں تھی، بلکہ خلاف اولیٰ بات ہوئی ہوگی اور خلاف اولیٰ بات بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کے بلند و بالا مرتبہ کے شایان شان نہ تھی۔ جیسا کہ مشہور ہے "حسنات الابرار سیات المقربین" (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لیے گناہ ہیں) جیسے ایک دیہاتی شخص آ جائے اور آداب سے واقف نہ ہو تو اس کی غلطی پر بھی اس کو انعام دیا جاتا ہے، لیکن کبھی کبھی سزا بھی ہو جاتی ہے۔ دوسری جانب آداب جاننے والوں اور مقرب لوگوں کو ایسی کسی غلطی کی اجازت نہیں ہوتی۔ بہر حال یہ خلاف اولیٰ باتیں ہیں جن پر بظاہر معصیت کا اطلاق کیا گیا۔ یہ باتیں حقیقت میں معصیت نہیں ہیں۔

(۳) اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی غلطی اجتہادی غلطی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ تو یہ اشارہ حسیہ تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام یہ سمجھے کہ مشار الیہ مخصوص شخصی ہے اور شجرہ ممنوعہ صرف اس درخت کو خیال فرمایا جو مشار الیہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مراد تھی وَلَا تَقْرَبَا من نوع هٰذِهِ الشَّجَرَةَ شخصی درخت کو سمجھ کر دوسرے درختوں سے کھالیا تو اپنے خیال میں حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کو پورا فرمایا کہ اس درخت کو چھوڑ کر دوسرے سے کھالیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تخصیص نوعی کی اور حضرت آدم نے تخصیص شخصی مراد لی، لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام کا اصل مقام یہ ہے کہ وہ ایسے امور میں زیادہ احتیاط کریں۔ اگر اس حکم کو تخصیص نوعی پر محمول فرما دیتے تو اس صورت میں زیادہ احتیاط ہوتی۔ گویا خلاف احتیاط کو وعصیٰ آدم ربہ سے تعبیر فرمایا۔

(۴) اور چوتھا جواب یہ ہے کہ شیطان کا انداز گفتگو ایسا تھا کہ اس سے حضرت آدم علیہ السلام جلدی دھوکا میں پڑ گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں کھا کر شیطان نے کہا کہ میں آپ لوگوں کو ہمیشہ رہنے کا نسخہ بتلا رہا ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ

اور قسم کھائی ان کے سامنے کہ میں تو تمہارے لیے البتہ نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں
پس اس نے مائل کر دیا ان دونوں کو دھوکہ سے۔ (سورہ اعراف/ ۲۱)

یعنی میاں بیوی دونوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں کھائیں اور شیطان سے قبل کسی نے اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم نہیں کھائی تھی اور نہ حضرت آدم علیہ السلام نے کسی سے جھوٹ سنا تھا۔ اس سادہ لوح آدمی سے

شیطان نے یہ دوسرا فراڈ کیا۔ پھر بھی حضرت آدم علیہ السلام نے مخصوص نوعی کو مخصوص شخصی پر محمول فرمایا تو یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔

جنت سے نکلنا بھی ایک نعمت ہے:

اصل بات یہ ہے کہ یہ حضرت آدمؑ کو جنت سے باہر نکالنے کے اسباب تھے۔ اگر ہمارے بابا وہاں رہتے تو توالد وتناسل کا سلسلہ جاری نہ رہتا۔ جنت توالد وتناسل کی جگہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے حضرت حوا بھی جنت میں معتاد طریقہ پر پیدا نہیں ہوئی تھیں اور جمعہ کا دن چونکہ مقدس دن ہے لہٰذا حضرت آدمؑ کو جنت سے جمعہ کے دن نکالا گیا۔ حضرت آدمؑ کے اس اخراج کو اللہ تعالیٰ نے بطور انعام ذکر فرمایا ہے اور انسانوں پر اس کو بطور احسان ذکر فرمایا ہے۔ رہا یہ سوال کہ حضرت آدمؑ کو شیطان نے وسوسہ کیسے ڈالا تھا؟ اس کے بھی متعدد جوابات ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیطان بنی آدم کی رگوں میں خون کی طرح چلتا پھرتا ہے اور وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ یہ وسوسہ جنت کے باہر سے ڈالا گیا یا اندر داخل ہو کر، تو بظاہر دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ اس میں کوئی شرعی استبعاد نہیں ہے، بلکہ اس بحث میں پڑنا فضول ہے۔ اصل مقصد حضرت آدمؑ کو زمین کا خلیفہ بنانا تھا اور اصول ہے کہ **کل شیئی یرجع الی اصلہ**۔ اس وجہ سے حضرت آدمؑ کو زمین پر اتارا گیا۔ جنت میں رہتے ہوئے یہ مقصد پورا ہو نہیں سکتا تھا تو وہ زمین پر اُتر گئے۔ وہ اصلی فطرت سلیمہ پر قائم تھے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

ما من مولود اِلّا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودا نہ او ینصرا نہ او یمجسانہ (بخاری)

یعنی ہر بچہ دین اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ اس کو یہودی نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ گویا جن لوگوں کی فطرت مسخ ہو چکی ہے وہ اولاد آدم نہیں ہیں۔

جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہے وہ ابن آدم نہیں:

نوحؑ نے دیکھا کی کہ میرا بیٹا مر رہا ہے۔ تو اسے فرمایا:

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ (ہود ۴۲)

اے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ ہونا۔

اس کے غرق ہونے کے وقت فرمایا:

رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾

اے میرے رب بلاشبہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے۔ (سورہ ہود/۴۵)

آپ نے صراحۃً بچانے کے متعلق نہیں کہا' بلکہ اشارۃً کہا ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (الآیۃ)

کہا اللہ تعالیٰ نے اے نوح وہ تو تیرے اہل میں سے نہیں ہے' کیونکہ اس کے عمل نیک نہیں۔(ھود ۴۶)

انہیں بتایا گیا کہ یہ تمہارا اہل نہیں ہے۔اس لیے اگر نبی کا بیٹا بھی غیر صالح عمل کرتا ہو تو نبی کے ساتھ اس کا تعلق کٹ جاتا ہے۔مزید برآں انہیں مزید سوال کرنے سے بھی منع کر دیا گیا۔پھر نوح علیہ السلام نے توبہ کی۔ معلوم ہوا کہ نبی کی اولاد کا جسمانی رشتہ روحانی رشتہ کے منقطع ہونے کے ساتھ ختم ہو گیا۔اس لیے فطرت مسخ ہو جانے کے بعد وہ اولاد آدم نہ رہیں گے۔

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے متلاشی ہوتے ہیں،ان کا معاملہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ پریشانیاں آئیں گی،لیکن ہدایت جس کو مل جائے اور وہ اس کو حاصل کرلے وہ بالآخر کامران ہوگا۔رہے گمراہ لوگ جن کی فطرت مسخ ہو گئی جب انھوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی تو پھر وہ ہدایت پر نہیں آئیں گے۔

يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِيٓ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ

اے بنی اسرائیل میرے احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا

وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿۴۰﴾ وَآمِنُوا بِمَآ أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوٓا أَوَّلَ

اور مجھ ہی سے ڈرا کرو ○ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی تصدیق کرتی ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے اور تم ہی

كَافِرٍ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيٰتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۫ وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا

سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور مجھ ہی سے ڈرو ○ اور سچ میں جھوٹ

الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا

نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ ○ اور نماز قائم کرو اور

الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ ﴿۴۳﴾ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ

زکوۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ○ کیا لوگوں کو تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو

أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ

بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو پھر کیوں نہیں سمجھتے ○ اور صبر کرنے اور نماز پڑھنے سے

وَالصَّلٰوةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِينَ ﴿۴۵﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ

مدد لیا کرو اور بیشک نماز مشکل ہے مگر ان پر جو عاجزی کرنے والے ہیں ○ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ضرور

مُّلٰقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رٰجِعُونَ ﴿۴۶﴾ ع يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ

اپنے رب سے ملنا ہے اور ہمیں اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے ○ اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو

الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي

یاد کرو جو میں نے تمہیں دی تھیں اور میں نے تمہیں جہان پر فضیلت دی تھی ○ اور اس دن سے ڈرو جس دن

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ

کوئی شخص کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کے لئے کوئی سفارش قبول ہوگی اور نہ اس کی طرف سے بدلہ لیا جائے گا

وَّلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۴۸﴾ وَإِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ

اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○ اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی وہ تمہیں بری طرح

الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ

عذاب دیا کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے

رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۴۹﴾ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ

تمہاری بڑی آزمائش تھی ۝ اور جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا پھر تمہیں تو بچا لیا اور تمہارے دیکھتے دیکھتے

وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۰﴾ وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

فرعونیوں کو ڈبو دیا ۝ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر اس کے بعد تم نے بچھڑا بنا لیا

مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ

حالانکہ تم ظالم تھے ۝ پھر اس کے بعد بھی ہم نے تمہیں معاف کر دیا تاکہ

تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾ وَإِذْ

تم شکر کرو ۝ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور قانون فیصل دیا تاکہ تم ہدایت پاؤ ۝ اور جب

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم بیشک تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا سو اپنے پیدا کرنے والے کے

إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

آگے توبہ کرو پھر اپنے آپ کو قتل کرو تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک یہی بہتر ہے پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی

إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ

بیشک وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے ۝ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تیرا یقین نہیں کریں گے جب تک کہ

نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ

رُوبرُو اللہ کو دیکھ نہ لیں تب تمہیں بجلی نے دیکھتے دیکھتے آلیا ۝ پھر ہم نے تمہیں

مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا

تمہاری موت کے بعد زندہ کر اُٹھایا تاکہ تم شکر کرو ۝ اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا اور تم پر

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا

من اور سلویٰ اُتارا ۝ جو کچھ ہم نے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ اور انہوں نے

وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۞ وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ
ہمارا کچھ نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے ○ اور جب ہم نے کہا اس شہر میں داخل ہو جاؤ
فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ
پھر اس میں جہاں سے چاہو بے تکلفی سے کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہتے جاؤ بخشدے
نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۞ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا
تو ہم تمہارے قصور معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو زیادہ بھی دیں گے ○ پھر ظالموں نے بدل ڈالا کلمہ
غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ
سوائے اس کے جو انہیں کہا گیا تھا سو ہم نے ان ظالموں پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے
بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۞
عذاب نازل کیا ○

افاداتِ محمود:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا الآیہ

اس رکوع میں بنی اسرائیل کو اسلام کی طرف دعوت دی جاتی ہے طریقہ تذکیر بآلاء اللہ کیا ہے۔ اس رکوع میں بنی اسرائیل کے ضلال و گمراہی کی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں۔

''اے اسرائیل کے بیٹو یاد کرو میری اسی نعمت کو جو میں نے تم پر کی اور پورا کرو میرے عہد کو۔ میں پورا کروں گا تمہارے عہد کو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی در آں حالیکہ وہ تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو تمہارے سامنے ہیں اور تم پہلے کافر نہ بنو اس کتاب کے ساتھ اور میری آیتوں کو بیچ کر تم اس کے ساتھ ثمن قلیل (قلیل مال) حاصل نہ کرو اور مجھی سے ڈرتے رہو اور سچ میں جھوٹ نہ ملاؤ جان بوجھ کر نماز قائم کرو اور زکواۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ کیا تم لوگوں کو حکم کرتے ہو نیکی کا اور بھول جاتے ہو اپنے بارے میں۔ کیا تم سمجھتے نہیں اور بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز بہت بڑا بوجھ ہے مگر سوائے خاشعین کے۔ خاشعین وہ ہیں جو یقین رکھتے ہیں پروردگار سے ملنے کا''۔

بنی اسرائیل کون تھے:

یہاں بنی اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسرائیل کے بیٹے کون تھے؟ اسرائیل دراصل حضرت

یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں اور ہر ایک بیٹے سے بہت بڑی نسل چلی اور یوں بارہ قبیلے ہو گئے۔ چنانچہ ان بارہ قبیلوں کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل سے خطاب کی وجہ:

بنی اسرائیل کے لفظ میں ہی دعوت موجود ہے۔ لفظ بنی اسرائیل کا مفہوم یہ ہے کہ تم تو بہت بڑے پیغمبر کے بیٹے ہو۔ اپنے خاندان کا کچھ خیال رکھو۔ اپنے اجداد کے طریق پر چلو۔ ہمیشہ کسی اچھے خاندان کا بیٹا جب گمراہ ہو جاتا ہے تو اسے خاندان کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ اس لیے انہیں اسرائیل کے بیٹوں کی حیثیت سے اللہ نے مخاطب کیا ہے کہ اس میں بھی دعوت ہے اور اگر انہیں خاندان کا پاس نہیں ہے تو پھر آگے دوسری دعوت دی ہے۔ اللہ نے انہیں اپنا احسان جتلایا اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ کہ میرا احسان تو دیکھو۔ اگر باپ کا خیال نہیں کرتے تو میرا تو کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ایک تو عام ہیں جو ہر انسان کے ساتھ ہیں۔ جیسے اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ میں تھیں۔ یہ انعامات عام ہیں جو کسی فرد یا خاندان کے ساتھ مختص نہیں ہیں۔ بعض انعامات خالص اور خاص بھی ہیں کہ جو عام لوگوں کے سوا کسی خاص خاندان اور کسی خاص طبقہ یا فرد کے ساتھ مختص ہوں اور انعامات خاصہ دعوت و تبلیغ کی طرف زیادہ موثر ہوتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو دعوت دے رہے ہیں، اس لیے انعامات خاصہ کا ذکر کیا گیا۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وہ نعمت جو دوسرے انسانوں کو چھوڑ کر خاص تم پر نازل کی گئی ہے۔ اس لیے الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ کی قید لگائی ہے۔

یہاں لفظ نعمت مفرد ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی نعمت ہے، لیکن اس سے مراد جنسِ نعمت ہے۔ شخصی نعمت نہیں ہے۔ اس نعمت میں بہت سے افراد شامل ہیں اس لیے فرمایا کہ اس نعمت کو ہی یاد کرو۔ قرآن نے جا بجا ان نعمتوں کی تفصیلات ذکر کی ہیں۔ جیسے فرعون سے نجات دلائی۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

اور یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی۔

کسی ظالم سے اگر کوئی نجات دلا دے تو یہ اس کا بڑا احسان ہوتا ہے۔ ظالموں نے آپ کو گھیرا ہوا ہے۔ جو شخص ظالم سے آپ کو نجات دلائے، سب سے بڑا محسن تو یہی ہے۔ الانسان عبد الاحسان یعنی انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے۔ وہ محسن کے احسانات کے سامنے مجبوراً جھک جاتا ہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کے ساتھ بہت سے احسانات کیے۔ ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) یوں ہوا کہ دریا کو پھاڑ کر بنی اسرائیل کو بچایا جبکہ راستہ کوئی نہ تھا تو بارہ راستے بنائے۔ ہر قبیلہ کے لیے الگ راستہ بنایا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان پر من اور سلویٰ اتارا۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ط

(۳) ایک پتھر سے اللہ نے بارہ چشمے جاری کیے۔ جب انہوں نے پانی مانگا تو حضرت موسیٰ کو پتھر پر عصا مارنے کا حکم صادر فرمایا۔

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ

پس جاری ہو گئے اس میں سے بارہ چشمے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں پے در پے ہزاروں پیغمبر بھیجے بلکہ یعقوب علیہ السلام کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں جتنے پیغمبر آئے، سب بنی اسرائیل سے آئے۔

(۵) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسماعیل میں بھیجا گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاقؑ کے بیٹے تھے اور اسحاقؑ واسماعیلؑ دونوں بھائی تھے۔ یہ دونوں ابراہیمؑ کے بیٹے تھے۔ اسحاقؑ ان میں پیغمبر تھے اور یہ اسماعیل کے بھائی تھے۔ ہزاروں پیغمبر بنی اسرائیل کے تھے۔

(۶) تمام کتابیں تورات انجیل، زبور اور بڑے بڑے صحیفے موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے۔ بنی اسرائیل میں اتنی نعمتیں نازل ہوئیں **لاتعدو لا تحصیٰ**۔

عہد اللہ وعہد الیہود:

فرمایا وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْۤ میرا عہد پورا کرو یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے جو عہد لیا تھا وہ عہد تمہیں پورا کرنا چاہیے۔ انسان کو اپنے عہد کی پاس داری کرنی چاہیے۔ جبکہ تم میرے احسانات کا کفران کرتے ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے "**ان العهد كان مسئولا** بیشک وعدہ کے متعلق جواب دہی ہوگی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ (آل عمران/۱۸۷)

اور جب اللہ نے ان لوگوں سے اقرار لیا جنہیں کتاب دی گئی تھی کہ تم ضرور بیان کرنا اسے لوگوں کے لیے اور اس کو نہ چھپانا تو انہوں نے اسے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور لی انہوں نے اس کے عوض تھوڑی قیمت۔ پس بہت برا ہے جو کچھ وہ لیتے ہیں۔

میثاق اور عہد ہم معنی الفاظ ہیں یعنی یہود سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد و میثاق لیا تھا۔ ان کی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات وعلامات مذکور ہیں۔ پھر اہل کتاب کا ذکر اور یہود ونصاریٰ کا صراحتہً ذکر فرمایا ہے تاکہ یہود یہ نہ سمجھیں کہ یہاں نہ تو ان کا ذکر ہے نہ ان سے کوئی مطالبہ۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے میثاق کا بھی تذکرہ واضح طور پر ہوا ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ

اور لے چکا ہے اللہ تعالیٰ عہد بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کئے تھے ان میں سے بارہ

سردار۔(سورہ مائدہ/۱۲)

اسی طرح بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے میثاق کا بھی ذکر ہے۔چنانچہ ارشاد ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول جو تصدیق کرے اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔(سورۃ آل عمران/۸۱)

یہ میثاق نبیین سے لیا گیا۔اس میثاق کا یہ مطلب نہیں کہ انبیاء علیہم السلام حضور کی بعثت کے وقت موجود ہوں گے‘ بلکہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کے نمائندے تھے‘ لہٰذا ان سے عہد لے کر ان آنے والی نسلوں کے لیے یہ عہد لازم قرار دیدیا گیا کہ جو لوگ انبیاء کی امتوں سے ہوں گے وہ اس عہد کی پاس داری کریں گے۔اس آیت کے آخر میں ارشاد ہے کہ ’’قال ءاقررتم کیا تم نے (اس وعدے کا) اقرار کیا؟‘‘ تو ان سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ اقررنا یعنی ہم نے آپ سے وعدہ کا اقرار کرلیا ہے۔قانون یہ ہے کہ المرأ یوخذ علی اقرارہ یعنی انسان اپنے اقرار پر ماخوذ ہوتا ہے۔بہر حال مندرجہ بالا آیات میں یہ عہد واضح ہے کہ جب ایسا رسول آ جائے جو تمہاری کتاب کی تائید کرے اور اس کی تصدیق کرے تو تم اس کو تسلیم کرو گے۔اب اس وعدہ کو پورا کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے بزرگوں اور بڑوں سے لیا تھا۔ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ میں نے جو وعدہ آپ لوگوں سے کیا ہے اسے پورا کروں گا۔یہ اللہ تعالیٰ کا ترغیبی انداز ہے۔جیسے دنیا کے حکمران کہتے ہیں کہ ہمارا ساتھ دو‘ ہم تمہیں وزیر بنائیں گے‘ لیکن لوگ تو وعدہ خلافی کر جاتے ہیں۔وہ عہد پورا نہیں کرتے۔یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔یہ بہر طور سچا ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝

’’اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟‘‘ (سورہ نساء/۸۷)

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝

اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟ (سورہ نساء/۱۲۲)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔(آل عمران/۹)

یہود کے اسلام میں داخل نہ ہونے کی وجوہ:

مذکورہ بالا جملہ میں اللہ تعالیٰ کے عہد کا ذکر ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس عہد کو پورا فرمائیں گے۔اللہ تعالیٰ کا عہد یہ تھا کہ اہل کتاب جب اسلام قبول کریں گے اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے تو ان کو دوہرا

اجر ملے گا۔ آگے اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

یہود اس وجہ سے مسلمان نہیں ہو رہے تھے کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اگر ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو پکڑ لیا اور آپ سے وابستہ ہو گئے تو ہماری جو ریاست قائم ہے اور جو ہمارا مقام و رتبہ ہے' یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ لوگ نئے دین کو حجت سمجھیں گے۔ یہ لوگ اہل علم مشہور تھے۔ ان کے لیے تحفے تحائف نذر و نیاز وغیرہ آتے تھے۔ ان تحفے تحائف اور نذر و نیاز کے بند ہونے کا قوی اندیشہ تھا۔ پھر اب اگر یہ لوگ تورات و انجیل کے نام پر فیصلے کرنا چھوڑ دیں تو یہ لوگ تورات کے حکم کے عوض جو بھاری رقمیں لوگوں سے وصول کرتے تھے اور فتوای فروشی کا کام کرتے تھے، وہ بھی بند ہو جائے گا۔ قرآن پر ایمان لانے کے بعد تورات و انجیل کے نام پر فیصلہ کرنا جائز نہ ہوگا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ان لوگوں کو یہ خطرات درپیش تھے۔ پھر بھی اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری عزت و آبرو کو قائم رکھوں گا۔ اسلام لانے کے بعد تمہارا رتبہ اور درجہ اسی طرح قائم رہے گا چنانچہ ارشاد ہے:

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ۚ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ۫ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (سورہ اعراف/۱۵۶-۱۵۷)

اور میری رحمت گھیرے ہوئے ہے ہر چیز کو پس میں اسے لکھ دوں گا ان کے لیے جو پرہیز گاری کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور جو لوگ کہ ہماری آیتوں پر یقین کرتے ہیں جو لوگ کہ پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے وہ پاتے ہیں جسے لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں وہ حکم کرتا ہے انہیں نیک کام کا اور روکتا ہے انہیں برے کام سے اور حلال کرتا ہے ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان پر سے ان کا بوجھ اور قیدیں جو پڑی تھیں ان پر، پس جو لوگ ایمان لائے اس پر اور اس کی حمایت کی اور اس کی مدد کی اور پیروی کی انہوں نے اس نور کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب کو تسلی دی گئی کہ تمہاری عظمت بھی قائم رہے گی اور تمہیں اجر بھی دگنا ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں جو خطرات درپیش تھے۔ ان کا بھی ازالہ کر دیا اور فرمایا وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ۝ یعنی مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔ وَاِیَّایَ جب مقدم ہوا تو اس نے تخصیص کا مفہوم دیا۔ دنیا میں تمہارے لیے جو منفعتیں ہیں ان

میں سب سے زیادہ نفع بخش اور فائدہ مند چیز مجھے خوش کرتا ہے۔ ورنہ دنیا کی کوئی منفعت کام نہیں آئے گی۔ ہر منفعت کا بدل ہوسکتا ہے، لیکن جس کو اللہ چھوڑ دے اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔

ایک شاعر نے کہا ہے..... **لكل شيئي اذا فارقته عوض ...... وليس لله ان فارقته من عوض**

یعنی دنیا کی کوئی بھی چیز اگر آپ کے ہاتھ سے چھوٹ جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی بدل ہوسکتا ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے تیرا رشتہ و تعلق ٹوٹ گیا تو اس کا پھر کوئی بدل نہیں ہے۔ اہل کتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی وعدہ فرمایا تھا کہ

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا

(سورہ قصص/۵۲،۵۳،۵۴)

اور وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب اس سے پہلے وہی اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب پڑھ کر سنایا جاتا ہے ان کو تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر بیشک وہ سچی کتاب ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم تو تھے اس سے پہلے ہی حکم ماننے والے۔ انہی لوگوں کو دیا جائے گا۔ ان کا اجر دوبار۔ اس کے عوض جو انہوں نے صبر کیا۔

اس طرح صحیح مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمیوں کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک ان میں **رجل آمن بنبيه ثم آمن بمحمد صلى الله عليه وسلم** یعنی ایک وہ شخص ہے جو اپنے نبی پر بھی ایمان لائے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔ اہل کتاب کے لیے ایمان لانے سے مراد صرف اعتقادی ایمان نہیں ہے، بلکہ اعتقادی ایمان کے ساتھ ساتھ عملاً ایمان لانا مقصود ہے۔ جیسا کہ ہمارا ایمان سابقہ انبیاء پر اعتقاداً ہے، عملاً نہیں ہے اور اجمالاً ہے، تفصیلاً نہیں ہے۔ کیونکہ ایک نبی پر ایمان لانے کے بعد دوسرے نبی پر ایمان لانا بڑا مشکل ہے۔ آپ اس کا اندازہ نہیں کرسکتے۔ اس مشکل کے باعث ان کو دوگنا اجر ملے گا۔ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی ماننا کتنا مشکل ہے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ ایک پیر سے دوسرے پیر کی طرف منتقل ہونا مشکل ہے۔ اہل کتاب کا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اس سے کہیں مشکل تر ہے۔ سیاسی پارٹیوں سے بھی نکلنا اور دوسری پارٹی کی طرف منتقل ہونا پہلے مشکل ہوتا تھا، لیکن آج کل بہت آسان ہے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ الآيه

اور ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جو میں نے نازل کی، تصدیق کرتی ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے۔

یہاں پر وہ وعدہ یاد دلایا گیا ہے کہ ان سے وعدہ لیا گیا تھا کہ اگر تمہارے پاس کوئی نئی کتاب اور نیا رسول آجائے تو تم اس کی اتباع کروگے۔

وَلَا تَكُونُوٓا أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّٰىَ فَٱتَّقُونِ ﴿٤١﴾

اور نہ بنو تم ہی سب سے اول منکر اس کے اور نہ لو میری آیتوں پر دام تھوڑے اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

اَوّل کافر سے کیا مراد ہے؟

سورہ بقرہ مدنی سورۃ ہے اس میں مذکورہ احکام کے مخاطب مدینے والے اور پھر تمام انسان ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قران کریم ۱۳ سال مکہ مکرمہ میں نازل ہوتا رہا اور جیسا کہ معلوم ہے کہ اکثر اہل مکہ قرآن کریم کا انکار ہی کرتے تھے تو اول کافر کا مصداق تو وہی ہیں۔ مدینہ کے اہل کتاب تو بظاہر اول کافر کا مصداق نہیں بن سکتے۔ گویا وہ تو اول کافر کے مصداق ہونے سے عاجز ہیں۔ عاجز کو ایسے کام سے روکنا جو پہلے سے اس کے بس میں نہ ہو یہ تکلیف بمالا یطاق (طاقت سے بڑھ کر) ہے جو جائز نہیں ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسے کسی کو کہا جائے آسمان کی طرف نہ اڑنا، اور چاند پر مکان نہ بنانا۔

(۱) اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ کفر سے مراد خاص اہل کتاب کا کفر ہے، مطلق کفر مراد نہیں ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر چہ حقیقت میں اول کافر مشرکین مکہ تھے، لیکن اہل کتاب نہ ہونے اور ان پڑھ یعنی علم نہ رکھنے کی وجہ سے ان کے کفر کی وہ اہمیت نہ تھی۔ اس وجہ سے ان کے کفر کو نظر انداز کیا گیا اہل کتاب کا کفر باوجود علم اور سمجھ بوجھ کے تھا۔ یہ ایک خطرناک جسارت تھی۔ اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی' لہٰذا فرمایا کہ تم اے اہل کتاب پہلے منکر نہ بننا۔

(۳) اور تیسرا جواب یہ ہے کہ کفار مکہ کا کفر تو تمام کتابوں سے متعلق تھا، وہ کسی کتاب کو نہیں مانتے تھے اور اہل کتاب سابقہ کتابوں کو تو کسی حد تک مانتے تھے، لیکن قرآن کا انکار کر بیٹھے تو ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم کے پہلے منکر نہ بننا۔

وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا الخ

یہاں پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بیع میں ثمن و قیمت ہمیشہ مشتری کی طرف سے ہوتی ہے اور مشتری کی طرف سے ادا کی جاتی ہے، ثمن دیتا ہے لیتا نہیں اور اس آیت میں بائع کو مشتری بتایا گیا ہے اور ثمن قلیل کو بمنزلہ قیمت کے بنایا گیا یعنی آیات دے رہے ہیں اور ثمن قلیل لے رہے ہیں اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ثمن لے کر تحریف کرتے تھے تو یہ عجیب مشتری ہے کہ ثمن لیتا ہے دیتا نہیں ہے۔ اگر یہاں لفظ بیع ہوتا تو بات صاف ہوتی۔

(۱) اس اشکال کا پہلا اور حقیقی جواب تو یہ ہے کہ بیع و شرا کا فرق ایک موخر اصطلاح ہے، ورنہ بیع و شراء دونوں لفظ مترادف ہیں اور ایک دوسرے پر ان دونوں کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ امام راغبؒ لکھتے ہیں **ویقال للبیع الشراء و للشراء البیع** یعنی بیع پر شراء کا اور شراء پر بیع کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ

اور اس کو بیچ ڈالا تھوڑی قیمت یعنی گنتی کے درہموں کے عوض۔ (یوسف/۲۰)

گویا یہاں شروہ باعوہ کے معنی میں ہے۔ اسی طرح ایک حدیث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لا یبیعن احد کم علی بیع اخیہ** یعنی ہرگز تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے۔ ای لایشتـــری یعنی جب ایک آدمی کوئی چیز خرید رہا ہو تو جب تک وہ خرید نہ لے یا چھوڑ نہ دے' دوسرا آدمی اس کے خرید سے متعلق کوئی بات نہ کرے۔ یہاں بیع شراء کے معنی میں ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ ثمن اور مبیع میں سے ہر ایک کی طرف ثمن اور مبیع کی نسبت ہوسکتی ہے اور یہ نسبت عرف کے مطابق ہوگی کہ **و احد البدلین** میں سے عرف میں کون سا ثمن ہے اور کونسا مبیع ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے جب بیع وشراء باب افتعال سے ہوں تو خریدنے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں یعنی اشتراء وابتیاع اور جب مجرد ہوں جیسے باع وشریٰ تو پھر بیچنے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ اوپر سورہ یوسف کی آیت ''وشروہ'' سے معلوم ہوا۔

دوسرا سوال یہ ہوسکتا ہے کہ ثمن قلیل پر فروخت نہ کرو تو اگر مفہوم مخالف کا اعتبار کیا جائے تو کیا یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ اگر زیادہ ثمن ملے تو بیچتے رہو۔ اسی طرح اس نوعیت کا شبہ ''وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ'' پر بھی وارد ہو سکتا ہے کہ اول کافر نہ بنو تو کیا دوسرے نمبر پر (العیاذ باللہ) کافر بن سکتے ہو۔

الجواب: ہمارے احناف کے ہاں تو مفہوم مخالف معتبر ہی نہیں ہے، لہٰذا یہ دونوں سوال پیدا ہی نہیں ہوتے، البتہ جن کے ہاں مفہوم مخالف معتبر ہے ان کی طرف سے ہم یہ جواب دیتے ہیں (۱) پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف کا اعتبار وہاں ہوتا ہے جہاں آیت منطوق اور عبارۃ النص نہ ہو جبکہ یہاں مفہوم مخالف دلالۃ النص سے پیدا ہوتا ہے اور عبارت النص کا مسئلہ یہ ہے کہ جب دلالۃ النص اور عبارۃ النص میں تقابل ہو تو ترجیح عبارۃ النص کو ہوتی ہے لہٰذا یہ حمل علی القلیل ہے اور مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے۔ (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ خواہ قرآن کریم کا انداز خطاب کا ہو یا انسانوں کو کوئی دعوت دی جارہی ہو تو بعض افراد اس حکم سے خارج ہوتے ہیں۔ منکر پر بعض عمل کرنے والوں کو حکم سے خارج کرنے سے کیا مقصد۔ دراصل منکر کی قباحت وشناعت کو واضح کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح بعض منہیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ثمن کے ساتھ قلیل کی جو قید ہے وہ اسی قبیل سے ہے اور یہی جواب دوسرے شبہ کا بھی دیا جاسکتا ہے کہ اول کافر کی جو نفی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے اتنے احسانات ونعمتوں کے باوجود تم کافر نہ بنو اور کفر میں پہل نہ کرو۔ اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت کا حال ہے کہ فرمایا کہ سود در سود اضعافاً مضاعفاً نہ کھاؤ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کئی بار دگنا کر کے سود کھانا منع ہے اور ایک بار یا دو بار دگنا کر کے کھانا جائز ہے، بلکہ اس زمانہ میں سود کا جو نقشہ اور شکل تھی۔ قرآن کریم نے وہ نقشہ کھینچا ہے۔ ورنہ ایک بار سود ہو تب بھی

حرام ہے اور دو بار ہو تو پھر بھی حرام ہے۔ اسی طرح سورہ لقمان میں ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا پیدا کیے اس نے آسمان بغیر ستونوں کے کہ تم دیکھتے ہو ان کو۔ (سورہ لقمان/۱۰)

یہاں پر بھی مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کہ اگر ستون کے ساتھ آسمان ہوتے تو کیا پھر اس کا احسان نہ ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ ستون لگا بھی لیتے تو اتنی بڑی چھت کو ستونوں کے سہارے سے کھڑا کرنا بھی غیر معمولی بات ہے، لیکن بغیر ستون کے ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا مظہر اتم ہے۔

وَإِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ:

بسا اوقات طلبہ کے ذہنوں میں اس نوعیت کے سوالات ابھرتے ہیں کہ پہلے فرمایا تھا فَارْهَبُوْنِ اور اب فرمایا جا رہا ہے فَاتَّقُوْنِ ترجمہ دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے۔ صرف الفاظ بدلے ہوئے ہیں؟ اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ مترادف الفاظ کا استعمال حسن لفظی کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اور اس میں ایک گنا تفنن و لذت ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اصطلاحی فرق ہے، کیونکہ یہود متقی اور پرہیزگار کے لیے ر، ھ، ب استعمال کرتے تھے اور متقی کو راھب کہتے تھے، لیکن مسلمان متقی کہتے ہیں۔ ایک جگہ یہود کی اصطلاح کے مطابق فَارْهَبُوْنِ کہا اور دوسری جگہ مسلمانوں اور عربوں کی اصطلاح کے مطابق فَاتَّقُوْنِ استعمال کیا گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جس دین پر ہوتا ہے، اس دین کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ دوسروں کی اصطلاحات کو استعمال کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ بہرحال یہاں بنی اسرائیل کو دو طریقوں سے دعوت دی گئی ہے۔ ایک تو ان سے ایفائے عہد کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ دوسرا ان سے یہ کہا گیا کہ دلیل کامل کا اتباع کرو اور آباؤ اجداد کی رسوم کو چھوڑ دو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ الخ

یعنی خلط ملط نہ کرو اور تاویل باطل نہ کرو کیونکہ حق کو باطل سے خلط کرنے کا گناہ بہت زیادہ ہے۔ آج کل ملحدین اور زنادقہ یہی کچھ کر رہے ہیں اور فرق باطلہ بھی۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یعنی تم جانتے بھی ہو۔ اگر کسی شخص کو اجتہاد میں خطایا غلطی ہو جاتی ہے تو درگزر کر دی جاتی ہے، لیکن عمداً غلطی کرے تو معافی کے قابل نہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ

ویل لمن لایعلم مرة وویل لمن یعلم ولا یعمل سبع مرات۔

یعنی جو شخص نہ جانتا ہو تو اس کے لیے ایک بار ہلاکت ہے اور جو جاننے کے باوجود عمل نہ کرے تو اس کے لیے سات بار ہلاکت ہے۔

اس حدیث میں علماء کے لیے بڑی ترہیب ہے۔ یہودی جان بوجھ کر گناہ کرتے تھے، اس لیے ان کو سات گنا زیادہ عذاب ہوگا۔ وہ اگر یہ تلبیس نہ کرتے تو انہیں لازماً اسلام قبول کرنا پڑتا۔ وہ علماء بھی یہود کے راستے پر

گامزن ہوں گے جو جانتے بوجھتے دین حق کو چھپاتے اور دین کے حقائق کا انکار کرتے یا دین حق پر عمل سے گریز کرتے ہیں۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ یہاں صریح دعوت ہے یعنی نماز قائم کرو اور زکوۃ دیا کرو۔ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ جماعت کے ساتھ نماز ادا کیا کرو۔ یہاں نماز کی فرضیت کو الگ بیان کیا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو الگ بیان کیا۔

اہل کتاب کی ضلالت کی دوسری وجہ:

اہل کتاب کی ضلالت کی پہلی وجہ تو تحریف کتاب تھی۔ دوسری وجہ دوسروں کو نیکی کی تلقین اور خود عمل نہ کرنا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ الخ

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو جبکہ تم کتاب بھی پڑھتے ہو۔

یعنی یہ بہت بڑی قباحت ہے کہ تمہارا فعل کچھ ہے اور علم کچھ ہے۔ جیسا کہ سورہ صف پارہ ۲۸ میں ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

(سورہ صف/۲،۳)

اے ایمان والو کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ سخت ناپسند ہے اللہ کے ہاں کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں ہو۔

قول اور عمل کے تضاد سے متعلق بہت حدیثیں آئی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایسے لوگوں کے ہونٹ (بمقراض النار) آگ کی قینچی سے کاٹے جائیں گے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو خطبے دیتے تھے، وعظ کرتے تھے، لیکن خود عمل نہ کرتے تھے۔ بہرحال قول و عمل کا تضاد بذات خود ایک بڑا گناہ ہے، لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ اگر انسان خود عامل نہ ہو تو کسی اور کو بھی ترغیب نہ دے۔ یعنی یہ معنی نہیں کہ اگر خود عمل نہ کرے تو دوسروں کو بھی نہ کہے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ امر بالبر (نیکی کا حکم دینا) سے محروم ہو جائے گا حالانکہ وہ امر بالبر کا شرعاً مکلف ہے اور امر بالبر پر عمل کرنا چاہیے باقی کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب اپنا عمل ہی درست نہیں تو دوسروں کو کیونکر کہا جا سکتا ہے؟ کیونکہ جتنی وعیدات ہیں وہ اس بارے میں ہیں کہ خود عمل بھی نہ کرے اور کسی کو ترغیب بھی نہ دے۔ یا خود بھی برا عمل کرے اور دوسروں کو بھی شامل کرلے، لیکن امر بالبر یعنی نیکی اور بھلائی کا حکم تو بہرحال کرتے رہنا چاہیے۔ اس آیت میں دعوت کی نفی نہیں ہے۔ ہاں دعویٰ کرنے کو شدت سے رد کیا گیا ہے۔ اگر اس امر و ترغیب میں کوئی مشکل اور رکاوٹ پیش آتی ہے تو آگے اس کا علاج بتلایا جا رہا ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں درپیش مصائب کا علاج اور صبر کا پہلا مطلب:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ الخ

اور مدد حاصل کرو صبر اور نماز کے ذریعہ۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہاں صبر سے مراد صوم (روزہ) ہے تو حاصل یہ ہوا کہ مدد حاصل کرو صوم وصلواۃ کے ذریعہ۔ یعنی یہ دونوں چیزیں اختیار کرلو تو تمام اعمال آسان ہو جائیں گے۔ ایک روزے رکھو اور دوسرے نماز پڑھو۔ روزہ بھی تمام گناہوں سے بچنے کا ایک سبب ہے کیونکہ روزہ کے ذریعہ اکل و شرب، شھوۃ البطن اور شھوۃ الفرج (کھانے پینے، پیٹ کی چاہت اور شرمگاہ کی چاہت) پر کنٹرول ہو جاتا ہے اور قوت غضبیہ پر بھی کنٹرول ہو جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

واذا کان صوم احد کم فلا یرفث ولا یصخب فان سابه احد او قاتله فلیقل انی امرأ صائم (بخاری)

جب تم میں سے کوئی شخص روزہ سے ہو تو گالی گلوچ بھی نہ کرے اور سخت کلامی بھی نہ کرے۔

اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے جھگڑے تو کہے کہ میں روزہ سے ہوں۔

لڑائی جھگڑے کے وقت "انی صائم" کہنے کا مقصد یہ ہے کہ **اجتنب من الا کل و الشرب و البعال و الکفر و الفسوق و العصیان**، یعنی میں روزہ کی حالت میں کھانے پینے اور ہم بستری سے بچتا ہوں۔ اس طرح کفر، فسق اور نافرمانی کی باتوں سے بھی بچتا ہوں۔ لہٰذا وہ کسی کو فحش اور سخت جواب نہیں دیتا۔ اسی طرح نماز بھی برائیوں سے بچاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت/۴۵)

بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری باتوں سے۔

لہٰذا بندہ اپنی بندگی کا اقرار کرتا رہے۔ وہ اپنا دل اللہ تعالیٰ سے جوڑے رکھے اور اگر انسانی کمزوری کی وجہ سے گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

صبر کا دوسرا مطلب:

اگر صبر سے مراد صوم نہ لیا جائے، بلکہ مطلق صبر لیا جائے تو بھی درست ہے۔ کیونکہ امر بالبر میں مختلف مشکلات پیش آتی ہیں اور صبر کے بغیر وہ کام سرانجام دینا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ماالایمان؟ یعنی ایمان کیا ہے؟ تو فرمایا **الصبر و السخاوۃ** یعنی ایمان صبر اور سخاوت کا نام ہے۔ سخی سے مراد وہ شخص ہے جو بخل فی الاحسان نہ کرے۔ امر بالبر ایک مشکل کام ہے اور یہ کام صبر کی مدد اور سہارے کے

بغیر سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔ صبر سے پتا چلتا ہے کہ فلاں آدمی استقامت پر قائم ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ **الایمان نصفان نصف فی الصبر و نصف فی الشکر**، یعنی ایمان کے دو حصے ہیں ایک حصہ صبر یعنی مشکلات اور آزمائشوں پر صبر اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر۔

صلوٰۃ سے کیا مراد ہے:

صلواۃ سے مراد یہاں صرف فرض نماز ہی نہیں ہے، بلکہ نوافل بھی اسی میں شامل ہیں۔ نمازیں اخروی منافع کے ساتھ ساتھ دنیوی کاموں کے لیے بھی اکسیر ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ صلوٰۃ حاجت کا تعلیم فرمایا ہے اسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

عن عبداللہ ابن ابی او فی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ الی اللہ حاجۃ اوالی احد من بنی ادم فلیتوضاء بحسن الوضوء ثم لیصل رکعتین ثم یثنی علی اللہ ویُصِلِّی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم لیقل لا الہ الااللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمدللہ رب العلمین ، اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک و الغنیمۃ من کل بروالسلامۃ من کل اثم لا تدع لنا ذنبا الاغفرتہ ولا ھما الا فرجتہ ولا حاجۃ ھی لک رضیً الا قضیتھا یا ارحم الرٰحمینo (ترمذی ج۱)

حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰؓ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ یا کسی شخص کی طرف کوئی حاجت ہو تو اسے چاہیے کہ وضوء کرے اور اچھی طرح (پورے آداب کے ساتھ) وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر یہ دعا پڑھے (دعاء کا ترجمہ) نہیں ہے کوئی معبود سوا چشم پوشی اور بخشش کرنے والے اللہ پاک کے۔ اللہ جو مالک ہے عرش عظیم کا اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے ان چیزوں کو مانگتا ہوں جن پر رحمت ہوتی ہے اور جو تیری بخشش کا سبب ہوتی ہیں اور مانگتا ہوں اپنا حصہ ہر نیکی سے اور بچنا چاہتا ہوں ہر گناہ سے۔ اے اللہ، میرے کسی گناہ کو بے بخشے ہوئے اور کسی غم کو بے دور کئے ہوئے اور کسی حاجت کو جو تیرے نزدیک پسند ہو بے پورا کئے ہوئے نہ چھوڑ۔ اے بہت رحم کرنے والوں سے رحم کرنے والے! (دعاء ختم ہوئی)۔

تو جب کوئی مشکل پیش آجائے تو نماز کی طرف جاؤ۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ چنانچہ ابوداؤد نے سنن میں ایک روایت نقل کی ہے:

عن حذیفةؓ قال کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا احزبه امر فزع الی الصلوٰة

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مشکل کام پیش آتا تو آپ نماز کی طرف جلدی فرماتے تھے۔

صرف یہ نہیں، بلکہ میں آپ کو بتادوں کہ نسائی وابن ماجہ میں صہیب رومیؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کان الانبیاء یفزعون الی الصلوٰة

حضرات انبیاء مشکل کے وقت نماز کی طرف دوڑتے تھے۔

جیسے صلوٰۃ کسوف فزع ہی تو ہے۔ خسوف قمر ہوا تو نماز ہے۔ قحط ہے تو صلوٰۃ استسقاء پڑھی، گویا صلوٰۃ ہی تمام مشکلات کا مرجع ہے۔ اس لیے فرمایا کہ صلوٰۃ سے مدد طلب کرو وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ

یہ بھی بتلایا کہ امر بالصبر میں مشکلات آئیں گی، ان کو برداشت کرو۔

جو آدمی نماز نہیں پڑھتا، اس کے لیے یہ اتنی مشکل ہے کہ کھینچ کر لاؤ، گھسیٹ کر لاؤ۔ مسجد کے دروازے پر لے آؤ، تب بھی اس کے لیے نماز ناقابل برداشت ہے، لیکن ایک شخص نمازی ہے۔ اس کے لیے اتنی آسانی ہے کہ نماز کا وقت آئے تم زنجیروں سے باندھ دو، لیکن اسے قرار نہیں آئے گا۔ یا تو زنجیریں توڑ دے گا یا اشارے سے پڑھے گا۔

یہاں **فاقد الطهورین** (جس کے پاس نہ پانی ہو نہ مٹی) کا مسئلہ بھی ہے۔ یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ

حبس فی مکان نجس لم یتیمم ولم یتوضاء۔ یعنی آدمی ایسی جگہ قید ہے کہ پانی بھی موجود نہیں ہے اور جگہ بھی ناپاک ہے تو نہ تیمّم کرے گا اور نہ وضو۔

وہ کیا کرے اس مسئلے پر ائمہ کا اختلاف ہے:

عند ابی حنیفة یئوخر الصلوٰة و عند الصاحبین یتشبه بالمصلین۔

امام اعظمؒ کے ہاں نماز کو مؤخر کرے گا اور صاحبین کے نزدیک نمازیوں کے ساتھ مشابہت رکھے گا یعنی ارکان ادا کرتا رہے گا۔

وہ بعد میں قضا کرے گا۔ اس کے لیے نظائر موجود ہیں۔ روزے اور حج میں اس کے نظائر ہیں۔ ایک آدمی مسافر تھا گھر میں پہنچ گیا۔ دن میں تو وہ روزہ میں سارا دن تشبہ بالصائمین یعنی روزہ داروں کی طرح رہے گا۔ وہ کچھ کھائے گا پئے گا نہیں کہ روزہ بھی نہیں ہے کھانا پینا بھی نہیں۔ حج میں کسی آدمی کا حج فاسد ہوگیا۔ جب بھی وہ بھاگے گا نہیں۔ عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ **یفعل کما یفعل الحاج** وہ تمام اعمال کرے جو حجاج کریں گے۔ اس کے لیے حج کے اعمال چھوڑنا کبیرہ گناہ ہے۔ اسی طرح مذکورہ یہ آدمی پانچ وقت کی نماز تو نہیں پڑھ سکتا، مگر

خاشعین کی طرح رہے گا

الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۠ یہاں ظن بمعنی یقین ہے کہ ہمیں اپنے پروردگار سے ملنا ہے۔اور لوٹنے کا بھی یقین ہے۔

آج کے منافق:

نماز اس وقت بڑے بڑے لوگ نہیں پڑھتے۔علماء ومشائخ نہیں پڑھتے۔لوگوں میں پڑھتے ہیں، مگر اکیلے میں نہیں پڑھتے۔بڑے بڑے مبلغین کو دیکھا کہ نماز نہیں پڑھتے۔ایک وہ زمانہ تھا کہ منافقین جو یقیناً کافر تھے **فی الدرک الاسفل من النار** کا ان کے لیے حکم ہے، وہ بھی نماز نہیں چھوڑتے تھے۔کوئی بھی ثابت نہیں کرسکتا کہ کسی منافق نے نماز چھوڑی ہو۔ان کو دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا ڈر تھا۔باقی تمام کوتاہیاں کرتے تھے۔نماز علامت اسلام تھی، اس وجہ سے اسے نہ چھوڑتے تھے۔

و اذا قامو الٰی الصلوٰۃ قاموا کسالا o

طبیعت میں داعیہ چستی نہیں ہے، لیکن

یرائون الناس ولایذکرون اللہ الا قلیلاo (سورۂ نساء)

لوگوں کو (اپنی نمازیں) دکھاتے ہیں اور اللہ تعالی کو یاد نہیں کرتے، مگر تھوڑا۔

تو الاقلیلا یہ ہے کہ ہونٹ ہلالیتا ہے، لیکن جس طرح بھی ممکن ہوتا وہ نماز پڑھتے تھے۔باقی نماز چھوڑنے کے علاوہ تمام کوتاہیاں تھیں۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ

لایتخلف من الجماعۃ الامنافقo

جماعت سے پیچھے نہیں رہتا، مگر وہ جو منافق ہو۔یعنی کھلم کھلا منافق۔

وہ ارکان میں اعتدال نہیں کرتے تھے۔دیر سے پڑھتے تھے جیسے پہلے حدیث گزری ہے:

تلک صلوٰۃ المنافق یجلس یرقب الشمس حتی اذا اصفرت و کانت بین قرنی الشیطان قام فنقر اربعا لایذکر اللہ فیھا الا قلیلاo

حضورؐ نے فرمایا یہ عصر کی نماز جو آخری وقت میں پڑھی جاتی ہے منافق کی نماز ہے وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے جب سورج زرد ہوکر شیطان کے دو سینگوں کے درمیان چھپنے کے قریب ہوتا ہے تو جلدی سے اٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور اللہ کا ذکر بھی اس میں قدرے قلیل ہی کرتا ہے۔(مسلم)

اشارہ ہے نماز میں بے اعتدالی کا۔وہ ترک الصلوٰۃ نہیں کرتے تھے۔آج ہزاروں میں ایک مسلمان نماز

پڑھتا ہے۔ یہ منافقوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہ برملا ایسا کرتے ہیں۔ حقیقت میں اعتقاد میں ضعف ہے کہ وہ فرض ہی نہیں مانتے۔ یعنی نمازی ہونا اچھے ہونے کی علامت ہے اور نمازیوں میں تہجد گزار اچھا ہوتا ہے۔ بعض لوگ تو نفل گزار ہیں، لیکن بعض لوگ نماز ہی نہیں پڑھتے تو ایسے لوگوں سے کیا امید کر سکتے ہیں۔ وہ اسلام کے لیے کیا کریں گے۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ہم پر مصیبت پر مصیبت نازل ہو رہی ہے مگر ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ عذاب ہے۔ پورا ملک سیلاب کی زد میں ہے لوگ سڑکوں کے کنارے کھلے آسمان تلے پڑے ہیں۔ گھر، مکانات وغیرہ سب کچھ تباہ ہو چکا ہے مگر اُن سے پوچھو قسمیں دلا کر پوچھو کہ وہ آدمی جو عام نارمل حالات میں نماز نہ پڑھتا ہو اور اب پڑھی ہو۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا الخ یہاں بھی دوسری دفعہ **تذکیر بآلاء اللہ و تذکیر بما بعد الموت** ہے۔ میں نے تمہیں تمام جہان پر فضیلت دی ہے اور ڈرو اس دن سے کہ وہاں اس دن کوئی آدمی دوسرے کے بدل نہیں آ سکتا۔ نہ کسی نفس سے شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ ہی اس کی طرف سے بدلہ لیا جائے گا۔ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۝ نہ ان کی مدد کی جائے گی جب ہم نے تمہیں نجات دلا دی فرعون سے جو تمہیں برا عذاب دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔

فضیلت بنی اسرائیل:

یہاں پر بنی اسرائیل سے پھر خطاب ہے یہاں ایک خاص انعام کا ذکر ہے کہ تمام جہان کے لوگوں پر انہیں فضیلت دی ہے۔ بنی اسرائیل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں تقریباً چار ہزار پیغمبر آئے۔ ان کو تورات زبور، انجیل اور دوسرے صحیفے دیئے گئے۔ کتنے بادشاہ ہوئے کہ انہیں جنات پر بھی بادشاہت دی اور انسانوں پر بھی۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شیطان کو پکڑا اور کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اس کو اسطوانہ ابی لبابہؓ کے کھمبے سے باندھ دوں اور صبح تم سب دیکھو، لیکن اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آ گئی کہ

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۝
بولا اے میرے رب معاف کر مجھ کو اور عنایت کر مجھ کو ایسی حکومت کہ نہ شایاں ہو کسی کو میرے بعد بیشک تو بہت بڑا عنایت کرنیوالا ہے۔ (سورہ صٓ/۳۵)

فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ کی اس دعا کی وجہ سے میں نے اسے چھوڑ دیا تا کہ یہ احساس نہ ہو کہ سلیمانؑ کی طرح میری حکومت ہر چیز پر ہے۔ وہ تمام جہان کے لوگوں میں ان صفات سے ممتاز ہوئے۔ اس خصوصی نعمت کے ساتھ احسان جتلایا (یہ دعا اب بھی مانگی جا سکتی ہے) لیکن دعا شوق سے مانگی جاتی ہے۔

امراض اربعہ یہود:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ الخ
قوم یہود کی چار خرابیاں اس آیت میں مذکور ہیں۔ یہود میں سخت گروہ بندیاں، فرقہ بندیاں اور گہرے قومی

تعصّبات موجود تھے۔ اگر ایک شخص جرم کرتا تو کچھ لوگ اس کی حمایت کرتے ہوئے اُسے بچانے کی کوشش کرتے۔ حاکم کے ہاں مقدمہ پہنچتا تو وہ وہاں سفارش کر دیتے۔ اگر اس سے کام نہ چلتا تو رشوت دیتے۔ پیسے دے کر قاضی اور حاکم کو آمادہ کر لیتے۔ اگر مضبوط قاضی ہوتا تو پھر وہ بھی آخر بندہ ہے۔ یہ اس پر ہلّہ بول دیتے اور مجرم کو زبردستی چھڑوا لیتے۔ ان میں یہ تمام قباحتیں تھیں۔ اللہ نے فرمایا اس دن سے ڈرو کہ وہاں تمہاری یہ قباحتیں کام نہیں آئیں گی۔ وہاں تعصّبات نہیں ہیں۔ سفارش نہیں ہے۔ رشوت نہیں دی جاتی اور تم زبردستی بھی نہیں کر سکتے۔ تمہاری یہ چالیں تو اس دنیا میں ہی چلتی ہیں۔ وہاں تو یہ بات نہیں ہے۔

یہ آیت بظاہر معتزلہ کی دلیل بن سکتی ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں آخرت میں شفاعت ہے ہی نہیں۔ نہ شفاعت کبریٰ، نہ شفاعت صغریٰ۔ وہ یہ نہیں سمجھ پائے کہ یہاں جس شفاعت کو قبول نہ کرنے کا ذکر ہے، وہ ایک خاص طبقہ کے متعلق ہے۔ یہاں شفاعت کی مطلقاً نفی نہیں ہے۔ جو لوگ کفر کرتے ہیں، وہ کفار کے حق میں شمار ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے بارے میں خلود فی النار کا فیصلہ ہے۔ **اولئک اصحاب النار هم فيها خالدون** o

جہاں تک مومنین کا مسئلہ ہے جو کسی بھی دین برحق کو قبول کر چکے ہیں۔ ان کے بارے میں شفاعت یقیناً ہوگی اور اس کا ذکر صراحت سے موجود ہے۔ ایک آیت میں ہے:

انا لننصر رسلنا والذين امنوا في الحيوة الدنيا ويوم يقوم الاشهاد o

ہم اپنے رسولوں کی دنیا اور آخرت میں مدد کریں گے۔ **وحقاً علينا نصر المومنين** o یہ نصر ہی شفاعت ہے۔ ادھر **من ذالذي يشفع عنده الا باذنه** ۔ **الآ باذنه** کا استثناء اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کی اجازت کے ساتھ شفاعت ہوگی۔ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جمع ہوں گے اور دعا و نجات کی درخواست کریں گے۔ حضرت آدمؑ کہیں گے کہ میں نے تو خود لوگوں کو جنت سے نکالا ہے۔ پھر وہ خود کیسے داخل کرنے کا سبب بن سکیں گے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس لوگ جائیں گے۔ وہ فرمائیں گے میں نے دُنیا میں یہ دعا مانگی تھی۔

رب لاتذر على الارض من الكافرين ديارا o

اے میرے پروردگار زمین پر کسی کافر کا گھر (آباد) نہ چھوڑنا۔

اسی طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کی بابت میری سفارش قبول نہیں فرمائی تھی۔ اب کیسے قبول فرمائیں گے۔

لوگ پھر موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ بھی اس طرح جواب دیں گے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی درخواست پر پہلے تو شفاعت کی اجازت طلب کریں گے۔ پھر شفاعت کریں گے۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ (سورہ طٰہٰ/۱۰۹)

اس دن نہ نفع دے گی سفارش، مگر اسی کو جس کو اجازت دے گا رحمٰن اور پسند کرے گا اس کے لیے بولنا۔

اور فرمایا کہ ذوی القربیٰ کو بھی شفاعت کا حق دیں گے۔ نومولود بچے اللہ کے پاؤں میں پڑے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ والدین کو جہنم سے نکلوالیں گے۔ پھر فرشتوں کو بھی شفاعت کی اجازت ہوگی۔ پھر اللہ خود بھی ایک مٹھی بھر کر لوگوں کو جہنم سے نکالیں گے اور پھر شاید کوئی بھی مسلمان جہنم میں نہ رہے اور جہنم مسلمانوں سے شاید خالی ہو جائے۔

الامن سبق علیه القول ○

مگر جن کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے۔

پس جس کسی دل میں قدرے ایمان ہوگا وہ جہنم سے نکل جائے گا، لیکن تم لوگ اس پر کفایت نہ کرو۔ اس آیت سے آگے اللہ تعالیٰ نے پھر احسان جتلایا کہ جب بنی اسرائیل کو آل فرعون سے نجات دلائی تو فرعون کی اولاد نہ تھی۔ تب ہی تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو بیٹا بنایا تھا۔ یہاں کل متبعین فرعون کو آل کہا گیا ہے۔ ''یعنی جو کسی کی پیروی کرے وہ اس کا آل متصور ہوگا۔''

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ یہاں صیغہ جمع متکلم ہے اس سے پہلے انعمت وانی مفرد تھا۔ گویا انعام کرنے میں صیغہ مفرد ہے اور نجات کا ذکر کرنے میں جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: ایک ظالم سے نجات دلانا، یہ ایک بہت بڑی قوت اور طاقت کا کام ہے۔ بڑی قوت کے مظاہرے کے وقت ایسا صیغہ استعمال کیا گیا جو زیادہ طاقت اور قوت پر دلالت کرے۔ (اللہ ہمیں بھی بڑی قوت عنایت فرمائے) يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ۔

ایک بندے کو ذبح کرنا ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے، لیکن بچے کو قتل کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ بڑی شناعت کا کام ہے۔ پھر عورتوں کو زندہ چھوڑنا کہ عورتیں رہ جائیں تو وہاں عورتوں پر ہیبت آئے گی۔ وہ زندہ ہو کر بھی مردہ ہوں گی کہ

الرجال قوامون علی النساء ○

یعنی مرد عورتوں پر حاکم اور ان کے محافظ ہیں کا قانون جاری ہے۔

قوام نہ ہوں گے تو وہ بھی مر جائیں گی اور پھر آل فرعون کے ہاتھوں آل اسرائیل لونڈیاں بن جائیں گی۔ لونڈیوں اور غلاموں کی انسانیت ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ ہے يُذَبِّحُوْنَ میں بیٹوں کا ذکر ہے اور وہاں وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ کہا اور بنات نہیں کہا تو کیوں؟ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ بناتِكُمْ نہیں کہا جبکہ مراد یہاں بیٹیاں ہی ہیں۔ وہ بیٹے کی پیدائش کے ساتھ ہی ختم کر دیتے تھے کہ وہ دشمن تھے۔ بچیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ یہاں مراد تو بیٹیاں ہی ہیں۔ پھر بیٹیاں کیوں نہیں کہا یا پھر يُذَبِّحُوْنَ رِجَالُكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ کہا

جا تا؟ ایسا کیوں نہیں کیا؟

اصل میں جو ابناء ہوتے ہیں ان کے ساتھ باپ کو بڑی محبت ہوتی ہے۔ ان پر والدین کا حق نہیں ہوتا۔ وہ تو معصوم ہوتے ہیں۔ اس لیے حدیث ہے کہ جس آدمی کے تین بچے مرجائیں:

الذین لم یبلغ الحلم هم حجاب من النار

وہ لڑکے جو بلوغ کو نہ پہنچے ہوں، وہ جہنم کی آگ سے پردہ بنیں گے۔

یہاں چھوٹے بچوں کا ذکر ہے کہ ان کے مرنے سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ زیادہ ہے۔ بعض اوقات بڑے بچوں کے اعمال سیئہ کے سبب ان کے لیے ماں باپ خود کہتے ہیں کہ اے اللہ ان کو اٹھا لے۔ تو اس آیت میں عذاب کی شدت کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لیے اَبْنَآءَكُمْ کہا ہے کہ اس میں بڑی شناعت ہے۔ بڑوں کے قتل میں زیادہ شناعت نہیں ہے۔ جب یہ جھگڑا چلا تھا کہ بیٹے کی موجودگی میں مرے ہوئے بیٹوں کے پوتے ہیں جو شریعت میں وارث نہیں ہیں، ان کے لیے قانون بنایا گیا کہ پوتا اپنے مرے ہوئے باپ کا حصہ مانگ سکتا ہے۔ یہ پاکستان کا عائلی قانون ہے۔ کہتے ہیں کہ یتیم کو کیوں نہیں دیتے۔ ایک آدمی کا ایک بیٹا ہے اور ایک پوتا ہے۔ کبھی پوتا بڑا ہوتا ہے بیٹے سے تو پھر یہ یتیم کیوں ہوا۔ یتیم کہہ کر کہا کہ دیکھو کہ مولویوں نے چھوٹے چھوٹے بچوں پر ظلم کر دیا۔

ادھر نساءکم کہا کہ عورتوں کو قتل کرنا یا نقصان پہنچانا یا زندہ رکھنا استحیاء نساء ہے یعنی بڑی عورتیں زندہ رہیں تو یہ بھی عذاب ہے تو وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ میں بھی عذاب کا ذکر ہے۔ فرعون کے احسان کا ذکر نہیں ہے۔ عذاب نساء احیاء کے ساتھ ہے۔ یہاں نساءکم کہا بناتکم نہیں کہا۔ کیونکہ نساءکم میں قباحت زیادہ ہے بناتکم سے۔ پھر اللہ نے اس ظلم کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا اور پھر فرعون نے انہیں بیٹا بنالیا۔ پھر کئی طریقوں سے موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی۔ یہ سب احسانات بنی اسرائیل پر تھے۔ انھیں نجات دی گئی تو یہ بھی احسان عظیم تھا۔ تو فرمایا وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ کہ ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا اور فرعون کو غرق کر دیا۔ جسے تم دیکھتے رہے۔ جب تم کنارے تک پہنچ گئے تو تم سوچتے تھے کہاں جائیں۔ اللہ نے ایک خاص انعام فرمایا کہ سمندر میں راستہ دے دیا تھا۔ جب تم گزر گئے تو سمندر کو ملا کر فرعون کے گروہ کو غرق کر دیا۔ پھر ہماری امت کا فرعون ان کے فرعون سے بڑا ہے۔ جتنا بڑا نبی ہوتا ہے اتنا بڑا ان کا دشمن ہوتا ہے۔ وہ فرعون جب غرق ہوا تو فوراً کلمہ پڑھ لیا:

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو بولا میں نے یقین کر لیا کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس ذات کے جس پر ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں فرماں برداروں میں ہوں۔ (سورہ یونس/۹۰)

اُس وقت اس کا ایمان لانا بے کار تھا۔ کیونکہ عذاب کی آمد کے بعد ایمان معتبر نہیں۔ جب ابوجہل کو مارا گیا

اوراس کی گردن کو کاٹا گیا تو وہ تب بھی ایمان نہ لایا۔ بہر حال یہاں فرعون کے غرق ہونے کا ذکر کیا گیا۔

ایک دفعہ فرعون بیٹھا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک لڑکے کو مار رہا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو بڑا غصہ آیا۔ وہ اس مجلس سے جانے لگے تو پوچھا کیوں جاتے ہو۔ انہوں نے تخت کو لات ماری اور تخت الٹا ہو کر گر پڑا اور فرعون کی ناک سے خون نکل آیا۔ یہ بھاگ کر حضرت آسیہ کے پاس پہنچ گئے۔ پھر فرعون جب محل میں آیا تو انہیں بیٹھا ہوا پایا۔ اس نے حضرت آسیہ سے موسیٰ علیہ السلام کی شکایت کی۔ آسیہ نے کہا کہ بچے تو شوخیاں کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایسی کئی باتیں کیں، حتیٰ کہ داڑھی بھی نوچی۔ گویا بڑی گہما گہمی رہتی تھی۔

فرعون عاشورہ کے دن غرق ہوا۔ ۱۰ محرم کو آج کل لوگ سوگ مناتے ہیں اور اس کا روزہ بھی رکھتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ معظم و مقدس ہے کہ اس میں حضرت حسینؓ شہید ہوئے تھے۔ اس دن کا تقدس پہلی امتوں سے بھی چلا آرہا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حسینؓ مقدس دن میں شہید ہوئے۔ ان کی شہادت سے پہلے ہی یہ دن مقدس تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے اور بعض صحابہ نے یہ تجویز پیش کی کہ یہود کا مقدس دن ہے۔ اس دن فرعون غرق ہوا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو فتح ہوئی تھی تو یہود عید مناتے ہیں۔ ہم کیوں مشابہت کریں۔ فرمایا **نحن احق بموسٰی منهم** کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی خوشی میں یہود سے زیادہ حقدار ہیں۔ مسلم کی روایت ہے کہ **لئن عشت الی قادم لأ صو من التاسعة والعاشره** (اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو نویں اور دسویں کا روزہ رکھوں گا) یوں ہم یہود سے یہ فرق کر سکیں گے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور اگلے سال روزہ رکھنے کا موقع نہ ملا۔ حکم یہی ہے، کیونکہ لام تاکید کا ہے، ن تاکید بھی ہے۔ اس لیے عاشورہ کا ایک روزہ مکروہ ہے اور اگر نو کا نہ رکھ سکے تو گیارہ کا ملا لے۔ یہاں روزے کا حضرت حسین کی شہادت سے تعلق نہیں ہے، لیکن شیعوں کا اتنا بڑا پراپیگنڈا ہے کہ شیعوں نے لوگوں کا مزاج بدل دیا ہے۔ وہ بالا التزام حسین کی شہادت کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے بغیر دس محرم تصور کرنا ناممکن ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے دینی منافع کے لیے چالیس راتوں کے لیے بلا لیا اور ہم کلام کرنے کے لیے چالیس دن اپنے پاس رکھا۔ اس لیے چلہ کی اہمیت سامنے آ گئی۔ مشائخ کا چلہ اور تبلیغی جماعت کا چلہ بھی ثابت ہوا۔ چنانچہ وہ کوہ طور پر گئے تو تورات کا نزول دفعتاً واحدۃً ہوا ہے، لیکن یہ قوم بنیادی طور پر احسان فراموش تھی۔ سامری نے پوری قوم کو چاندی سونے کے بچھڑے کی پوجا پر لگا دیا۔ اس بچھڑے کے بارے میں اس نے بتایا کہ جبرائیل کے گھوڑے کے قدم سے سبزہ اُگتا ہے اس نے سونے چاندی کے بچھڑے کے منہ میں حضرت جبریلؑ کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے اُٹھائی گئی مٹی ڈال دی تو وہ بولنے لگا۔ پھر کہا کہ خدا تو یہاں آ گیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام تو وہاں تلاش کرتا پھرتا ہے۔ بنی اسرائیل بچھڑے کو سجدہ کرنے لگے تو موسیٰ غصہ میں بھرے ہوئے آئے اور ہارونؑ جو ان کے بھائی تھے، ان کے سر کے بالوں کو پکڑا اور پوچھا کہ تم نے کیوں نہیں روکا۔ انہوں نے کہا کہ یہ قوم باز نہ آتی تو آپ نے تختیاں پھینک دیں۔ چالیس دن کا چلہ لگا کر تورات دی گئی

لیکن قوم ہی ظالم ہو تو وہ کیا کریں۔ خدا کے سوا دوسروں کی طرف جھکنے والا ظالم ہے۔ یعنی حق کسی کا ہو، مگر کسی اور کو دے دینا۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں معاف کر دیا تا کہ تم شکر ادا کرو۔ آگے ایک اور احسان جتلایا۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ الخ

کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جو حق و باطل میں فارق ہے۔ تا کہ تم عقل مند ہو جاؤ۔ ہدایت والے ہو جاؤ۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ الخ

تو ان لوگوں نے کفر بعد الاسلام کیا۔ وہ مرتد ہو گئے۔ مرتد کی سزا قتل ہے۔ چنانچہ حدیث بخاری ہے:

من بدل دینه فاقتلوه۔

جو اپنے دین سے مرتد ہو جائے، اس کو قتل کر دو۔

اگرچہ آج کل کے مرتدین نے اس میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر اس کا دل کا عقیدہ تبدیل ہو گیا تو تم اسے اسلام پر کیسے رکھ سکتے ہو۔

موجودہ آئین میں تبدیلی:

ہمارے موجودہ آئین میں اور اس سے پہلے آئین میں ارتداد کا حق دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک مسلمان کفر کر سکتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک ارتداد بنیادی حق تھا، لیکن میں نے حکمت کے ساتھ اسے بدل دیا۔ میں نے کہا کہ تمہارا مقصد یہ ہے کہ تم ہر مذہب کو آزادی دینا چاہتے ہو تو یوں نہ کرو کہ ہر شہری کو اختیار ہے کو جو چاہے مذہب اختیار کرے، بلکہ ہر شہری کو حق ہے کہ وہ اپنے مذہب پر عمل کرے۔ بدلنے والی بات نہ کرو۔ پہلے مے ہز Mayhis کا لفظ تھا، میں نے اسے بدل دیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس کے بعد حکم ہوا کہ تم میں سے جس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اب بخشش کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ کے حضور توبہ کرو اور جو مجرم ہیں ان کو قتل کرو اس میں تمہارے لیے بھلائی اور بہتری ہے۔ تب انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آگے ایک قباحت اور پھر نعمت کا ذکر ہے:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ الخ

کہ جب تم نے کہا کہ ہم ایمان تب تک نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم خدا کو دیکھ نہ لیں۔ تم نے ایمان بالغیب کا انکار کیا تو آسمانی بجلی گری اور تم سب مردہ ہو گئے پھر اللہ نے تمہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ گویا تمام نعمتیں خصوصی بنی اسرائیل پر نازل ہو رہی ہیں۔

پھر جب تم میدان تیہ میں چالیس سال پڑے رہے تو اللہ نے بادل کا سایہ کر دیا، حالانکہ تم اپنے جرم کی سزا کاٹ رہے تھے۔ تم نے موسیٰ کو کہا کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑیں، ہم یہی بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں اللہ نے عذاب دیا تو بچانے کے لیے من و سلویٰ بھی دیا۔

قوم ارتقائی طریقوں سے اوپر جاتی ہے۔ پہلے قریہ کی اور بدوی زندگی ہوتی ہے اور کوئی خاص طرز معاشرت اور تکلف نہیں ہوتا۔ جنگل کی سادہ غذا سے کام چلا لیتے ہیں۔ جو مل جائے وہی غنیمت ہوتا ہے۔ یہود کی قوم نے بھی سادہ زندگی گزارنے کے لیے میدان تیہ میں وقت گزارا۔ وہاں من وسلویٰ نازل کیا اور پھر بادل سے سایہ بھی کیا، لیکن اتنے بڑے احسان کے باوجود وہ باز نہ آئے۔ وہ یہاں بھی ناکام ہو گئے۔ پھر آبادی کی زندگی دی۔ یہ دو قسم کی ہے۔ ایک شہری، ایک دیہاتی ہے۔ ان کو آبادی میں بھیجا۔

ان سے کہا گیا کہ حطہ، حطہ کہتے رہو تو وہ بجائے حطہ حطہ کے حنطہ حنطہ کہنے لگے۔ اسی طرح ان سے کہا گیا تھا کہ شہر کے دروازے سے جھکتے ہوئے اور سجدہ ریز ہو کر داخل ہو جاؤ، لیکن انہوں نے کمال خباثت سے نیچے سے پاؤں کو تو موڑا، سر کو نہیں موڑا۔ یہ لوگ اللہ کے حضور میں اتنے باغی تھے کہ صحرائی زندگی میں تھے تو ظلم کیا اور اب شہر کی زندگی میں بھیجا تو وہاں بھی ظلم کیا۔ یہ قوم کہیں بھی کامیاب نہیں ہو سکی۔ بھلا یہ قوم زندہ رہنے کے قابل ہو سکتی ہے؟ آپ کے ہاں کیا ہے کہ صحرائی بھی گناہ کرتے ہیں۔ خدا کا عذاب نازل ہونے کے باوجود بھی باز نہ آئے۔ سیلاب آ چکا ہے۔ اس حال میں بھی نماز نہیں پڑھتے۔ خدا کے سامنے سجدہ نہیں کرتے۔ شہری زندگی میں بھی ناکام ہیں۔ ایسی قوم کبھی زندہ نہیں رہ سکتی۔

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب
پھر جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا
بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ
اپنے عصا کو پتھر پر مار سو اس سے بارہ چشمے بہہ نکلے ہر قوم نے اپنا گھاٹ
مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾
پہچان لیا اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو ○
وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا
اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے سو ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا مانگ
مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ
کہ وہ ہمارے لئے زمین کی پیداوار میں سے ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کردے کہا کیا
أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا
تم اس چیز کو لینا چاہتے ہو جو ادنیٰ ہے بدلہ اس کے جو بہتر ہے کسی شہر میں اُترو بے شک جو تم مانگتے ہو تمہیں
سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ
ملے گا اور ان پر ذلّت اور محتاجی ڈال دی گئی اور انہوں نے غضب الٰہی کمایا یہ اس لئے کہ
بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا
وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لئے کہ
عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾
نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے ○

ع ۷

افاداتِ محمود:

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ

چونکہ بارہ قبیلے تھے تاکہ ہر قبیلہ ایک چشمہ سے پانی لیا کرے۔

صحرا میں انہوں نے بقل سبزی، قثاء ککڑی، فوم گندم، عدس مسور کی دال، بصل پیاز وغیرہ طلب کیے اهْبِطُوا مِصْرًا یہاں سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کو شہر بھیجا گیا کیونکہ شہری لوگ دال ساگ زیادہ پسند کرتے ہیں، لیکن بنی

اسرائیل شہر میں جا کر بھی ناکام ہوئے۔ یعنی صحراء، قریہ اور مصر تینوں جگہوں میں ناکام رہے تو یہاں تین سزائیں دی گئیں۔ مسکنت ہے، ذلت ہے، و باؤ بغضب من اللہ اس لیے کہ جرم بھی تین کئے تھے۔

یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ الخ

اور نافرمانی کی کفر کے علاوہ بھی۔

عصیان و عدوان کا اگرچہ بعد میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن وقوع سب سے پہلے ہے کہ نافرمانی پہلے کی ہے۔ پھر وہ تجاوز کر کے ترقی کر گئے تو انبیاء کا انکار کیا اور جب یہ کر لیا تو پھر انبیاء کو قتل کیا یعنی دلیل سمعی کا انکار کر دیا۔ اللہ کی وحی کی دلیل سے جان چھڑالی، لیکن عقلی دلائل تو موجود تھے۔ آخر میں ہے یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ کہ اللہ کی عقلی نشانیاں بھی ختم کر دیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ذکر میں تو پہلے کفر کا ذکر ہے پھر قتل انبیاء کا پھر عصیان کا، جبکہ وقوع ان امور کے برعکس ہے۔ پہلے عصیان پھر کفر پھر قتل انبیاء تو تذکرہ امر دافعہ کے مطابق کیوں نہیں ہے؟

یہاں برائی میں ترقی من الادنی الی الاعلی ہے، لیکن جہاں سزا کی دلیل کا درجہ بیان کیا جائے تو بڑی دلیل کا درجہ پہلے ذکر کرتے ہیں۔ اس لیے برعکس ذکر کیا گیا ہے۔ آپ اگر کسی کو سزا دیں تو بڑی شرارت کا پہلے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ ترکیب رکھی علی خلاف الوقوع۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب ان پر ذلت کی مہر لگ گئی تو آج یہود کیوں دندناتے پھر رہے ہیں۔ طاقت ان کے پاس ہے۔ دس کروڑ عرب بیس لاکھ یہودیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ

اخرجو الیھود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب○

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔

اصل میں یہ زمین مدینہ ہے۔ یہ لوگ اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لینا چاہتے ہیں۔ قرآن کریم میں آیت ہے:

ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ الخ (سورہ آل عمران/۱۱۲)

ڈالی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں وہ جائیں، مگر بوجہ عہد کر لینے کے اللہ سے اور عہد کر لینے لوگوں سے۔

کہ یہ لوگ یا تو اللہ کے ساتھ تعلق قائم کریں یا لوگوں کی رسی پکڑ لیں تو یہ استثناء ہے۔ ان کا اللہ سے تو کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن بڑی طاقتوں سے تعلق ضرور ہے۔ اسرائیل کی حکومت کو یورپ و امریکہ نے زبردستی بٹھایا ہے۔ ان کا مقصد ہی سیاسی برتری ہے۔ جب سے تیل نکلنا شروع ہوا ہے، تب سے یہ اسرائیل بنا دیا ہے۔ تاکہ سیاسی ضربیں لگا کر تیل حاصل کر سکیں۔ جب تک یہ لوگ عرب کے محتاج ہیں، تب تک یہ اسرائیل کو قائم رکھیں

گے۔ ورنہ عرب ایک دن میں ان کا مقابلہ کرلیں گے۔ یہ بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ہے۔ اسرائیل اپنی طاقت نہیں ہے۔ دوسری وجہ ہے کہ مسلمان بھی یہودی ہو گئے ہیں۔ کون سی بات یہود میں ہے جو تم میں نہیں ہے۔ غلط فتویٰ دینا آیات اللہ کے بدلے ثمن قلیل لینا، کون سا وصف ہے جو آج مسلمانوں میں نہیں ہے۔

جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

لتتبعن سنن من کان قبلکم. (بخاری)

البتہ ضرور تم سابقہ امتوں کے لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے۔

یہود کہتے تھے:

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُودَةً

ہم کو ہرگز آگ نہیں چھوئے گی، مگر چند دن گنتی کے۔ (بقرہ/۸۰)

اور اسی طرح کہتے تھے:

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا أَوْ نَصٰرٰى ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

اور وہ کہتے ہیں ہرگز داخل نہ ہوگا جنت میں کوئی بھی سوائے یہود یا نصاریٰ کے۔ یہ تو ان کے ڈھکوسلے ہیں۔ کہہ دیجیے لے آؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔ (بقرہ/۱۱۱)

اسی طرح یہود و نصاریٰ کہتے تھے **نحن ابناء الله و احبائه** یعنی ہم اللہ تعالی کے بیٹے اور پسندیدہ بندے ہیں۔ (سورہ مائدہ)

آج مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ

جو کوئی مسلمان اور یہودی اور نصرانی اور صابئی اللہ اور

وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ

قیامت کے دن پر ایمان لائے اور اچھے کام بھی کرے تو ان کا اجران کے رب کے ہاں

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ

موجود ہے اور ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ

اور تم پر کوہِ طور بلند کیا جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوط پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم

تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ

پرہیزگار ہو جاؤ ۝ پھر تم اس کے بعد پھر گئے سو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم

مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ

تباہ ہو جاتے ۝ اور بیشک تمہیں وہ لوگ بھی معلوم ہیں جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن زیادتی کی تھی پھر ہم نے ان سے کہا

كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً

تم ذلیل بندر ہو جاؤ ۝ پھر ہم نے اس واقعہ کو اس زمانہ کے لوگوں کے لئے اور ان سے پچھلوں کے لئے عبرت اور

لِلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا

پرہیزگاروں کے لئے نصیحت بنا دیا ۝ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے

بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٦٧﴾

ذبح کرو انہوں نے کہا کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میں جاہلوں میں سے ہوں ۝

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ

انہوں نے کہا ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کر کہ ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے

وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

نہ بوڑھی اور نہ بچہ اس کے درمیان ہے پس کر ڈالو جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے ۝ انہوں نے کہا ہمارے لئے اپنے رب سے

يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا
دُعا کر کہ ہمیں بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک زرد گائے ہے اس کا رنگ خُوب گہرا ہے دیکھنے والوں کو بھلی
تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ إِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۚ
معلوم ہوتی ہے ○ انہوں نے کہا ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کر ہمیں بتائے کہ وہ کس قسم کی ہے کیونکہ وہ گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی
وَإِنَّآ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُوْلُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ
ہے اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور پتہ لگالیں گے ○ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے محنت کرنے والی نہیں جو
الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۚ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ
زمین کو جوتتی ہو یا کھیتی کو پانی دیتی ہو بے عیب ہے اس میں کوئی داغ نہیں انہوں نے کہا اب تو نے ٹھیک بات بتائی
فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾
پھر انہوں نے اسے ذبح کر دیا اور وہ کرنے والے تو نہیں تھے ○

ع ۸

افاداتِ محمود:

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا الخ

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ یہود کو دعوت دیتے ہیں ایمان اور عمل صالح کی۔ یہود کی بہت سی حیلہ سازیاں ہیں۔ اسلام کے متعلق ان کی بہت لیت ولعل ہے۔ یہاں ان کی مذمت کا ذکر ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ سے اللہ تعالیٰ کا ایمان کے سوا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اگر ایمان لے آئیں تو مسلمانوں کی طرح سیدھی سادی زندگی گزاریں گے۔ عمل صالح اب اسلام ہی میں منحصر ہے۔ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ بعض لوگ اس کی تاویل کرتے ہیں کہ حقیقت میں رفع طور نہ تھا، بلکہ ان کو ویسا معلوم ہوتا تھا۔ اس طرح فاسد تاویلیں وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت، عادت اور تقدیر کے منکر ہیں، ہم وہ لوگ نہیں ہیں، بلکہ ہم بغیر کسی تاویل کے اس آیت کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ ایک گونہ لٹکا دیا تھا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ورفعنا فعل ماضی جمع متکلم کا صیغہ ہے اور فعل حدوث پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا حقیقی رفع مراد ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ الخ

خٰسِئِيْنَ کتے یا کسی ذلیل جانور کو دفع اور دور کرنے کے لیے جو لفظ استعمال ہوتا ہے جیسے چخ چخ تو خاسئین کے معنی ہے چخ کئے ہوئے، رانئدہ درگاہ۔ یہاں یہود کی ایک اور قباحت اور عملی خیانت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہفتہ کے روز مچھلیوں کے شکار کو حرام وممنوع قرار دیدیا تھا، لیکن وہ کب باز آنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان

کو اس طرح امتحان میں مبتلا کیا کہ عام دنوں میں مچھلیاں پانی کی تہہ میں ہوتی تھیں اور ہفتہ کے روز بالکل پانی کی سطح پر چل پھر رہی ہوتی تھیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے......

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾

(سورہ اعراف/۱۶۳)

اور پوچھیے ان سے اس بستی کی بابت جو واقع تھی سامنے سمندر کے جبکہ وہ حد سے بڑھ رہے تھے سبت کے بارے میں جبکہ آتی تھیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں ہفتہ کے روز پانی کے اوپر اور جو دن ہفتے کا نہ ہوتا تو نہ آتی تھیں ان کے پاس۔ اسی طرح ہم آزماتے تھے انہیں بسبب ان کی نافرمانیوں کے۔

گویا مچھلیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے شعور نصیب فرمایا ہے۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ حرم میں کتنے کبوتر آتے رہتے ہیں۔ ڈرتے نہیں ہے۔ ان کو بھی یہ شعور ہے کہ لوگ ہمیں یہاں شکار نہیں کرتے، لیکن آج کل ان کو بھی لوگ معاف نہیں کرتے، پکڑ لیتے ہیں۔ بہر حال اللہ کا کرنا یہ ہوتا کہ ہفتہ کے روز مچھلیاں بہت زیادہ اور پانی کی سطح پر ہوتی تھیں۔ انہوں نے حیلہ کر دیا کہ سمندر کے کنارے ایک حوض بنا دیا اور سمندر سے ایک نکاس بنا دیا۔ ہفتے کے روز وہ نکاس کھول دیتے تھے۔ وہ مچھلیوں کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ پھر وہ نکاس بند کر لیتے تھے اور اگلے روز مچھلیاں پکڑ لیتے تھے۔ یہ حیلہ انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کو ہٹانے کے لیے کیا تھا، حالانکہ شکار کا معنی ہی یہ ہے کہ آپ نے کسی جانور یا پرندکی آزادی سلب کر کے اس کو پابند کر لیا۔ پرندوں اور جانوروں کو چڑیا گھر میں رکھنا بھی شکار ہے۔ یہود نے جب مچھلیوں کو حوض میں بند کر دیا تو یہ بھی شکار کے حکم میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہفتہ کے روز کی جس تعظیم کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا، انہوں نے وہ تعظیم نہیں کی۔

كُونُوا قِرَدَةً الخ

بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ وہ حقیقت میں بندر نہیں بنائے گئے تھے، بلکہ یہ تشبیہ فی الذات ہے۔ یہ تاویل خواہ مخواہ ایک فرسودہ رائے کو برداشت کرنا ہے۔ ہماری رائے وہی ہے جو جمہور مفسرین کی ہے کہ وہ حقیقت میں بندر بنا دیئے گئے تھے اور بندروں والی تمام صفات ان میں موجود تھیں، البتہ وہ اپنے عزیز و اقارب کو پہچان لیتے تھے اور ان کو اس بات کا احساس تھا کہ ان کو انسان سے بندر بنایا گیا ہے۔ یہ سزا دو قسم کے لوگوں کو دی گئی تھی۔ (۱) وہ لوگ جو ظالم تھے اور جرم کرنے والے تھے۔ (۲) اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے ان کو اس جرم و ظلم سے روکا نہیں تھا، لہٰذا ایسے بزرگان دین و مشائخ جو لوگوں کو برائیوں سے اور گناہوں سے منع نہیں کرتے ان کو اپنی فکر کرنی چاہیے۔ ورنہ وہ بھی ظالموں میں شمار ہوں گے۔ دین میں جو تحریف کی جارہی ہے، ردوبدل کیا جارہا ہے، ان کا

مقابلہ مشائخ اور بزرگوں کو کرنا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو یہ سزا ہوئی تھی، وہ تین دن کے بعد ہلاک ہو گئے تھے اور ان کی نسل کا کوئی بندر باقی نہیں رہا۔ یہ جو موجودہ بندر ہیں، یہ جانور ہیں۔ ان کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ الخ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بہت چوں و چراں کرتی تھی اور تعمق (ہر بات کی گہرائی تک جانا) کی خوگر تھی۔ چنانچہ ایک شخص قتل کیا گیا اور قاتل کا پتا نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمیں قاتل کا پتا کسی طریقے سے چل جائے تو ہم کارروائی کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بیل ذبح کرنے کا حکم صادر فرمایا کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ قاتل کو ظاہر فرمائیں گے، لیکن ان لوگوں نے ایک آسان حکم کو سوالات کر کے مشکل بنا دیا۔ آگے اس واقعہ کی تفصیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا ضابطہ اور قانون فطرت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایک حکم کو مطلق چھوڑ دیں اور اس کے ظاہر پر عمل کرنا ممکن ہو تو پھر خواہ مخواہ تعمق میں پڑ کر طرح طرح کے سوالات کرنا بے ادبی بھی ہے اور اپنے لیے دائرے کو تنگ کرنے والی بات بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ (مائدہ/۱۰۱)

اے ایمان والو نہ سوال کیا کرو ایسی باتوں کی نسبت اگر ظاہر کر دی جائیں تم پر تو تمہیں تکلیف ہو اور اگر تم پوچھو ان کی بابت جبکہ نازل ہو رہا ہو قرآن تو وہ ظاہر کر دی جائیں تم پر۔ درگزر کیا اللہ نے ان سے اور اللہ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔

فَارِضٌ، بوڑھی، **بِكْرٌ** بالکل جوان، **فَاقِعٌ** گہرا رنگ، **لَمُهْتَدُوْنَ** اس بقرہ کی کیفیت کی حقیقت کا پتا پالیں گے۔ **لَا ذَلُوْلٌ** یعنی حاملہ نہ ہو۔

آگے بقرہ کی صفات بیان کی جا رہی ہیں۔ جیسے جیسے سوالات پوچھتے گئے ویسے ویسے صفات کا ذکر ہوتا گیا۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ

اور جب تم ایک شخص کو قتل کر کے اس میں جھگڑنے لگے اور اللہ

مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى

ظاہر کرنے والا تھا اس چیز کو جسے تم چھپاتے تھے ۞ پھر ہم نے کہا اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو اسی طرح اللہ مُردوں کو زندہ

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

کرے گا اور تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو ۞ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے گویا کہ

ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا

وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بعض پتھر تو ایسے بھی ہیں

يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ

جن سے نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جو پھٹتے ہیں پھر ان سے پانی نکلتا ہے اور بعض

مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

ایسے بھی ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ۞

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ

کیا تمہیں یہ اُمید ہے کہ یہود تمہارے کہنے پر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں ایک ایسا گروہ بھی گزرا ہے جو اللہ کا کلام

ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ

سُنتا تھا پھر اسے سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر بدل ڈالتا تھا ۞ اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں

اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا

جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ ایک دوسرے کے پاس علیحدہ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم

فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاۗجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ

انہیں وہ راز بتا دیتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولے ہیں تاکہ وہ اس سے تمہیں تمہارے رب کے رُوبرو الزام دیں کیا تم نہیں سمجھتے ۞ کیا وہ

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں ۞ اور بعض ان میں سے اَن پڑھ ہیں

الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ
جو کتاب نہیں جانتے سوائے جھوٹی آرزؤوں کے اور محض اٹکل پچو باتیں بناتے ہیں ○ سوافسوس ہے ان لوگوں پر جو اپنے
بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا
ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ اس سے کچھ روپیہ کمائیں
فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَ وَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ قَالُوْا لَنْ
پھر افسوس ہے ان کے ہاتھوں کے لکھنے پر اور افسوس ہے ان کی کمائی پر ○ اور کہتے ہیں کہ
تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ
ہمیں سوائے چند گنتی کے دنوں کے آگ نہیں چھوئے گی کہہ دو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے کہ
یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰی مَنْ
ہرگز اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا یا تم اللہ پر وہ باتیں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے ○ ہاں جس نے
كَسَبَ سَیِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ
کوئی گناہ کیا اور اسے اس کے گناہ نے گھیر لیا سو وہی دوزخی ہیں وہ اس میں
فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ
ہمیشہ رہیں گے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے وہی بہشتی ہیں
هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾
وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

افاداتِ محمود:

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا الخ

اب یہاں سے یہود کی علمی کمزوریوں کو بیان کیا جارہا ہے اور اس ضمن میں گذشتہ واقعہ کا بقیہ حصہ بیان کیا جاتا ہے۔ وقوع کے اعتبار سے اگرچہ قتل کا واقعہ مقدم اور ذبح بقرہ کا واقعہ مؤخر ہے، لیکن قرآن کریم قصوں اور کہانیوں کی کتاب نہیں۔ نہ قصہ برائے قصہ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، بلکہ اس میں جو ہدایات ہوتی ہیں، ضابطے ہوتے ہیں، وہ مقصود ہوتے ہیں، لہٰذا ترتیب کا کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا۔ عامین نامی شخص کو اس کے چچازاد بھائیوں نے قتل کیا تھا تا کہ لاولد ہونے کی وجہ سے اس کا سارا مال وہ ہڑپ کر جائیں۔ اب یہ لوگ قتل کی ذمہ داری ایک دوسرے پر

ڈالتے تھے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے کہ ہمارا رشتہ دار مارا گیا ہے اور ہمیں اس کے قاتل کا پتا نہیں چل رہا۔

فَادّٰرَءْتُمْ یہ اصل میں تدارأتم باب تفاعل ثلاثی مزید فیہ سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے ت اور دال قریب المخرج ہونے کی وجہ سے ت کا دال میں ادغام کر دیا گیا۔ مدغم ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ابتداء باالساکن ممکن نہیں ہے، لہٰذا شروع میں همزہ وصل لگا دیا اِدّٰرَءْتُمْ بن گیا پھر شروع میں فَا کے آنے کی وجہ سے ہمزہ وصلی گر گیا فَادّٰرَءْتُمْ بن گیا۔

وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''مخرج'' جو باب افعال ثلاثی مزید فیہ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ یہ زمانہ حال یا استقبال پر دلالت کرتا ہے اور ما کنتم ثلاثی مجرد باب نصر سے جمع مذکر حاضر فعل ماضی کا صیغہ ہے گویا کتمان زمانہ ماضی میں ہے اور اس کا افشاؤ اظہار مستقبل میں ہے تو اس کا کیا فائدہ؟ جواب اس کا یہ ہے کہ واقعہ اگر چہ ماضی میں ہوا تھا، لیکن اس کا کتمان زمانہ ماضی قریب میں ہوا تھا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو ظاہر فرمایا، لہٰذا اشکال کی کوئی بات نہیں ہے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ

اِضْرِبُوْهُ میں ضمیر منصوب متصل نفساً کی طرف راجع ہے۔ ببعضها ای بعض البقرة بعض سے بقرہ کے جسم کا کونسا حصہ مراد ہے۔ (۱) بعض مفسرین کے ہاں لسان مراد ہے کیونکہ جس شخص کو قتل کیا گیا تھا، اس کے قتل کا منصوبہ بھی لسان سے بنایا گیا تھا تو لسان کا تعلق ظاہر ہے۔ بقرہ کے ذبح سے مقصد بھی نطق وکلام تھا کہ قاتل کا پتا چل سکے۔ (۲) بعض کے ہاں بعضها سے عجب الذنب مراد ہے یعنی ریڑھ کی ہڈی کا آخری حصہ۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ حشر کے دن جب انسانوں کو زندہ کیا جائے گا تو ان کے جسموں کے وہ اجزاء جو مٹی بن چکے ہوں گے، ان کو اسی ہڈی سے دوبارہ جوڑ کر اور پیوستہ کر کے ان کو زندگی بخشی جائے گی۔ حاصل یہ ہے کہ یہی ہڈی قیامت کے روز زندگی کا ایک سبب بنے گی۔ اسی طرح یہاں بھی اس ہڈی کے ذریعہ مردہ کو زندہ کیا گیا۔ (۳) بعض مفسرین کے ہاں بین الکتفین کا گوشت مراد ہے یعنی دونوں کاندھوں کے درمیان کا گوشت (۱) لیکن یہاں میرا بھی وہی خیال ہے جو اکثر محققین مفسرین کا ہے کہ بعض کے مصداق کو متعین کرنے کے لیے کوئی مستند روایت موجود نہیں ہے جس سے بعض کو متعین کیا جا سکے۔ اس طرح کے تعمق کرنا یہود کا خاصہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بعض کو مطلق چھوڑ دیا تو ہمیں مطلق ہی رکھنا چاہیے اور اسرائیلی روایات سے مدد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال بقرہ کا کوئی حصہ اس مقتول کے ساتھ لگایا گیا وہ زندہ ہو گیا اور قاتل کا نام بھی بتا دیا۔ پھر اس قاتل کو قصاص میں قتل کیا گیا اور وہ میراث سے بھی محروم کیا گیا۔ یہی حکم آج اسلام میں بھی جاری اور قائم ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

کہ ماورث قاتل بعد صاحب البقرۃ یعنی جب سے وہ شخص میراث سے محروم کیا گیا، جس نے چچازاد بھائی کو قتل کیا تھا اور وہ بقرہ کے ذریعہ زندہ ہوکر اس نے اپنے قاتل کا نام بتلایا دیا تھا، اس کے بعد کسی قاتل کو میراث نہیں ملی۔ اسی طرح جو عورت کا قاتل ہو وہ اس کا وارث نہیں۔ اس حکم کو اسلام میں باقی رکھا گیا ہے، قتل مانع ارث ہے۔

کیا قصاص کے لیے؟ مقتول کا قول حجت ہے:

اب یہاں پر یہ مسئلہ حل طلب ہے کہ اگر کوئی شخص زخمی ہو جاتا ہے اور اس میں زندگی کی تھوڑی سی رمق باقی ہو۔ جب اس سے پوچھا جائے وہ کسی کو اپنا قاتل ظاہر کردے تو کیا قصاص کے لیے یہ قول کافی ثبوت ہے جبکہ قاتل کی طرف سے کوئی اقرار جرم بھی نہ ہو۔ اسی طرح یہ بات بھی تشنہ تحقیق ہے کہ اگر کوئی مردہ زندہ ہوکر کسی بات کی شہادت دیتا ہے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

الجواب: اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مقتول کا قول اگرچہ حجت نہیں ہے، لیکن اس سے تلویث متعلق ہو جاتی ہے۔ مقتول کے اس کہنے پر اس کو گرفتار کیا جا سکتا ہے اور اس سے تفتیش کی جا سکتی ہے، لہٰذا ایسا ممکن ہے کہ جب مقتول نے زندہ ہوکر قاتل کا نام بتلا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گرفتار کرکے پوچھ گچھ کی اور اس نے اعتراف جرم کرلیا۔ قاتل کا اقرار حجت شرعیہ ہے اور اس کو قصاص میں قتل کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت زیورات سے آراستہ باہر نکلی تو کسی شخص نے اس کو مار کر اس کا زیور چھین لیا۔ اس عورت میں ابھی زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔ بول نہیں سکتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محلے داروں کے نام اس کے سامنے لیتے جاؤ اور اس سے پوچھتے جاؤ کہ مارنے والا کون ہے۔ اس کے سامنے نام لیے جانے لگے۔ جب مارنے والے کا نام آیا تو اس عورت نے سر ہلایا۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو گرفتار فرمایا اور اقبال جرم کرنے کے بعد اسے قصاصاً مارا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج۱) ممکن ہے کہ یہاں بھی اسی طرح کی بات ہوئی ہو۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ جب یہ شخص معجزانہ طور پر زندہ کیا گیا تو اس کا قول حجت ہے۔ اس کے کہنے کی وجہ سے اس شخص کو قصاصاً قتل کرنا جائز تھا۔

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم الکلام کی کتابوں میں متکلمین اسلام نے لکھا ہے کہ اگر کسی پیغمبر کی دعا سے کوئی شخص معجزانہ طور پر زندہ ہو جائے اور زندہ ہونے کے بعد پیغمبر کے حق میں گواہی دے کہ یہ پیغمبر ہیں یا خدانخواستہ پیغمبر کی تکذیب کرے تو اس کا قول حجت نہیں ہے۔ پیغمبر کا معجزہ صرف اس کو زندہ کرنا ہے۔ باقی اس کا قول حجت نہیں ہے۔ اگر یہ ضابطہ درست ہے تو پھر صاحب البقرہ کی شہادت پر کارروائی کیونکر جائز ہوئی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ (واللہ اعلم) کوئی شخص معجزانہ طور پر زندہ ہوکر گواہی دیتا ہے۔ پھر اس کے اس قول اور فعل کو نبی کی تائید بھی حاصل ہو تو یہ قول وفعل حجت ہوگا اور اگر نبی کی تائید حاصل نہ ہو تو پھر میت کا قول بعد الحیات حجت نہیں۔

کیونکہ انسان جب موت کے بعد زندہ ہوتا ہے تو اس کے تمام حواس عقل، وہم، خیال وغیرہ بھی ساتھ ہی زندہ ہو جاتے ہیں اور قبل الممات ان حواس میں خطاء وغلطی کا امکان موجود ہے تو اسی طرح دوبارہ زندہ ہونے کے بعد بھی خطا اور غلطی کا احتمال بدستور موجود ہے۔ البتہ اگر کوئی بے جان چیز نبی کے معجزہ کے طور پر کلام کرے جیسے شجر وحجر وغیرہ تو اس کا قول علی الاطلاق حجت ہوگا۔ کیونکہ وہاں پر قوت حس خیال وہم وغیرہ کا امکان نہیں ہے۔ غیر جانبدار کا بولنا حقیقت میں نبی کی نبوت کا بولنا ہے۔ لہٰذا ان کا قول حجت ہوگا۔ جبکہ انسان کا بعد الممات زندہ ہوکر بولنا حسب العادۃ ہے کما کان قبل الممات جیسا کہ وہ مرنے سے پہلے بولتا رہا۔

قاتل نامعلوم ہونے کی صورت میں مقاسمہ کا حکم:

اسلام میں یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص مقتول پایا جائے اور قاتل معلوم نہ ہو تو مقاسمہ کا ضابطہ وقانون موجود ہے، لہٰذا مردہ کو زندہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ جس آبادی میں مقتول پایا گیا ہے۔ وہاں کے پچاس آدمیوں کو منتخب کر کے ان سے یہ حلف لیا جائے گا۔

واللہ ماقتلته و ماعلمت له قاتلاً۔

اللہ کی قسم نہ تو میں نے اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی اس کے قاتل کی بابت کچھ علم رکھتا ہوں۔ اگر پچاس کے پچاس لوگوں نے قسم اٹھائی تو دیت لازم آئے گی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے ذریعہ اپنی قدرت کا اظہار فرمایا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دوبارہ زندہ ہونا حق ہے اور ایسا ہونا ممکن ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسی طرح مردوں کو بھی زندہ فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کے جزوی واقعات بھی رونما فرماتے ہیں تاکہ تم لوگ احیاء بعد الممات کو سمجھو۔ اس لیے اتنا بڑا واقعہ پیش فرمادیا اور دلیل وحجت قائم فرمادی، لیکن یہود تھے کہ پھر بھی دین کی طرف نہ لوٹے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ الخ یعنی تمام معجزات کے بعد بھی تمہارے دل پتھر کے پتھر رہے، بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوگئے کیونکہ پتھر تو کچھ نہ کچھ متاثر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے، لیکن تمہارے دلوں پر نہ معجزات کا اثر ہوتا ہے، نہ وحی الٰہی کا، نہ گفتار رسول الٰہی کا۔

اقسام الحجر فی القرآن نافع عام، نافع خاص، ساکت:

پتھر کی تین اقسام ہیں۔ پتھر سے نہریں نکلتی ہیں۔ اکثر دریا پہاڑوں سے نکلتے ہیں کہ پتھروں سے پانی رستا ہے تو ان کا منبع پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ جس پتھر سے نہر نکلتی ہے وہ پتھر ہی ہے، لیکن نافع ہے اور اس کا نفع عام ہے۔

دنیا اس سے متمتع ہوتی ہے۔ یہ دریائے سندھ پہاڑوں سے نکل کر سمندر میں جاتا ہے۔ ان پتھروں کا نفع عام ہے۔ بعض پتھروں سے صرف محدود لوگ متمتع ہوتے ہیں اور ان سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ یہ نفع خاص ہے۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ

ان پتھروں سے ضرر نہیں پہنچتا یعنی ضرر نہ پہنچنا بھی ایک قسم کا نفع ہے۔ انسان کو پتھر سے کم تو نہ ہونا چاہیے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے۔ اس لیے بعض ایسے علماء ہیں کہ دنیا کو نفع پہنچاتے ہیں۔ بعض صرف گاؤں کو نفع پہنچاتے ہیں اور بعض ایسے ہی پڑے رہتے ہیں جیسے پتھر ہوں لیکن یہود کے علماء پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ ان میں حق کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی قسمیں بتلائیں۔

يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ

اس میں بھی تسبیح ہوتی ہے تو خشیۃ اللہ کیا ہے۔ یہی تسبیح خشیت ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۴

اور کوئی چیز نہیں کہ نہیں پڑھتی حمد اس کی، لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا بیشک وہ ہے تحمل والا بخشنے والا۔ (بنی اسرائیل/۴۴)

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ

ہر ایک نے جان لی اپنی خاص طرح کی بندگی اور تسبیح۔ (النور/۴۱)

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور احد کو دیکھا۔ تو فرمایا

هذا جبل يحبنا ونحبه.

یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

اہل کتاب، ان سے کسی خیر کی امید نہیں ہے۔ ان سے مایوس ہو جاؤ۔ یہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ یہ اللہ کا کلام سناتے ہیں، مگر اس سے نفع حاصل نہیں کرتے تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صفات مذکور تھیں، مگر انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت گندم گوں رنگ کی جگہ سفید رنگ لکھ دیا۔

كان ربعةً مائلاً الى الطول (آپ میانہ قد ہوں گے) اور انہوں نے بدل دیا اور **كان طويلا** لکھ دیا۔ اس طرح انہوں نے سمجھ بوجھ کر لفظی و معنوی تحریف کی۔

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اور وہ جانتے تھے کہ ہم تحریف کر رہے ہیں تو یہ لوگ تحریفات کرنے کی وجہ سے کیسے ایمان لے آئیں گے۔ جان بوجھ کر بددیانتی کرنے والوں اور بات بدل دینے والوں سے نفع کی اور ہدایت کی امید نہیں ہو سکتی۔ آپ ان سے کیوں امیدیں وابستہ کرتے ہو؟

''آمنا'' بغیر تحقیق کے کہا کہ داعیہ کمزور تھا۔ اس لیے ان کا اتنا کہنا بے سود اور بے نتیجہ رہا۔

وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ

یہ ان کے علماء کی قباحت کا ذکر ہے، لیکن اُن میں کچھ لوگ ان پڑھ بھی تھے، وہ بھی ان کے کاموں اور ان کی باتوں سے متاثر تھے۔ یہ لوگ بھی اپنے علماء کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ (ان پڑھ)

اُمی جو ماں کی طرف منسوب ہو، اس نے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو۔

إِلَّا أَمَانِيَّ یعنی وہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ وہ چالیس دن، جن میں عجل (بچھڑے) کی پرستش ہوئی تھی، بس اتنے دن دوزخ میں جائیں گے۔ اس لیے وہ اپنے آپ کو دائمی جہنمی نہیں سمجھتے تھے۔

اسی وجہ سے یہود و نصاریٰ کہا کرتے تھے......

لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ (بقرہ/۱۱۱)

آج کے مسلمان بھی ایسے ہی ہیں۔ امی بھی علماء کی تلبس سے گمراہ ہوئے تھے۔ اس لیے علماء امت کو زیادہ عذاب ہوگا۔ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ یہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں۔ محرف کا اصل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پھر بھی اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا کہ مولوی کے پاس گئے اور پھر مولوی نے ان سے متاثر ہو کر فتویٰ لگا دیا۔ آج بھی ایسے علماء ہیں جو فقہاء کی عبارات سے حقیقت نکال کر یا پھر تحریف و تاویل کر کے فتویٰ شرعی دے دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کی بات کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے یہود کی جو حالت تھی۔ جسے مسلسل بتلا رہا ہوں۔ آج ہماری بھی وہی حالت ہے جس کا سبب یہود کے طریقہ پر چلنا اور ان کی قدم قدم پیروی کرنا ہے۔

حقیقت ویل کیا ہے:

(۱) وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ایک حدیث میں ہے جو امام ترمذی نے اپنی الجامع و احمد بن حنبل نے مسند میں نقل کی ہے، اسی حدیث کو ابن حبان نے بھی صحیح میں اور حاکم نے مسند میں نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویل ایک غار اور گڑھا ہے جہنم میں۔ کوة فی جهنم ان کو اس میں ڈالا جائے گا اور چالیس برس تک گرتے گرتے اترتے اترتے بھی اس کی گہرائی ختم نہ ہوگی۔

(۲) ابن جریر نے حضرت عثمانؓ سے۔

فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ

کی تفسیر نقل کی ہے مرفوع روایت ہے کہ ویل ایک پہاڑی ہے ویل جبل من النار۔ اب معلوم نہیں کہ گرایا جائے گا یا اس میں رکھا جائے گا۔

(۳) عبداللہ بن مسعودؓ سے طبرانی و بیہقی نے اور اسی روایت کو ابن ابی حاتم رازی نے نقل کیا ہے۔ نعمان بن بشیرؓ سے جو چھوٹے صحابی ہیں۔ فقال فیہ انہوں نے فرمایا۔ ویل ایک نالہ ہے جو دوزخ میں بہتا ہے۔ اس میں صدید اہل النار (جہنمیوں کے جسموں کی پیپ) ہوتی ہے جو اس میں ڈالا جاتا ہے۔ غلط فتویٰ لکھنے والے مولویوں کے لیے یہ بڑی وعید ہے۔

فتویٰ وہ شخص دے کہ اسے اپنے فتویٰ پر کنٹرول اور ضبط ہو۔ آج کل کے صوفی مفتی اتنا تو ضرور کرتے ہیں کہ جس کے ساتھ دل لگ جائے۔ اس کے لیے بہت سی روایات تلاش کرتے ہیں اور شاذ روایات نقل کر کے فتویٰ دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے بھی وعید ہے۔ مفتی کو شریعت کی صراط مستقیم پر چلنا چاہیے اور اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ وہ شریعت کا مقصود بتاتا ہے۔ شریعت کو کسی کے فائدے یا اپنے فائدہ کے لیے ڈھالنا اپنے لیے ویل کو اختیار کرنا ہے۔

سوال:

یہاں پر ایک بات ذہن میں آتی ہے۔ کتبت صیغہ ماضی ہے۔ وَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ مضارع کا صیغہ ہے تو یہاں کسبوا ہونا چاہیے تھا تاکہ دونوں صیغے ماضی کے ہوتے یا دونوں مضارع کے صیغے ہوتے تو پھر کتبت کے بجائے تکتب ہونا چاہیے تھا۔ تو اس میں کیا نکتہ ہے کہ ایک صیغہ ماضی کا اور دوسرا مضارع کا ہے؟

جواب:

نکتہ (واللہ اعلم) یہ ہوسکتا ہے کہ کتابت ایک فعل ہے جو اُن سے سرزد ہوا۔ یہ واقعہ حادث ہے۔ انہوں نے تحریف کے ساتھ لکھا۔ یہ مستمر یعنی ہمیشہ نہیں ہوا، بلکہ ایک بات ہو گئی مرۃ واحدۃ۔ رہا ان کا کسب اور رشوتیں لینا تو یہ کسب مستقل جاری ہے کہ روزانہ کمائیں گے۔ ان کا یہ کسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی جاری تھا۔ الکتاب تکون مرة واحدة مضت ای وويل لهم مما يكسبون ای جاری الی الأن (ان کا یہ کسب اب تک جاری ہے) اور آج مسلمانوں میں بھی جاری ہے۔ فتوؤں پر رقم لیتے ہیں۔ تعویذ اور دم وغیرہ فیس اور شکرانے وصول کرتے ہیں۔ الغرض دین کو ایک کسب اور ذریعۂ معاش اور تجارت بنا کر رکھ دیا ہے۔

لفظ ویل کا مکرر آنا:

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں تکرار ہے۔ پہلے فرمایا فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ یہاں ویل کا ذکر ہو گیا۔ دوبارہ کہا فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ تو بظاہر تکرار ہے۔ ان دونوں جملوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کتابت کی سزا ویل ہے۔ اس تکرار کی وجہ کیا ہے؟

جواب نمبر۱: اگر آپ غور سے دیکھیں تو پہلے جو ویل آیا ہے کہ وہ پہلے لکھتے ہیں فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ بِاَيْدِيْهِمْ یہ تعارف ہوا اس کے ساتھ تو یہ صفت علتِ حکم نہیں ہے تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیا یہی علامت ہے جیسے مثلاً ایک شخص یہ کہے کسی خادم سے کہ اعط ھذا الدرھم لصاحب الثوب الاحمر تو سرخ کپڑوں کا ذکر ہوا تو تشخص ہو گیا بین الرجال تو اعطاء کا سبب احمر یعنی سرخ کپڑوں والا ہونا نہیں ہے۔ اگر میں کہوں کہ جس کا سر ننگا ہے، اس کو دے دینا۔ کوئی شخص ننگے سر ہونے کی وجہ سے مستحق انعام نہیں ہے۔

جواب نمبر۲: تو فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ میں ویل اور سزا کی علت بتا دی۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے جملہ میں صرف یہ خبر ہے کہ اپنے پاس سے لکھنے والوں کے لیے ہلاکت ہے اور دوسرے جملہ میں بتا دیا کہ ہلاکت کی علت ان کا اپنے پاس سے لکھنا ہے۔ ایک قانون یہ بھی ہے کہ جب کوئی حکم اسم مشتق پر جاری ہوتا ہے تو ماخذ اشتقاق اس کا علت ہوتا ہے جیسے کہا جاوے اکرم عالماً تو عالم علم سے مشتق ہے اور یہی علم علتِ اکرام ہے اس طرح آیت ذیل میں ویل کا حکم کتابت اور کسب رشوت پر مرتب ہوا ہے۔ لہٰذا تحریری تحریف اور اخذ رشوت ویل کی علتیں ہیں لیکن یاد رہے کہ یہ ضابطے اکثریئے ہوتے ہیں کلیے نہیں ہوتے۔ بعض صورتوں میں تخلف بھی ہو سکتا ہے۔

جواب نمبر۳: اہتمام شان کی وجہ سے مکرر ذکر کر دیا۔

احاطہ خطیہ ء:

وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ الخ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان المومن اذا اذنب کانت نکتة سوداء فی قلبه فان تاب واستغفر صقل قلبه وان زاد زادت حتی تعلو قلبه فذالکم الران الذی ذکر اللہ تعالیٰ کلا بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون○ (مشکوٰۃ شریف)

جب کوئی مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے پھر اگر وہ اس گناہ سے توبہ کر لیتا ہے اور استغفار کرتا ہے تو اس کا دل (اس نقطہء سیاہ سے) صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر زیادہ گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ پس یہ ران یعنی زنگ ہے جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (ترجمہ) یوں ہر گز نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر یہ اس چیز (گناہ) کا زنگ ہے جو وہ کرتے تھے (یہاں تک کہ ان کے دلوں میں خیر اور بھلائی بالکل باقی نہیں رہی۔

اور وہ جو جہنم سے آخر میں نکالے جائیں گے، ان میں ایمان ہوگا۔ کفر کی حد تک پہنچنے کے بعد عمل صالح کرے تو بے فائدہ۔ اذا فات الشرط فات المشروط اس لیے ایمان کے بغیر ان کے اعمال کسراب بقیعة یحسبه الظمان ماءً الخ (ایسے ہیں) جیسے ریت کا چمکتا ہوا چٹیل میدان ہو تو اس کو پیاسا، پانی خیال کرتا ہے، یعنی بغیر ایمان اعمال معتبر نہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت

اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ

نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں سے اچھا سلوک کرنا

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا

اور لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا پھر سوائے چند آدمیوں کے

قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَکُمْ

تم میں سے سب منہ موڑ کر پھر گئے ○ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں خونریزی نہ کرنا

وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور نہ اپنے لوگوں کو جلاوطن کرنا پھر تم نے اقرار کیا اور تم خود گواہ ہو ○

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ ز

پھر تم ہی وہ ہو کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے ہو اور ایک جماعت کو اپنے میں سے ان کے گھروں سے نکالتے ہو

تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ

ان پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کرتے ہو اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو ان کا تاوان دیتے ہو

مُحَرَّمٌ عَلَیْکُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج

حالانکہ تم پر ان کا نکالنا بھی حرام تھا کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو

فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ج وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ

پھر جو تم میں سے ایسا کرے اس کی یہی سزا ہے کہ دنیا میں ذلیل ہو اور قیامت کے دن بھی

یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِکَ

سخت عذاب میں دھکیلے جائیں اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو ○ یہی وہ

الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا

لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلہ خریدا سو ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ

هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٨٦﴾
انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔

ع

افاداتِ محمود:

المیثاق۔مضبوط عہد اور عہد و میثاق مشتمل علی الامرین ایک اللہ کی عبادت کرو اور ایک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یعنی یہ حکم مثبت بھی ہے اور منفی بھی۔ یہاں دو امور تکلیفہ کا ذکر ہے مثبت و منفی ملا کر۔

پہلی بات یہ ہے کہ اس کا جاننا یعنی اس کی صفات کا جاننا' ذات الٰہی کو مومنین جان سکتے ہیں اور دوسری بات میں شرک مخفی اور ریاء بھی ہے۔یعنی ان گناہوں سے بھی بچنا چاہیے۔

وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اقسام احسان بالوالدین:

احسان کی تین اقسام ہیں یعنی ان کو ایذاء نہ پہنچاؤ لا قولاً ولا فعلاً یعنی نہ تو زبانی تکلیف دو، نہ بدنی تکلیف دو۔دوسرے یہ کہ ان کی مدد کرو مالی بھی اور بدنی بھی۔تیسرا یہ کہ ان کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔وہ جب بھی بلائیں حاضر ہو جائے اور بلا احسان فرض مطلق فی اَیِّ حالٍ (یعنی ہر حال میں) ہے۔اس کو ترک کرنا یقیناً عقوق ہے۔والعقوق من الکبائر (یعنی والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے) اور مالی و بدنی مدد کرنا مشروط ہے۔ بشرط الحاجت یعنی بھوکا ہے تو انفاق کرو۔اگر محتاج نہیں تو پھر واجب نہیں۔بیمار ہے تو خدمت کرو تندرستی میں واجب نہیں ہے اور تیسری یہ شرط ہے اس شرط کے ساتھ کہ کسی فساد شرعی کا موجب نہ ہو مثلاً ماں باپ کہتے ہیں نماز مت پڑھو میرے پاس بیٹھو بیمار ہیں۔تو ان کی یہ بات نہیں مانی جائے گی۔اگر یہ کہے کہ جماعت کی نماز میں نہ جاؤ اگر حاجت احیاناً ہے تو پھر جائز ہے اور اگر مستمرہ ہے تو جائز نہیں ہے۔

یہاں پر اللہ نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے احسان کا بھی ذکر کیا ہے اور عام طور پر ایسا کیا ہے تو کیا مناسبت ہے احسان والدین اور عبادت رب میں؟

عبادت اور احسان کا تعلق کیا ہے؟

اس سوال کے متعدد جوابات ہیں۔ایک تو اس لیے کہ اللہ کی عبادت بھی اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ ہمارا رب ہے۔اعبدوا ربکم الذی خلقکم تو سبب کبیر ہے رب ہونا اور یہ وجہ پائی جاتی ہے والدین میں کہ انہوں نے بھی تمہاری پرورش کی۔

والدین سبب وجود ہیں۔جیسے اللہ تعالیٰ وجود مادہ کا سبب ہے علت وجود اللہ ہے۔پہلے گویا کہ تمہاری پیدائش میں والدین کو بہت بڑا دخل ہے۔اللہ نہ ہوتے تو بھی پیدا نہ ہوتے اور والدین نہ ہوتے تو تب بھی نہ پیدا ہوتے۔

یہ چیز کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔ والدین اس صفت میں ممتاز ہیں۔

اللہ تعالیٰ جتنے بھی احسانات کرتے ہیں، اس میں اللہ کی کوئی غرض نہیں ہے۔ یہ محض احسان ہے۔ اسی طرح والدین بھی ہیں۔ ماں باپ کی شفقت بھی اس طرح ہے تو کس کو امید ہے خدمت کی۔ آج کون کرتا ہے، لیکن ماں کس کس طرح پالتی ہے اس کا پیشاب پاخانہ صاف کرتی ہے۔ اس طرح باپ بچے کو باکمال انسان بناتا ہے وہ اس لیے خوش ہوتا ہے کہ میرا بیٹا باکمال ہو تو یہ پرورش اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسب ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی غرض نہیں ہے ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی کے والد کافر تھے اور اس صحابیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے قتل کی اجازت مانگی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اجازت نہیں دی۔ باوجودیکہ وہ کافر اور واجب القتل ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ ''وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا و ان كانا كافرين ''یعنی ماں باپ سے حسن سلوک کرو اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ (سورہ بنی اسرائیل ۲۴)

اور جھکا ان کے لیے بازو انکساری کا مہربانی سے اور دعا کر اے رب! رحم فرما ان پر جیسا کہ پرورش کی انہوں نے میری چھٹپنے میں۔

اسی طرح اس آیت سے قبل والی آیت کا آخری جملہ ہے وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا اور کہو ان سے بات ادب کی، لیکن والدین کسی معصیت کا حکم دیں تو پھر نہ ماننا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ

اور اگر وہ دونوں زور دیں تجھ پر کہ تو شریک ٹھہرائے میرا اس چیز کو جس کا نہیں ہے تجھے کوئی علم تو نہ مان ان کا کہنا اور رفاقت کر ان سے دنیا میں نیکی کے ساتھ (سورۂ لقمان ۱۵)

شرک اور گناہ کی بات پر اگر والدین زور دیں تو ان کا کہنا نہیں ماننا چاہیے۔

ذِي الْقُرْبٰى الخ اب آگے ذوی القربیٰ کا بیان ہے کہ ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کرو احسان کرو جہاں رحم کا رشتہ ہوتا ہے اس رشتہ کو جوڑنا صلۃ الارحام یہ فرض ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

قال الله عزوجل انا الله و انا الرحمن خلقت الرحم و شققت لها اسماً من اسمى فمن وصلها وصلته و من قطعها قطعته' (الترغیب والترھیب)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں اللہ ہوں اور میں رحمٰن ہوں اور صلہ رحمی کو میں نے پیدا کیا ہے اور اس کا نام میں نے اپنے نام سے چنا ہے۔ لہٰذا جو صلہ رحمی کرے گا میں اسے اپنی رحمت سے جوڑ دوں گا اور جو صلہ رحمی کو قطع کرے گا تو میں اس کو اپنی رحمت سے جدا کر دوں گا۔

وَالْيَتٰمٰى یتیم اس نابالغ بچے یا بچی کو کہتے ہیں جس کا والد فوت ہو گیا ہو۔ لا یتیم بعد البلوغ یعنی بالغ

ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں ہوتا۔ یتیم کے ساتھ حسن سلوک کے لیے قرابت شرط نہیں کیونکہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ احسان کرو۔ حسن سلوک کرو تا کہ وہ احسن طریقہ سے زندگی بسر کرے اور احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو۔ والمساکین مساکین بھی یتیموں کی طرح ہیں۔ ان کے پاس بھی مال نہیں ہے بے سہارا ہیں۔ مسکین وہ ہے جس کی آمدنی خرچ سے کم ہو۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا یعنی تمام لوگوں سے اچھی بات کہو، سخت بات نہ کرو تا کہ کسی کے دل کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہاں اللہ نے قُوْلُوْا لِلنَّاسِ فرمایا اور قولوا للمومنین نہیں فرمایا اس لیے کہ اس قول کا تعلق مومن اور کافر دونوں کے ساتھ ہے۔ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ وزنی عمل حسن خلق ہوگا اور اس لیے جب حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

فقولا له' قولا لينا لعله يتذكر او يخشىٰ ۝ (سورۂ طٰہٰ)

یعنی تم دونوں فرعون سے نرم لہجہ میں بات کرو تا کہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے۔ فرعون بہت بڑا کافر تھا، لیکن اس کے ساتھ بھی نرمی برتنے کا حکم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و بردباری کا کمال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

(سورہ آل عمران/۱۵۹)

پس اللہ کی رحمت سے آپ نے نرمی کا برتاؤ کیا ان سے اور اگر آپ ہوتے درشت خو اور سخت دل تو وہ سب منتشر ہو جاتے آپ کے پاس سے۔

گویا سنگ دلی اور بدخوئی کی تاثیر یہ ہے کہ لوگ پاس سے ہٹ جائیں گے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ الخ ۝ (سورۂ نحل ۱۲۵)

دعوت دیجیے (لوگوں کو) اپنے رب کے راستہ (اسلام) کی طرف دانائی اور ایسی نصیحت سے جو اچھی ہو۔

حدیث میں ہے آپؐ نے فرمایا:

مادخل الرفق فی شیئی الازانه و ما دخل الخرق فی شیئی الاشانه ۝ (الترغیب والترہیب)

یعنی جس چیز میں بھی نرمی داخل ہوتی ہے (یعنی نرمی کا برتاؤ کیا جاتا ہے) تو یہ نرمی اس کو زینت بخشتی ہے اور جس چیز میں اناڑی پن کا مظاہرہ کیا جائے تو یہ اس چیز کو عیب دار بنا دیتا ہے (الشین العیب) شین عیب کے معنی میں ہے امام محمد باقرؒ بڑے عالم ہیں ان سے منقول ہے کہ

قولوا للناس ماتحبون ان یقال لکم.

یعنی لوگوں سے وہی بات کہا کرو کہ تمہیں پسند ہو کہ وہی بات تم سے بھی کہی جائے۔ دو کلام نہیں ہونے

چاہئیں، بلکہ ایک بات ہونی چاہیے یعنی جو اپنے لیے پسند کرو، وہ دوسروں کے لیے پسند کرو۔ یہ تمام حقوق العباد کا بیان تھا۔

المسکین من له ادنیٰ شیئی و الفقیر من لیس له ادنیٰ شیئی ۝

یعنی مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور بالعکس بھی ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، لیکن دونوں مستحق زکواۃ ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

انما الصدقات للفقراء و المساکین ۝

یعنی صدقات کے مستحق فقراء و مساکین سب ہیں۔ نصاب سے کم مال رکھنے والے فقیر و مسکین دونوں کو لینا جائز ہے اور ان کا حقیقی حال تو اللہ ہی جانتا ہے، لیکن سورہ بلد میں ہے:

او مسکیناً ذا متربة ۝

یعنی مسکین مٹی میں لت پت ہوتا ہے، کمزور ہوتا ہے۔

یہود سے عہد لیا:

اللہ تعالیٰ نے پہلے توحید و عدم شرک و حقوق اللہ کا عہد لیا پھر حقوق العباد کا۔ پہلے عہد کے حقوق کو بیان کیا اور اختتام میں پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کا تذکرہ کیا۔ وہ عقائد سے متعلق تھے۔ اب جن احکام کا بیان ہے یہ عمل سے متعلق ہیں۔

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ

ایک پہلا میثاق تھا، اب دوسرا میثاق ہے کہ اللہ نے جو میثاق لیا تھا وہ اس کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ یہ اس لیے کہا کہ عبداللہ بن سلام یہود میں سے اسلام لے آئے تھے، وہ یہود کی قباحت بیان کرنے کے لیے آگے بڑھے انہوں نے صدق مقال کا حق ادا کر دیا۔ اب یہود کی ایک اور قباحت کا ذکر ہے۔

دِمَآءَكُمْ اپنے ہم مذہبوں کا خون نہیں بہاؤ گے۔ یہ حکم تھا کہ اپنے ہم مذہبوں کے خون کی حرمت کا احساس کرو گے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ الخ یہاں دوسری وعدہ خلافی کا ذکر ہے۔ یہود نے ہم مذہبوں کے خون کی حرمت کا پاس نہیں کیا۔

قتال انفسکم و خروج من الدیار کیا تھا

اَنْفُسَكُمْ یہ متعلق بالقصہ ہے کہ مدینہ میں یہود کے دو قبیلے تھے بنونضیر اور بنوقریظہ۔ اس طرح انصار مدینہ دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا آپس میں عہد تھا۔ بنوقریظہ نے اوس کے ساتھ عہد کیا اور بنونضیر نے خزرج کے ساتھ اور دونوں حلیف بن گئے۔ اوس وخزرج کی لڑائی ۴۰ سال تک جاری رہی۔ اس میں یہود حلیفوں کا ساتھ دینے لگے۔ آپؐ کی تشریف آوری کے بعد اوس اور خزرج اسلام لے آئے۔ جس کا ذکر قرآن میں ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ

(سورۂ آل عمران ۱۰۳)

اور یاد کرو احسان اللہ کا جو اس نے تم پر کیا جبکہ تم تھے دشمن (آپس میں) پھر اس نے الفت ڈال دی تمہارے دلوں میں پھر ہوگئے تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی۔

لیکن بنونضیر وقریظہ اسلام نہیں لائے۔ چنانچہ اوس وخزرج کی لڑائی کے وقت یہود کے دونوں فریق آپس میں قتال کرتے تھے اور یہ آپس میں ایک دوسرے کو گھروں سے نکلنے پر مجبور کرتے تھے۔ اللہ نے ان سے دو وعدے لیے تھے۔

لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

یہود نے دونوں عہدوں کی خلاف ورزی کی تو یہاں ان کے نقض عہد کا ذکر ہے۔

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى کہ اگر یہودیوں کی جماعت قید ہو جاتی تو وہ فدیہ دے کر چھڑا لیتے تھے لیکن پھر قتل و اخراج کا جرم بھی کرتے ہو۔ یہ عجیب تماشا ہے کہ پہلے ان ہی میں سے بعض کو قتل کیا اور بعض کو گھروں سے نکالا اور جب وہ قیدی ہو کر آئے تو انہیں آزاد بھی کرایا۔ سامراج نے یہودیوں کا یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ امریکی سامراج نے پہلے تو جاپان پر ایٹم بم گرایا۔ پھر ان کی نسلوں کو پڑھایا۔ پہلے بم باری کرتے ہیں پھر یتیموں کی بہبود کا کام کرتے ہیں۔ کتنی عجیب بات کہ ہمدردی بھی ہے، عداوت بھی ہے۔ ایک جگہ خدا کا حکم مانتے ہو۔ دوسری جگہ نہیں مانتے ہو۔ جو دل کے مطابق ہو مان لیتے ہو، ورنہ کفر کرتے ہو۔ ایمان تو بالکلیہ مراد ہے۔ اگر بالبعض ایمان ہے تو پھر وہ جزوی ایمان معتبر نہیں ہے۔ یہ دورخی پالیسی سامراج نے یہود سے لی ہے۔

خندق کی لڑائی میں بنوقریظہ کا محاصرہ کر لیا گیا اور آپؐ کو فتح ہوئی۔ مشرکین جب آئے تو بنوقریظہ نے قریش کی حمایت کی۔ جب آپ بیٹھے تو جبریل آئے اور کہا جبرئیل نے

اوضعتم السلاح ؟ قال نعم قال لکنالم نضع اسلحتنا انهض الی هٰؤلاء قال صلعم این؟ قال بنی قریظة فان الله امر نی ان ازلزل علیهمo (تفسیر ابن کثیر ج ۳)

کیا آپ لوگوں نے اسلحہ رکھ دیا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں تو۔ حضرت جبرئیل نے کہا، لیکن ہم نے تو اپنا اسلحہ نہیں رکھا چلیے ان لوگوں کی طرف۔ حضورؐ نے پوچھا کن کی طرف؟ جبرئیلؑ نے کہا بنی قریظہ کی طرف، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ ان پر عذاب نازل کر دو۔

لایصلین احد منکم صلواۃ العصر الا فی بنی قریظۃo

یعنی تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنی قریظہ کے سوا کسی اور جگہ نہ پڑھے۔

تو کسی نے عصر کی نماز راستہ میں پڑھ لی اور کسی نے راستہ میں نہیں پڑھی، کیونکہ ان کے نزدیک وہاں پہنچنا لازم تھا۔ وہاں جا کر محاصرہ کیا۔ جب بنی قریظہ تنگ آئے تو کہا کہ سعد بن معاذ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کرے گا ہم وہ مان لیں گے۔ یہ بنو اوس کے سردار تھے جو بنو قریظہ کے حلیف تھے۔ اس لیے ان کے خیال میں یہ نرم فیصلہ دیں گے۔ غزوہ خندق میں سعد کے شانہ میں ایک تیر لگا تھا۔ مسجد نبوی کے قریب خیمہ میں ان کا خون بہہ رہا تھا۔ آپؐ نے بلایا تو وہ آئے۔ جب وہ تشریف لائے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قوموا الی سیدکم.

یعنی اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر انہوں نے فیصلہ دیا کہ جوان کے بالغ مرد ہیں، سب قتل کر دو۔

ان تقتل مقاتلۃ وتسبیٰ نسائھم وصبیا نھم o

لڑائی کے قابل مردوں کو قتل کیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔

فقال علیہ السلام ان ھؤلاء واشار الیھم قد نزلوا علیٰ حکمک فاحکم فیھم بما شئت او بحکم اللہ

یعنی ان لوگوں نے تیرا فیصلہ قبول کر لیا ہے۔ آپ ان کے درمیان جیسے چاہیں فیصلہ کریں۔

ان کے حکم کے مطابق بنی قریظہ کو قتل کر دیا گیا۔ دوسرے قبیلے بنو نظیر نے ایک قبیح شناعت یہ کی کہ آپ کے خلاف ایک سازش تیار کی۔ ایک مکان کی دیوار کے ساتھ بٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر پتھر گرانا چاہا۔ انہوں نے آپ کو بلایا جیسے ہی آپ بیٹھے۔ اللہ نے آپؐ کو اس سازش کی اطلاع دے دی۔ پھر بنو نظیر کو جلا وطن کر دیا گیا۔ تو یہ خیبر کی طرف چلے گئے۔ ان کے باغات پر خاک (آگ) ڈال دی گئی۔ پھر فتح خیبر ہوا۔ یہ پھر ذلیل ہو گئے تو بنو قریظہ اور بنو نظیر کا یہ حشر ہوا تھا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد بھی پے درپے رسول بھیجتے رہے

وَاٰتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ

اور ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو نشانیاں دیں اور رُوح القدس سے اس کی تائید کی کیا جب تمہارے پاس

رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

کوئی رسُول وہ حکم لایا جسے تمہارے دل نہیں چاہتے تھے تو تم اکڑ بیٹھے پھر ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کیا ○

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا

اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب سے لعنت کی ہے سو بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں ○ اور

جَاۗءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ

جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آئی جو تصدیق کرتی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ښ فَلَمَّا جَاۗءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ

وہ کفار پر فتح مانگا کرتے تھے پھر جب انکے پاس وہ چیز آئی جسے انہوں نے پہچان لیا تو اس کا انکار کیا سو کافروں پر

اللّٰهِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اللہ کی لعنت ہے ○ انہوں نے اپنی جانوں کو بہت ہی بُری چیز کے لئے بیچ ڈالا یہ کہ اللہ کی نازل کی ہوئی

بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ

چیزوں کا اس ضد میں آ کر انکار کرنے لگے کہ وہ اپنے فضل کو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کیوں نازل کر دیتا ہے سو غضب

عَلٰي غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ

پر غضب میں آ گئے اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہے ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ

اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَاۗءَهٗ ۤ وَھُوَ

جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں ہم تو اسی کو مانتے ہیں جو ہم پر اُترا ہے اور اسے نہیں مانتے ہیں جو اس کے سوا ہے حالانکہ وہ

الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَاۗءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ

حق ہے اور تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے کہہ دو پھر تم کیوں اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو قتل کرتے رہے

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ
اگر تم مومن تھے ۝ اور تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر آیا پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو
بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ
بنالیا اور تم ظالم تھے ۝ اور جب ہم نے تم سے عہدلیا اور تم پر کوہ طور کو اُٹھایا
خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا
کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو اور سنو انہوں نے کہا ہم نے سُن لیا اور مانیں گے نہیں
فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
اور ان کے دلوں میں کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت رچ گئی تھی کہہ دو اگر تم ایماندار ہو تو تمہارا ایمان تمہیں بہت ہی بُرا
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ
حکم دے رہا ہے ۝ کہہ دو اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر خصوصیت کے ساتھ سوائے اور لوگوں کے تمہارے ہی لئے ہے
النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ
تو تم موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو ۝ وہ کبھی بھی اس کی ہرگز آرزو نہیں کریں گے ان گناہوں کی وجہ سے
اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٥﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى
جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ۝ اور آپ انہیں زندگی پر سب لوگوں سے زیادہ حریص
حَيٰوةٍ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۛۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ
پائیں گے اور ان سے بھی جو مشرک ہیں ہر ایک ان میں سے چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار برس عمر ملے اور اسے
بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾
عمر کا ملنا عذاب سے بچانے والا نہیں اور اللہ دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں ۝

ع

افاداتِ محمود:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ الخ ۝

ان کے دلوں پر غلف ہے کہ ہمارے پیغمبر کے معجزات اور ان کی آیات ان کے دلوں پر اثر نہیں کر سکتیں، کیونکہ یہ غلف میں ہیں فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو تختے دیے گئے۔ کتاب ہدایت دی گئی۔ اس کا بھی انکار کیا اور موسیٰ کے بعد یوشع، ان کے بعد یسعؑ داؤدؑ سلیمانؑ کو بھیجا گیا تھا۔ حضرت زکریاؑ یحییٰؑ

عزیر تقریباً چار ہزار پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہا السلام کے آنے تک بھیجے گئے اور یہ تمام رسول موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر چلتے رہے۔ دستور صرف یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے احکام کی تجدید کرتے تھے۔ اس اُمت میں پیغمبر تو نہیں آئے گا لیکن

ان اللہ یبعث فی ھذہ الامۃ علی راس کل مأۃ من یجددھا o

اس لیے امت محمدیہ میں مجدد آئے ہیں۔

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں کو ٹھیک کر دیا کرتے تھے۔ برص کے مریض پر ہاتھ پھیرا اور وہ درست ہو گیا تو یہ بینات ہیں۔

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

روح القدس سے مراد بعض کے نزدیک یہ ہے کہ یہ اسم اعظم ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اسم اعظم پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ بعض کے نزدیک جبرائیل ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے:

حضرت حسان ابن ثابتؓ کفار کی ہجو کا جواب دے رہے تھے اور مسلمانوں کی مدح اور کفار کی مذمت اور ہجو میں شعر کہہ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان الفاظ سے دعا دی۔

اللھم ایدہ بروح القدس.

اس لیے روح القدس سے جبرائیل مراد ہیں۔

حضرت زکریا و یحییٰ علیہا السلام کو قتل کیا دونوں باپ بیٹے کو۔ یہ یہود کی شناعت اور شقاوت کی ایک خوفناک مثال تھی۔

كَذَّبْتُمْ ماضی ہے اور **تَقْتُلُوْنَ** مضارع کا صیغہ ہے۔

تکذیب تو ہو چکی ہے۔ ماضی میں ان کے آباؤ اجداد نے تکذیب، لیکن قتل کا سلسلہ جاری ہے۔ یہاں تک کہ یہ ظالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے درپے تھے۔ جیسے بنونظیر نے کیا تھا اور بنو قریظہ و بنونظیر احزاب کے غزوہ میں کفار سے کیوں مل گئے تھے۔ یہ موجودہ پیغمبر کو بھی قتل کرنے کے درپے تھے۔ تکذیب بیک وقت ہوتی ہے اور قتل بالوسائل یا بالسازش ہوتا ہے۔ یہ کہتے ہیں **قُلُوْبُنَا غُلْفٌ** ط یعنی ہمارے اندر تثبت فی الدین ہے جبکہ انہوں نے پیغمبروں کو نہیں مانا تو تثبت فی الدین کہنا غلط ہے۔ ان کا دعویٰ کچھ ہے اور حقیقت کچھ اور ہے۔

اقسام قلوب:

فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ابن جریر نے ایک روایت نقل کی ہے۔ **عن حذیفہؓ القلوب اربعۃ (۱) القلب**

الاغلف یعنی جس پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ یہ قلب کافر ہے۔

(۲) وقلب اوقد فیہ السراج وذالک قلب المومن ٥
جس دل میں روشن چراغ ہو یہ مومن کا دل ہے۔

(۳) **وقلب معکوس.** دل الٹا ہے) بات ڈالو بھی تو نکل جاتی ہے۔ **وذالک قلب المنافق عرف ثم انکر**

(۴) **وقلب مصفح فیھا ایمان و نفاق٥**
کہ ایک صفحہ پر ایمان، ایک پر نفاق۔ یہ تھی ان کی حقیقت۔ ان کے کہنے کے مطابق ان کے قلوب اگر چہ غلف ہیں، لیکن ہدایت مل سکتی تھی، لیکن انہوں نے اعراض کیا۔

توسل بذات النبیؐ:

یہود آپ کی بعثت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے دعا کیا کرتے تھے۔ بنو اسد اور بنو غطفان کے ساتھ لڑائی ہوتی تو یہ شکست کھا جاتے تھے۔ انہوں نے تامل کے بعد دعا کی۔ اس روایت کو ابو عبداللہ الحاکم والبیہقی نے نقل کیا ہے۔

اللھم ربنا انا نسئلک باحمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه الینا وبکتا بک الذی تنزل علیه ان تنصر ناعلی اعدائنا٥

یعنی اے اللہ ہمارے رب ہم آپ سے احمد جو کہ نبی امی ہیں کے وسیلہ سے سوال کرتے ہیں۔ ہماری طرف جس کے بھیجنے کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے اور تیری اس کتاب کے وسیلہ سے جسے تو اس پر نازل کریگا کہ ہمارے دشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا اور یقین کرلیا پھر **یعرفونه کما یعرفون ابنائھم** لیکن یہ لوگ پوری طرح جانتے بوجھتے بھی انکار کرتے تھے۔

مسئلہ توسل (وسیلہ پکڑنا):

یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں کہ حدیث میں آتا ہے:

ان عمر ابن الخطاب کان اذا قحط استسقی بالعباس ابن عبدالمطلب فقال اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبیک صلی الله علیه وسلم تسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقون (بخاری)

جب قحط سالی ہوتی تھی تو حضرت فاروق اعظمؓ حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے اور فرماتے تھے

اے اللہ ہم آپ کی جناب سے آنے والے نبیؐ کے وسیلہ سے بارش کے لیے

دعا مانگ لیتے تھے تو آپ ہمیں سیراب کر دیتے تھے۔ اب آپ سے اپنے نبیؐ کے چچا کے

وسیلہ سے دعا مانگتے ہیں، لہٰذا ہمیں سیراب فرمائیں تو بارش ہو جاتی تھی۔

معترض کہتے ہیں کہ دیکھو اموات کے ساتھ توسل جائز نہیں ہے۔ یہ سب بھول بھلیاں ہیں۔ نبی سے توسل یا کسی بھی صالح ہستی سے توسل کرنا جائز ہے۔ (ہم توسل بالفاسقین و بالکافرین تو نہیں کرتے) انسان کی ذات من حیث الانسان سمجھ لو۔ پھر ان دونوں کو جدا کرتے ہیں اعمال کی وجہ سے۔ اس لیے یہاں توسل بالذات نہ ہوا، بلکہ بالاعمال ہوا۔ ورنہ فساق سے کیوں نہیں کرتے۔

من حیث عمل الصالح اصل ہے۔ ذات کا لفظ بھی بدعت کہا ہے۔ حالانکہ ہم تو توسل ان کے اعمال صالحہ سے کرتے ہیں والباقیات الصالحات کا قانون جاری ہے اور مرے ہوئے آدمی سے بھی توسل جائز ہے۔ زندگی میں تو اعمال صالحہ محفوظ نہیں ہیں۔ جب ان سے توسل جائز ہے تو میت کے اعمال صالحہ تو محفوظ ہیں۔ ضبط کا خطرہ نہیں ہے۔ پھر ان کا توسل کیوں اختیار نہیں کرتے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ گزشتہ امتوں کا تذکرہ فرمایا کہ تین آدمی سفر پر جا رہے تھے بارش ہوگئی تو انہوں نے ایک غار میں پناہ لے لی۔ ایک چٹان اوپر سے گری اور غار کا منہ مکمل طور پر بند ہو گیا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ ان کا جو عمل بہت زیادہ امید کا ہو اسے سامنے رکھ کر دعا کریں۔ ایک نے اطاعت والدین کا ذکر کیا، دوسرے نے کف من الزنا کا عمل پیش کیا، تیسرے نے سالہا سال کے بعد امانت و دیانت واپس کرنے کا ذکر کیا تو تینوں کے عمل سے یکے بعد دیگرے چٹان ہٹ گئی۔ معلوم ہوا کہ ہر ایک کے عمل کے توسل سے تینوں کو فائدہ پہنچا۔ مفہوم یہ نکلا کہ توسل بالاعمال جائز ہے اور اپنا عمل بھی اور دوسروں کا عمل بھی اثر کرتا ہے۔ اب آپ کا کیا خیال ہے کہ اس مردہ کے اعمال ختم ہو گئے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے الان بالعباس نہیں کہا بلکہ بِعَمِّ نبینا کہا تو یہ توسل بالنبی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں تو توسل میں عم مضاف ہے نبی کی طرف اس لیے اب بھی نبی کا توسل مع العم ہے۔ اگر وفات کے بعد نبی کا توسل ناجائز ہوتا تو عم نبیک نہ کہتے۔

اب ہمارے قادریہ نقشبندیہ، چشتیہ سہروردیہ کے یہ شجرات ہیں۔ اب جو کوئی شجرہ اٹھاؤ اس میں الٰہی بحرمت لکھا ہوتا ہے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے خود یہ شجرہ بھجوایا۔ وہ ہر مرید کو شجرہ دیتے تھے کہ روزانہ پڑھا کرو۔ الٰہی بحرمت فلاں کا ذکر کرتے ہیں اور وہ علماء دیوبند جو ابعد من الشرک ہیں انہوں نے توسل بالمشائخ کیوں کہا۔ تم لوگ اکابر کا نام کیوں لیتے ہو۔ حضرت گنگوہی سے زیادہ شرک سے مجتنب کون تھا۔ اس لیے کہا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ پر چلو کناروں پر مت چلو۔

اب ایک آدمی نے سوال کر دیا۔ اُس نے میرے خیال میں حدیث کو ضعیف کہا۔ اس حدیث کو بیہقی نے نقل کیا۔ ابوعبداللہ الحاکم نعیم نے مسند میں نقل کیا اور میرا دعویٰ ہے کہ اس کی اسانید صحیح مرفوع ہیں۔

ہماری دلیل صرف ایک روایت میں منحصر نہیں کہ یہ ختم ہو جائے تو پھر وہ دلائل ختم ہو جائیں۔

عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ یعنی آپ تو اسماعیل کی اولاد میں سے تھے تو آباؤ یعنی یعقوب کے خاندان سے تھے اور پھر ابراہیم کے اسماعیل واسحاق بیٹے تھے تو یہ بھی ان کی قوم تھی، لیکن وہ اسماعیل کے بیٹے پر نزول وحی سے باغی تھے۔

بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ ایسے لفظ عرفاً اُس وقت استعمال کیے جاتے ہیں جب شے اپنی انتہاء کو پہنچ جائے جیسے وبعضهم فوق بعض یا نور علیٰ نور ہے۔ یہاں مراد ایک ہی غضب ہے، مگر وہ کمال درجے کا غضب ہے اُنْزِلَ عَلَیْنَا کتاب اس لیے واجب الاطاعت ہے کہ اللہ کی کتاب ہے۔ پھر تورات بھی تو اللہ نے نازل کی ہے۔

نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں لاتے تھے۔ ورنہ کیوں تم اپنے انبیاء کو قتل کرتے؟

معجزات موسیٰ، ید بیضاء، عصا، فرق البحر، غرق الفرعون کے بعد سامری کی فریب بازی کے ساتھ مل گئے تو کیونکر؟

سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا یہاں سَمِعْنَا وَاطعنا ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ سمع واطاعت اکٹھے استعمال ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ عمر فاروقؓ نے فرمایا اسمعوا و اطیعوا تو ایک شخص اٹھا اور کہا لانسمع و لا نطیع تو اس نے اعراب کے انداز میں جواب دیا۔ حاصل یہ ہے کہ سمع واطاعت ساتھ ساتھ استعمال ہوتے تھے۔

اسمعوا واطیعوا لو امر کم علیکم عبد حبشی ٥ (مشکوٰۃ)

جب سمع کے ساتھ ہمیشہ اطاعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو پھر ان لوگوں نے وَعَصَیْنَا کہہ کر متضاد بات کیوں کہی؟

(۱) بعض مفسرین نے جواب دیا کہ سمعنا وعصینا یہ ایک شخص کا کلام نہیں، بلکہ بعض نے سمعنا کہا اور بعض نے عصینا کہا ہے۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ باپ دادا نے سمعنا کہا تھا اور ان کے بیٹوں نے کہا تھا عَصَیْنَا۔

(۳) سمعنا بکلام القال و عصینا بکلام الحال اس لیے تضاد نہیں ہے۔ یعنی زبان سے کہا اطاعت کریں گے اور عمل سے انکار کر دیا۔

(۴) یہاں پر یہ بتا دوں کہ محقق (یعنی تحقیقی بات) یہ ہے کہ ان میں تضاد نہیں ہے کہ ہم نے بات سنی ہے، لیکن مانتے نہیں۔ ایسے لوگ اب بھی ملتے ہیں جو سچے اور اچھے آدمی کی بات سن کر کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی بات سنی۔ آپ کی بات بھی اچھی اور سچی ہے لیکن ہم مانیں گے نہیں۔ اس پر ہم عمل نہیں کر سکتے۔ کیا سود خور یہی نہیں کہتے کہ ٹھیک ہے سود حرام ہے۔ ہم بھی جانتے ہیں مگر ہم عمل نہیں کر سکتے مان نہیں سکتے۔ یہ اس لیے کہا تھا کہ ہمیں ڈرایا جا رہا ہے۔ سابقہ احسانات کے پیش نظر یہ سمجھ رہے تھے کہ عذاب نہیں آئے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے......

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ

اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ ہم نے اٹھایا تھا ان کے اوپر پہاڑ گویا کہ وہ ایک سائبان ہے اور انہوں نے خیال کر لیا تھا کہ وہ ابھی گرنے والا ہے ان پر۔ (سورہ اعراف/۱۷۱)

(۵) ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ (آیت ۶۴) تو پھر خطرہ ٹلنے کے بعد عصینا کہا ہے۔ تو ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ سے عصینا کو بیان کیا گیا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ اللہ نے ان کا قول ذکر نہیں کیا کیونکہ یہود و نصاریٰ دونوں میں سے ایک جنت میں جائیں گے۔ تو فرمایا اگر تمہارے لیے صرف جنت کا گھر خاص ہے تو پھر تم موت کی تمنا کرو۔ کیوں دنیا میں دل لگاتے ہو، جبکہ تمہیں جنت کا یقین ہے۔ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا لیکن یہ لوگ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے، ان کے مقابلہ میں صحابہ کرام شہادت کی موت کی دعا کرتے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ شہید جنتی ہے مگر یہود کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ نہ انہوں نے ماضی میں موت کی تمنا کی، نہ اب کریں گے۔ مومن ہمیشہ شہادت کی خواہش کرتا ہے۔ اب بھی کرتا ہے صحابہ بھی کرتے تھے۔ آج کا گنہگار مسلمان بھی کرتا ہے۔

ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات الخ

حضرت فاروق اعظمؓ دعا مانگتے تھے:

اللّٰهم ارزقني شهادة في سبيلك و موتاً في بلد حبيبك ٥ (الكامل لابن اثير)

اے اللہ اپنے راستہ کی شہادت نصیب فرما اور اپنے محبوب کے شہر کی موت نصیب فرما۔

ایک دفعہ ایک صحابی کے لڑکے نے غالباً حضرت حسنؓ نے اپنے والد کو دیکھا کہ باپ نے زرہ نہیں پہنی تو کہا:

ما هذا بزي المحاربين قال الاب لا يبالي ابوك سقط على الموت او سقط عليه الموت٥

لڑائی میں یہ کیا بے تکی بات ہے، تو والد نے کہا بیٹے تیرے والد کو اس کی قطعاً پروا نہیں کہ وہ موت پر گرے یا موت اس پر گرے۔

اسی طرح سعد بن ابی وقاص ایک غزوہ میں تشریف لے گئے۔ وہ فاتح عراق تھے۔ خلافت فاروقی میں گورنر عراق بھی رہے۔ انہوں نے خط لکھا۔ جسے عراقی فوج کے سردار اور سالار نے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا:

فان معي قوم يحبون الموت كما يحب الاعاجم من الشراب ٥

صحابہ نے شہادت پر یقین رکھتے ہوئے طلب شہادت کی، لیکن یہودیوں کو جنت میں جانے کا یقین نہ تھا۔ اس لیے وہ تمنا نہیں کر سکتے تھے۔

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے دوران فرمایا جلدی کرو اس جنت کی طرف جو تمہارے سامنے ہے تو ایک صحابی کھجور کھا رہا تھا۔ اُس نے جلدی سے کھجور پھینک دی اور کہا کہ اس کے کھانے کی وجہ سے

جنت سے دربدر ہوں۔

حضرت انس ابن نضر بھاگے بھاگے احد کے قریب آئے اور کہا:

انی لأ ریح الجنة فی الاحد مجھے اُحد سے جنت کی خوشبو آرہی ہے اور وہ شہید ہوگئے ان کے جسم پر ۸۰ زخم تھے۔ صرف ایک انگلی کا سرا محفوظ تھا جس کو ان کی بہن نے دیکھ کر پہچانا۔ **الدنیا سجن المومن وجنة الکافر** دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

یہود کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ جبرئیل فرشتہ ہمارا دشمن ہے تو اللہ نے اس پر رد فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ كَانَ

کہہ دو جو کوئی

عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

جبرائیل کا دشمن ہو سو اسی نے اُتارا ہے وہ قرآن اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر ان کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے

وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ

پہلے ہیں اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے ○ جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل

وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ

اور میکائیل کا دشمن ہو تو بیشک اللہ بھی ان کافروں کا دشمن ہے ○ اور ہم نے آپ کی طرف روشن آیتیں اُتاری ہیں

وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اور ان سے انکاری نہیں مگر فاسق ○ کیا جب کبھی انہوں نے کوئی عہد باندھا تو اسے ان میں سے ایک جماعت نے پھینک دیا

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

بلکہ ان میں سے اکثر ایمان ہی نہیں رکھتے ○ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ رسول آیا جو اس کی تصدیق کرتا ہے

لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ

جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب کی ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ایسا پھینکا

كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ

کہ گویا اسے جانتے ہی نہیں ○ اور انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جو شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت پڑھتے تھے

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ

اور سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا لیکن شیطانوں نے ہی کفر کیا لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اس کی بھی

اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى

جو شہر بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اُتارا گیا تھا اور وہ کسی کو نہ سکھاتے تھے جب تک

يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ

یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش کے لئے ہیں تو کافر نہ بن پس ان سے وہ بات سیکھتے تھے جس سے خاوند اور

الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ

بیوی میں جُدائی ڈالیں حالانکہ وہ اس سے کسی کو اللہ کے حکم کے سوا کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور سیکھتے تھے

مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ

وہ جو ان کو نقصان دیتی تھی اور نہ نفع اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جس نے جادو کو خریدا اس کے لئے آخرت میں

خَلَاقٍ ۛؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ

کچھ حصہ نہیں اور وہ چیز بہت بُری ہے جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچا کاش وہ جانتے ○ اور اگر وہ

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يٰۤاَيُّهَا

ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو البتہ اللہ کے ہاں کا اجر ان کے لئے بہتر تھا کاش وہ جانتے ○ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

ایمان والو راعنا نہ کہو اور انظرنا کہو اور سُنا کرو اور کافروں کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ

دردناک عذاب ہے ○ اہل کتاب کے کافر اور مشرک نہیں چاہتے

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ

کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھی بات نازل ہو اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ

جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○ ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں

بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ

تو اس سے بہتر یا اس کے برابر لاتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ کیا تم نہیں جانتے

اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

کہ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی

وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ

دوست ہے نہ مددگار ○ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے

قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ
سوال کیے گئے تھے اور جو کوئی ایمان کے عوض کفر کو بدل لے سو وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوا ○ اکثر
كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ
اہل کتاب تو اپنے حسد سے حق ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح سے
عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ
تمہیں ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا کر لے جائیں سو معاف کرو اور درگزر کرو جب تک کہ
اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
اللہ اپنا حکم بھیجے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اور نماز قائم کرو اور
الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
زکوٰۃ دو اور جو کچھ نیکی سے اپنے واسطے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے بیشک اللہ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ
جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے ○ اور کہتے ہیں کہ سوائے یہود یا نصاریٰ کے اور کوئی جنت میں ہرگز
نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ق
داخل نہ ہوگا یہ ان کے ڈھکوسلے ہیں کہہ دو اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو ○ ہاں
مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ
جس نے اپنا منہ اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کے لئے اس کا بدلہ اس کے رب کے ہاں ہے اور ان پر
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع
نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے ○

افاداتِ محمود:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ الخ

امام احمد، بیہقی وطبرانی نے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ ہم آپ سے ایک سوال پوچھتے ہیں اور وہ پیغمبروں کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہیں۔ جواب دیا تو صحیح ہے ورنہ ایمان نہ لائیں گے۔(۱) ایک کیفیت نوم کا پوچھا:

فقال تنام عینای ولا ینام قلبی فقال صدقت

یعنی میری آنکھ سوتی ہے اور میرا دل نہیں سوتا۔ اُس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔

(۲) بچہ کبھی ماں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے کبھی باپ کے ساتھ؟

فقال یعنی حضورؐ نے جواب دیا رحم میں پانی اگر مرد کا غالب ہو تو مرد سے مشابہ، ورنہ ماں سے مشابہ ہوتا ہے۔

(۳) پھر پوچھا بچے کے کون سے اعضاء باپ کے پانی سے پیدا ہوتے ہیں اور کون سے ماں کے پانی سے۔ جواب دیا عظام واعصاب من نطفۃ الاب اور گوشت بال ناخن ماں کے پانی سے۔ کہا صدقت وایضافی الکتاب پھر پوچھا۔

(۴) کہ جنت میں اللہ سب سے پہلے کیا کھلائیں گے فرمایا **کبد النون** (مچھلی کا جگر) پھر ان سے بھی عہد تھا کہ ایمان لانا ہے اب راستہ بند ہو گیا۔ آخر میں پوچھا۔

(۵) کون سا فرشتہ آپ پر وحی لاتا ہے، فرمایا جبرئیل لاتا ہے۔ تو انھوں کہا **ذالک عدونا من الملائکۃ** اور کہا کہ میکائیل وحی لاتا تو ہم ضرور ایمان لاتے کہ میکائیل بڑا اچھا فرشتہ ہے۔ انھوں نے اپنے عہد سے انحراف کیا تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ الخ (ابن کثیر) تو اللہ نے بڑی سختی سے رد فرمایا کہ جو دشمنی کرتا ہے جبرئیل سے وہ اللہ سے دشمنی کرتا ہے کہ اللہ کے مقرب کی دشمنی اللہ کی دشمنی ہے۔ فرشتے مکرم ہیں، ان کا احترام لازم ہے۔ مسلمان ان پر ایمان لاتا ہے۔ وہ فرشتوں کی دشمنی یا اہانت کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

"كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ" میں کتاب اللہ سے مراد تورات ہے۔

یہود نے فی الحقیقت شیاطین کی پیروی کی ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیاطین جادو اور سحر سکھاتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام کی حکومت جن وانس اور شیاطین سب پر تھی۔ جنات ان کے سامنے اپنی صورت کے کارنامے دکھاتے تو لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ ان شیاطین نے انسان کو کچھ کلمات سحر بتلائے۔ سلیمانؑ نے یہ خرابی دیکھی تو فرمایا کہ الگ الگ ہو جاؤ۔ انسانوں کو سحر سے منع کر دیا۔ یہود بھی منتر کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی وراثت تھی، حالانکہ وہ اس سے منع کرتے تھے اور یہ جادو تو شیاطین کی وراثت تھی۔ یہود اسے سلیمانؑ کے دین کی پیروی بتلاتے تھے۔ اس لیے فرمایا:

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ الخ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ اگر ساحر ملے تو اس کو جیل میں ڈال دو، ہاں اگر وہ توبہ کر لے تو پھر چھوڑ دو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین دن مہلت دی جائے اور اس کے بعد قتل کر دیا جائے چونکہ یہ لوگ لوگوں کو کفریہ کلمات بتلاتے ہیں، لہٰذا یہ کافر ہیں۔ دین کی بنیاد طہارت اور توحید پر ہے جبکہ جادو سراسر نجاست اور غلاظت ہے۔ اس میں ظاہری نجاست بھی ہے اور باطنی نجاست یعنی شرک بھی ہے۔

وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَـكَيۡنِ بِبَابِلَ هَارُوۡتَ وَمَارُوۡتَ

دو فرشتے تھے اللہ نے ان کو لوگوں کا امتحان لینے کے لیے بھیجا۔ یہ تکوینیات ہیں کہ فرشتے اللہ کے احکام میں قتل بھی کرتے ہیں۔ (خضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کر دیا) اللہ نے یہ دو فرشتے بھیجے تھے۔ لوگ ان سے عملیات سیکھتے تھے اور غلط مقاصد کے لیے استعمال کرتے تھے لیکن یہ اتمام حجت کرتے ہوئے منع کرتے تھے اور بتلانے سے گریز کرتے تھے، البتہ اصرار کرنے پر بتلا بھی دیتے تھے۔ یہ فرشتے واضح کر دیتے کہ اسے غلط مقاصد کے لیے استعمال نہ کریں۔ اب اگر وہ ان کا بتایا ہوا عمل کرتے ہیں تو یہ ان کی اپنی ذمہ داری تھی۔ بابل شہر کا سحر زیادہ مشہور ہے۔ بعض تفاسیر میں بڑے لمبے قصے مذکور ہیں کہ اللہ نے فرشتوں کو قوت شہوانی دی۔ پھر ان سے غلط کام سرزد ہوئے تو یہ کنویں میں لٹکا دیے گئے۔ یہ اسرائیلیات ہیں۔ قرآن میں مذکورہ باتوں کے علاوہ ان باتوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ لاحاصل ہیں۔ جب ان کے پاس لوگ آتے تھے تو یہ کہتے:

اِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٌ الخ

کہ مت سیکھو۔ ہم تو امتحان لینے آئے ہیں۔ اگلے رکوع میں اہل کتاب سے مقاطعہ کا ذکر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا

اس رکوع میں یہود کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ انہوں نے آیت نسخ کا انکار کر دیا تھا اور اعتراض کیا تھا کہ آیات کیوں منسوخ ہوتی ہیں۔ آج ایک حکم آتا ہے، چند دنوں کے بعد یہ حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ من عند اللہ ہوتا تو یہ تبدیلیاں نہ ہوتیں۔ اس کا جواب اس رکوع میں ہے اور اس کے علاوہ بعض مقامات پر یہودیوں سے مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کا حکم دیا جاتا ہے۔

خطاب يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

یہ بھی قرآن کریم کی خصوصیت ہے کہ قرآن کریم میں مومنین کو براہ راست مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلی کتابوں میں انبیاء کو مخاطب کیا جاتا تھا اور مومنین کو انبیاء کی وساطت سے حکم سنایا جاتا تھا۔ تورات وانجیل میں کہیں براہ راست مومنین سے خطاب نہیں تھا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہ مومنین کے لیے بہت بڑا شرف ہے اور ان کا اکرام ہے کہ اللہ نے براہ راست انہیں خطاب فرمایا۔

مسئلہ رَاعِنَا

لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا تم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے وقت راعنا مت کہو۔ وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا یعنی راعنا کا مترادف لفظ انظرنا موجود ہے وہ استعمال کرو۔

حقیقت راعنا:

اصل میں بات یہ تھی کہ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راعنا کہتے ہوئے اس طرح خطاب کرتے تھے کہ راع جو امر کا صیغہ ہے من المراعات باب مفاعلہ سے اس میں نا مفعول بہ ہے یعنی ہماری رعایت فرمائیے۔ راعی اور رعیت بھی دونوں لفظ اسی سے مشتق ہیں۔ راعی کے معنی چرواہا ہے جو بکریوں کی نگرانی کرتا ہے۔ وہ ان کے مفادات کا ہر وقت لحاظ رکھتا ہے تو اس کو بھی راعی کہا جاتا ہے۔ راعنا یعنی آپ نگہبانی فرمائیں۔ ظاہری معنی یہی ہیں، لیکن وہ اس ضمن میں خبث باطن کا مظاہرہ کرتے تھے کہ راعن ماخوذ ہے رعونت سے یعنی راعن احمق اور متکبر احمق۔ اگر کسی ذہین عقلمند آدمی میں کبر پیدا ہو تو ہو، لیکن احمق میں کبر کیسے پیدا ہو۔ حمق و کبر کو ملانے کے بعد اس کو رعونت کہتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ منادی کے بعد الف کا اضافہ کیا جاتا ہے جیسے یا اماہٗ حدیث میں ہے کہ جب صحابہؓ حضرت عائشہؓ سے ملنے جاتے تھے تو یا اماہ سے خطاب کرتے تھے تو منادی کے بعد الف کا اضافہ عام معمول تھا یعنی یہ لوگ یا راعنا مراد لیتے تھے۔ یعنی رعونت کرنے والا۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جس نام میں معنی فاسد کا وہم آتا ہو اس کا استعمال کرنا کسی بھی بزرگ صحابی یا اللہ تعالیٰ کے بارے میں جائز نہیں ہے۔ علمائے بلاغت و معانی جانتے ہیں کہ جس لفظ میں معنوی یا لفظی کسی بھی پہلو سے ذم کا مفہوم برآمد ہوتا ہے، اسے ترک کرنا فصاحت ہے۔ یہ ادب کا قرینہ بھی ہے۔ اس آیت سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ راعنا مت کہو بلکہ اس کا ہم معنی لفظ بجائے راعنا کے انظرنا کہو۔ کیونکہ اس میں معنے فاسد کا ایہام نہیں ہے۔ اس لیے انظرنا کہنے کا حکم دیا۔

یہ لوگ غلط اور برا خطاب کرتے تھے اور مسلمانوں کے ذہنوں میں یوں ڈالتے تھے کہ ہم شفقت کے طالب ہیں تاکہ مسلمانوں کا ذہن صاف رہے۔ یہی ان کی عادت تھی اور اس کے ذریعہ وہ اپنے باطنی خبث کا اظہار کرتے تھے۔ اس وجہ سے سادہ لوح مسلمان ان کی دھوکا دہی اور فریب دہی کا شکار ہو جاتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی وہ بھی لفظ "راعنا" کہہ دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ جو بہت بڑے انصاری صحابی اور قبیلہ اوس کے سردار تھے کما ذکرنا من قبل۔ وہ بیٹھے تھے کہ ان کے سامنے یہودیوں نے راعنا کہا۔ وہ بہت غصے میں آ گئے کیونکہ ان کی عرف میں یہ لفظ گالی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر پھر یہ لفظ استعمال کیا تو میں تمہاری گردن مار دوں گا۔ تب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ چونکہ یہ موہم کلام فاسد تھا یعنی اس لفظ سے فاسد معنی کی طرف بھی خیال جاتا تھا۔ اس وجہ سے منع کر دیا گیا۔

مذکورہ بالا حکم سے قاعدہ کلیہ کا استنباط:

اس سے ایک حکم کلی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول یا دیگر بزرگان دین کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جس سے فاسد مفہوم کا وہم ہوتا ہو، درست نہیں ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے صرف وہ نام لیئے جائیں

جو توقیفیہ ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد فرمایا ہے انہی اسماء کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ہوگا۔ کسی اور نام سے پکارنے کی اجازت نہیں ہے۔

علامہ تفتازانی کا موہم الفاظ کا استعمال کرنا:

آپ لوگوں نے مختصر المعانی میں پڑھا ہوگا جہاں یہ بحث ہے کہ مسند الیہ کبھی معرفہ ہوتا ہے بالعلمیة کالمدح والذم یعنی اس کا عمل مدح پر دال ہوتا ہے یا ذم پر دال ہوتا ہے تو اس پر علامہ تفتازانی نے دونوں کی مثال یہ دی ہے۔

رکب علی وھرب معاویة ٥ (علی سوار ہو گئے، معاویہ بھاگ گئے)

لغوی معنی کے اعتبار سے ''علی'' علو مرتبہ پر دال ہے اس میں مدح ہے اور معاویہ من عواء الکلب سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کتے کا بھوکنا، لہٰذا یہ لفظ ذم پر دال ہے۔ یعنی حضرت معاویہؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں عواء الکلب تک پہنچا دیا۔ اسی وجہ سے ہمارے محققین علماء کہتے ہیں کہ (فیہ شائبة من الرفض) تفتازانی میں رافضیت کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ حضرت معاویہؓ کا نام لے کر ان کو عواء الکلب سے تعبیر کرنا کس قدر غلط رویہ تھا۔ پتا نہیں اب یہ شخص جنت میں جائے گا یا نہیں؟ کتاب کے حاشیہ پر اگرچہ یہ تاویل کی گئی ہے کہ معاویہ سے مراد صحابی رسول نہیں ہیں کوئی اور معاویہ ہے، لیکن یہ تاویل عجیب بھی ہے اور بعید بھی۔ یہاں حضرت علیؓ کے ساتھ تقابل ہے اور ایسے نام جو معنٰے فاسد کے موھم ہیں، ان کو استعمال ہی کیوں کیا گیا۔ کیا اور نام نہ تھے؟ وہاں (مختصر المعانی میں) اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔ اسی طرح شرح العقائد النسفی میں یزید پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے اور اس پر لعنت بھی بھیجی گئی ہے اور آگے لکھا ہے۔ لعن اللہ علی انصارہ واعوانہ۔ حالانکہ ان کے انصار واعوان صحابہ کرامؓ وتابعین تھے۔ پھر صحابہ کرامؓ کے فضائل میں خلفاء اربعہ کی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔ آگے لکھا ہے کہ افضلیت سے کیا مراد ہے اگر افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے تو یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور اگر افضلیت سے مراد کثرت مناقب ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں کذا فی شرح العقائد اور تلویح میں بھی بہت ساری باتیں موجود ہیں۔ بہرحال میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ وہ لفظ یا نام جن میں فاسد معنی کا وہم پایا جاتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے لیے یا نبی یا کسی بزرگ کے لیے اسے استعمال کرنا ٹھیک نہ ہوگا اور یہ ضابطہ مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہو گیا کہ ''راعنا'' اس وجہ سے نہ کہو کہ اس میں فاسد معنی کا احتمال ہے اور ''انظرنا'' میں چونکہ معنی فاسد کا احتمال نہیں ہے، لہٰذا اسے استعمال کیا کرو۔

اگرچہ دونوں الفاظ مترادف ہیں، لیکن ایک موہم فساد ہے اور دوسرا موہم فساد نہیں ہے۔ اگر کسی قوم کی اصطلاح میں بزرگ کے معنی بیوقوف کے ہوں تو یہ بھی موہم فساد ہے۔ اس لیے ایک اصطلاح میں ایک لفظ گالی

کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور دوسری لغت میں کسی اور معنی کے لیے تو ایسے لفظ کا استعمال مناسب نہیں۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ یہاں اہل کتاب کے ساتھ مشرکین کو بھی جوڑ دیا گیا کہ اہل کتاب سے مراد یہودی اور اہل مکہ سے مراد مشرکین ہیں کہ دونوں نہیں چاہتے کہ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو تو یہ ان کا حسد ہے۔ حسد کہتے ہیں کسی کے حق میں ایک نعمت کے ازالہ کی خواہش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جس کو چاہوں رحمت دوں۔

مَا نَنْسَخْ الخ ،انہوں نے لوگوں کو منحرف کرنے کے لیے یہ کہا کہ کیا اللہ کی طرف سے بھی احکام منسوخ ہوتے ہیں کہ نعوذ باللہ، اللہ نے پہلے غلط بات کہہ دی اور پھر اپنی ہی بات منسوخ کر دی۔ اب بندے تو یہ کر سکتے ہیں اور کرتے ہی یہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تفصیلی علم میسر ہے وہ کیوں ایسا کرنے لگا۔ یہ لوگ ایسے شکوک پیدا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہاں دے دیا۔ ما ننسخ میں ما موصولہ ہے اور من بیانیہ ہے۔

حقیقت النسخ:

نسخ کے معنی بیان انتہاء مدة الحکم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک محدود وقت کے لیے ایک حکم نازل فرمایا۔ اللہ جانتا تھا کہ میں نے یہ حکم ایک سال یا چھ ماہ کے لیے خاص حالات کے لیے دیا ہے اور میں نے یہ حکم دے کر دوسرا حکم لیا ہے تو نزول آیت کے وقت مدۃ نہیں بتائی گئی۔ مسلمان اس کو ابدی سمجھتے تھے۔ سال کے بعد جب یہ حکم منسوخ کر دیا گیا تو یہ بات واضح ہوگئی کہ آج اللہ نے بتلا دیا کہ یہ دوسرا حکم ہے۔ دوسرا حکم دُنیا کے بدلنے کی وجہ سے آیا۔ پہلے وہی حکم درست تھا۔ اب نئے حالات میں نیا حکم ہے۔ جب ابتدائی حالات تھے، ان کے تحت حکم اور تھا۔ جیسے روزانہ حالات کے تحت مریض کی شفاء کے لیے حکیم نسخہ بدل دیتا ہے۔ مریض کو اعتراض نہیں ہوتا۔ فرمایا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا تو اس میں کیا قباحت ہے۔ یہ اللہ نے تحقیقی جواب دیا اور الزامی جواب یہ ہے کہ یہود ایمان رکھتے تھے اس بات پر کہ تورات نازل شدہ ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کے لیے ناسخ ہے۔ اس طرح نصاریٰ کا عقیدہ تھا۔ انجیل ناسخ ہے تورات کے لیے۔ اس لیے کہتے تھے لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ جب انجیل سے اللہ کی تمام سابقہ کتابوں کو منسوخ کرتے ہو تو کیا وہ خدا کے احکام نہ تھے۔ اگر اس وقت تورات و انجیل سے خدا کی سابقہ کتابیں منسوخ ہو جاتی ہیں تو قرآن سے ہو جائے تو کیا ہوا۔ یہ الزامی جواب بعد میں آئے گا۔

الفرق بین النسخ والانساء:

نسخ اور انساء دونوں الگ الگ لفظ ہیں۔ انساء کا معنی ہے بھلا دینا اور دل سے محو کر دینا اور نسخ سے مراد نسخ الحکم فقط من دون نسخ التلاوۃ یعنی تلاوت کے بغیر حکم کا منسوخ ہونا اور جہاں تلاوت کو بھی منسوخ کیا

جاتا ہے تو اس کو انساء سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی بھلا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ بالکل نہیں بھولیں گے، مگر جو اللہ چاہے یعنی وہ آپ کو یاد تک بھی نہ ہوگا۔ اس سے مراد نسخ فی التلاوۃ ہے۔ جیسا کہ مقدمہ میں عرض کر دیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ
(سورہ بقرہ/۲۴۰)

اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں، وہ وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے لیے خرچ ایک سال تک بغیر (گھر سے) نکالے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ متوفی عنھا زوجھا کی عدت ایک سال ہے۔ پھر کچھ احوال بدل گئے اور ارشاد ہوا:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ
(سورہ بقرہ/۲۳۴)

اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں اپنی بیویاں (وہ بیویاں) انتظار کریں اپنے اوپر چار مہینے دس دن۔

اب اس آیت سے معلوم ہوا کہ متوفی عنھا زوجھا (اگر حاملہ نہ ہو) کی عدت چار ماہ دس دن ہیں تو پہلا حکم منسوخ ہے، مگر اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہے۔ یعنی یہ نسخ ہے انساء نہیں ہے۔

انساء کی مثال:

(۱) کبھی تلاوت کو دل سے محو کر دیتے ہیں، لیکن حکم باقی رہتا ہے جیسا کہ آیت رجم **الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھما نکالا من الله والله عزیز حکیم**o (تفسیر ابن کثیر)

یعنی شادی شدہ مرد و عورت جب زنا کا ارتکاب کریں تو ان کو رجم کرو، یہ (ان کی) سزا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔

یہ الفاظ روایت میں ہیں، لیکن قرآن کریم میں نہیں ہیں، البتہ ان کا حکم باقی ہے کہ شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو انہیں سنگسار کیا جائے گا۔ البتہ یہ یقیناً عبرت ہے دوسروں کے لیے کہ حکم برقرار ہے اور تلاوت منسوخ ہے، بلکہ ذکر نہیں ہے۔

(۲) دوسری مثال صحیح بخاری کی کتاب المغازی میں یہ روایت موجود ہے کہ عرب کے بعض قبائل رعل و ذکوان وغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمیں دین سکھانے کے لیے کچھ قراء کی ضرورت ہے۔

آپ ہمیں عنایت فرمائیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ستر ۷۰ قاری روانہ فرمادیے۔ ان لوگوں نے غدراور دھوکے سے ان صحابہ کرامؓ کو بئر معونہ کے مقام پر شہید کرنا شروع کر دیا۔ جماعت کے امیر حضرت حرام ابن ملحان ان کو احکام سمجھا رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے ان کو نیزہ مار کر زخمی کر دیا تو انہوں نے فرمایا **فـــزت و رب الکعبۃ** رب کعبہ کی قسم کہ میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

جب ان سب کو ایک ایک کر کے شہید کر دیا گیا تو ان لوگوں نے دعاء مانگی کہ اے اللہ اپنے رسول کو ہمارے حال سے مطلع فرما اور جو الفاظ ان لوگوں نے کہے تھے وہ وحی بن کر قرآن کریم میں نازل کیے گئے۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

فانزل الله علينا ثم كان من المنسوخ۔ "انا قد لقينا ربنافرضى عناو ارضا نا".

(بخاری، کتاب المغازی)

یعنی درج ذیل الفاظ اللہ تعالیٰ نے ہم پر نازل فرمائے تھے اور پھر منسوخ ہو گئے۔ (ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے) بیشک ہم اپنے رب سے مل گئے وہ بھی ہم سے راضی ہوا اور ہمیں بھی راضی کیا۔

یہ الفاظ بعد میں منسوخ ہو گئے تو یہ منسوخ التلاوت ہے۔ حکم تو یہاں تھا ہی نہیں، اس لیے حکم کے منسوخ ہونے کا یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اِنساء میں نسخ ہوتا ہے اور یہ خبر ہے (والا خبار لا تنسخ) خبریں منسوخ نہیں ہوتیں۔

(۳) تیسری مثال درج ذیل الفاظ حدیث میں موجود ہیں جو قرآن کریم میں اس وقت موجود نہیں ہیں، لیکن پہلے ان الفاظ کی تلاوت ہوتی تھی وہ الفاظ یہ ہیں:

لـو كـان لابن ادم وادى من ذهب لابتغى اليه ثانيا ولو كان له واديان من ذهب لابتغىٰ اليهما ثالثا ولا يملاء جوف ابن أدم الا التراب ٥

ابن آدم کے پاس اگر ایک وادی سونے کی (بھری ہوئی) ہو تو ضرور دوسری کو تلاش کرے گا اور اگر دو ہوں تو لازماً تیسری کو تلاش کرے گا اور ابن آدم کا پیٹ سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

یہ الفاظ بھی بعد میں منسوخ ہو گئے۔ اب یہ الفاظ صرف حدیث میں ہیں۔ پہلے یہ وحی متلو تھی۔

(۴) چوتھی مثال، اسی طرح ایک حدیث میں درج ذیل الفاظ منقول ہیں۔ پہلے متلو تھے اور اب تلاوت منسوخ ہو گئی۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

ان الله ليئيد هذا الدين بر جال مالهم فى الاخرة من خلاق او لا خلاق لهم فى الاخرة

اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایسے لوگوں سے کرواتا ہے کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

(۵) پانچویں مثال، صحیح بخاری کی کتاب الجہاد اور کتاب المغازی میں یہ روایت موجود ہے کہ قزمان نامی شخص ایک غزوہ میں خوب بہادری سے لڑا اور جنگجوئی کے خوب جوہر دکھائے تو لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی تعریف کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا هو فی النار، یعنی وہ جہنمی ہے۔ قریب تھا کہ لوگ آپؐ کے اس ارشاد سے شک میں پڑ جاتے کہ صحابہ کرامؓ میں سے ایک شخص نے اس کا پیچھا کیا۔ جب وہ شخص کفار کے ہاتھ سے زخمی ہوا تو رات کے وقت زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے تلوار کا دستہ زمین پر ٹیک دیا اور اس کی نوک پر اپنا سینہ رکھ کر دبایا یہاں تک کہ تلوار پار ہوگئی۔ گویا خودکشی کی موت مرا۔ وہ صحابیؓ بھاگتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اشهد انک رسول الله پھر سارا قصہ بیان کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

بہرحال منسوخ التلاوت آیات کی مثالیں احادیث میں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کس حکم کو یا کن الفاظ کو برقرار رکھنا ہے اور کن لفظوں کو نہیں۔

انساء الایۃ انساء الحکم نہیں ہے:

اب سوال یہ ہے کہ جن آیات کے الفاظ بھلا دیئے گئے تو پھر ان کا حکم امت میں کیسے باقی رہا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ الفاظ تو بھلا دیئے گئے مگر مفہوم تو ذہن میں رہتا ہے چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا:

عن ابن عباس ان عمر قام فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال اما بعد ایھا الناس فان اللہ تعالی بعث محمداً صلی الله علیه وسلم بالحق و انزل علیه الکتاب فکان فیما انزل علیه آیة الرجم فقرا ناها وو عینا ها ورجم رسول الله صلی الله علیه وسلم ورجمنا بعده فاخشی ان یطول بالناس زمان ان یقول قائل لا نجد آیة الرجم فی کتاب الله فیضلوا بترک فریضة قد انزلها الله فالرجم فی کتاب الله حق علی من زنی اذا احصن من الرجال و من النساء اذا قامت البینة او الحبل او الاعتراف ٥ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ سورہ نور)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان فرمائی اور پھر اما بعد کہہ کر فرمایا کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا تھا اور اس پر کتاب بھی نازل فرمائی اور من جملہ ان میں سے رجم کی آیت بھی تھی۔ ہم نے وہ آیت پڑھی اور اس کو محفوظ کیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپؐ کے بعد ہم نے بھی (محصن زانیوں کو) رجم کیا۔ اب مجھ کو اندیشہ ہے کہ جب لوگوں پر ایک طویل زمانہ گزر جائے گا تو ایسا نہ ہو کہ کوئی یہ کہنا شروع کر دے کہ رجم کی آیت چونکہ قرآن کریم میں نہیں

ہے، ہم اسے نہیں مانتے۔ وہ ایک فرض کو چھوڑ دینے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو رجم (کا حکم) اللہ کی کتاب میں حق ہے ان شادی شدہ مرد و عورت کے لیے جو زنا کا ارتکاب کریں اور ان کا جرم شرعی شہادت، حمل یا اپنے اقرار و اعتراف سے ثابت ہو جائے۔

تو یہ سب کچھ تواتر بالعمل سے ثابت ہیں۔ جیسے قرآن کریم اور نماز کی ہیئت کذائیہ۔ یہ قرآن کریم میں تو نہیں ہے، لیکن تواتر بالعمل سے ثابت ہے۔ حدیث بھی کوئی ایسی متواتر نہیں ہے جو کہ لفظاً ہیئت کذائیہ کو نقل کر دے۔ اگر ہے بھی تو خبر واحد ہے، لہٰذا جو روایتیں متواتر ہیں وہ لفظاً نہیں بلکہ معنیً و مفہوماً ہیں۔

آج اگر مسلمانوں سے رجم کی کیفیت کے متعلق بات کی جائے تو کہیں گے کہ پتھروں سے مارنا تو پہلے زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ اب پتھروں کا استعمال نہیں ہونا چاہیے۔

رجم میں پتھروں کی جگہ گولیوں کی بوچھاڑ:

بعض علماء کی مجلس میں یہ بات ہوئی کہ فی زمانہ رجم کیسے کرنا چاہیے؟ یہ بحث آئی کہ اگر پتھروں کی جگہ گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جائے تو یہ رجم ہوگا یا نہیں؟ میں نے اس بات کی مخالفت کی اور کہا کہ پتھر ہی مارنے چاہییں اور دلیل یہ دی کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ رجم حدود میں سے ہے اور حدود کے لیے قانون یہ ہے کہ "الحدود تندرئ بالشبهات" یعنی ثبوت جرم میں شبہ ہو جانے کی وجہ سے حدود ختم ہو جاتے ہیں اور ان کا حکم لاگو نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کوئی زنا کا اعتراف کر لے اور اس کو سنگسار کرنا شروع کر دیا جائے اور وہ شخص اپنے اعتراف و اقرار سے پھر جائے تو پھر اس کو چھوڑ دیا جائے گا اور مزید سزا نہ دی جائے گی۔ جیسے ماعز بن مالک اسلمی بھاگ گئے تھے۔ ایک شخص نے اونٹ کی ہڈی اٹھائی اور مار دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھاگ گیا تو اس کا بھاگنا رجوع کے حکم میں ہے۔ اسی طرح جس کے خلاف چار گواہ ہوں تو ان کے سامنے رجم کیا جائے تاکہ گواہ اس سختی کو دیکھ کر، خدانہ خواستہ اگر انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہو تو، نرم پڑ جائیں۔ البتہ شہادت سے رجوع کے بعد ان پر حد قذف اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے اور گولیوں کی بوچھاڑ کے بعد مندرجہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت ممکن نہیں۔ نہ گواہ کے لیے اور نہ مقر کے لیے، لہٰذا اس صورت میں گولیوں کی بوچھاڑ کی سزا قطعاً درست نہیں ہے۔ آج سعودی عرب والے پتھر نہیں مارتے، وہ چھرے مارتے ہیں۔ اس میں پھر بھی تھوڑی سی گنجائش ہے، لیکن گولی والی صورت تو بالکل جائز نہیں ہے۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ الخ

بعض دفعہ دیہاتی لوگ آپ کے پاس آتے تھے اور سوالات کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ اس پر بہت خوش ہوتے

تھے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس بات سے بہت خوش ہوتے تھے کہ کوئی دیہاتی آئے، آپؐ سے سوالات کرے اور ہم سنیں۔ تا کہ ہمیں فائدہ ہو (**العاقل من اهل البادية كان يعجبنا ان ياتى رسول الله صلى الله عليه وسلم و سئله فسمعه**) ۹ھ میں ضمام ابن ثعلبہؓ اسلام لانے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ آداب کا خیال بھی نہ رکھتے تھے۔ آتے ہی سوال کیا کہ

ایکم محمد صلی الله علیه وسلم یعنی تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ تو لوگوں نے کہا کہ **هذا الرجل الابيض المتكاء** یعنی یہ گندم گوں وسفید رنگ شخص جو تکیہ لگائے تشریف فرما ہیں تو ضمام ابن ثعلبہؓ نے کہا کہ **انى سائل مشددٌ فى المسئلة فلا تجد على فى نفسک فقال اسئل** یعنی میں سوال پوچھنے میں خوب سختی کروں گا آپ محسوس نہ فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا پوچھ لو جو پوچھنا چاہتے ہو۔ انہوں نے پہلا سوال یہ کیا کہ اللہ کی قسم کھا کر فرمایئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کے متعلق سوال کیا۔ اسی طرح زکواۃ، حج، روزہ وغیرہ تقریباً تیرہ سوالات کیے جن سے ہمیں بہت فائدہ ہوا، لیکن بے وقوف کے سوال کرنے سے الجھن پیدا ہوتی ہے۔

لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا

قانون یہ ہے کہ من بدل دینہ فاقتلوہ۔ ارتداد بہت بڑا جرم اور بہت بڑی بغاوت ہے۔ **خسران الدنيا و الاخرة** ہے، لہٰذا قتل کا حکم دلیل ہے انتقام کی۔

لیکن آگے فرمایا کہ **فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا** الخ یعنی معاف کرتے رہنا اور درگزر کرتے رہنا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس پر عمل پیرا رہے، لیکن جب یہود نے بدعہدی کی اور نقض عہد کے مرتکب ہوئے تو غزوہ خندق کے بعد ان سے قتال کیا گیا۔ ان کے ساتھ معاملے کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ الخ

یہ حقوق اللہ ہیں، یہ جہاد اکبر ہے اور جب ان لوگوں سے انتقام وقتال کا وقت آئے گا تو قتال بھی ہوگا، لیکن یہ جہاد اصغر ہے۔ چنانچہ غزوہ خندق سے واپسی پر فرمایا گیا تھا:

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر

ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں۔

جہاد اکبر واصغر پر شبہ اور اس کا جواب:

آج کل ہمارے نوجوان اس بات میں شبہ کرتے ہیں کہ دیگر اعمال کے مقابلہ میں جان کی بازی لگانا اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر اس کو قربان کرنا کتنی بڑی قربانی ہے، لیکن پھر بھی اس کو جہاد اصغر کہا گیا، آخر کیوں؟ یہ عجیب سی

بات ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ نفس کے تقاضوں کو علی الدوام کنٹرول کرنا یہ بہت مشکل کام ہے۔ کوئی شخص اس کو پابندی سے سرانجام نہیں دے سکتا، لیکن جہاد میں کود جانا آسان ہے۔ بسا اوقات انسان جذبات میں آ کر قتل ناحق کا مرتکب ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول کا ارشاد ہے **القاتل و المقتول کلا هما فی النار** یعنی مارنے والا اور مارا جانے والا دونوں جہنم میں جائیں گے۔ جان دینا آسان ہے، لیکن ہمہ وقت نفس پر کنٹرول کرنا بڑا مشکل ہے۔ آپ لوگوں نے دیکھا نہیں کہ معمولی پریشانی کی وجہ سے لوگ خودکشی کر لیتے ہیں۔ بچہ امتحان میں فیل ہوا تو طعنہ کے خوف سے خودکشی کر لی۔ یہ بچہ دراصل اپنے نفس پر کنٹرول نہ کر سکا، لیکن یہ اپنی جان دینے کو تیار ہو گیا۔ لوگ اس گھٹن کو جان دینے پر فوقیت دیتے ہیں۔ مشکلات پر مسلسل قابو رکھنا ضبط نفس ہے۔ کئی دفعہ آدمی صرف بھوک سے عاجز آ کر بیوی بچوں کو قتل کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ جان دینا آسان ہے۔ بہت سے لوگ روزے صرف اس لیے نہیں رکھتے کہ ان میں برداشت نہیں ہے۔ مسلسل مشکلات کو اپنانا یہ جہاد اکبر ہے۔ اسی لیے یہ فرمایا کہ جہاد اکبر تو سر کر لو جہاد اصغر پھر کر لینا۔

اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ط

اس کے معنی یہ ہیں کہ یہود کہتے ہیں کہ **لا یدخل الجنہ الا الیهود** اور نصاریٰ کے نزدیک **الا النصاریٰ** ہے یعنی یہ جنت میں اکٹھے نہیں ہونا چاہتے۔ وھو محسن۔ یہ منافق کے مقابلہ میں ہے۔ محسن وہ ہے جو کارِ خیر اور احکام و اعمال کو خوبصورتی سے کرتا ہے۔ اس کے برعکس منافق کے عمل میں حسن نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی خرابی ہوتی ہے۔ اس کی ناز میں کسلمندی ہوتی ہے۔ مومن کی نماز میں سپردگی ہوتی ہے۔ مومن کے ہر فعل میں حسن ہوتا ہے۔ وہ احکام خداوندی کو پوری خوبصورتی سے بجالاتا ہے جبکہ منافق احکام خداوندی کو نالائقی اور دل میں نفرت سے ادا کرتا ہے۔ اُس کے عمل میں خوبصورتی نہیں ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کو محسن کہا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مومن کی شخصیت منافق کے مقابلے میں بالکل متضاد صفات کی حامل ہوتی ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۪
اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ ٹھیک راہ پر نہیں
وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ
اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی راہِ حق پر نہیں ہیں حالانکہ وہ سب کتاب پڑھتے ہیں
كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
ایسی ہی باتیں وہ لوگ بھی کرتے ہیں جو بے علم ہیں پھر اللہ قیامت کے دن
الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ
ان باتوں کا کہ جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں خود فیصلہ کرے گا ۞ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ کی مسجدوں میں
اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ
اس کا نام لینے کی ممانعت کردی اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کی ایسے لوگوں کا حق نہیں ہے
يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ
کہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دُنیا میں بھی ذلّت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بہت بڑا
عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
عذاب ہے ۞ اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے سو تم جدھر بھی رُخ کرو اُدھر ہی اللہ کا رُخ ہے بیشک
اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا
اللہ وسعت والا جاننے والا ہے ۞ اور کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنایا ہے حالانکہ وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ
فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے سب اسی کے فرمانبردار ہیں ۞ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے
وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا
اور جب کوئی چیز کرنا چاہتا ہے تو صرف یہی کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے ۞ اور بے علم کہتے ہیں کہ
يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ
اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی ان سے پہلے لوگ بھی ایسی ہی باتیں

قَبۡلِهِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ؕ تَشَابَهَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾
کہہ چکے ہیں ان کے دل ایک جیسے ہیں یقین کرنے والوں کے لئے تو ہم نشانیاں بیان کر چکے ہیں ○
اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـئَلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۹﴾
بیشک ہم نے تمہیں سچائی کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری سنانے کیلئے اور ڈرانے کے لئے اور تم سے دوزخیوں کے متعلق باز پرس نہ ہوگی ○
وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى
اور تم سے یہود اور نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تم ان کے دین کی پیروی نہیں کرو گے کہہ دو بیشک ہدایت
اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ مِنَ
اللہ ہی کی ہدایت ہے اور اگر تم نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی اس کے بعد جو تمہارے پاس
الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ
علم آچکا ہے تو تمہارے لئے اللہ کے ہاں کوئی دوست اور کوئی مددگار نہیں ہوگا ○ وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے
يَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
وہ اسے پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس سے انکار کرتے ہیں
هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾
وہی نقصان اُٹھانے والے ہیں ○

افاداتِ محمود:

وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ لَيۡسَتِ النَّصٰرٰى الخ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب وہ یہ آیت پڑھتے تو فرماتے واللہ صدقا کہ دونوں نے سچ کہا ہے۔ یہ نصاریٰ ایک فرقہ ہے نصاریٰ عیسٰی انجیل کے احکام کو اپناتے اور نصاریٰ موسٰی تورات کے احکام کو اپناتے تھے۔

وجہ تسمیہ یہود و نصاریٰ:

یہودی کو یہودی کیوں کہتے ہیں۔ ہاد، یہود، اجوف واوی ہے۔ مثل

قال یقول بمعنی تاب یتوب - ای رجع انا ھدنا الیک ای تبنا الیک بمعنی تاب یتوب

یعنی ہاد یہوذ رجوع کرنے کے معنی میں ہے۔نصاریٰ جمع ہے نصران کی بروزن فعلان پر فعالاء جمع فعلان ہے۔
والنصران، الناصر واحد۔
سورہ صف میں آیا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ
اس لیے مشہور نصاریٰ ہیں اور انصار جمع ناصر ہے۔ یہ عجیب لوگ ہیں، یہود کہتے ہیں۔
لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ
جبکہ کتاب ان کے پاس ہے تو حد دشمنی میں نہ بڑھ جاؤ کہ ہر اچھی بات کا انکار کرو۔ باوجودیکہ وہ کتابیں پڑھتے ہیں۔ یہود اسم ہے۔

یہود کی قباحت ثانیہ:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ الخ (سورۂ توبہ)
یہاں یہود کی دوسری قباحت کا ذکر ہے کہ یہ لوگ مساجد اللہ کی تخریب بھی کرتے ہیں اور ان میں اللہ کا نام لینے کو منع بھی کرتے ہیں تو یہ اظلم ہیں۔ان کو اظلم اس وجہ سے کہا گیا کہ ان کا جرم اعلی درجہ کا تھا۔ایک ہے کسی کے گھر کو غصب کر لینا۔ یہ غصب عین ہے اور ایک ہے کسی کے گھر پر قبضہ کر کے منافع غصب کر لیے، اگر چہ ملکیت کا غصب نہیں کیا ہے۔ یہ لوگ نصاریٰ اور یہود اہل کتاب کہلاتے تھے اور کہتے تھے کہ نماز صرف بیت المقدس میں ہوتی ہے۔ دوسری مساجد میں نماز نہیں ہے۔ یہ اصل میں نسخ قبلہ کے مخالف تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جا کر ۱۶، ۱۷ مہینہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تھی اور پھر آپ کی خواہش کے مطابق قبلہ بدل دیا گیا اور پھر قبلہ شمال سے جنوب کی طرف ہو گیا کہ مدینے سے مکہ جانب جنوب ہے۔انہوں نے کہا کہ نماز تو صرف بیت المقدس میں ہوتی ہے۔انہوں نے بہت شور مچایا اور بڑے جز بز ہوئے۔ کیونکہ ان کی ریاست خراب ہونے لگی تھی۔ یہ باطنی تخریب کاری تھی۔

انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الآخر الخ
یہ عمارت مسجد ہے تو اس میں عبادت نہ کرنا تخریب مسجد ہے اور اس آیت میں تخریب مساجد اور مسجدوں کو ویران کرنے کو سب سے بڑا ظلم کہا گیا جبکہ سورہ لقمان میں ہے کہ حضرت لقمان نے جب بیٹے کو نصیحت فرمائی تو فرمایا کہ ان الشرک لظلم عظیم یعنی شرک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے تو اصل میں الگ الگ حیثیتیں ہوتی ہیں۔ایک حیثیت سے شرک بڑا ظلم ہے کیونکہ بہت بڑی بغاوت ہے اور نسخ قبلہ کا انکار قول اور فعل سے یہ شعائر اللہ کی توہین ہے۔اس حیثیت سے یہ بھی کفر اور بڑا ظلم ہے۔

''ممن منع'' مفرد ہے اور اولئک ما کان لھم تمام صیغے جمع کے ہیں۔ یہ لفظ من موصولہ ہے تو باعتبار من کے جمع ہے اور لفظاً مفرد ہے۔ حدیث میں ہے:

احب البلاد الی اللہ مساجدھا و ابغض البلاد الی اللہ اسواقھا (الترغیب والترھیب)

اللہ تعالیٰ کے ہاں شہروں میں سے بہترین جگہ مسجدیں ہیں اور بدترین جگہ بازار ہیں۔

خدا کو بیٹے کی کیوں ضرورت نہیں؟

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا الخ اور آگے کہا بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

یعنی جب بیٹا مملوک نہیں ہوتا تو جو خدا تمام مخلوق کا مالک ہے۔ اس کو بیٹا بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے لیے وارث کی ضرورت نہیں۔ جبکہ وہ ابدی ذات ہے۔ اسے بیٹے کی کیا ضرورت۔ اسے نہ مددگار درکار ہے، نہ وارث، نہ قائم مقام۔

قٰنِتُوْنَ...... قنوت کا لفظ قرآن میں ہر جگہ عبادت کے معنی میں ہے۔

كُنْ فَيَكُوْنُ ...... جب چیز موجود نہیں تو خطاب کس کو ہے؟

اللہ اور بندے کے خطاب میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پتھروں، پہاڑوں وغیرہ سے بھی خطاب فرمایا ہے۔ پھر اللہ کے لیے عدم اور وجود کا فرق بھی کیا حقیقت رکھتا ہے۔

لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ الخ

یہ بات مشرکین نے کہی تھی، لیکن اس کو یہود نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بشیر لمن آمن ہے اور نذیر لمن کفر ہے۔ یعنی ایمان والوں کے لیے بشارت دینے والے اور کفار کو ڈرانے والے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ الخ بشیر لمن آمن بہ ونذیر لمن کفر بہ

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ الخ

یعنی امت یہود قبلہ کے بنیادی مسئلہ کو لے کر بہکی تھی، لوگوں کو بہکانے کے لیے یہود نے قبلے کا مسئلہ خوب خوب اچھالا۔ گویا ان کا مسلمانوں سے بس یہی اختلاف تھا۔ گمراہ لوگ دوسروں کو بہکانے کے لیے ایسے ہی مسائل اچھالا کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں جاننا چاہیے کہ اصل تو اللہ کا حکم ہے۔ اسے کسی سمت کا پابند نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ سمتیں تو اس کی ملک ہیں۔ اس لیے یہ بحث ہی بیکار تھی۔ بس بہکانے کو یہ مسئلہ اچھالا گیا۔ بعض لوگ آج کل کوؤں کے مسئلوں سے عوام کو بہکاتے ہیں۔ کیا اسی مسئلے پر نجات کا مدار ہے؟ یہ ان سے بھی زیادہ اجہل ہیں۔

بیت المقدس کی تعمیر سلیمان علیہ السلام نے کی اور بیت اللہ کی تعمیر ابراہیم علیہ السلام نے کی ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ

اے بنی اسرائیل میرے احسان یادکرو جو میں نے تم پر کئے اور بیشک میں نے

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا

تمہیں سارے جہان پر بزرگی دی تھی ○ اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی بھی کسی کے کام نہ آئے گا

وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى

اور نہ اس سے بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی سفارش نفع دے گی اور نہ وہ مدد دیئے جائیں گے ○ اور جب

اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ

ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے انہیں پورا کردیا فرمایا بیشک میں تمہیں سب لوگوں کا پیشوا بنادوں گا کہا اور

وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً

میری اولاد میں سے بھی فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا ○ اور جب ہم نے کعبہ لوگوں کے لئے عبادت گاہ

لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى

اورامن کی جگہ بنایا (اور فرمایا) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل سے عہد لیا کہ

اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو ○

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اسے امن کا شہر بنادے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ

جو کوئی ان میں سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے فرمایا اور جو کافر ہوگا سو اسے بھی تھوڑا سا فائدہ

قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ

پہنچاؤں گا پھر اسے دوزخ کے عذاب میں دھکیل دوں گا اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ○ اور جب

اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ

ابراہیم اور اسمٰعیل کعبہ کی بُنیادیں اُٹھا رہے تھے اے ہمارے رب ہم سے قبول کر بیشک تو ہی

اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ
سننے والا جاننے والا ہے ○ اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنادے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک
اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ
جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہمیں ہمارے حج کے طریقے بتادے اور ہماری توبہ قبول فرما بیشک تو بڑا توبہ قبول کرنے والا
الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ
نہایت رحم والا ہے ○ اے ہمارے رب اور ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے
اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
اور انہیں کتاب اور دانائی سکھائے اور انہیں پاک کرے بیشک تو ہی غالب
الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع
حکمت والا ہے ○

ع ۱۵ ۸ ۱۵

افاداتِ محمود:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ الخ

اس رکوع میں تذکیر بآلاء اللہ بھی ہے اور دوسری آیت میں تذکیر بما بعد الموت ہے۔ پھر قبلہ کی تحویل کے بارے میں آیات نازل ہوئیں اور یہ واضح کیا گیا کہ یہود کے مسلم الثبوت عقیدہ کے مطابق مسلمان کا قبلہ کعبہ ہی ہونا چاہیے۔

وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ

مراد یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں کہ کچھ مال وغیرہ جمع کر کے جان بچائی جاسکے۔

امتحانات ابراہیم:

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ الخ

(۱) ایک امتحان یہ ہوا کہ توحید کے اعلان کی پاداش میں آگ میں پھینکا گیا تو وہ کامیاب رہے، بلکہ غیر اللہ سے آگ کے متعلق مدد بھی نہیں مانگی۔

(۲) انہوں نے اپنے وطن یعنی پورے شام فلسطین بیت المقدس سب دیار کو چھوڑا اور اللہ کے حکم سے اعزہ و اقرباء کو چھوڑ کر ہجرت کی اور وادی مکہ میں چلے گئے۔ بے آب و گیاہ علاقے میں گئے۔ اپنی بیوی ہاجرہ اور شیر خوار اسماعیل کو پہاڑ کی وادی میں اُس جگہ چھوڑ آئے جہاں پانی تک نہ تھا۔ خود دین کے پہنچانے کے لیے چلے گئے۔

حضرت ہاجرہ نے پوچھا ایسا کیوں ہو رہا ہے تو کہا کہ بحکم اللہ، تو فرمایا کہ جاؤ۔ بیوی بھی کمال کی تھیں اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دادی تھیں۔

(۳) حضرت ابراہیمؑ نے خواب دیکھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ رؤیا الانبیاء وحی ہیں۔ آپ نے یہ رویا اپنے بیٹے کو سنایا تو بیٹے نے کہا **یا ابت افعل ما تؤ مر الخ** پھر اس امتحان میں بھی کامیاب ہوئے۔ **فاتمھن** یعنی سب میں کامیاب رہے۔

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

کہ یہاں نبی کی ایسی اولاد کو بھی عہد کا فائدہ نہیں ملے گا، اگر وہ ظالم ہوگی۔

امامت اور نبوت میں فرق:

قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۔ الخ

امتحان میں کامیابی کے بعد ان کے اوصاف کا ذکر ہے۔

"اِمَامًا" اب یہاں امامت و نبوت الگ چیزیں ہیں۔ پہلے ایک نعمت آئی پھر دوسری ملی۔ نبوت کے بعد اللہ کے انعامات ہوتے رہتے ہیں جو نبوت سے بڑے نہیں ہوتے، لیکن متعدد نعمتیں ہوتی ہیں۔ یہ نعمتیں نبوت کے مساوی نہیں ہوتیں۔ امامت لوازم نبوت میں سے نہیں ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک امامت کا الگ عقیدہ ہے۔ (شاہ ولی اللہ کے نزدیک روافض کے فساد کی جڑ عقیدہ امامت ہے) **المعصوم یوحی الیه و تنزل الیه الملائکة** (وہ معصوم ہوتا ہے، جس طرف وحی کی جاتی ہے اور اس کی طرف فرشتے آتے ہیں) لیکن امام کو معصوم کہنا غلط ہے۔ اس لیے انہوں نے بارہ امام مان کر انہیں نبوت دی ہے، لیکن ختم نبوت کے انکار سے ڈرتے ہوئے لفظ امام بڑھا دیا۔ کیونکہ لفظ امامت تعریف نبوت پر صادق آتی ہے۔ البتہ یہ مرزائیوں سے کم بیوقوف تھے۔ امامت شیعہ یہاں مراد نہیں۔ ہے بلکہ اس سے قیادت و سیادت مراد ہے۔ شیعہ کے ہاں امام ایک خاص مفہوم رکھتا ہے اور یہ ان کا خود تراشیدہ مفہوم اور عقیدہ ہے۔ لہٰذا جب ابراہیم علیہ السلام کو امامت ملی تو مرکز کے قیام کا بیان فرمایا۔ ہمیشہ مرکز ہر ایک میں مسلم ہوتا ہے مثابۃ مرکز کے معنی میں ہے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ الخ

مقام ابراہیم:

کعبہ مکرمہ سے مشرق کی طرف مطاف کے کنارے پر وہ پتھر رکھا ہوا ہے جس میں نشان پائے ابراہیم ہے۔ پہلے اس کے مٹانے کا پروگرام بنایا گیا، لیکن پھر ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنا۔ پھر وہاں جالی لگی تھی تو اس میں ہمارے پاکستانی رقعے پھینکتے تھے۔ اب وہاں شیشے کا خول بنا دیا گیا ہے۔

لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ

وہاں تو صرف بیٹھنا بھی عبادت ہے۔اس کے جلال کو دیکھو۔جتنا دیکھتے جاؤ اتنا ہی مزہ زیادہ آئے گا۔روح کو لذت نصیب ہوگی۔

کعبہ سے نسبت قائم ہونے میں تاخیر ہوتی ہے بنسبت مدینہ سے نسبت قائم ہونے میں:

کعبہ میں نسبت مشکل سے قائم ہوتی ہے اور مدینہ میں بہت جلد نسبت قائم ہو جاتی ہے۔اس لیے کہ وہاں نسبت الی الانسان ہے اور مکہ میں نسبت الانسان الی اللہ ہے۔وہاں تو وقت لگتا ہے۔مجھے ایک دوست نے کہا کہ میں مکہ میں کافی دن رہا۔مطاف کے پتھروں سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔پھر اس کے بعد شعائیں بند ہوگئیں۔کیا پتھر بدل گئے۔میں نے پوچھا کہ وجہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ مکہ سے کافی زمانہ میں نسبت قائم ہوئی تھی۔اب ایسی نسبت قائم کرنے میں کافی وقت لگے گا۔

بنو اسرائیل کے دادا ابراہیم علیہ السلام تو تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اسماعیل و ابراہیم دونوں تھے۔یہ آیات دلیل ہیں کہ یہود کے اصول کے مطابق بھی یہی قبلہ ہونا چاہیے۔اگر حضرت ابراہیم کا دادا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہود کی پیروی کی جائے۔اگر ابراہیم ان کے دادا تھے تو وہ حضورؐ کے بھی دادا تھے۔پھر ان کی بات بھی ماننی اور سننی چاہیے۔

هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا اس لیے کہ یہاں مختلف قسم کے لوگ آئیں گے تو جھگڑا اور فساد کا خطرہ ہوگا۔اس لیے امان طلب کی۔

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ الخ

ان تمام دعاؤں کے ذکر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ان تمام دعاؤں کی قبولیت کی وجہ یہ ہے کہ عنداللہ یہی قبلہ ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ

اور کون ہے جو ملت ابراہیمی سے رُوگردانی کرے سوائے اس کے جو خود ہی احمق ہو

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور ہم نے تو اسے دُنیا میں بزرگی دی تھی اور بیشک وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہوگا ○

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى

جب اسے اس کے رب نے کہا کہ فرمانبردار ہو جا تو کہا میں جہانوں کے پروردگار کا فرمانبردار ہوں ○ اور اسی بات کی

بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ

ابراہیم اور یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے تمہارے لئے یہ دین چن لیا

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ

سوتم ہرگز نہ مرنا مگر درانحالیکہ تم مسلمان ہو ○ کیا تم حاضر تھے جب

يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا

یعقوب کو موت آئی تب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے انہوں نے کہا

نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ

ہم آپ کے اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک معبود ہے

وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے لئے ان کے اعمال ہیں

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوْا

اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں اور تم سے نہیں پُوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے ○ اور کہتے ہیں کہ

كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا

یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تا کہ ہدایت پاؤ کہہ دو بلکہ ہم تو ملت ابراہیمی پر رہیں گے جو

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ

موحد تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا ○ کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اُتارا گیا اور جو

اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ

ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اُتارا گیا اور جو

اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو دُوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم کسی ایک میں

اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ

ان میں سے فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ○ پس اگر وہ بھی ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو

فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِىْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ

تو وہ بھی ہدایت پاگئے اور اگر وہ نہ مانیں تو وہی ضد میں پڑے ہوئے ہیں سو تمہیں ان سے اللہ کافی ہے

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫

اور وہی سُننے والا جاننے والا ہے ○ اللہ کا رنگ اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہے

وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ

اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں ○ کہہ دو کیا تم ہم سے اللہ کی نسبت جھگڑا کرتے ہو حالانکہ وہی ہمارا اور تمہارا رب ہے

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ

اور ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے عمل اور ہم تو خاص اسی کی عبادت کرتے ہیں ○ یا تم کہتے ہو کہ

اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ

ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد یہودی یا

نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً

نصرانی تھے کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو گواہی چھپائے

عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ

جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بے خبر نہیں اس سے جو تم کرتے ہو ○ وہ ایک جماعت تھی

خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا

جو گزر چکی ان کے لئے ان کے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے عمل ہیں اور تم سے ان کے اعمال کی نسبت

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾
نہیں پوچھا جائے گا۔

ع ۱۶

افاداتِ محمود:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ یہاں سے یہود کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ یہ تمہارے مسلم بزرگوں کا مانا ہوا دین ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا کہ میری اطاعت اختیار کرو تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میں نے رب العالمین کی اطاعت اختیار کی۔ پھر اسی بات کی وصیت اپنے بیٹوں کو بھی فرمائی کہ اے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین کو تمہارے لیے منتخب کر دیا ہے۔ لہٰذا مرتے دم تک اس پر قائم رہنا۔ پھر یہی وصیت حضرت یعقوبؑ نے بھی اپنے بیٹوں کو فرمائی۔

الحکمۃ علم وحکمت الگ الگ ہیں۔ بہت سے علماء اس سے عاری ہوتے ہیں۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى یہاں سے ایک اور قباحت کا ذکر ہے کہ وہ غلط پروپیگنڈا کرتے ہیں۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ الخ یہاں سے یہود کو یہ تنبیہ کی گئی کہ ہم جب تمہارے مسلمہ بزرگوں کو مانتے ہیں ان کا احترام کرتے ہیں تو تم کیوں ہمارے شعائر اور بزرگوں کی مخالفت، بے حرمتی اور توہین کرتے ہو۔ اگر تم واقعی مسلمان ہونا چاہتے ہو تو ٹال مٹول، سوالات، شکوک وشبہات، شروط وقیودات سے بالاتر ہو کر سیدھے الفاظ میں ایما باللہ وبالانبیاء کلھم وبالکتب کلھا وبالاخرۃ وغیرہ پر ایمان لے آؤ۔

اب اے مسلمانو! اگر یہ لوگ (اہل کتاب) تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو تم جیسے ہو جائیں گے اور اگر تمہاری طرح ایمان نہیں لے آئے تو پھر ان کی باتوں پر کان نہ دھرو اور اپنا کام جاری رکھو۔

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ

جب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ تھے

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۴۲﴾

کہہ دو مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے ○

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ یَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

اور اسی طرح ہم نے تمہیں برگزیدہ اُمت بنایا تاکہ تم اور لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر

عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ

گواہ ہو اور ہم نے وہ قبلہ نہیں بنایا تھا جس پر آپ پہلے تھے مگر اس لئے کہ ہم معلوم کریں اس کو جو رسُول کی

مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِیْنَ هَدَى

پیروی کرتا ہے اس سے جو اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بیشک یہ بات بھاری ہے سوائے ان کے جنہیں اللہ نے

اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ

ہدایت دی اور اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا بیشک اللہ لوگوں پر بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ○ بیشک

نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ

ہم آپ کے منہ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دینگے جسے آپ پسند کرتے ہیں

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَ اِنَّ

پس اب اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے اور جہاں کہیں تم ہُوا کرو اپنے مونہوں کو اسی کی طرف پھیر لیا کرو اور بیشک

الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے یقیناً جانتے ہیں کہ وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور اللہ اس سے بے خبر نہیں

یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَ لَىِٕنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ

جو وہ کر رہے ہیں ○ اور اگر آپ ان کے سامنے تمام دلیلیں لے آئیں جنہیں کتاب دی گئی تو بھی وہ آپ کے قبلے کو نہیں مانیں گے

وَ مَاۤ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَ لَىِٕنِ اتَّبَعْتَ

اور نہ آپ ہی ان کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور نہ ان میں کوئی دُوسرے قبلہ کو ماننے والا ہے اور اگر آپ ان کی

اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ
خواہشوں کی پیروی کریں گے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا تو بیشک آپ بھی تب ظالموں میں سے ہوں گے○ وہ لوگ
اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ
جنہیں ہم نے کتاب دی تھی وہ اسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بیشک کچھ لوگ ان میں سے
الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾
حق کو چھپاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں○ آپ کے رب کی طرف سے حق وہی ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو○

افاداتِ محمود:

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ اب یہاں سے تحویل قبلہ کے تحقیقی جوابات ہیں۔

تحویل قبلہ کا تفصیلی واقعہ:

بیت اللہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اوّل حضرت آدمؑ کے ذریعہ تعمیر شدہ پہلا گھر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے حضرت نوح علیہ السلام کے دور تک یہی بیت اللہ نماز پڑھنے والوں کے لیے قبلہ رہا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان آیا اور ساری زمین غرق آب ہوگئی تو بیت اللہ کی چھت اور دیواروں کو آسمان کی طرف اُٹھایا گیا اور خالی پلاٹ پر پانی کھڑا ہو گیا۔ پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ نے بحکم خداوندی بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر فرمائی اور یہی بیت اللہ قبلہ رہا۔ پھر جب حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس تعمیر فرمائی تو بیت المقدس ہی نماز پڑھنے والوں کے لیے قبلہ ٹھہرا اور یہ برابر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک قبلہ رہا۔ مکہ میں نماز پڑھنے والے بھی بیت اللہ ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو بحکم خداوندی آپؐ نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا شروع فرما دیا۔ شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ مدینہ منورہ میں اور آس پاس قبائل یہود آباد تھے جو بیت المقدس کو قبلہ مانتے اور تسلیم کرتے تھے تاکہ وہ اسلام کی طرف راغب ہوں اور یہ نہ کہہ سکیں کہ مسلمان ہمارے مذہب اور دین کے خلاف ہیں۔ یہ سلسلہ تقریباً ۱۶/۱۷ ماہ جاری رہا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی فطری اور طبعی چاہت یہی تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ وہی قبلہ ہو جو حضرت آدمؑ اور ابراہیمؑ کا قبلہ تھا۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت انتظار میں رہتے تھے کہ کب خداوند کریم کا حکم مجھ کو پہنچے اور میں بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنا شروع کر دوں جیسا کہ ''قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ'' سے صاف ظاہر ہے۔ لہٰذا آپ کی چاہت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اللہ تعالیٰ کی جو حکمت تھی اس واقعہ میں وہ بھی پوری ہوگئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت بھی پوری ہوگئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام کی خوشنودیوں

اور چاہتوں کا خیال فرماتا ہے۔

تحویلِ قبلہ کے حکم کے یہود پر اثرات اور مسلمانوں کو اُن سے مستغنی رہنے کا حکم:

یہود باوجود اہل کتاب ہونے کے اس حکم سے جز بز ہوئے اور یہ حکم اُن کو ناگوار گزرا۔ کیونکہ ان کی توجہ دنیاوی مفادات اغراض ومقاصد پر مرکوز تھی۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ دین موسیٰ اور بیت المقدس کو قبلہ ماننے سے جو حشمت، جاہ وجلال ہمیں حاصل ہورہے ہیں کعبہ کو قبلہ ماننے کی وجہ سے وہ سب کافور ہوجائیں گے۔ لہٰذا خوب شور مچایا پروپیگنڈہ کیا اور اسمان سروں پر اُٹھایا کہ اس مذہب کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اور روز اس کے احکام بدلتے رہتے ہیں۔

اس پروپیگنڈے کی شدت سے مسلمان بھی متاثر نظر آنے لگے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک میں بھی یہ خیال آیا کہ اگر مزید کچھ وقت تک ہم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تو اچھا ہوتا تا کہ اس پروپیگنڈہ و شور وغل سے محفوظ رہ جاتے۔

(۱) اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سخت تنبیہ فرمائی اور استقامت کا حکم دیا فرمایا کہ یہ تمہارے دشمن ہیں خیر خواہ نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی باتوں میں نہ آنا اور نہ ان کی معاندانہ وحاسدانہ رائے کو استصواب رائے پر محمول کرنا۔

(۲) نیز فرمایا کہ یہود الگ مذہب ہیں۔ تمہارے اباؤ اجداد اور ہیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے ایک معتدل مذہب اور معتدل رسول نصیب فرمایا ہے۔ تمہارے عقائد، اعمال، اخلاقیات، معاملات، تمدن اور معاشرت ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں معتدل بنایا ہے۔ لہٰذا تمہیں اُن کی اتباع کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خیال دل سے نکال دو۔

(۳) اور فرمایا کہ میں نے یہ تحویل قبلے کا حکم آپ لوگوں اور آپ لوگوں کے رسول کی خوشنودی کے لیے بھیجا ہے کیونکہ آپ لوگ ہمیشہ اپنے رسول سے تحویل قبلہ کے لیے دعا کی درخواست کرتے تھے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر وقت اس حکم کے انتظار میں رہتے تھے اور آسمان کی طرف بار بار دیکھتے تھے۔ جیسا کہ نص قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔

(۴) نیز فرمایا کہ یہود کو سخت جواب دو کہ مشرق ومغرب سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ زمین کی تمام اطراف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ عبادت ہر سمت کو ہوسکتی ہے لیکن جھۃ واحدۃ میں چونکہ ایک خاص شان ہے اس وجہ سے خاص کر خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اختیار کلی اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ جس سمت کی پابندی کے لیے حکم دے دے تو بجا ہوگا اور کسی کو یہ اختیار نہیں ہے نہ ہی لب کشائی کی گنجائش ہے۔

ان آیات کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ مطمئن ہو گئے اور یہود مدینہ کے پروپیگنڈے سے خود بخود ختم ہو گئے۔ کیونکہ تھک گئے ہار گئے لیکن حکم الٰہی کو تبدیل نہ کرسکے کیونکہ تحویل قبلہ کا حکم اٹل اور قطعی تھا۔

حکمت تحویل قبلہ:

تحویل قبلہ کی حکمت کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ بیت اللہ کو قبلہ نہیں بنایا، بلکہ یہ تمہاری پختگی کا امتحان تھا ہمیں اللہ کا حکم ماننا ہے۔ سمت چاہے کوئی بھی ہو۔

لا یضیع ایمانکم وقال البخاری ای صلوتکم یعنی جو نمازیں آپ لوگوں نے بیت المقدس کی طرف پڑھی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ضائع نہیں فرمائیں گے۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ تو آپ کی مرضی کے مطابق ہم لازماً آپ کو پھیر دیں گے اسی قبلہ کی طرف جس کو آپ پسند کریں گے۔

فاینما تولوا فثم وجه الله ۔ دعویٰ کیا جارہا ہے کہ تم جس طرف منہ پھیرو گے اسی سمت اللہ ہے تو پھر کعبہ کیوں خاص کر دیا۔ یہ تو تنگ نظری ہوئی؟

جواب یہ ہے کہ کیا اللہ نے حکم صلوٰۃ نہیں دیا۔ جب وہ دیا ہے تو **فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ** کا حکم بھی اسی نے دیا ہے۔ سمت قبلہ کا حکم نماز کے لیے ہے۔ عام دعا ہر حالت میں مانگی جاسکتی ہے۔ نماز میں تمام امت کو یکجا کرنے کے لیے سمت قبلہ کا تعین کر دیا۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ الخ الحق مبتدا اور من ربک خبر ہے یعنی حق وہی ہے جو تیرے پروردگار نے دیا۔ یا ہذا الحق ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم حق ہے۔ پروردگار کی طرف سے یہ قطعی حکم ہے۔ مبتداء محذوف نکالیں اور الحق کو خبر بنادیں۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ
اور ہر ایک کے لئے ایک طرف ہے جس طرف وہ منہ کرتا ہے پس تم نیکیوں کی طرف دوڑو تم جہاں کہیں بھی ہو گے تم سب کو اللہ سمیٹ کر
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
لے آئے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اور جہاں سے آپ نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾
کیا کریں اور آپ کے رب کی طرف سے یہی حق بھی ہے اور اللہ تمہارے کام سے غافل نہیں ○
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ
اور آپ جہاں کہیں سے نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور تم جہاں کہیں ہو
فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا
تو اپنا منہ اس کی طرف کیا کرو تاکہ لوگوں کو تم پر کوئی الزام نہ رہے مگر ان میں سے جو ہٹ دھرم ہیں
مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ كَمَا
تو تم بھی ان سے نہ ڈرو اور ہم سے ڈرتے رہا کرو اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور تاکہ تم راہ پاؤ ○ جیسا کہ
أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ
ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب
وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا
اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے ○ پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو
لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾
اور ناشکری نہ کرو ○

افاداتِ محمود:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا الخ

یہاں سے قبلہ پر استقامت کی تلقین کی جا رہی ہے اور اس ضمن میں اللہ کے ذکر کی تلقین بھی ہے۔ یہاں تزکیہ نفس کا بھی ذکر ہے۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا

اس ضمن میں امام بخاریؒ نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے۔ایک آدمی فوت ہورہا تھا۔اس نے بیٹوں کو وصیت کی کہ میری موت کے بعد ہڈیوں کو جلا کر راکھ کر دو۔ پھر اس کو آدھی جنگل میں اڑا دو اور آدھی بہا دو۔اللہ نے فوراً اکٹھا کر کے پوچھا کہ یہ کیوں کہا؟ عرض کیا کہ تیرے خوف سے ایسا کیا۔میری کوئی خیر بھی نہیں تھی۔اس لیے میرے پکڑے جانے کا خطرہ تھا تو اس سے فرار حاصل کرنا چاہتا تھا۔اللہ نے یہ کہہ کر بخش دیا کہ تو تو اپنے رب پر ایمان رکھتا تھا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ الخ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنوسلمہ میں تعزیت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔اتفاق سے وہاں ظہر کی نماز کا وقت ہوا۔آپؐ بیت المقدس کی طرف ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ دوران نماز تحویل قبلہ کا حکم آیا۔آپؐ نے دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف پڑھائی تھیں اور بقیہ دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھائیں۔جس مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا، وہ ''مسجد ذو قبلتین'' کے نام سے مشہور ہے۔مسجد نبوی میں حضورؐ نے پہلی نماز جو کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھائی تھی وہ اس دن کی عصر کی نماز تھی، لیکن قباء والوں کو ابھی تک معلوم نہ ہوا تھا۔وہ اگلے دن فجر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھ رہے تھے کہ ایک صحابیؓ کا وہاں سے گزر ہوا۔انہوں نے بتلایا کہ ہم نے اللہ کے رسول کے پیچھے کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی ہے، لہٰذا وہ لوگ نماز کے دوران ہی کعبہ کی طرف پھر گئے۔ چونکہ لوگوں کو بھی حکم خداوندی کا انتظار تھا، اس لیے لوگ وسط صلوٰۃ میں پھر گئے۔اس تفصیل سے تینوں روایتوں میں تطبیق بھی ہوگئی کہ تحویل کعبہ کا حکم ایک روایت میں ظہر دوسری میں عصر اور تیسری میں فجر کی نماز میں منقول ہے۔

ایک شخص کے کہنے پر لوگوں نے اپنا رخ کعبہ کی طرف کیونکر پھیرا؟ کیا خبر واحد حجت ہے؟:

الجواب: یہاں قرائن موجود تھے۔ پہلے ہی سے صحابہ کرامؓ میں تحویل قبلہ سے متعلق تذکرے ہوتے تھے۔ اس لیے صحابہ انتظار میں تھے۔ایسی صورت میں ایک شخص کا قول بھی حجت ہے اور خبر واحد مع القرائن قطعی ہے۔ جیسے روزہ قطعی فرض ہے اور ایک شخص کی اذان پر آپ افطار کر لیتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ

اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بیشک

اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○ اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مرا ہوا نہ کہا کرو

بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ

بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے ○ اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مالوں

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَاۤ

اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو ○ وہ لوگ کہ

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ

جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ○ یہ لوگ ہیں

صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا

جن پر ان کے رب کی طرف سے مہربانیاں ہیں اور رحمت اور یہی ہدایت پانے والے ہیں ○ بیشک صفا

وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان کے درمیان

اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

طواف کرے اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرے تو بیشک اللہ قدردان جاننے والا ہے ○ بیشک جو لوگ ان

يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى

کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو کہ جسے ہم نے نازل کر دیا ہے اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے ان کو لوگوں کے لئے کتاب میں

الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

بیان کر دیا یہی لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ○ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور

وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾

اصلاح کر لی اور ظاہر کر دیا پس یہی لوگ ہیں کہ میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہوں ○

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
بیشک جنہوں نے انکار کیا اور انکار ہی کی حالت میں مر بھی گئے تو ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا
اور سب لوگوں کی بھی ○ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ وہ
هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾
مہلت دیئے جائیں گے ○ اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ○

افاداتِ محمود:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ الخ

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر کا حکم دیا۔ فاذکروانی اور شکر کا حکم ہے کہ میرے احسانات لاتعدولاتحصی ہیں۔ اس لیے تم میرا شکرادا کرو اور کفران نعمت مت کرو۔ یہ بڑی مشکل بات ہے۔ اللہ کے احسانات کا شکرادا کرنا کفران نعمت سے بالکلیہ اجتناب کرنا ہے۔ ذکر کرنے کا ایک طریقہ بتلاتے ہیں کہ آپ اس طریقہ سے سب کچھ کر سکتے ہیں کہ صبر وصلواۃ سے مدد اور کفران نعمت سے اجتناب اختیار کریں۔

الصبر ،الصوم:

بعض نے صبر سے مراد صوم لیا ہے کہ روزہ رکھو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ روزہ رکھنا معاون ہوتا ہے۔ عبادات میں دنیا کے علائق سے یک طرفہ ہو کر ایک انسان خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، مگر یہ صوم تو خود ذکر بھی ہے اور شکر بھی۔ جس شخص کے دل میں خدا سے تعلق نہیں ہوتا۔ وہ روزہ نہیں رکھ سکتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''الصوم لی وانا اجزی '' یہ حدیث قدسی ہے۔ باقی اعمال کا بدلہ اللہ کی طرف سے فرشتہ یا دوسرے کارندے دیتے ہیں، لیکن صوم کا بدلہ میں خود دوں گا۔ ایک روایت میں منقول ہے وانا اجزی بہ کہ میں خود بدلہ ہوں گا۔ صوم صرف اللہ کے لیے ہے، اس لیے اس میں ریا کی گنجائش نہیں۔ اگر آدمی روزہ دار ہو تو خلوت میں بھی نہیں کھائے گا۔ غسل خانہ میں بھی پانی نہیں پیئے گا۔ اگر ریا مقصود ہوتی، دکھاوا مقصود ہوتا تو یہ بڑا آسان ہے کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر کھاتے پیتے۔

چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند

اس لیے روزہ میں ریاء کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ روزہ جس میں انقطاع من متاع الدنیا ورجوع الی اللہ ہے، تو یہ معاون ذکر اور شکر ہے۔ روزہ کی حالت میں روزہ دار خلق اور دنیا کی اشیاسے کٹ جاتا ہے اور اللہ سے

مقرب ہو جاتا ہے۔ اس لیے روزہ دار عموماً شکر میں اور ذکر میں کثرت کرتا ہے۔ روزہ کا یہ اعجاز آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

الصَّلٰوۃِ ایک آدمی پانچ وقت کھڑے ہو کر الحمد للہ رب العالمین الخ پڑھتا ہے تو حمد شکر ہی تو ہے۔ اس نے رب العالمین کا اقرار کیا اور اس کی حمد کی۔ صلواۃ عبادت بھی ہے شکر بھی ہے اور کفر سے اجتناب بھی ہے۔

الصّٰبِرِيْنَ استقامت کیساتھ دین کے احکام پر عمل کرے۔ یہود کے تمام پروپیگنڈے چھوڑ کر دین کے احکام کی پابندی کرے تو ایسا کرنے والے یہ سب صابرین ہیں۔

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ الخ

اللہ تعالیٰ یہاں صبر کے اعلیٰ درجہ کی مثال دینا چاہتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے صابرین کی اعلیٰ مثال ہیں۔ پہلے صبر کا حکم دیا۔ یہاں صابرین کی مثال ہے۔

اَمْوَاتٌ ای ھُمْ اَمْوَاتٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

یعنی آپ اس کی حیات کا شعور نہیں رکھتے۔ یعنی برزخی حیات کو حواس خمسہ سے نہیں جان سکتے۔ وہ حیات عالم برزخ سے متعلق ہے اور تم اس عالم میں ہو۔ تم پر یہ حالات منکشف نہیں ہوتے۔ ورنہ آپ عذاب قبر کا انکار نہ کرتے۔ آپ کا اس عالم سے کوئی تعلق نہیں ہے، البتہ عالم رؤیا ایک اور عالم ہے کہ ایک آدمی آپ کے ساتھ سویا ہوا ہے، لیکن وہ اپنے آپ کو اڑتا ہوا دیکھتا ہے۔ مشاعر (جمع شعور) کا تعلق اس عالم تک محدود ہے۔ عدم شعور کو عدم حیات کیسے کہہ سکتے ہیں جو لوگ عدم شعور سے عدم حیات پر استدلال کرتے ہیں، اللہ نے ان کی تردید فرمائی ہے۔ فرمایا کہ اس میں بحث نہ کرو کہ حیات شہداء کیسی ہے اور کیسی نہیں ہے۔ جب صریح نہی ہے کہ انہیں اموات نہ کہو تو ہم اموات نہیں کہیں گے اور بس۔ دوسری آیت میں ہے:

ولا تحسبن الذين قتلوا فی سبيل الله ٥

یہاں گمان سے بھی منع فرما دیا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہمیں **فلا نقول باللسان ولا نجعلهم امواتا**۔ اس لیے آپ سے کوئی بحث کرے کہ یہ حیات کیسی ہے، کیسی نہیں تو کہہ دو کہ ہمیں اتنا ہی حکم ہے، لیکن اموات کا قائل ہونا یہ صراحۃً حرام ہے۔ اب لوگ کہتے ہیں انبیاء مر گئے، مر گئے، مر گئے۔ (نعوذ باللہ) یہ تعبیر کا فرق ہے۔ جواب میں کہو کہ تمہارا باپ مر گیا، مر گیا، مر گیا، لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے یوں کہا جائے تمہارے باپ کا وصال، انتقال ہوا ہے۔ میں ایک دن مدینہ میں روضہ اقدس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی اشارہ کر کے کہہ رہا تھا:

انک میت وانهم میتون ٥

ایک آدمی نے جو پاکستانی تھا، کہا کہ خدا کے بندے ٹھیک ہے کہ قرآن کی آیت پڑھتے ہوئے ہم بھی موت کے قائل ہیں، لیکن اس طرح توہین کے ساتھ اگر وہ میت ہیں تو پھر یہ قول کس کو سنا رہے ہو۔ یہ لوگ توحید کے ساتھ بے ادبی کو لازم کیے ہوئے ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ انبیاء کا مقام کیا ہے۔ یہ مقام رسالت سے بے خبر ہو کر اس قدر گستاخانہ لہجہ میں باتیں کرتے ہیں۔ اصل میں یہ لوگ اعتدال کو چھوڑ کر افراط وتفریط کرتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خطبہ پیش کرتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا، جس نے کہا کہ آپ ﷺ وفات پا گئے ہیں تو گردن اڑا دوں گا۔ ان کی یہ بات سیاسی تھی۔ صدیق اکبر ابھی آئے نہیں تھے اور ان کے ذہن میں وہ خلافت کے لیے متعین تھے۔ فرمایا کہ پروپیگنڈا نہ کرو، ورنہ انتخاب ہو جائے گا۔ اس واقع کو یہ لوگ سمجھے ہی نہیں۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو عمر فاروق ؓ ہٹ گئے اور صدیق اکبر ؓ نے فرمایا:

من كان يعبد محمداً فان محمداً قدمات ومن كان يعبد الله فانه حي لا يموت o

الغرض موت کا اقرار کرنا ہمارا عقیدہ ہے اور برزخی حیات میں مسئلہ ہے اور وہ آپ کو معلوم ہے کہ قتل ایک نوع کی موت ہے۔ **القتل نوع من الموت** تو شہید پر موت تو آ گئی۔ ای بطریق الخاص، ورنہ بغیر موت کے قتل نہیں، جرح یعنی زخم ہے، بلکہ قبض روح کے بعد قتل کہتے ہیں۔ قتل فی سبیل اللہ کہنا ہی موت کا اقرار ہے۔ اس لیے مراد حیات برزخی ہے یہ حیات کیسی ہے، کیسی نہیں ہے، یہ تحقیقات علمیہ ہیں۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے جو علمی تحقیقات پیش فرمائی ہیں ان کی تفصیل کے لیے وقت چاہیے۔

ادراک من لوازم الحیات ہے:

الشيئي اذا ثبت ثبت بلوازمه o

یعنی کوئی چیز جب وجود پاتی ہے تو اپنے جملہ لوازم کے ساتھ وجود پاتی ہے۔

ایک جسد بلا سمع وبصر وشعور تو حیات نہیں ہے، کیونکہ اسے ادراک نہیں ہے۔ بہر حال یہ لوگ عجیب باتیں کرتے ہیں۔ اللہ انہیں سمجھ عطاء فرمائے۔

انا لله و انا اليه راجعون o

امام شافعی سے منقول ہے کہ خوف سے مراد اللہ کا خوف ہے اور جوع سے مراد صوم رمضان اور نقص من الاموال سے مراد زکواۃ ہے۔

نقص من الانفس سے مراد امراض ہیں اور ثمرات سے مراد ثمرات الاولاد ہیں کہ تمہاری اولاد بھی کم ہو گی یعنی کچھ مر جائیں گے۔ یہاں ثمرات سے مراد اولاد ہیں۔

ایک حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا مات ولد العبد قال الله تعالى لملئكته اقبضتم ولد عبدي فيقولون نعم فيقول

اقبضتم ثمرة فوادہٖ فیقولون نعم فیقول الله ماذا قال عبدی فیقولون حمدک و استرجع الاسترجاع ان یقول انا لله وانا الیه راجعون فیقول الله ابنو لعبدی بیتا فی الجنة و سموه بیت الحمد○(الترغیب والترھیب)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ثمرہ کی تفسیر ولد کے ساتھ صحیح ہے کیونکہ اس میں استبعاد تھا۔ لیکن امام شافعی نے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابیؓ یا تابعی سے کوئی روایت پیش نہیں کی۔ یہ تفسیر خود ان کی ہے۔ بہرحال اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

وَالْخَوْفِ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ یعنی مستقبل میں یہ آزمائشیں آئیں گی اور اللہ کے خوف کے تو ہم پہلے ہی مکلّف ہیں کہ ہر مومن کے دل میں خوف ہے۔ جبکہ خطاب يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے ہے اور قلب مومن تو پہلے ہی اللہ کے خوف سے معمور ہے۔ پھر مستقبل میں کیا خوف ہے۔ یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی؟

یہاں خوف سے مراد خوف الکفار اور خوف الاعداء ہے۔ آپ اس خوف میں مبتلا ہو جائیں گے، جیسے مشرکین مکہ نے گھیراؤ کیا تھا، پھر خندق کھودا گیا۔ اس لیے کہ خوف تھا۔ یہاں خوف الاعداد مراد ہے۔ خوف المحاربین والاعداء مراد ہے اور یہ ایک نئی آزمائش ہوگی۔

جوع سے مراد اگر صوم رمضان ہے تو صوم رمضان کو جوع کہنا صحیح نہیں کہ یہ تو عبادت ہے۔ اس کو بھی جوع سے تعبیر کرنا، یہ بات بھی کچھ دل کو لگتی نہیں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ قحط سالی میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ جہاد میں ممکن ہے کہ آپ کو کچھ نہ ملے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ غزوہ سیف البحر میں تشریف لے گئے اور سمندر کے کنارے کچھ نہ تھا۔ اونٹوں کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو پھر سوچ کر وہ بھی ذبح نہ کیے۔ جن لوگوں کے پاس کچھ چیزیں تھیں، جن میں کھجور زیادہ تھی ان سب کو جمع کیا اور روزانہ تقسیم کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دانہ فی کس حصے میں آتا تھا۔ راوی سے پوچھا گیا کہ ماتغنی الجوع؟ یعنی ایک دانہ سے بھوک کیسے ختم ہو سکتی تھی؟ فرمایا بھائی جب ایک بھی نہیں رہی تو پھر ایک کی طاقت معلوم ہوئی۔ پھر اللہ نے ان کے لیے سمندر سے پہاڑ کی طرح بڑی مچھلی نکالی تو پانی ہٹ گیا اور وہ وہاں پھنس گئی۔ انہوں نے خوب کھایا، سب سیر ہو گئے۔ ایک آنکھ کے خول کی گہرائی میں چھ آدمی بیٹھ گئے اور گھڑوں سے چربی نکالتے تھے اور جب پسلیوں کو کھڑا کیا تو ایک اونٹ سوار شخص اس کے نیچے سے گزر گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ غزوات میں بعض دفعہ درخت کے پتے اور چھال کھائے، حتیٰ کہ منہ کے کنارے زخمی ہو گئے۔

تقترحت اشد اقنا کنا نبعر بعراً و فی روایة کنا نضع کما تضع الشاء و البعیر

ہمارے منہ کے دونوں جانب زخمی ہو جاتے تھے اور سخت چیزیں کھانے کی وجہ سے ہم اونٹوں اور بکریوں کی مانند مینگنیاں کرتے تھے۔

ایسے ایسے واقعات صحابہ پر آئے اگر یہی مراد لیا جائے تو اچھا ہے۔ یہاں جوع سے مراد روزہ جیسی عبادت مراد لینا مناسب نہیں۔

وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ سے مراد زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ زکواۃ سے مال بڑھتا ہے۔ لفظ زکوٰۃ دال علی معنی النماء او معنی التطہیر فاذا کانت الزکوۃ بمعنی النماء ہے تو اسے نقص اموال سے تعبیر کیوں کیا گیا؟ حالانکہ حدیث میں ہے:

ویر بی الصدقات کما یربی احدکم فلوہ ٥ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے دیے ہوئے صدقہ کی ایسی پرورش ہوتی ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے جانور کے چھوٹے بچے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ کھجور کا ایک دانہ اُحد کے پہاڑ سے بڑھ جاتا ہے۔

سعدی نے کہا ہے کہ

زکوٰۃ مال مدہ کرو کہ فضلہ عزرا   چوں باغبان نبرند تو بیشت دید انگور

چنانچہ حدیث میں انما ھی اوساخ الناس کہا گیا ہے کہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو اپنے خاندان کو زکواۃ کا مال لینے سے منع فرمادیا۔

حضرت حسن نے صدقے کی کھجور منہ میں ڈالی تو فرمایا کخ کخ کہ صدقہ ہونے کی وجہ سے یہ منہ سے نکال دو۔

''نقص من الاموال'' کا معنی یہ ہے کہ تمہارے پاس مال نہ ہوگا، جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ گھر میں دو دو ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی۔

''نقص انفس'' سے مراد امراض ہو سکتے ہیں اور نقص ثمرات سے مراد یہ ہے کہ باغات اُجڑ جائیں۔

اس سے اگر اولاد مراد نہ لی جائے اور مراد الثمرۃ بالعموم ہوں تو بھی مراد اولاد ہو سکتی ہے۔ اس لیے اسے اولاد کے ساتھ مختص نہ کیا جائے۔ حرم کے بارے میں ہے یجبی الیہ ثمرات کل شئی کہ وہاں ہر چیز ہے، لیکن باغ گھاس نہیں صرف ایک تربوز مکہ کا اپنا ہے۔ ایک بہت بڑا عالم تھا اس نے کہا کہ ثمرات کل شئ حتی ثمرات الانسان۔ اس لیے اسے عمومی معنی میں لیا جائے تو مناسب ہے۔

یہاں میرا مقصد یہ نہیں کہ میں امام شافعیؒ کی تفسیر کو غلط قرار دے دوں۔ چونکہ یہ تفسیر منقول من الصحابہ نہیں ہے، اس لیے مؤدبانہ اختلاف کر رہا ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ باادب اختلاف کرنے کی گنجائش ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَ الۡمَرۡوَۃَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ۚ الخ پہلے تحویل قبلہ کا ذکر تھا اور اس کے آخر میں ہے ولا تم نعمتی علیکم کہ صحیح قبلہ ابراہیمی ہے۔ اگرچہ مصلحتاً چند ماہ کے لیے بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تھا تو

صرف نماز پڑھنے کا ذکر نہیں، بلکہ تکمیل یہ ہے کہ حج وعمرہ بھی وہاں ادا کرو۔ صلوٰۃ بھی بہت بڑی عبادت ہے اور حج وعمرہ بھی بڑی عبادتیں ہیں، اس لیے تکمیل کے طور پر اس کا ذکر شروع کر دیا۔

حقیقت صفاء ومروہ...... اس میں تیز دوڑنا اور سعی کرنا یہ صابرین کی جماعت کی خصلت ہے۔ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ماں بیٹا کیسے صبر کے ساتھ پہاڑوں میں رہے۔ جہاں پرندہ بھی نہیں تھا۔ پرندہ وہاں جاتا ہے جہاں پانی ہو۔ وہ وادی غیر ذی زرع تھی۔ وہاں پانی بالکل نہ تھا۔ صرف صبر واستقامت ہی اس بیگانگی کے ساتھی تھے۔ الجوع شامل للعطش یعنی بھوک پیاس برداشت کرتے ہوئے ماں پہاڑی پر چڑھتیں۔ وہاں سے کعبہ نظر آرہا تھا۔ پھر جب وادی میں آتی تھیں تو وہاں سے بھاگی کہ کعبہ نظر نہ آرہا تھا۔ اس لیے سات مرتبہ بھاگیں۔ یہ صابرین کا مسئلہ ہے۔ پھر عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ الخ اس طرح ہوا کہ بچے کی ایڑیاں مارنے کی جگہ سے پانی نکلا۔ حضرت ہاجرہؓ نے ایک بند باندھ لیا۔ آج بھی اس چشمے کا پانی بہت زیادہ ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ بہر حال صفا ومروہ کا تذکرہ مضمون سابق کی تکمیل ہے۔ یہ صابرین کے ساتھ متعلق ہے کہ دیکھو ان پر کیسی رحمتیں ہوتی ہیں۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ الخ

لا جناح علیہ پر شبہ اور اس کا جواب:

اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تعبیر عجیب ہے کہ ایک آدمی طواف صفا ومروہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ اگر نہ کرے تو ترک اولیٰ ہونا نظر آتا ہے۔ یہ کیسی تعبیر فرمائی جبکہ سعی بین الصفاء والمروۃ واجب ہے۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں لا بأس یہ کہا جائے تو اس کا ترک افضل ہے اور جبکہ یہاں صفا مروہ کے طواف کے ترک پر دم لازم آتا ہے یعنی صفا مروہ کا طواف ترک کرنے پر قربانی بطور کفارہ دینی پڑتی ہے۔

جواب یہ ہے کہ اصل میں یہاں پر ایک واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ صفا پر بھی اور مروہ پر بھی ایک ایک بت رکھا ہوا تھا جو بت صفا پر تھا اس کا نام اصاف تھا اور جو مروہ پر تھا اس کا نام نائلہ تھا۔ یہ عورت تھی۔ مشرکین ان دونوں کی پوجا کرتے تھے اور طواف وسعی کرتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان دونوں نے کعبہ میں زنا کیا تو اللہ نے انھیں پتھر بنا دیا۔ گویا انہیں مسخ کر دیا گیا۔ یہ پتھر بن گئے تو عبرتاً لوگوں نے انھیں صفا ومروہ پر رکھ دیا تا کہ حرم میں گناہ کرنے والوں کو عبرت ہو جائے۔ ایک زمانہ گزرنے کے بعد لوگوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔ کسی جگہ آپ کتے کو دفن کر دیں اور قبر پر جھنڈیاں وغیرہ لگا دیں تو لوگ پوجنا شروع کر دیں گے۔ قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہہ دو کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے کتا دفن کیا ہے تو لوگ کہتے ہیں یہ کوئی اور جگہ ہے۔ اس طرح مشرکین مکہ یہاں پوجا پاٹ کرنے لگے۔ اہل مدینہ کی عادت تھی کہ وہ صفا ومروہ کی سعی نہ کرتے تھے۔ یہی ان دونوں میں امتیاز تھا۔ جب اسلام آیا تو

مسلمانوں نے اس سے پرہیز کیا کہ یہاں بت پڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہرج محسوس کیا کہ یہ تو بت پرستی کا حصہ ہے۔ گویا انصار ومہاجرین کا اتفاق تھا کہ صفا ومروہ کی سعی نہ کرنی چاہیے۔ اللہ نے ان کے اس خیال کی تردید فرمائی کہ صفا ومروہ ان صابرین کی یادگار ہے۔ اس لیے یہاں سعی سے گناہ نہیں ہے۔ **لا جناح ولا اثم و لا بأس** یعنی کوئی گناہ نہیں اور پھر بتوں کو ہٹادیا اور پھر شعائر اللہ کی سعی جاری ہوئی۔ اس لیے یہ پیرایہ بیان اختیار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہرج نہیں ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے منسوب قرأت شاذ ہے کہ ان لا یطوف بھما ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک سعی مسنون ہے واجب نہیں۔

لیکن یہاں متواتر قرأت کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا الخ

کتمان حق کی قسمیں:

تورات میں بھی تحویل قبلہ کا ذکر تھا، لیکن انہوں نے حق پوشی کی۔ حضرت سعد بن معاذ نے مسلمان ہونے کے بعد بتلائی کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ ہے۔ یہ آپ کا اور آپ کی اُمت کا قبلہ رہے گا مگر یہود نے اس آیت کو چھپا کے رکھا۔ تو اللہ کریم ان پر لعنت کرتے ہیں۔

یہود کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ موت سے پہلے توبہ کرلیں۔ توبہ قبل الغرغرہ قبول ہے۔ ایک وہ ہیں کہ مرگئے اور توبہ نہ کی۔ بعد الموت توبہ قبول نہیں ہے۔ اگر وہ زندگی میں اصلاح کرلیں جیسے عبداللہ بن سلامؓ نے مسلمان ہوکر تورات کی صحیح باتیں بتلائیں تو فرمایا کہ میں ان کی توبہ قبول کروں گا۔

وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۶۱﴾

اس لیے کہ اس عالم میں جب گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو پھر قحط آتا ہے۔ قحط کے لیے صلوٰۃ استسقاء ہے کہ رجوع الی اللہ ہے، زلزلے، سیلاب، مصیبتیں تب آتی ہیں جب گناہوں کا غلبہ ہوتا ہے۔ جن لوگوں کی وجہ سے وباء آئی، مصیبت آئی، قحط آئے تو متاثرین ان پر لعنت کریں گے۔ دیہاتی، حیوانات، جن، فرشتے تمام مخلوقات ان پر لعنت بھیجتی ہے۔ اس لیے لعنت کو عام کردیا۔

وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

ینظرون باب افعال سے مضارع مجہول ہے۔ انظر ینظر انظارا تو ان کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ ؕ (بقرہ ۲۸۰)

یعنی (تنگدست کو) مہلت دینی ہے فراخی تک

یا ثلاثی مجرد ہے نصر ینصر سے۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے محروم رہیں گے۔
یعنی ان کو رحمت کی نظر سے نہیں دیکھا جائے گا۔
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ یہاں بعض لوگ یہ کہتے ہیں۔ مرتد طریقت بہت برا ہے مرتد شریعت سے۔ یہ من گھڑت مسئلے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے۔ طریقت شریعت کے متوازی نہیں ہے۔ یہ تو شریعت کو خلوصِ دل سے اپنانے کا نام ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ

بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلنے میں

الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ

اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کی نفع دینے والی چیزیں لے کر چلتے ہیں اور اس پانی میں جسے اللہ نے آسمان سے نازل کیا ہے

مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ

پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اور اس میں ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلاتا ہے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل

الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

میں جو آسمان اور زمین کے درمیان حکم کا تابع ہے البتہ عقلمندوں کے لئے

يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ

نشانیاں ہیں ○ اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ

كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ

اللہ سے رکھنی چاہیئے اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور کاش دیکھتے وہ لوگ جو ظالم ہیں جب عذاب

يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ

دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○ جب وہ

تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ

لوگ بیزار ہو جائینگے جن کی پیروی کی گئی تھی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے

بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا

تعلقات ٹوٹ جائیں گے ○ اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی تھی کاش ہمیں دوبارہ جانا ہوتا تو ہم بھی ان سے بیزار

تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ

ہو جاتے جیسے یہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں اسی طرح اللہ انہیں ان کے اعمال حسرت دلانے کے لئے دکھائے گا اور وہ دوزخ سے

مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع

نکلنے والے نہیں ○

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الخ

اس سے پہلے رکوع کے آخر میں اللہ کی وحدانیت کا ذکر ہے۔اس رکوع میں اس پر استدلال کیا ہے یعنی دلیل مدّعٰی رکوع اول ہے۔

غور کیجیے متعدد خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔مشرکین کہتے ہیں کہ یہ بت، باری کا بخار توڑتا ہے۔کوئی بت بچے دینے میں ماہر بتایا جاتا ہے۔کوئی شادی کراتا ہے۔کوئی ریاح کے لیے مفید ہے۔کوئی دردسر کے لیے مفید ہے۔ انہوں نے مختلف کام تقسیم کر دیئے ہیں کہ ایک خدا یہ تمام کام کیسے کر سکتا ہے؟ یہاں ان کی دلیل کا جواب ہے،لیکن مشرکین صرف انسانوں کے کام بتوں سے متعلق کرتے ہیں۔باقی عالم کے کام اللہ سے متعلق کر دیتے ہیں۔

الفلک یہ ایسا لفظ ہے کہ جمع بھی ہے اور مفرد بھی ہے تو مراد یہاں جمع ہے۔

کحب اللہ

یعنی اشارہ کر دیا کہ اللہ کا مثل ماننا زبان کی حد تک نہیں ہے، بلکہ محبت قلبی بھی اس سے متعلق ہے مسلمانوں کی محبت خالصۃً اللہ کے لیے ہے، مگر یہ اللہ کے ساتھ ساتھ ویسی ہی محبت بتوں سے کرتے ہیں۔یہاں ڈپٹی نذیر احمد نے آیت کا ترجمہ کرنے میں غلطی کی ہے۔اس کے بعد بہت سوں نے اس کی تقلید میں غلط ترجمہ کیا ہے۔درست ترجمہ وہی ہے جو موضح قرآن میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے کیا ہے اور ہمارے اکابر نے اسی ترجمے کو اختیار کیا ہے۔

فرق بین محبۃ المشرکین و محبۃ المومنین:

مومنوں اور مشرکوں کی محبت میں فرق یہ ہے کہ مومنین کی محبت اللہ سے خالص ہے۔ان کے برعکس مشرکین کی محبت مستقل یا لازوال نہیں ہے۔لازوال محبت کو ترجیح حاصل ہے کہ مومن آخرت میں بھی ابدالآباد تک اللہ سے محبت کرتے رہیں گے تو مومن کی محبت باللہ ابدی وازلی ہے اور ان کی عارضی ہے۔یہ یہاں بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر مصیبت آجائے، گھبراہٹ آجائے تو بھاگ جاتے ہیں۔اگر ایک مقصد حاصل نہیں ہوتا تو پھر چھوڑ دیتے ہیں۔ دنیا کی محبت بھی ایسی ہی ہے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ الخ ان دو آیتوں میں قیامت کے دن ان کے بتوں کا ان کی شفاعت اور عبادت سے انکار و بیزاری اور پھر یاس وحسرت سے ان کفار کا عزم لاحاصل کہ اگر ہمیں دنیا میں بھیجا گیا تو ہم بھی ان سے اسی طرح بیزاری اور نفرت کریں گے۔

حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ الخ

اعمال صالحہ بغیر الایمان ضبط ہو جاتے ہیں۔اس لیے مشرکین کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۡۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا

اے لوگو ان چیزوں میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور شیطان کے قدموں

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٦٨﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ

کی پیروی نہ کرو بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے ○ وہ تو تمہیں برائی اور بے حیائی ہی

وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦٩﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا

کا حکم دے گا اور یہ کہ اللہ کے ذمے تم وہ باتیں لگاؤ جنہیں تم نہیں جانتے ○ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ

اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا

لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ

کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھی راہ پائی ہو ○ اور ان کی مثال جو کافر ہیں اس شخص کی سی ہے جو اس چیز کو

يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا

پکارتا ہے جو سوائے پکار اور آواز کے نہیں سنتی وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں پس وہ

يَعْقِلُوْنَ ﴿١٧١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا

نہیں سمجھتے ○ اے ایمان والو پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی اور اللہ کا شکر کرو

لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١٧٢﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ

اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو ○ سوائے اس کے نہیں کہ تم پر مردار اور خون اور سور کا

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا

گوشت اور اس چیز کو کہ اللہ کے سوا اور کے نام سے پکاری گئی ہو حرام کیا ہے پس جو لاچار ہو جائے نہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ

عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ

حد سے بڑھنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں بیشک اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے ○ بیشک جو لوگ اللہ کی نازل کی

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰۗىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ

ہوئی کتاب کو چھپاتے اور اس کے بدلہ میں تھوڑا سا مول لیتے ہیں یہ لوگ اپنے پیٹوں میں نہیں کھاتے مگر

فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ
آگ اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۱۷۴) اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ
اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ○ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو بدلے ہدایت کے خریدا اور عذاب کو
بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ (۱۷۵) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
بدلے بخشش کے پس دوزخ کی آگ پر ان کا کتنا بڑا صبر ہے ○ یہ اس لئے کہ اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ اُتاری
وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْكِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ (۱۷۶)
اور بیشک جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا البتہ ضد میں بہت دُور جا پڑے ○

افاداتِ محمود:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ الخ

یہ مشرکین، جنہوں نے بت بنائے تھے، یہ قبروں اور بتوں پر جانوروں کے چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ ان کے نام پر جانور چھوڑ دیتے تھے۔ انہیں ہاتھ لگانا حرام سمجھتے تھے۔ کوئی مارتا یا بھگاتا نہیں تھا۔ چاہے یہ کچھ بھی خراب کرے۔ یہ سانڈ بڑے بڑے موٹے ہو جاتے تھے۔ یہ لوگ انھیں کھاتے نہیں تھے۔ گویا انہوں نے اللہ کے حلال کردہ کو حرام کر دیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ یہاں سے تحریم حلال پر گرفت فرمارہے ہیں کہ جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا یا نامزد کرنا یہ شیطانی عمل ہے اس سے باز آجاؤ۔

حلالاً طیباً دراصل اشیاء میں حلت اصلی ہے یعنی کوئی شے اُس وقت تک حلال ہے جب تک کہ کوئی حکم شرعی اُسے حرام نہ کردے۔ پھر جو اللہ نے حرام کر دیا ہے وہ حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرماتا ہے اِدھر تو صریح حرام کھاتے ہو اور پھر حلال کو حرام قرار دیتے ہو۔

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ

یہاں سے یہ بتلایا کہ تم اقوال ونصوص شریعہ میں تحریف نہ کرو۔

عالم کی تقلید جائز ہے جاہل کی نہیں:

اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا یہ ان لوگوں کی ایک دلیل ہے کہ ہمارے باپ دادا نے سکھایا ہے۔ یہ درست ہے کہ بزرگوں کو مانو، لیکن وہ عالم ہیں تو تقلید کرو صرف باپ دادا ہونے کی بنا پر ان کی تقلید نہ کرو۔ اب ہم آئمہ کی تقلید کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان آئمہ کی علم کی بنیاد پر تقلید کرتے ہیں۔ صرف باپ دادا ہونے یا پرانے بزرگ ہونے کی وجہ سے تقلید نہیں کرتے۔ کیونکہ حکم خداوندی ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (الانبیاء/۷) ہم اسی حکم خداوندی کی بنیاد پر تقلید کرتے ہیں۔

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ

اگر چہ کان ہیں لیکن حق بات نہیں سنتے۔ یہ تو بہرے ہیں اندھے ہیں۔ اس طرح پھر **لا یعقلون** کہا کہ جب حواس خمسہ نہ رہے تو عقل بھی نہ رہی۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ الخ آگے محرمات کا ذکر ہے۔

الْمَيْتَةَ وہ مردار جانور جس کے حلال ہونے کے لیے از روئے شرع ذبح ضروری ہو۔ جو بغیر ذبح کے مر جائے یا ذبح کر دیا جائے لیکن شرعی طریق کے علاوہ ہو، یا گلا گھونٹ دیا جائے، یا ذبح کر لیا جائے لیکن اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر دیا جائے، یا درندہ پھاڑ دے۔ صرف دو میتے مستثنیٰ ہیں۔

احلت لنا المیتتان السمک والجرادۃ اس کے حلال ہونے کی وجہ یہ ہے۔ علت ذبح دم مسفوح کا اخراج ہے یعنی التطہیر من دم المسفوح، لیکن جرادۃ او سمک (یعنی ٹڈی اور مچھلی) میں دم نہیں ہے۔ اس لیے یہ مستثنیٰ ہیں۔ حدیث میں ہے:

احلت لنا المیتتان والدمان السمک والجرادۃ والکبد و الطحال ○

یعنی ہمارے لیے دو جاندار بغیر ذبح کیے اور دو قسم کا خون حلال ہیں۔ (۱) مچھلی (۲) ٹڈی (۳) جگر (۴) تلی لیکن جو مچھلی خود مر کر سطح پانی پر آ جاتی ہے وہ حلال نہیں ہے اور وہ حلال جانور جس کو شکاری دھاری دار یا نوکیلی چیز سے زخمی کر دے اور تیر وغیرہ جانور کی طرف پھینکتے وقت اس نے بسم اللہ پڑھی ہو اور وہ مر جائے تو حلال ہے۔

بندوق کی گولی لگنے سے اگر جانور مر جائے تو حرام ہے اور خود زخمی ہو کر مرنے والا حلال جانور بھی حرام ہے۔ مردار جانور کا گوشت کھانا حرام ہے۔ خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ کتے بلی کو کھلانا بھی حرام ہے۔ البتہ خود کھا لے تو مضائقہ نہیں۔ باقی جو چیزیں کھائی نہیں جاتیں جیسے چمڑہ، سینگ وغیرہ ان کا استعمال جائز ہے۔ مردار کی چربی کھانا اور فروخت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ اس چربی سے بنائی گئی چیزیں استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ بہنے والے خون کا پینا بھی حرام ہے اور دیگر استعمال بھی جائز نہیں ہے۔ مچھر، مکھی اور کھٹمل کا خون اگر بہت زیادہ ہو تو ناپاک ہے ورنہ پاک ہے اور ایک انسان کا دوسرے کو خون دینا بچے کو دودھ دینے کے مترادف ہے۔

خون سے تعویذ لکھنا ناجائز ہے:

دم مسفوح سے تعویذ لکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ یہ شعبدہ بازوں نے شروع کر رکھا ہے۔ قاضی خان نے لکھا ہے کہ قرآن کی آیت نجس شے سے لکھی گئی تو یہ کفر ہے۔

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ اس کو اگر ذبح بھی کیا جائے تو پھر بھی جائز نہیں ہے اور نجس العین ہونے کی وجہ سے اس کی

کھال ہڈیاں چربی وغیرہ سب کچھ ناجائز ہیں۔کھانے کی نسبت سے خاص لحم (گوشت) کا ذکر کیا، ورنہ خنزیر کی ہر چیز حرام ہے۔البتہ بعض جانور ایسے ہیں کہ اگر انہیں ذبح کر دیا جائے یا نہ بھی کیا جائے تو وہ اعضا جن میں حیات نہیں ہے جیسے الشعر والعظم (بال اور ہڈیاں) ان کا استعمال جائز ہے۔

تحقیق وما اھل بہ لغیر اللہ الخ:

یہاں پر بعض مفسرین مثلاً جلالین وغیرہ نے ماذبح علی غیر اسم اللہ کو مقدر ٹھہرایا ہے یعنی جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، لیکن یہ ایک مغالطہ ہے، کیونکہ یہاں حرام صرف اس ایک قسم میں منحصر نہیں ہے۔اس کی اور بھی قسمیں ہیں۔اھل اھلالاً کا معنی ہے پکارنا جیسے کہا جائے فلاں پیر کے لیے۔فلاں بت کے لیے، لیکن اہلال سے مستقل حرمت ثابت نہیں ہوئی ان رجع عن عقیدته قبل الذبح فهو حلال یعنی اگر جانور ذبح کرنے سے قبل اس شخص نے اس فاسد عقیدہ سے رجوع کر لیا اور پھر جانور اللہ کے لیے ذبح کیا تو وہ حلال ہوگا۔کیونکہ جانور کی ذات میں کوئی حرمت نہیں ہے۔یہ حرمت خارج سے آئی ہے۔اگر اسی عقیدہ فاسدہ پر ذبح کر دیا تو حرام ہے، ورنہ حلال ہے، وان ذکر اسم الله علیه تب بھی حرام ہے یعنی جب غیر اللہ کے نام پر جانور مختص کر دیا گیا تو ذبح کے وقت اگر اللہ تعالیٰ کا بھی نام لیا جائے تو بھی یہ حرام ہے۔علامہ شامی نے لکھا ہے وان ذبح لقدوم الامیر لیس المراد ضیافته فهو الحرام ولو ذکر اسم الله علیه ٥ یعنی اگر کسی بڑے شخص کے احترام میں جانور کو ذبح کیا گیا اور مقصود اس کی مہمان نوازی نہ ہو، محض اظہار بڑائی کے لیے خون بہانا ہو تو یہ جانور حرام ہوگا۔ اگرچہ اس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔بلوچوں میں بھی یہ رواج ہے کہ جب بادشاہ آتا ہے تو تعظیم کے لیے دنبے ذبح کرتے ہیں یعنی خون بہانا ہی تعظیم کے لیے ہے تو یہ صورت بھی حرام ہے۔البتہ اگر ضیافت مقصود ہو تو پھر مسنون ہے۔تعظیم اور ضیافت میں فرق یہ ہے کہ اگر یہ گوشت امیر کو کھلا دیا تو ضیافت ہے اور اگر نہیں کھلایا تو محض تعظیم ہے۔غیر اللہ کی تعظیم کے لیے خون بہانا حرام ہے۔شامی کی درج بالا عبارت کا یہی مفہوم ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ مضطر وہ ہے جس کو اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اللہ تعالیٰ مضطر اور مجبور شخص کے لیے اس وقت حرمت اٹھا دیتے ہیں۔وہ شخص باغی نہ ہو یعنی کھانے والے کو حرام چیز کھانے کی خواہش نہ ہو کیونکہ خواہش نفس کا نام اضطرار نہیں ہے۔اضطرار اور چیز ہے، خواہش اور چیز ہے۔جیسے خدانخواستہ اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ کہے کہ میں نے یہ کام اضطراری حالت میں کیا ہے تو یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔شادی کے بغیر کوئی شخص مرتا نہیں ہے، لہٰذا اس پر حد جاری کی جائے گی۔کئی جوان عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں پھر بھی دوسری شادی نہیں کرتیں تو معلوم ہوا کہ یہاں اضطرار نہیں ہے، البتہ اضطرار کا تعلق اکل وشرب یعنی کھانے پینے کے ساتھ ہے۔

مودودی صاحب کا حالت اضطرار میں متعہ کو جائز قرار دے دینا:

مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ حالت اضطرار میں متعہ جائز ہے۔یعنی وہ چاہت جماع کو اکل وشرب پر قیاس کرتے ہیں۔جیسے ایک آدمی اور عورت دونوں جہاز میں بیٹھے ہیں اور جہاز غرق ہو جاتا ہے۔وہ دونوں ایک تختہ پر زندہ بچ جاتے ہیں اور وہ تختہ کسی جزیرہ پر جا لگتا ہے۔پھر ان دونوں کو گناہ کی خواہش ہو جاتی ہے تو وہ مجبور ہوں گے۔اسی طرح اگر انسان مجبور ہو جائے تو گناہ کرنے سے تو متعہ اچھا ہے کہ وہ دونوں متعہ کر لیں (آہ) لیکن میں (مفتی محمود) کہتا ہوں کہ یہاں ہلاکت نفس کا اندیشہ نہیں ہے، بلکہ یہ خواہش ہے اور ایسا کوئی مستقل ضابطہ نہیں ہے کہ انسان کی خواہش پوری نہ ہو تو وہ مر جائے۔جیسے کسی کو خنزیر کے گوشت کا قورمہ کھانے کا شوق یا خواہش ہو تو کیا اس کو اس کی اس خواہش کی وجہ سے اجازت دی جا سکتی ہے یا اس کی اس خواہش کو مجبوری و اضطرار سے تعبیر کرنا درست ہے؟ ہرگز نہیں۔

الاضطرار لایکون الا بخوف النفس ولا اضطرار فی الجماع ٥

اضطرار اسی کو کہا جائیگا جہاں نفس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو اور جماع کی طلب و چاہت میں یہ بات نہیں ہے، لہٰذا یہ بناء الفاسد علی الفاسد کے قبیل سے ہے۔یعنی پوری عمارت ہی دلیل فاسد پر استوار ہے۔مودودی صاحب خواہش اور اضطرار میں فرق نہ کر سکے اور آگے مزید کہا کہ دو جڑواں بہنیں ہوں تو ان سے نکاح کس طرح کیا جائے گا دو آدمی بھی نہیں کر سکتے اور اگر ایک شخص ایک سے نکاح کرتا ہے تو استمتاع بالواحدہ استمتاع بالاخریٰ کو مستلزم ہے، حالانکہ دونوں بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا "**وان تجمعوا بین الاختین**" کے ضابطہ کے مطابق حرام ہے تو جیسے یہ نکاح بامر مجبوری جائز ہے، اسی طرح ضبط کے لیے متعہ جائز ہے۔

اس ساری منطق کی بنیاد ہی فاسد ہے۔وہ خواہش کو اضطرار سمجھ بیٹھے ہیں۔جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔اس لیے مودودی صاحب کی یہ ساری منطق ہی غلط ہے۔

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ الخ

محرمات ثلاثہ میں حصر کا شبہ اور اس کا جواب:

بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی تین چیزیں حرام ہیں جو آیت مذکورہ میں منقول ہیں، حالانکہ حرام چیزیں اور بھی بہت ہیں۔جیسے **ذی مخلب من الطیور**۔وہ پرندے جو پنجوں میں چیز اٹھا کر لے جاتے ہیں **و سباع من البھائم** جانوروں میں سے چیر پھاڑ کرنے والے۔لفظ 'اِنَّمَا' چونکہ حصر کے لیے استعمال ہوتا ہے لہٰذا محرمات کا ان تین میں منحصر ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔

(۱) اس شبہے کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ حصر **فی المحرمات** نہیں ہے، بلکہ حصر **فی المحرمِ** ہے تو آیت

کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے حرام قرار دے دیا ہے۔ اسے نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ صحابہ کرامؓ نے حرام کیا ہے یعنی ان **تحریم هذه الاشیاء محصور او مقهوراً لله تعالی** یعنی ان چیزوں کو ایک اللہ ہی نے حرام قرار دے دیا ہے۔ کسی اور کا کوئی دخل نہیں ہے۔

(۲) اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ حصر موجود ہے تو پھر یہ حصر اضافی ہے حصر حقیقی نہیں ہے۔ حصر اضافی کا مقصد یہ ہے کہ تم نے اپنے پاس سے جو جانور حرام قرار دے دیے ہیں جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلۃ وغیرہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام قرار نہیں دیا۔ وہ تمہارے خود ساختہ حرام کیے ہوئے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان چیزوں کو حرام قرار دے دیا ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔

وَ یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ جو دنیا میں خدا کو نہیں مانتے آخرت میں کیسے مانیں گے، لیکن پھر بھی اللہ رب العزت ان سے گفتگو نہیں فرمائیں گے۔ گویا وہاں اللہ تعالیٰ کی نظر میں ذلیل و رسوا ہونے کے باعث کلام کے مستحق نہیں ہوں گے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ
یہی نیکی نہیں
تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ
کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو بلکہ نیکی تو یہ ہے جو
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ
اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر اور اس کی محبت میں
ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ
رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو
وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا
اور گردنوں کے چھڑانے میں مال دے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے اور جو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں
عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ
جب وہ عہد کرلیں اور تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہیں یہی
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں ۝ اے ایمان والو مقتولوں میں برابری کرنا تم پر
الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ
فرض کیا گیا ہے آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے
فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ
پس جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی معاف کیا جائے تو دستور کے موافق مطالبہ کرنا چاہیئے اور اسے نیکی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے
ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ
یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے پس جو اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لئے دردناک
اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾
عذاب ہے ۝ اور اے عقلمندو تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم (خونریزی سے) بچو ۝

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ
تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے اگر وہ مال چھوڑے تو ماں باپ اور
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ
رشتہ داروں کے لئے مناسب طور پر وصیت کرے یہ پرہیزگاروں پر حق ہے ○ پس جو اسے
بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ
اس کے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ ان ہی پر ہے جو اسے بدلتے ہیں بیشک اللہ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ
سننے والا جاننے والا ہے ○ پس جو وصیت کرنے والے سے طرف داری یا گناہ کا خوف کرے پھر ان کے درمیان اصلاح کردے
فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾
تو اس پر کوئی گناہ نہیں بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے ○

ع

افاداتِ محمود:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا الخ

اب تردید ہے اہل کتاب کی، جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اس لیے ہدایت یافتہ ہیں کہ ہم اس قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں جو تورات میں قبلہ قرار دے دیا گیا ہے۔ اس لیے ہمارے تمام اعمال دوسروں کے لیے قابل تقلید ہیں، نہ کہ ہم کسی کی پیروی کرتے پھریں۔ یہ ان کا تکبر تھا۔ یہ تکبر حمق سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ احمق یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کیونکر کسی کی پیروی کریں، وہ تو اس قابل ہیں کہ دوسرے ان کی پیروی کریں۔ اس مضمون کا حاصل یہ ہے کہ جب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم تھا تو وہی قبلہ درست تھا اور اب جب کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہی درست ہے۔ تم نے تو سارا دین سمت قبلہ میں منحصر کر دیا ہے۔ یہ درست نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، قیامت پر ایمان لانا اور دیگر ضروریات دین پر ایمان لانا، پیغمبروں کی تصدیق کرنا یہ برّ اور نیکی کا کام ہے۔ عبادت کے لیے کوئی بھی سمت فی ذاتہٖ مطلوب نہیں ہے۔ مقصود تو حکم ربانی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ الخ

اگر کبیر نے صغیر کو قتل کیا تو کبیر قصاصاً قتل ہوگا۔ مسلمان نے ذمی کو قتل کیا تو یہ بھی قصاص ہے۔ و دمائھم کدمائنا یعنی ان (ذمیوں) کا خون ہمارے (مسلمانوں کے) خون کی طرح محفوظ ہے۔ غلام کو حر نے قتل کیا یا

مرد نے عورت کو یا اس کے برعکس قتل کیا گیا تو یہ قصاص ہے۔ گویا تمام نفس برابر ہیں۔ اگر کروڑ پتی نے مسکین کو قتل کر دیا تو قصاص ہے۔ نیز اسلام نے ہدایات بھی دی ہیں کہ صرف قاتل کو ہی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ مقتولین کے درمیان مساوات ہو گی امیر کو غریب پر کوئی برتری عند القصاص حاصل نہ ہو گی۔

آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام کو اور عورت کے بدلے عورت کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور اگر قتل عمداً نہ ہو تو قصاص نہیں ہے مگر دیت دینی پڑے گی۔ اسی طرح اگر مقتول کے دو وارثوں میں سے ایک نے معاف کر دیا تو قصاص ساقط ہو جائے گی اور معاف نہ کرنے والے وارث کو دیت کا نصف حصہ دیا جائے گا۔ دیت، قصاص لینے اور معاف کرنے کے بعد دوبارہ قتل کرنا حرام ہو گا۔ آج کل کے حساب سے ۳۶ سیر ۳۶ تولے اور آٹھ ماشے چاندی قتل کی کل دیت ہے جو ۱۰۰ اونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس درہم کے برابر ہو گی لیکن یہودیوں نے ایک عجیب بات بنائی تھی۔ انہوں نے مرد و عورت، عبد و حر اور شریف و مسکین میں بھی فرق کر رکھا تھا کہ شریف کا قصاص ہے، مسکین کا نہیں۔ شریف کا قتل ہوا تو غریب کے دو بھائی قتل کیے جائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے کہا کہ حرمت نفس میں سب انسان برابر ہیں۔

اگر چہ اس آیت میں اللہ نے العبد بالحر و الانثیٰ بالذکر سے سکوت فرمایا، لیکن احادیث میں اس کی تفصیل ہے۔ ہاں اگر کسی نے اپنے غلام کو قتل کر دیا یا والد نے اپنے بیٹے کو قتل کیا تو قصاص نہیں ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ الخ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک تو مر گیا ہے، اب دوسرے کو کیوں مار دیا۔ تو فرمایا کہ قصاص میں زندگی ہے۔ اگر قصاص کا حکم ہے تو زیادہ زندگی رہے گی۔ ورنہ ہر ایک ریت اور رسم پر قتل کرے گا۔ گویا قصاص میں زندگی ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ الخ اس کا ذکر مقدمہ میں ہو چکا ہے کہ یہ منسوخ ہے۔ دو حیثیتوں سے (۱) میراث کا مفصل حکم آیا تو حصص مقرر ہوئے۔ (۲) دوسرا حکم حدیث میں آیا کہ لا وصية لوارث یعنی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔

جَنَفًا جانبداری یا طرفداری کرنا گناہ ہے۔

اَوْ اِثْمًا گناہ یہ ہے کہ اس نے امور خلاف شرع میں وصیت کی جیسے کسی نے کہا کہ سینما بنا دو۔ ایسی وصیت کو بدل دینا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں

الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ اَيَّامًا

جس طرح ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ ○ گنتی کے

مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ

چند روز پھر جو کوئی تم میں سے بیمار یا سفر پر ہو تو دُوسرے دنوں سے گنتی پُوری کر لے

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ

اور ان پر جو اس کی طاقت رکھتے ہیں فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا پھر جو کوئی خوشی سے نیکی

لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ

کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ○ رمضان کا وہ مہینہ ہے

اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ

جس میں قرآن اُتارا گیا جو لوگوں کے واسطے ہدایت ہے اور ہدایت کی روشن دلیلیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ

سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پالے تو اس کے روزے رکھے اور جو کوئی بیمار یا سفر پر ہو

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ

تو دُوسرے دنوں سے گنتی پُوری کرے اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر تنگی نہیں چاہتا اور تاکہ تم گنتی پوری کر لو

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٨٥﴾

اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو ○

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ

اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں نزدیک ہوں دعا کرنے والے کی دُعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿١٨٦﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ

پکارتا ہے پھر چاہئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں ○ تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں

الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ
اپنی عورتوں سے مباشرت کرنا حلال کیا گیا ہے وہ تمہارے لئے پردہ ہیں اور تم ان کے لئے پردہ ہو اللہ کو معلوم ہے کہ
اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَ عَفَا عَنْکُمْ ۚ فَالْئٰنَ
تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے پس تمہاری توبہ قبول کر لی اور تمہیں معاف کر دیا سو اب
بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ ۪ وَ کُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ
ان سے مباشرت کیا کرو اور طلب کرو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تمہارے لئے
لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ
سفید دھاری سیاہ دھاری سے فجر کے وقت صاف ظاہر ہو جاوے پھر روزوں کو
اِلَی الَّیْلِ ۚ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ ۙ فِی الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْکَ
رات تک پورا کرو اور ان سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو یہ
حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
اللہ کی حدیں ہیں سو ان کے قریب نہ جاؤ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تا کہ وہ
یَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَ لَا تَاْکُلُوْۤا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاْکُلُوْا
پرہیز گار ہو جائیں ○ اور ایک دوسرے کے مال آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور انہیں حاکموں تک نہ پہنچاؤ
فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع
تا کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو ○

افاداتِ محمود:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ الخ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ

اس کا ذکر بھی مقدمہ میں اس مقام پر ہو چکا جہاں منسوخ آیات زیرِ بحث آئی ہیں۔ بہر حال اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے امم سابقہ میں بھی فرض تھے لیکن شکل وصورت تعداد وغیرہ مختلف تھی۔ پہلی اُمتوں میں روزہ افطار کرنے کے بعد سونے تک کھانے پینے کی اجازت ہوتی تھی سونے کے بعد اجازت نہ تھی۔ اسلام میں بھی ابتداء میں یہی صورت حال تھی۔ بعد میں سحری والی سہولت مل گئی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ الخ

رمضان المبارک کے بہت زیادہ فضائل ہیں جن میں سے قرآن کریم اور دیگر کتب سماویہ کا نزول فی رمضان بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ

یہاں سے امم سابقہ کے روزے سے احتراز وفرق کا ذکر ہے کہ پہلی امتوں میں سونے سے پہلے کھانا جائز تھا اور سونے کے بعد تمام چیزیں ناجائز تھیں، لیکن اب صبح تک جائز ہے۔ چاہے سو جاؤ یا نہ سوؤ۔

"الرَّفَثُ" عورتوں سے بے باک ہونا۔ اس لیے شادی دونوں کے درمیان پردہ پوشی ہوتی ہے۔

تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ یعنی خیانت ہو جاتی تھی کہ یہ سو گئے تھے پھر جماع کر لیا تو یہ بات اب نہیں ہے۔ بلکہ صبح صادق تک کھانا پینا وغیرہ حلال ہیں۔ یہ عدل اور وسعت شریعت محمدیہ کا امتیاز ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

آپ سے چاندوں کے متعلق

الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ

پُوچھتے ہیں کہہ دو یہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے وقت کے اندازے ہیں اور نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں

مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا

ان کی پُشت کی طرف سے آؤ اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی اللہ سے ڈرے اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ ○ اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑیں

وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ

اور زیادتی نہ کرو بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور انہیں قتل کرو جہاں پاؤ

وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا

اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور غلبہ شرک قتل سے زیادہ سخت ہے اور

تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ تم سے یہاں نہ لڑیں پھر اگر وہ تم سے

فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

لڑیں تم بھی انہیں قتل کرو کافروں کی یہی سزا ہے ○ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ بڑا بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ

نہایت رحم والا ہے ○ اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور اللہ کا دین قائم ہو جائے پھر اگر

انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ

وہ باز آ جائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر سختی جائز نہیں ○ حُرمت والے مہینے کا بدلہ حُرمت والا مہینہ ہے

وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا

اور سب قابلِ تعظیم باتوں کا بدلہ ہے پھر جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی کہ

اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اس نے تم پر زیادتی کی اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ○

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ

بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ اور اللہ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو پس اگر روکے جاؤ

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ

تو جو قربانی سے میسّر ہو اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ

مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ

پہنچ جائے پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اسے سر میں تکلیف ہو تو روزوں سے یا صدقہ سے

صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۣ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى

یا قربانی سے فدیہ دے پھر جب تم امن میں ہو تو جو عمرہ سے حج تک فائدہ اٹھائے

الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي

تو قربانی سے جو میسّر ہو (دے) پھر جو نہ پائے تو تین روزے حج کے

الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ

دنوں میں رکھے اور سات جب تم لوٹو یہ دس پورے ہوگئے یہ اس کے لئے ہے جس کا

اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

گھر بار مکّہ میں نہ ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب

الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

دینے والا ہے ○

افاداتِ محمود:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ پہلے صوم کا ذکر ہوا۔ اب حج کا ذکر آرہا ہے اور صوم وحج کا تعلق ہلال سے

ہے۔اس لیے اس کا حکم بتلا دیا ہے۔لوگ سوال کرتے تھے کہ سورج تو بالکل درست رہتا ہے، لیکن چاند کم کیوں ہوتا ہے، بڑھتا کیوں ہے تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس کے ذریعہ نمازوں، روزوں کے اوقات مقرر ہوتے ہیں۔

مِنْ ظُهُوْرِهَا زمانہ جاہلیت میں ان لوگوں کی عادت تھی کہ احرام باندھ لینے کے بعد کوئی چیز یاد آئی تو گھر کے دروازے سے نہیں آتے تھے، بلکہ دیوار میں نقب لگا کر یا پیچھے سے آتے تھے تو اس جگہ اس ناروا پابندی پر عمل کرنے سے منع فرمایا ہے۔اسی طرح مرد وعورت ننگے طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کیے ہیں وہ حرم میں لانے کے قابل نہیں ہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انسان کو اس طرح کے اصر اور اغلال سے آزادی عطا فرمادی۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تمام فقہاء امت اس بات پر متفق ہیں کہ ہجرت سے قبل مسلمانوں کو جہاد کا حکم نہیں ہوا تھا بلکہ عفو و درگزر کرنے کا حکم تھا اور صبر کی تلقین تھی۔مدینہ پہنچ کر پہلے محدود جہاد کا حکم تھا یعنی صرف ان لوگوں سے قتل و مقاتلہ کر سکتے ہو جو تم سے قتال کرتے ہوں۔عورتوں بچوں اور مذہبی راہبوں سے جو قتال میں حصہ نہ لیتے ہوں قتال ممنوع تھا۔اب یہاں مہینوں کا ذکر تھا تو بعض مہینوں میں قتال ممنوع ہے یعنی اشہر الحرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحج، محرم۔اللہ نے فرمایا کہ تم قتال کروان سے جو تم سے قتال کرتے ہیں۔ حدیبیہ کا واقعہ بھی ذی قعدہ میں پیش آیا تھا۔آپؐ ۱۴۰۰ صحابہ کرام کے ساتھ عمرے کے لیے مکے کی طرف گئے، لیکن مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو روکا اور قتال کے لیے تیار ہو گئے تھے۔گویا اس طرح انھوں نے شہر الحرام کو چھوڑ دیا۔اس لیے یہاں قتال جائز ہے، لیکن صرف ان لوگوں کے خلاف جو تم سے قتال کریں۔

اسلام میں حکم ہے کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو۔کیونکہ وہ آپ سے قتال نہیں کرتے۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ یہ فتنہ مسجد حرام سے منع کرنا تھا کہ وہ مسجد حرام میں جانے نہیں دیتے تھے تو فرمایا کہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ویسے شرک کرنا بھی قتل سے بڑا گناہ ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہاں مفہوم ہے کہ جہاد میں خرچ کرو، ورنہ تم ضعیف و کمزور ہو جاؤ گے۔ضعف تو تمہاری ہلاکت ہے، اس لیے وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ فرمایا ہے، بعض لوگ استدلال کرتے ہیں کہ اگر تمہاری طاقت زائد نہیں تو یہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے مترادف ہے۔حالانکہ یہاں جہاد نہ کرنے کو ہلاکت کہا گیا ہے۔

حدیبیہ حرم و حل کی سرحد کے بین بین ہے۔اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ھدی کے جانور ذبح کرنے کا حکم دیا، لیکن کسی کا دل نہیں مانتا تھا۔آپ خیمہ میں آئے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ بغیر کچھ کہے ذبح کر دیجیے۔آپ نے ہدی کا جانور ذبح کیا تو تمام صحابہ کرام نے بغیر پوچھے ذبح شروع کر دیا اور پھر سر

منڈ وایا۔ مجھے بھی کراچی میں حکومت نے حج پر جانے سے روک دیا تھا تو میں نے ان سے کہا کہ میں پورے ملک کا دورہ کروں گا اور لوگوں کو بتاؤں گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین نے روکا تھا، لیکن مجھے یہاں اسلامی حکومت نے روکا ہے۔ سرگودھا میں میٹنگ میں وزیراعظم نے کہا کہ، اس کو اجازت ملنی چاہیے؟ نیچے والوں نے کہا کہ مت دو اجازت۔ تو وزیراعظم نے کہا اصل بات یہ ہے کہ مفتی صاحب کے ساتھ علماء ہیں اور حج اکبر بھی ہے تو انہوں نے اجازت دے دی۔

مِّنْ صِيَامٍ

تین روزے رکھو۔ یا صدقہ دو یعنی مسکینوں کو صبح وشام کھلاؤ۔ تین صاع گندم ہر ایک کو نصف نصف صاع دو۔ ایک کو سارا نہیں دینا اور نسک یا دم دے دو۔ اگر مرض کی وجہ سے سر نہیں منڈ وا سکتے۔

دم التمتع والقران دم الجنایت نہیں، جیسے شوافع کے نزدیک ہے۔ یہ دم شکر ہے اس لیے احناف کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے اور شوافع کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ الخ

یعنی ۷، ۸، ۹ کو روزہ رکھ لیا اور پھر سات روزے اُس وقت رکھو جبکہ تم حج سے واپس آ جاؤ۔ یہاں گھر واپس آنا مراد نہیں ہے، بلکہ حج سے فارغ ہونا مراد ہے۔

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ الخ

یعنی مکے کے رہنے والے کے لیے تمتع وقران نہیں۔ اس لیے یہ حکم باہر سے آنے والے کے لیے ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ

حج کے چند مہینے معلوم ہیں سو جو کوئی ان میں حج کا قصد کرے تو مباشرت جائز نہیں

وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ

اور نہ گناہ کرنا اور نہ حج میں لڑائی جھگڑا کرنا اور تم جو نیکی کرتے ہو اللہ اس کو

اللّٰهُ ط وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

جانتا ہے اور زادِراہ لے لیا کرو اور بہترین زادراہ پرہیزگاری ہے اور اے عقلمندو مجھ سے ڈرو ○

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط فَاِذَآ اَفَضْتُمْ

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو پھر جب تم عرفات سے

مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ج

پھرو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اس کی یاد اس طرح کرو کہ جس طرح اس نے تمہیں بتائی ہے

وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ

اور اس سے پہلے تو تم گمراہوں میں سے تھے ○ پھر تم لوٹ کر آؤ جہاں سے لوگ لوٹ کر

النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ

آتے ہیں اور اللہ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے ○ پھر جب حج کے ارکان ادا کر چکو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ط فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ

تو اللہ کو یاد کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے یا اس سے بھی بڑھ کر یاد کرنا پھر بعض تو یہ کہتے ہیں

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اے رب ہمارے ہمیں دُنیا میں دے اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے ○ اور بعض

يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

یہ کہتے ہیں اے رب ہمارے ہمیں دُنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا ○

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ط وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کی کمائی کا حصہ ملتا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○ اور اللہ کو

اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ

چند گنتی کے دنوں میں یاد کرو پھر جس نے دو دن کے اندر کوچ کرنے میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو

تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ

تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ جو (اللہ سے) ڈرتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اسی کی طرف

تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ

جمع کئے جاؤ گے ○ اور بعض ایسے بھی ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنی

اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ

دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے ○ اور جب پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو ملک میں

لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

فساد ڈالتا اور کھیتی اور مویشی کو برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ○

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ

اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو شیخی میں آ کر اور بھی گناہ کرتا ہے سو اس کے لئے دوزخ کافی ہے اور البتہ وہ

الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

برا ٹھکانا ہے ○ اور بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان بھی بیچ دیتے ہیں اور اللہ

رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا

بندوں پر بڑا مہربان ہے ○ اے ایمان والو اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ

شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے ○ پھر اگر تم

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

کھلی کھلی نشانیاں آجانے کے بعد بھی پھسل گئے تو جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے ○

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ

کیا وہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ ان کے سامنے بادلوں کے سائے میں آ موجود ہو اور فرشتے بھی آ جائیں اور کام

الْاَمْرُ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾
پورا ہو جائے اور سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں ○

ع

افاداتِ محمود:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ

شوال، ذی القعدہ، ذی الحجہ یعنی ذی الحجہ کے دس ملا کر تین مکمل مراد لیے اس لیے اشہر جمع لائے ہیں، لیکن اشہرالحرم سے قبل احرام باندھنا مکروہ ہے اور تمتع وقران کے لیے بھی اشہر حج میں احرام باندھنا چاہیے۔

فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى

یعنی مراد یہ ہے کہ لوگوں سے نہ مانگنا اور سوال نہ کرنا تقویٰ ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ الخ

پہلے عرب لوگ جب مناسک حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں ٹھہرتے تھے تو اپنے باپ دادا کو یاد کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ اپنے باپ دادا سے زیادہ اللہ کو یاد کیا کرو۔ اسی طرح میدان عرفات نہ جاتے تھے اس کو اپنی امتیازی شان خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ بری رسمیں ختم فرما دیں۔

وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ یعنی جنگ پھیلا کر اور پھر فساد کرا کر یہ کھیتوں کو ختم کر دے گا۔

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَۃٍۭ

بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ہم نے انہیں کتنی روشن

بَیِّنَۃٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ

دلیلیں دی اور جو اللہ کی نعمت کو بدل دیتا ہے بعد اس کے کہ وہ اس کے پاس آ چکی ہو تو بے شک اللہ سخت عذاب

الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ

دینے والا ہے ۞ کافروں کو دُنیا کی زندگی بھلی لگتی ہے اور وہ ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو

اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ

ایمان لائے حالانکہ جو لوگ پرہیزگار ہیں وہ قیامت کے دن ان سے بالاتر ہوں گے اور اللہ جسے چاہے بے حساب رزق

حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۫ فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ

دیتا ہے ۞ سب لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے انبیاء خوشخبری دینے والے

وَمُنْذِرِیْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا

اور ڈرانے والے بھیجے اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل کیں تاکہ لوگوں میں اس بات میں فیصلہ کرے جس

اخْتَلَفُوْا فِیْہِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ

میں اختلاف کرتے تھے اور اس میں اختلاف نہیں کیا مگر انہیں لوگوں نے جنہیں وہ (کتاب) دی گئی تھی اس کے بعد کہ

الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ ۚ فَھَدَی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ

ان کے پاس روشن دلیلیں آ چکی تھیں آپس کی ضد کی وجہ سے پھر اللہ نے اپنے حکم سے ہدایت کی ان کو جو ایمان والے ہیں اس حق

بِاِذْنِہٖ ؕ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ

بات کی جس میں وہ اختلاف کر رہے تھے اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے ۞ کیا تم خیال کرتے ہو

اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ ؕ مَسَّتْھُمُ

کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہیں وہ (حالات) پیش نہیں آئے جو ان لوگوں کو پیش آئے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں

الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ

انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بول اُٹھے کہ

مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾ یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ۬ؕ قُلْ

اللہ کی مدد کب ہوگی سُو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے ۝ آپ سے پُوچھتے ہیں کیا خرچ کریں کہہ دو

مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ

جو مال بھی تم خرچ کرو وہ ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں

السَّبِیْلِؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَیْكُمُ

کا حق ہے اور جو نیکی تم کرتے ہو سو بے شک اللہ اسے خوب جانتا ہے ۝ تم پر جہاد

الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْۚ وَ عَسٰۤى

فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ

اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۠ ﴿۲۱۶﴾ ع

تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۝

افاداتِ محمود:

سَلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ الخ

اس رکوع میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل عذاب کے مستحق کیوں ہیں۔ یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک شخص یا ایک قوم کے ساتھ احسانات کیئے جائیں اور انہیں نشانیاں دکھائی جائیں، وہ اس کے باوجود کفران نعمت کرے تو عقل و نقل دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس رکوع میں ایسے لوگوں کے ساتھ قتال کا بھی حکم ہے کہ انہیں دنیا کے اندر بھی ذلیل کیا جائے۔ ان کے لیے آخرت کا عذاب تو ہوگا ہی، لیکن وہ دنیا میں بھی ذلت و رسوائی کے مستحق ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا سل بنی اسرائیل کم اٰتیناھم الخ ان کے لیے بحر کے اندر راستے بنائے گئے۔ پھر کفر کرنے کے بعد بھی انہیں معاف کر دیا گیا، لیکن یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے، بلکہ الٹا کفر کرتے ہیں۔

یہود کے شریعت محمدیہ پر ایمان نہ لانے کی وجہ:

یہ لوگ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اس لیے مخالفت کرتے تھے کہ تکالیف سے بچ جائیں اور انہیں نذرانے ملتے رہیں۔ زندگی اچھی گزرے گی۔ مسلمانوں کی ریاست یہود پر قائم ہو جائے تو یہ نذرانے بند ہو جائیں گے۔ اس لیے ایمان لانا دراصل آخرت کو بیچ کر دنیا کو مول لینا ہے۔ ضعیف مسلمانوں، صہیب رومی یا

حضرت بلال جیسے لوگوں پر کفار نے ظلم کے پہاڑ توڑے تھے۔ یہود انہیں اور دوسرے فقراء مہاجرین کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ احمق ہیں۔ بلاوجہ زندگی خراب کر دی اور پھر ہنستے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ کیا یہ لوگ قیصر روم کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔ کسریٰ کی فارسی قوم سے ان کا کیا مقابلہ ہوگا۔ یہ غریب غریب لوگ کیسا مقابلہ کریں گے اور یہ لوگ عرب کے بڑے بڑے سرداروں پر کیسے غالب آئیں گے اور ان کی یہ خواہش کیسے پوری ہوگی کہ دنیا کی حکومتوں پر دھاک بٹھائیں۔ تو فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

اور جو پرہیزگار ہیں وہ ان کفار پر غالب رہیں گے قیامت کے دن تک۔

انہی مساکین کے ہاتھوں دو قومیں فتح ہوئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایران اور روم کی دو بڑی طاقتیں زیر ہوئیں۔ ایران کے لوگ مفتوح تو ہو گئے، لیکن جیسے ایک مفتوح قوم کے دل میں فاتح کے خلاف جذبۂ نفرت وعداوت ہوتا ہے۔ فاتح کا دین بھی قبول کر لیتے ہیں، لیکن نفرت وعداوت دل ہی دل میں چھپی رہتی ہے۔ اسی طرح ایرانیوں کے دلوں میں عمر فاروقؓ کے خلاف نفرت کا جذبہ باقی رہا اور آج تک باقی ہے۔ چنانچہ بیشتر اہل فارس رافضی ہیں۔ حضرات شیخین کے خلاف ان کے دل میں نفرت ہے اور اسی بنیاد پر ان کو رافضی کہتے ہیں۔ ایران وفارس کے لوگ عمر کے نام سے بہت چڑتے ہیں۔ صدیق اکبر کے نام سے اتنا نہیں چڑتے۔ وہ کھلے عام کہتے ہیں از عمر خویش بیزارم۔ یہ سب نفرت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اپنی عمر سے بھی بیزار ہوں کہ اس کا نام عمر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مساکین کو یہ مقام دیا کہ پوری دنیا پر غالب کر دیا اور فاتح بنایا۔

کتب بنی اسرائیل کا مقصد تفریق نہ تھا:

بنی اسرائیل کے پاس کتابیں آئیں۔ یہ اس لیے نہیں کہ کتابیں انہیں جدا جدا کر دیں۔ یہ کتابیں جدا جدا دین بنانے کے لیے نہیں آئیں، لیکن یہود نے فوراً باہم اختلاف شروع کر دیا۔ یہ سب آپس میں بغض وعناد کی وجہ سے تھا۔ جب نبی مبعوث ہوتے تو لوگ دو حصوں میں بٹ جاتے۔ ماننے والے اور نہ ماننے والے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے نبی در نبی آئے، لیکن اختلاف کیسے ختم ہوں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ

اس آیت میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ دیکھو پہلے لوگوں کے پاس کتابیں آئیں۔ وہ مکلّف ہوئے۔ انہیں ایذائیں پہنچی تھیں، لیکن فرمایا کہ مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے، تمہیں جنت میں داخل ہونے کے لیے یہ تکلیفیں برداشت کرنا ہوں گی۔ ابھی تم پر پہلے پیغمبروں والے حالات نہیں آئے۔

حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ الخ

یہ مایوسانہ کلمات پیغمبر کی زبان سے کیسے نکلے۔ کیا وہ بھی مایوس ہو گئے؟

اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ مایوس ہو گئے تھے۔ یہ بتقاضائے بشریت تھا کہ جب ایک انسان مصیبتوں میں پھنس جائے اور امید و توقع بھی پوری ہوتی نظر نہ آتی ہو تو پریشانی کے عالم میں کہے کہ مدد کب آئے گی۔ یہ انکار نہیں ہے۔ مانگنے کا ایک انداز ہے۔ مراد یہ ہے کہ اب مدد آ جانی چاہیے۔ یہ مدد جلدی طلب کرنے کے لیے ہے۔ کیونکہ یہ خود بھی دلالت کرتا ہے۔ صرف جلدی مدد یعنی استعجالِ نصر مانگتے ہیں اور اسی کی پکار ہے۔

سابقہ آیات میں یہ مضمون بڑی تاکید سے بیان ہوا ہے کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ منافقانہ روش چھوڑ دو اور مال و جان خرچ کرو تو اس کا ذکر فرمایا۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یہاں جان و مال کے انفاق کے متعلق مسائل جزئیہ کا ذکر ہے تاکہ اس کلیہ کے آنے کے بعد جزئیہ کی تاکید ہو جائے کہ نکاح، طلاق، انفاق وغیرہ جزئی مسائل کا ذکر ہے۔ کلیہ جو پہلے آیا تھا جزئیہ سے اس کو مضبوط کرنا ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ سوال مال خرچ کرنے کا تھا، لیکن جواب علی اسلوب الحکیم دیا۔

فرمایا کہ یہ مت پوچھو کہ کیا خرچ کرنا ہے؟ بلکہ کہاں خرچ کرنا ہے؟ مصرف کیا ہے؟ اللہ نے ان کے سوال کو پھیر دیا اور متنبہ کیا کہ سوال یوں کرو کہ مصرف معلوم کرنا ہے فَلِلْوَالِدَیْنِ اگر والدین محتاج ہیں تو ان پر انفاق واجب ہے۔ اگر وہ مالدار ہیں تو وَالْاَقْرَبِیْنَ ہیں یعنی جو والد کے واسطے یا والدہ کے واسطے سے قریب ہیں۔ یہ بھی درحقیقت والدین پر خرچ کرنا ہے۔ جیسے چچا، تایا، ماموں، پھوپھا وغیرہ۔

وَابْنِ السَّبِیْلِ جہاں کوئی مطبخ ہوٹل وغیرہ نہ ہو مسافر کو کھانا کھلانا واجب ہے۔

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ الخ آگے قتال کا حکم ہے۔ مکہ میں قتال کا حکم نہ تھا۔ اسباب مہیا نہ تھے جب مدینہ ہجرت کی تو قتال کی اجازت مل گئی۔ یہ دفاعی جنگ کی اجازت تھی کہ کفار اگر حملہ کریں تو جواب دو۔ چنانچہ پہلی آیت تھی کہ تم قتال کرو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں۔ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ لیکن بعد میں بالعموم قتال کی اجازت دے دی گئی، لیکن دفاعی جنگ کے لیے کوئی شرط نہیں۔ یہاں تک کہ اگر مسلمان بھی آپ پر حملہ کر دے تو ان کا بھی دفاع کریں اور مقابل مسلمان ہے یا کافر، یہ بھی دفاعی جنگ میں شرط نہیں ہے۔ ایک جارحانہ جنگ ہے کہ آپ کفار پر حملہ کرنے کے لیے جا رہے ہیں تو اس کے لیے شرائط ہیں کہ اوّلاً کافروں کو دعوت پہنچاؤ۔ اگر وہ انکار کر دیں تو پھر قتال جائز ہے۔ عورتوں کا قتل ناجائز ہے، لیکن دفاع میں یہ بھی شرط نہیں ہے۔ جارحانہ جنگ فرض کفایہ ہے عند الفقہاء کہ ایک جماعت موجود ہو جیسے فوج ہے تو تمام لوگوں پر فرض عین نہیں ہے، لیکن اگر جارحانہ میں فرض کفایہ والے کفایت نہیں کر سکے تو پھر جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ گویا کفایہ بڑھ سکتا ہے۔ آج یہاں کفر داخلی والے بھی ہیں، کفر خارجی والے بھی ہیں۔ اس کا مقابلہ اسلحہ سے ہوگا اور کفر داخلی کا مقابلہ بھی جہاد ہے، لیکن وہ اسلحہ سے نہیں

ہوتا۔ وہ اتحاد سے ہوتا ہے۔ سیاسی قوت اتنی مضبوط کرو کہ داخلی کفر سرنگوں ہو جائے۔ نظام اس وقت اسلام کے مطابق نہیں ہے اور میرے نزدیک داخلی مقابلہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کیونکہ اب داخلی کفر والے طاقت ور ہیں اور مقابلہ کرنے والے کمزور ہیں۔ چونکہ یہ کفایت نہیں کر سکتے، اس لیے مسلمانوں پر ان کا ساتھ دینا فرض ہے۔ آج ملک میں اسلامی قانون نہیں ہے۔ اس کے لیے جدوجہد ہر فرد کو کرنی چاہیے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ

آپ سے

عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ

حرمت والے مہینے میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو اس میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کے

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ

راستہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو اس میں سے نکالنا

اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى

اللہ کے نزدیک اس سے بڑا گناہ ہے اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی بڑا جرم ہے اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ

يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ

تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ان کا بس چلے اور جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے

فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ

پھر کافر ہی مر جائے پس یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے عمل دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے

وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ

اور وہی دوزخی ہیں جو اسی میں ہمیشہ رہیں گے ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے

هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ

ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ

بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے ○ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو ان میں بڑا گناہ ہے اور

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ۬

لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں

قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِي

کہہ دو کہ جو زاید ہو ایسے ہی اللہ تمہارے لئے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو ○ دنیا

الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ
اور آخرت کے بارے میں اور یتیموں کے متعلق آپ سے پُوچھتے ہیں کہہ دو ان کی اصلاح کرنا بہتر ہے
وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ
اور اگر تم انہیں ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ بگاڑنے والے کو اصلاح کرنے والے سے جانتا ہے اور اگر
شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى
اللہ چاہتا تو تمہیں تکلیف میں ڈالتا بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے ○ اور مشرک عورتیں جب تک
يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا
ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو اور مشرک عورتوں سے تو ایماندار لونڈی بہتر ہے گو وہ تمہیں بھلی معلوم ہو
الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ
اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور البتہ مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں اچھا ہی لگے
اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚۖ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ
یہ لوگ دوزخ کی طرف بُلاتے ہیں اور اللہ جنّت اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے بُلاتا ہے
وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع
اور لوگوں کے لئے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

افاداتِ محمود:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ اب جہاد کرنے میں کیا فوائد ہیں، کیا نقصانات ہیں، لیکن کمزور عقل کے لوگ اس کو نہیں مانتے۔

شانِ نزول:

واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو قتال کے لیے بھیجا تو وہ جمادی الثانیہ کی آخری تاریخ تھی۔ رجب داخل نہ ہوا تھا۔ رجب شہر حرام ہے۔ مسلمانوں نے یہ سوچا کہ جمادی الثانیہ کے آخری ایام ہیں، اس لیے قتال کی اجازت ہے۔ انہوں نے قتال کیا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ چاند ہو گیا تھا تو اس پر کافروں نے بڑا شور مچایا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں کہ اشہر حرم کا احترام بھی نہیں کرتے اور دیکھو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لوگوں کو قتل اور لوٹ مار کا حکم دیتے ہیں۔ مسلمانوں نے یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش

کیا اور کہا کہ ہم نے جرم کیا ہے، اس لیے ہم عفو کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اس پر یہ آیت اُتری۔

وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

یہ کفار اللہ کے راستے سے روکتے ہیں جیسے حدیبیہ میں عمرہ و حج سے روکا تھا تو انھوں نے زمین حرم و حالت احرام کا احترام نہ کیا۔ حجاج کرام جب حج کو جاتے تھے تو بدنہ یعنی ہدی کا جانور ساتھ لے جاتے تھے۔ حجاج کے ہدایا کو دشمن سے دشمن بھی ہاتھ نہ لگاتے تھے، جب ہدی کا احترام ہے تو خود انسان کا احترام کیوں نہیں ہے۔ انھوں نے خود محرم کی بے حرمتی کی، لیکن اس کے ہدی کا احترام کیا تو اس کا ذکر فرمایا:

وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ الخ

مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور بھی کر دیا تھا۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ وہ صحابہ کہ جنہوں نے رجب کے پہلے دنوں میں قتال کیا تو اللہ کے عدم مواخذہ کا علم تو ہو گیا تھا، لیکن صحابہ کرام کو یہ شبہ ہوا کہ اب اس جہاد پر ثواب ملے گا یا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل کر دی۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَاۤ الخ ○

شراب اور جوے کے بارے میں لوگ پوچھتے تھے کیونکہ ابتدائے اسلام میں شراب کا رواج تھا اور جواء بھی عام تھا۔ یہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھا، لیکن صحابہ کرام سمجھ گئے تھے کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے۔ چند ایک اکابر صحابہ بالکل پرہیز کرتے تھے۔ عام لوگ مٹکے بھر بھر کے رکھتے تھے۔ اسلام نے اس کو بیک وقت منع نہیں کیا اس میں بڑی حکمت تھی کہ شراب کا فی الفور چھوڑ دینا مشکل کام ہے۔ اس لیے تدریجاً چھڑوائی گئی۔

شراب کے مفاسد:

(۱) شراب نوشی کی پہلی خرابی یہ ہے کہ عقل ختم ہو جاتی ہے کہ عقل کا مقصد بری باتوں سے روکنا ہے۔ شراب پینے والا عقل کھو دیتا ہے۔

(۲) شرابی لڑائی بھی کرتے ہیں اور اس میں روحانی و جسمانی امراض بھی بہت ہیں۔ اس طرح جوا بھی حرام ہے کہ جواری کبھی کبھی اہل و عیال کا تمام نفقہ ہار جاتا ہے، لیکن اس میں کچھ منافع بھی ہیں۔ جیسے شراب کے پینے سے سرور و کیف حاصل ہوتا ہے اور جوے میں محنت و مشقت کے بغیر مال ہاتھ آ جاتا ہے، لیکن موازنہ کیا جائے تو یہ بات کھلتی ہے کہ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ اور ان دونوں (شراب نوشی و جوا) کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔

اس آیت میں صراحۃً منع نہیں کیا گیا، بلکہ فرمایا گیا کہ اس میں خرابیاں اور منافع دونوں ہیں۔ ہوشیار صحابہ سمجھ گئے کہ یہ حرام ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ نفع کم اور گناہ زیادہ ہے اس طرح برائی دل میں بیٹھ گئی۔

پھر دوسری آیت یہ نازل ہوئی:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْرَبُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمْ سُكَٰرَىٰ حَتَّىٰ (سورہ نساء/۴۳)

اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ دراں حالیکہ تم نشہ کی حالت میں ہو۔

یہاں آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ جب یہ چھوڑنا مشکل ہے تو پھر سرحد میں آپ نے پابندی کیوں لگائی؟ یہاں چودہ سو سال سے اسلام نافذ تھا۔ یہاں چند آدمی پیتے تھے۔ چودہ سو سال پہلے منع کیا گیا۔ اس لیے رعایت نہیں کی جاسکتی تھی اور منع کرنا آسان بھی تھا۔

اس آیت میں نماز کے اوقات میں منع کر دیا تو محدود حرمت آئی۔ تیسری آیت بالکل آخر میں آئی۔ یہ سورہ مائدہ کی آیت ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

اے ایمان والو! بیشک شراب اور جواء اور بت اور پانسے ناپاک شیطانی عمل ہیں سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (سورہ مائدہ/۹۰)

اب یہ صریح حرام ہوگئی۔ صحابہ کرام نے گھروں کے مٹکے توڑ دیے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ابو طلحہ انصاریؓ کے گھر میں مٹکے تھے جن پر انھوں نے پتھر دے مارے۔ سارے مٹکے ٹوٹ گئے۔ بہر حال صریح حکم آنے کے بعد صحابہ کرام نے بے مثال، مثال قائم کی کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب موسلا دھار بارش کے پانی کی طرح بہتی رہی۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ ٱلْعَفْوَ

پہلے سوال کیا گیا تو مصارف بتلا کر جواب دیا گیا تھا۔ اس لیے وہ مطمئن نہ تھے۔ دوبارہ یہ سوال کیا گیا تو فرمایا العفو یعنی جو ضرورت سے زائد ہو یعنی دنیا و آخرت کی ضرورت کو دیکھ کر خرچ کرو۔ خير الصدقة ماتكون من ظهر غني (الحديث) یعنی ضرورت سے زائد ہو تو یہ عام مسلمانوں کے لیے حکم ہے۔ اس لیے کہ اگر پہلے تو سارا مال دیا پھر بعد میں نادم ہوا تو سارا ثواب ختم ہوگیا، لیکن خواص کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے، وہ تو ایک پیسہ بھی نہ رکھتے تھے۔ جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ انہیں بعد میں پشیمانی و ندامت نہیں ہوتی تھی۔ ایمان و توکل سے ان کا دل معمور تھا۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْيَتَٰمَىٰ الخ

اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور نابالغ بچے رہ جائیں تو وارثوں کے ذمہ ان کی دیکھ بھال فرض ہے اور ان بچوں کا مال میں پورا پورا حصہ ہوتا ہے۔ یتیم کا مال کھانا بہت بڑا جرم ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ان الـذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونهم نارا الخ بیشک وہ لوگ جو ظالمانہ روش سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، بیشک وہ اپنے پیٹوں میں آگ ڈالتے ہیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام یتیموں کے معاملہ میں پریشان ہو گئے کہ ذرا سی غلطی سے بہت بڑا نقصان ہوگا۔ ان کا کھانا پینا آٹا وغیرہ سب کچھ ایک ہی گھر میں الگ رکھا جائے تو ہرج عظیم لازم آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو ''قل اصلاح لهم خیر'' ارشاد فرما کر حل کر دیا یعنی تم ان کے مالوں کو اس طرح کنٹرول کرو کہ ان کی بھلائی ہو اور تمہاری نیت میں کھوٹ نہ ہو تو تھوڑی بہت لغزش معاف ہو جائے گی۔

وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ یعنی مال کھانے کی نیت سے خلط نہ کرو اور اندازہ رکھو کہ یہ مال اپنے اوپر خرچ نہ کریں۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ الخ ابتداء اسلام میں کافر و مشرک عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز تھا۔ اس حکم کو یہاں منسوخ کر دیا گیا۔

مشرک کوئی بھی ہو، لیکن مومن غلام اس سے اچھا ہے۔ تم کسی مسلمان لڑکی کو مسلمان غلام کے عقد میں دے دو یہ بہتر ہے اس سے کہ تم مشرک کو دے دو۔

اس طرح حدیث میں ہے حضرت ام سلیم جو حضرت انسؓ کی والدہ تھیں۔ ابوطلحہ انصاریؓ نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ جبکہ یہ ابوطلحہ مسلمان نہ تھے۔ ام سلیم مسلمان تھیں۔ انھوں فرمایا:

مثلک یا ابا طلحة لا یردو لکنی امراة مسلمة وانت رجل مشرک

اے ابوطلحہ تیرے جیسے شخص کے پیغام کو رد تو نہیں کیا جا سکتا، لیکن میں ایک مسلمان خاتون ہوں اور تو مشرک شخص ہے۔ (رواہ النسائی)

ابوطلحہ نے مسلمان ہو کر نکاح کر لیا اور فرمایا فذاک مهرها یہ مسلمان ہونا ہی مہر تھا۔ باقی یہ الگ مسئلہ ہے کہ یہ مال قرار پاتا ہے یا نہیں۔ مہر میں مال دینا پڑتا ہے۔ بہرحال مسلمان کا نکاح مشرک سے جائز نہیں ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ

اور آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دو

هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ

وہ نجاست ہے پس حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہولیں

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ

پھر جب وہ پاک ہوجائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے بیشک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ز

اور بہت پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اور اپنے لئے آئندہ کی بھی تیاری کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم ضرور اسے ملوگے اور ایمان والوں کو خوشخبری سُنا دو ○

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ

اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ نیکی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان اصلاح

النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِىْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ

کرنے سے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ○ اللہ تمہیں تمہاری قسموں میں بے ہودہ گوئی پر نہیں پکڑتا لیکن تم سے

يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ

ان قسموں پر مواخذہ کرتا ہے جن کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہو اور اللہ بڑا بخشنے والا بُردبار ہے ○ جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس

نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا

جانے سے قسم کھالیتے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے پھر اگر وہ رجوع کرلیں تو اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے ○ اور اگر

الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ

انہوں نے طلاق کا پختہ ارادہ کرلیا تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے ○ اور طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو

ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِىْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ

روکے رکھیں اور ان کے لئے جائز نہیں کہ چھپائیں جو اللہ نے ان کے پیٹوں میں پیدا کیا ہے اگر وہ

كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں اور ان کے خاوند اس مدت میں ان کو لوٹا لینے کے زیادہ حق دار
اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ
ہیں اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہیں اور دستور کے مطابق ان کا ویسا ہی حق ہے جیسا ان پر ہے
وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع
اور مردوں کو ان پر فضیلت دی ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے ○

افاداتِ محمود:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ الخ

کفار کے ہاں حائضہ عورت کے ساتھ سلوک کرنے میں افراط وتفریط تھی۔ مجوسی اور یہودی عورت کو حالت حیض میں کمرہ میں اکٹھے بھی نہیں رہنے دیتے تھے۔ ان کے ہاتھ سے کھانا کھانا بھی بند کر دیتے تھے۔ ان سے بڑی سخت نفرت کرتے تھے، لیکن نصاریٰ نے تفریط کی۔ نصاریٰ عورتوں کے ساتھ حالت حیض میں مجامعت کرتے تھے۔ نصاریٰ اب بھی غلیظ ہیں۔ اسلام نے اعتدال کا حکم دیا کہ حیض کی حالت میں مجامعت جائز نہیں ہے، لیکن گھر میں رہنا اور بقیہ ہر قسم کا اختلاط جائز ہے اور ایک برتن میں کھانا بھی جائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

عن عائشه قالت كنت اشرب وانا حائض ثم انا وله النبى صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع فى فيشرب واتعرق العرق وانا حائض ثم انا وله النبى صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع فىّ (مسلم) ○

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں ایام خاص میں ہوتی تھی پانی پی کر (برتن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتی تھی تو حضورؐ اس جگہ منہ رکھ کر نوش فرماتے تھے جدھر میرا منہ رکھا ہوا تھا اور مجھ کو پسینہ بھی آ چکا ہوتا اور میں ایام میں ہوتی تھی تو پانی پی کر پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (برتن) دے دیتی تھی آپؐ وہیں منہ لگا کر جہاں میرا منہ لگا ہوا ہوتا تھا نوش فرما لیتے تھے۔

گویا حائضہ کا لعاب بھی مل جائے تو اس سے بھی پرہیز نہیں ہے، لیکن دوسرے امور کے بارے میں فرمایا:

من اتى حائضاً او امراءةً فى دبرها فقد كفر بما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم (الترغيب والترهيب)

جس شخص نے حائضہ عورت سے مجامعت کی یا عورت کے ساتھ خلاف فطرت کام کیا تو

تحقیق اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا انکار کیا۔
یعنی دونوں جگہ تلویث بالنجاسۃ (گندگی سے آلودہ ہونا) ہوتا ہے۔

اس جملہ سے بعض بیوقوفوں نے اتیان فی الدبر کا استدلال کیا ہے، بلکہ درحقیقت اس میں یہود کے ایک عقیدہ پر رد ہے۔ کہ یہود وطئ فی القبل من جانب الدبر کو ناجائز سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر اس ہیئت کے ساتھ وطی کی جائے تو بچہ احول یعنی کانا ہوتا ہے۔ بہرحال فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ خود دال ہے کہ محل استمتاع وہ جگہ ہے جو محل حرث ہے اور دبر چونکہ محل حرث نہیں ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد سوالوں کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ فی صَحَاخٍ واحد یعنی کیفیت جو بھی ہو، لیکن محل استمتاع صرف قبل ہے، اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اتیان فی الدبر کبیرہ گناہ ہے۔ حالت حیض میں وطئ سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ حیض کی وجہ سے عارضی طور پر وطئ منع ہے۔ باقی محل تو وہی ہے، لیکن لواطت میں وہ محل ہی نہیں ہے، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس بے حیائی کے مرتکب صرف انسان ہی ہورہے ہیں۔ حیوان یہ کام نہیں کرتے۔ ایک گدھا گدھی کے پیچھے تین میل چلا جاتا ہے، لیکن اس کا ذہن اس طرف نہیں جاتا۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولئک کالانعام بل ھم اضل جب انسان اپنے مقصد سے ہٹ جاتا ہے تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ زنا جرم ضرور ہے، لیکن اس طرح خلاف فطرت کام نہیں جیسے لواطت ہے، لہٰذا زنا کی سزا یا تو رجم ہے یا کوڑے ہیں، لیکن لواطت کی سزا یا تو پہاڑ کے اوپر سے نیچے گرا دینا ہے یا اس جرم کے مرتکب کے اوپر چٹان گرا دینا ہے وغیرہ۔ یہ ایسی سزا ہے جیسی قوم لوط کو ملی تھی۔

سورہ بقرہ کو سنام القران کہا گیا ہے:

سورہ بقرہ میں چونکہ بہت سارے احکام مسائل بیان ہوئے ہیں اس وجہ سے اس کو سنام القرآن کہا گیا ہے۔
اب آگے یمین وقسم کے احکام بیان ہورہے ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ الخ

یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔ قسمیں کھانا اچھی بات نہیں ہے۔ خصوصاً کسی نیک عمل سے رک جانے کی قسم کھانا تو کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے۔ اگر کسی نیک عمل سے رک جانے کی قسم کھائی تو قسم منعقد ہوجائیگی اور کفارہ دے کر اس قسم کو توڑ دینا چاہیے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے......

لا احلف علی یمین فاری غیرھا خیرا منھا الا اتیت الذی ھو خیر و تحللتھا (بخاری)
میں جب کبھی قسم کھالیتا ہوں اور بہتری اس کے سوا کسی اور چیز میں دیکھتا ہوں تو وہ اچھا کام جس کے خلاف میں نے قسم اٹھائی تھی کر گزرتا ہوں اور قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔

اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ کا واقعہ صحیح بخاری میں تفصیل سے موجود ہے۔ جب منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی کی تو بعض ناواقف اور سادہ لوح مسلمانوں نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ان میں سے ایک حضرت مسطحؓ بھی تھے۔ ان کی والدہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خالہ زاد بہن تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان پر بہت کچھ خرچ فرماتے تھے، لیکن جب اس نے منافقین والی باتیں مدینہ میں اڑائیں اور اللہ کے حبیبؐ اور اللہ کے حبیب کی حبیبہؓ کو اذیت پہنچائی تو حضرت صدیق اکبرؓ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطح اور اس کے گھر والوں پر کچھ خرچ نہ کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

اور نہ قسم کھانی چاہیے بزرگی والوں کو تم میں سے اور مقدور والوں کو اس بات سے کہ وہ دیں مال قرابت والوں اور مسکینوں اور ہجرت کرنے والوں کو راہ میں اللہ کی اور انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ معاف کر دے اللہ تعالیٰ تمہیں اور
اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم والا ہے۔

سبحان اللہ کیا مقام ہے براہ راست ابوبکرؓ کو عفو و درگزر کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت صدیقؓ نے اس ترغیب کو قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا......

واللہ انی لاحب ان یغفر اللہ لی فرجع الی مسطح النفقة التی کان ینفق علیه وقال واللہ لا انزعها عنه ابدا (بخاری شریف)

بخدا میں یہی چاہتا ہوں کہ میرا اللہ مجھ کو معاف کر دے تو مسطح کا وہ نان و نفقہ (جو پہلے آپ حضرت مسطحؓ پر خرچ کرتے تھے) بحال کر دوں اور فرمایا کہ قسم ہے اللہ کی اب یہ نفقہ کبھی بند نہ کروں گا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ کسی بھی نیک عمل سے اگر غلطی سے کسی نے قسم کھالی تو کفارہ دے کر اس قسم کا توڑنا واجب ہے۔ جیسا کہ حدیث بھی گزر چکی ہے اور صدیق اکبرؓ کا عمل بھی آپ کے سامنے ہے۔

اب جو الیکشن کے دوران میں لوگ قسم دیتے دلاتے ہیں کہ ووٹ ہمیں دو گے تو اگر وہ شخص شرعاً ووٹ کا مستحق نہ ہو تو اس قسم کو توڑ دینا چاہیے اور نا اہل کو ووٹ نہ دینا چاہیے۔

احکام واقسام یمین:

وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ الخ بعض لوگوں کی زبان سے بیہودہ قسمیں نکل جاتی ہیں۔

ان پر کفارہ اگرچہ نہیں ہوتا، لیکن یہ ایک قبیح و مذموم عمل ہے۔ چنانچہ فقہاء نے یمین کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ (۱) یمین لغو (۲) یمین غموس (۳) یمین منعقدہ۔ یمین لغو کا تعلق ظن سے ہوتا ہے یعنی ماضی سے متعلق کوئی شخص قسم کھالے کہ یہ فلاں بات ہوگئی ہے اور وہ بات فی الواقع نہ ہوئی ہو اور قسم کھانے والا اپنے گمان کے مطابق سچا ہو۔ (۲) غموس کے معنی چونکہ پانی میں ڈوبنے کے ہیں تو جھوٹی قسم کھانے کی وجہ سے انسان غموس فی النار کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ یمین غموس یہ ہے کہ ماضی یا حال سے متعلق جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھانا۔ علم کے باوجود یہ کہنا کہ فلاں کام نہیں ہوا۔ پھر بھی جھوٹی قسم کھا کر اس کے ہوجانے کا دعوی کرنا۔ یہ بے شک گناہ کبیرہ ہے۔ اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اس کے لیے صرف اپنے رب سے توبہ کرنی چاہیے۔ آج کل عدالتوں میں جو قسمیں دلائی جاتی ہیں، وہ سب یمین غموس میں داخل ہیں۔ (۳) اور یمین منعقدہ یہ ہے کہ مستقبل سے متعلق قسم اٹھائی جائے کہ فلاں کام نہ ہوگا یا میں یہ کام نہ کروں گا تو وہ کام ہوجانے یا کر لینے کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا۔ شوافع کے ہاں یمین لغو کی تفسیر یہ ہے کہ بات بات پر قسم کھانا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یمین لغو و یمین غموس میں کفارہ نہیں اور یمین لغو میں مواخذہ نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ آیت میں صراحت سے واضح ہے۔ کیونکہ نسیان پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرماتے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

رفع عن امتی الخطاء و النسیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی بھول چوک معاف ہے اور یمین منعقدہ اگر توڑ دی گئی تو کفارہ لازم ہوگا۔ یہی مراد ہے بما کسبت قلوبکم سے۔ حلیم مقابل ہے جلد باز کے۔ اللہ تعالیٰ جلد باز نہیں ہے۔ گویا یمین لغو میں جو کمزوری ہم سے سرزد ہوئی وہ ہمارے خمیر میں رکھی گئی تھی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ جلد بازی سے سزا نہ دیں گے۔ وہ بردبار ہیں۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ الخ

احکام ایلاء

ایلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں جیسا کہ **ولا یاتل اولو الفضل** الخ میں یہ آیت پیچھے گزر چکی ہے اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ چار ماہ یا زائد مدت کے لیے قسم کھانا کہ بیوی کے قریب نہ جاؤں گا۔ یا کوئی یہ قسم کھالے کہ بیوی کے پاس تا ابد کبھی بھی نہ جاؤں گا۔ اگر چار ماہ مکمل ہونے سے پہلے بیوی کی طرف رجوع کر لیا تو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اور قسم کھانے کے بعد اس حال پر چار مہینے گزر گئے تو بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ کے لیے ایلاء فرمایا تھا اور اور ۲۹ تاریخ کو جب گھر والوں کو ملے تو حضرت صدیقہؓ نے کہا کہ حضورؐ میں تو گنتی کرتی رہی۔ مہینہ پورا نہیں ہوا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا **الشھر ھکذا و ھکذا** یعنی آپؐ نے ہاتھوں کے اشارہ سے سمجھا دیا کہ مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے اور ۳۰ دن کا بھی ہوتا ہے۔ یہ مہینہ ۲۹ دن کا ہے۔

ایلاء کے لیے قسم کھانا شرط ہے:

مودودی صاحب نے کہا ہے کہ ایلاء کے لیے قسم کھانے کی شرط نہیں ہے، بلکہ ویسے ہی اگر کوئی شخص بیوی سے چار ماہ الگ رہا تو بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ ایلاء نام ہی قسم کھانے کا ہے۔ قسم کو محض شرط کہنا درست نہیں ہے کیونکہ ایلاء اور قسم ایک ہی چیز ہے۔ حالانکہ قانون یہ ہے کہ شرط شیئی خارج شیئی ہوتی ہے۔ مودودی صاحب کو یہ بھی پتا نہ چل سکا کہ قسم ایلاء کا رکن ہے یا شرط ہے؟ وہ ایلاء کے معنی ہی نہ سمجھ سکے۔ مودودی صاحب کی رائے کے مطابق جو شخص چار ماہ سفر پر رہ کر گھر والوں سے الگ رہے تو اس کی بیوی تو گئی۔

فَإِنْ فَاءُوْ الخ اگر چار ماہ سے کم مدت کے لیے قسم کھائی کہ بیوی کے قریب نہ جاؤں گا۔ اس نے اگر قسم کی مدت پوری کی تو نہ کفارہ، نہ طلاق اور اگر مدت مکمل ہونے سے پہلے رجوع کر لیا تو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ الخ قروء، قرء کی جمع ہے۔ قرء کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اس سے حیض اور بعض نے طہر مراد لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لغت عرب میں قرأ حیض اور طہر دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس وجہ سے تفسیر میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں تین حیض مراد ہیں، لیکن اس سے مراد وہ عورت ہے جو حاملہ نہ ہو، کیونکہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔

عدت کے احکام:

عورتیں چونکہ مختلف قسم کی ہوتی ہیں لہٰذا اس اعتبار سے عدت کے احکام مختلف ہوں گے۔

(۱) اگر عورت غیر مدخول بہا ہو (یعنی اُس سے ازدواجی تعلق نہ ہو) اور اسے طلاق ہو جائے تو اس کی کوئی عدت نہیں ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے۔ پھر تم طلاق دیدو انہیں اس سے پہلے کہ تم چھوؤ ان کو تو تمھارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں۔ (سورہ احزاب/۴۹)

(۲) اور اگر عورت مدخول بہا ہو تو حاملہ ہونے کی صورت میں اس کی عدت وضع حمل یعنی بچے کی پیدائش ہے، خواہ اسے طلاق ہو جائے یا اس کا شوہر فوت ہو جائے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے......

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ الخ (سورۃ طلاق/۴)

اور جو حمل والیاں ہیں ان کی عدت ہے وضع حمل کرنا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ متوفی عنھا زوجھا کی عدت ابعد الاجلین ہے جبکہ حاملہ ہو یعنی جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو غیر حاملہ ہونے کی صورت تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل ہے اور وضع حمل ایک گھنٹے کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔ ایک دن، ایک ماہ یا چند ماہ کے بعد بھی ہو سکتا ہے، لہٰذا وہ ان دونوں میں سے زیادہ عرصے والی عدت گزارے گی خواہ وہ زیادہ وقت وضع حمل میں ہو یا چار ماہ دس دن میں ہو۔

(۳) اور اگر عورت مدخول بہا ہو اور اسے طلاق ہو جائے اور اسے حیض بھی آتا ہو تو اس کی عدت تین ماہواریوں کا گزر جانا ہے جیسا کہ اسی آیت میں مذکور ہے۔ (۴) اور اگر عورت مدخول بہا ہو اور اسے طلاق ہو جائے، لیکن اسے حیض نہ آتا ہو خواہ بڑھاپے کی وجہ سے یا نوعمر ہونے کی وجہ سے یا کسی بیماری کی وجہ سے تو اس کی عدت تین مہینے ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ

(سورہ طلاق/۴)

اور جو عورتیں مایوس ہو گئیں حیض سے تمہاری بیبیوں میں سے اگر تمہیں کچھ شبہ ہو تو ان کی عدت ہے تین مہینے اور ان کی بھی جن کو ابھی حیض نہیں آیا۔

(۵) اور اگر عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّعَشْرًا (سورہ بقرہ/۲۳۴)

اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں اپنی بیویاں، وہ بیویاں انتظار کریں اپنے اوپر چار مہینے دس دن۔

شرعی عدت اور ہمارے عائلی قوانین :

ہمارے عائلی قوانین میں عورت کی عدت کے لیے ۹۰ دن مقرر ہیں۔ آگے اس کے نہ کوئی تفصیل ہے، نہ وضاحت، حالانکہ حیض کے ذریعہ گزرنے والی عدت ۳۹ دن کی بھی ہو سکتی ہے اور یہ کم سے کم مدت ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ اگر طہر کے اختتام پر طلاق دی ہو اور متصل ہی حیض شروع ہو جائے اور یہ بات سب پر عیاں ہے کہ حیض کی کم از کم مدت ۳ دن اور طہر کی کم از کم مدت ۱۵ دن ہے۔ تو پہلے حیض ۳ دن پھر طہر ۱۵ دن پھر حیض ۳ دن پھر طہر ۱۵ دن پھر تیسرا حیض ۳ دن یہ کل ۳۹ دن ہو گئے۔ گویا عدت کی کم از کم مدت ۳۹ دن ہو سکتی ہے، لیکن عائلی قوانین بنانے والوں نے ۹۰ دن مقرر کیے ہیں۔ یہ اب بھی بضد ہیں۔ کسی کی بات سننے اور سمجھنے کے روادار نہیں

ہیں، لیکن یہ انتہائی بے وقوفی کی بات ہے۔ عدت کو ۹۰ دن کے ساتھ خاص کرنا صریح نص کے مخالف ہے۔ یہ ۹۰ دن والی عدت صرف دو قسم کی عورتوں کی عدت ہو سکتی ہے۔

(۱) جس لڑکی کو صغر سنی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔ (۲) جس عورت کو بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔ پھر مزے کی بات یہ ہے کہ جو عورت غیر مدخول بہا ہو اور اسے طلاق دی جائے تو اس کی عدت ہے ہی نہیں، لیکن عائلی قوانین میں اس کے لیے بھی ۹۰ دن مقرر ہیں۔ یہ صریح نص کی مخالفت ہے، لیکن وہ لوگ بضد ہیں۔ اب اس قانون کو بدلتے بھی نہیں۔

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ

اس سے معلوم ہوا کہ طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہے عورت کو نہیں ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ

طلاق دو مرتبہ ہے

فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا

پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہارے لئے اس میں سے کچھ بھی

مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ

لینا جائز نہیں جو تم نے انہیں دیا ہے مگر یہ کہ دونوں ڈریں کہ اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ

اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ

دونوں اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت معاوضہ دے کر پیچھا چھڑا لے یہ اللہ کی حدیں

فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ

ہیں سو ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا سو وہی ظالم ہیں ۞ پھر اگر

طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا

اسے طلاق دے دی تو اس کے بعد اس کے لئے وہ حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے پھر اگر وہ اسے طلاق

جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ

دیدے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں رجوع کر لیں اگر ان کا گمان غالب ہو کہ اللہ کی حدیں قائم رکھ سکیں گے اور یہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ

اللہ کی حدیں ہیں وہ انہیں کھول کر بیان کرتا ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں ۞ اور جب عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی

اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ

عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں حسنِ سلوک سے روک لو یا انہیں دستور کے مطابق چھوڑ دو اور انہیں تکلیف دینے کے لئے

ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ

نہ روکو تا کہ تم سختی کرو اور جو ایسا کرے گا تو وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا اور اللہ کی آیتوں کا

اللّٰهِ هُزُوًا ؗ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ

تمسخر نہ اُڑاؤ اور اللہ کے احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے اور جو اس نے تم پر کتاب

وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾
اور حکمت اُتاری ہے کہ تمہیں اس سے نصیحت کرے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۞

افاداتِ محمود:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ الخ ابتداء میں مردوں کو اختیار تھا کہ وہ جتنی جی چاہے طلاقیں دے دیتے۔ وہ بعد میں رجوع کر سکتے تھے، لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ مقرر فرما دیا۔ ماضی میں عورتوں پر ظلم ہوتا تھا، ان کی حق تلفی ہوتی تھی اور ان کو ایذاء پہنچانے کے لیے بار بار طلاق دی جاتی تھی۔ پھر رجوع کیا جاتا تھا۔ اب ضابطہ بتلا دیا گیا کہ اب دو طلاق کے بعد تو رجوع کر سکتے ہو، لیکن تیسری طلاق کے بعد رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ اب اگر کسی اور جگہ عورت کی شادی ہو جاتی ہے اور اتفاقاً دوسرا شوہر بھی طلاق دے دیتا ہے یا خدانخواستہ فوت ہو جاتا ہے تو عدت گزار کر وہ عورت پہلے شوہر کے نکاح میں عقد ثانی سے آسکتی ہے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ

اب یہاں سے خلع کا مسئلہ بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر نباہ نہ ہو سکے اور عورت کو خواہش ہو کہ اسے جدا کر دیا جائے تو اس صورت میں اگر نشوز (غلطی) مرد کی طرف سے ہے تو عورت سے کچھ لینا گناہ ہے۔ اس کو ویسے ہی طلاق دے دینی چاہیے۔ اگر نشوز اور غلطی عورت کی طرف سے ہو تو مرد کے لیے طلاق کے عوض مال لینا یا مہر معاف کرانا، یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ چنانچہ ایک صحابیہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے شوہر سے جدائی کا تذکرہ کیا۔ حضورؐ نے اس عورت سے فرمایا کہ جو باغ تجھ کو مہر میں ملا ہے، کیا تو اسے واپس کر دے گی؟ کہنے لگی ہاں۔ چنانچہ بطور مہر لیا ہوا باغ اس عورت نے واپس کر دیا اور شوہر نے طلاق دے دی۔ اسی کا دوسرا نام خلع ہے۔

خلع: لفظ خلع سے بھی ہوتا ہے اور طلاق سے بھی ہو جاتا ہے جبکہ مقابلہ میں مال وغیرہ ہو۔

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ الخ حلالہ کا یہ تصور غلط ہے کہ حلال کرنے کے لیے نکاح کرو اور پھر طلاق دو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل اور محلل لہ دونوں پر لعنت فرمائی ہے، البتہ حلالہ کی اتفاقی صورت درست ہے کہ شوہر ثانی اپنی مرضی سے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے۔ صحیح بخاری میں یہ واقعہ منقول ہے کہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ عدت گزارنے کے بعد اس نے دوسری جگہ شادی کر لی، لیکن وہ شخص نامرد تھا۔ وہ خاتون حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگی کہ اب دوسرے شوہر نے بھی طلاق دے دی ہے۔ کیا میں پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ عقد کر سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "**لا حتی یذوق الاخر عسیلتک و تذوقی عسیلته**" یعنی دوسرے شوہر کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہ عورت سے ہم بستری کرے۔ صرف نکاح سے شوہر اول کے لیے حلال نہ ہو گی۔ لفظ "نکاح" لغت عربی کے اعتبار سے عقد نکاح اور وطی دونوں

معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں (تنکح) کو جماع کے معنی میں مراد لیا ہے، لیکن مجھ کو یہ توجیہ پسند نہیں ہے۔ کیونکہ تنکح کا فاعل عورت ہے اور وطی کی نسبت اس نوعیت سے عورت کی طرف کرنا مناسب نہیں ہے۔ وطی کا فاعل حقیقت میں مرد ہی ہوتا ہے، البتہ اگر مفاعلہ کا باب ہوتا تو گنجائش تھی، لیکن یہاں ثلاثی مجرد کا باب استعمال ہوا ہے تو یہ عقد نکاح کے معنی ہی میں ہے اور وطی جو عقد ثانی میں شرط ہے، یہ حدیث عسیلہ سے ثابت ہے۔ یہ خبر مشہور ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اسے خبر واحد بھی کہا ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پس وہ اپنی عدت تمام کر چکیں تو اب انہیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے

أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ

سے نہ روکو جبکہ وہ آپس میں دستور کے مطابق راضی ہو جائیں تم میں سے یہ نصیحت اسے کی جاتی ہے

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ

جواللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی اور بڑی صفائی کی بات ہے اور اللہ ہی جانتا ہے اور تم

لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٢﴾ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ

نہیں جانتے ○ اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں یہ اس کے لئے ہے جو دودھ کی

أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ

مدت کو پورا کرنا چاہے اور باپ پر دودھ پلانے والیوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق ہے

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ

کسی کو تکلیف نہ دی جائے مگر اسی قدر کہ اس کی طاقت ہو نہ ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ ہی کو

لَّهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ

اس کی اولاد کی وجہ سے اور وارث پر بھی ویسا ہی نان نفقہ ہے پھر اگر دونوں اپنی رضامندی

مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا

اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر کسی اور سے اپنی

أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا

اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ تم دے دو جو دستور کے مطابق تم نے دینا ٹھہرایا ہے اور اللہ

اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٣﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ

سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھتا ہے ○ اور جو تم میں سے مر جائیں

وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا

اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان بیویوں کو چار مہینے دس دن تک اپنے نفس کو روکنا چاہیئے پھر جب

بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ
وہ اپنی مدت پوری کرلیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ دستور کے مطابق اپنے حق
بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ
میں کریں اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے ○ اور تم پر اس میں گناہ نہیں ہے کہ
بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ
ان عورتوں کو اشارہ سے پیغام نکاح دو اور یا تم اسے اپنے دل میں چھپاؤ اللہ جانتا ہے کہ تمہیں ان عورتوں کا خیال
وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ وَلَا
پیدا ہوگا لیکن مخفی طور پر ان سے نکاح کا وعدہ نہ کرو مگر یہ کہ قاعدہ کے مطابق کوئی بات کہو
تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
اور جب تک میعاد نوشتہ پوری نہ ہو اس وقت تک نکاح کا قصد بھی نہ کرو اور جان لو کہ
يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع
اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے پس اس سے ڈرتے رہو اور جان لو اللہ بڑا بخشنے والا بُردبار ہے ○

افاداتِ محمود:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ الخ

یہاں بلوغ الی الاجل سے مراد یہ ہے کہ عدت قریب الاختتام ہو۔ کیونکہ عدت ختم ہونے کے بعد رجوع اور امساک والی بات صحیح نہیں رہتی۔ اس وجہ سے یہاں صاحب جلالین نے ای قارب انقضاء عدتھن کو مقدر ٹھہرایا ہے یعنی طلاق رجعی کی صورت میں جب عدت ختم ہونے لگے اور دوبارہ بسانے کا ارادہ ہو تو رجوع کرلیا جائے۔ اگر دوبارہ بسانے کا ارادہ نہ ہو تو ایذاء رسانی کے لیے رجوع نہ کرے، بلکہ بطریق احسن اس کو رخصت کر دے۔ ہمارے عائلی قوانین کے مطابق تین طلاقوں کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے۔ چاہے دس بھی دے دے، تب بھی رجوع ممکن ہے۔

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ الخ

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت معقل ابن یسارؓ کی ہمشیرہ کو شوہر نے طلاق دے دی۔ جب عدت بھی گزر گئی تو سابق شوہر نے دوبارہ پیغام نکاح بھیج دیا۔ چونکہ طلاق رجعی میں شوہر انقضائے عدت کے بعد عقد

ثانی سے رجوع کرسکتا ہے تو سابق شوہر نے پیغام دیا۔عورت کا بھی میلان تھا کہ اسی شوہر سے عقد ثانی ہو جائے، لیکن حضرت معقل ابن یسارؓ جو اس عورت کے بھائی ہیں، کو غصہ آیا اور انھوں نے بہن کو منع کر دیا کہ جب ایک شخص نے ایک دفعہ تجھ کو طلاق دے کر گھر سے باہر کر دیا۔اب پھر تم اس گھر میں نہیں جاؤ گی۔شریف اور عفیف عورتیں لوگوں کے پاس نہیں جایا کرتیں، بلکہ ولی ان کا نکاح کراتے ہیں۔یہاں عورت کے میلان کے باوجود اس نے کوئی خفیہ ڈیل نہیں کی تو آیت ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو یہ ضابطہ سمجھا دیا کہ جب شرعی رکاوٹ نہ ہو اور میاں بیوی دونوں رجوع پر رضامند ہوں تو لڑکی کے اولیاء یا لڑکے کے عزیز واقارب اس میں رکاوٹ نہ بنیں اور گزشتہ اختلافات طلاق وغیرہ کی وجہ سے انتقامی کارروائی نہ کریں۔

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ الخ ○

طلاق کبھی ایسے موقع پر دی جاتی ہے کہ بچے چھوٹے ہوتے ہیں۔ان کی پرورش اور دودھ پلانے کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لہٰذا اب دودھ پلانے کے احکام کا بیان ہے کہ اگر عورت کو طلاق ہو جائے تو اسے چاہیے کہ انتقامی کارروائی کے طور پر بچے کی خدمت و پرورش وغیرہ نہ چھوڑے۔اسے دودھ پلانے کی مدت میں دودھ پلانا چاہیے، البتہ عورت کا حق الخدمت شوہر پر واجب ہوگا۔اگر بچے کا والد زندہ ہے تو اس پر واجب ہے اور اگر والد زندہ نہ ہو تو دیگر ورثاء پر واجب ہے کہ عورت کی خدمت کریں اور اس کے نان ونفقہ وغیرہ کا انتظام کریں۔طلاق کے بعد عورت پر اپنے بچے کو دودھ پلانا قضاءً واجب نہیں ہے، دیانۃً واجب ہے۔

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا الخ ○

بچے کے معاملہ میں عورت کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دی جائے گی۔مثلاً اگر عورت خوشی سے دودھ پلانا نہیں چاہتی تو اس پر جبر کرنا یا اس کے نان ونفقہ اور حق الخدمت کا انتظام نہ کرنا یا بچے کو دودھ پلانے کے لیے کسی غیر عورت کے حوالہ کرنا جبکہ بچے کی والدہ دودھ پلانے کے لیے تیار ہو اور کوئی ناجائز مطالبہ بھی نہ کرتی ہو یہ سب صورتیں ممنوع ہیں۔

مدت رضاعت اور جواز رضاعت میں فرق:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں مدت رضاعت ڈھائی سال ہے، جبکہ صاحبین کے ہاں دو سال ہے۔یہ حضرات حولین کاملین سے استدلال کرتے ہیں۔یہ مسئلہ اجرت پر دودھ پلانے سے متعلق ہے۔حاصل یہ ہے کہ اگر بچے کی ضرورت دو سال میں پوری ہوگئی تو آگے ضرورت نہیں اور اگر بچے کی ضرورت ہو تو ڈھائی سال تک پلانا جائز ہے اور اس کے بعد ناجائز ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ الخ عورت کو دوران عدت پیغام دینا بھی حرام ہے، البتہ اشارات وکنایات استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جب کہ انہیں ہاتھ بھی

لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ

نہ لگایا ہو اوران کے لئے کچھ مہر بھی مقرر نہ کیا ہو اورانہیں کچھ سامان دے دو وسعت والے پر اپنے قدر کے مطابق اور مفلس پر

مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ

اپنے قدر کے مطابق سامان حسب دستور ہے نیکوکاروں پر یہ حق ہے ○ اور اگر تم انہیں طلاق دو اس سے پہلے کہ

أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا

انہیں ہاتھ لگاؤ حالانکہ تم ان کے لئے مہر مقرر کرچکے ہو تو نصف اس کا جو تم نے مقرر کیا تھا مگر یہ کہ وہ

أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ

معاف کردیں یا وہ شخص معاف کردے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور تمہارا معاف کردینا

لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنا نہ بھولو کیونکہ جو کچھ بھی تم کررہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے ○

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿٢٣٨﴾

سب نمازوں کی حفاظت کیا کرو اور (خاص کر) درمیانی نماز کی اور اللہ کے لئے ادب سے کھڑے رہا کرو ○

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ

پھر اگر تمہیں خوف ہو تو پیادہ یا سواری (پڑھ لیا کرو) پھر جب امن پاؤ تو اللہ کو یاد کیا کرو جیسا اس نے تمہیں سکھایا ہے

مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ

جو تم نہ جانتے تھے ○ اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور بیویاں

أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ

چھوڑ جائیں تو انہیں اپنی بیویوں کے لئے سال بھر کے لئے گزارہ کے واسطے وصیت کرنی چاہیئے گھر سے باہر

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ

گئے بغیر پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ عورتیں اپنے حق میں دستور کے موافق کریں اور اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٤٠﴾ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿٢٤١﴾ كَذَٰلِكَ
زبردست حکمت والا ہے ○ اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے دستور کے موافق خرچ دینا ہے پرہیزگاروں پر یہ لازم ہے ○
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٤٢﴾
اسی طرح اللہ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تا کہ تم سمجھ لو ○

افاداتِ محمود:

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ الخ عورت کو کچھ دینے سے متعلق یہاں کل چار صورتیں ہیں۔ کیونکہ طلاق قبل الدخول دی ہوگی یا بعد الدخول۔ پھر ہر ایک صورت دو قسموں پر منقسم ہے کہ مہر پہلے مقرر کیا ہوگا یا نہیں اور ہر قسم کا حکم الگ ہے۔

(۱) اگر طلاق قبل الدخول دے دی اور مہر بھی مقرر نہیں ہوا تھا تو اس صورت میں متعہ واجب ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے دیا:

وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ الخ

یعنی ان عورتوں کو فائدہ پہنچاؤ۔ صاحب استطاعت پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے۔ ان جملوں میں پہلی صورت کی طرف اشارہ ہے کہ جب عورت کو طلاق دے دی گئی۔ وہ بدنام بھی ہوگئی، اور اس کی حوصلہ شکنی بھی ہوگئی۔ اب اسے کچھ نہ کچھ ملنا چاہیے۔ اس میں ایک جوڑا کپڑے اور دیگر ضروریات زندگی شامل ہیں۔ جو شخص صاحب استطاعت ہے، اسے چاہیے کہ فراخ دلی کا ثبوت دے اور جو تنگ دست ہے، وہ اپنی طاقت وبساط کے مطابق کچھ دیدے۔

(۲) اگر طلاق بعد الدخول دی گئی لیکن مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا تو اس عورت کے لیے شوہر پر مہر مثل واجب ہے۔ مہر مثل سے مراد یہ ہے کہ اس لڑکی کی بہنوں کو جو مہر دیا گیا ہے اور اس کی پھوپھیوں کو جیسا ابن مسعودؓ فرماتے ہیں وھن اقارب الاب یعنی مثل سے مراد وہ عورتیں ہیں جو باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں، لیکن یہاں فقہاء نے مہر مثل کے لیے آٹھ صفات میں مشترک ہونا بیان فرمایا ہے۔ (والتفصیل فی المطولات)

(۳) اور اگر بعد الدخول طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر کیا جا چکا تھا تو پورا مہر دینا واجب ہے۔

(۴) اور اگر قبل الدخول طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر کیا جا چکا تھا تو نصف مہر واجب ہے۔ یہاں یہ ذکر بے جا نہیں کہ مہر فاطمی (۱۳۰) ایک سو تیس تولہ چاندی ہے۔ آج کل اس کی مالیت ۲۰۸۰ روپے ہے۔ (یہ مالیت ۱۹۷۶ء کے نرخ کے مطابق ہے) یہ مالیت چاندی کی قیمت کے کم یا زیادہ ہونے سے کم یا زیادہ ہو جائے گی۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ الخ اب عود ہے حقوق العباد سے حقوق اللہ کی طرف، راجح مذہب کے

مطابق صلوٰۃ وسطی سے عصر کی نماز مراد ہے۔ اگرچہ ہر ایک نماز صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق بن سکتی ہے اور اکابر احناف کے ہاں فرض نماز سواری پر جائز نہیں ہے۔ اگر حملے کا خطرہ ہو تو صلوٰۃ خوف اداء کرو جیسا کہ کتب فقہ میں مفصل مذکور ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کو نماز سے بھی زیادہ درجہ دیا گیا ہے۔ جنگ خندق میں چار نمازیں قضاء ہوئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں بھی صلوٰۃ وسطیٰ کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ملاء الله عليهم بيوتهم وقبور هم نارا كما شغلونا عن الصلوٰة الوسطى حتى غابت الشمس

اللہ تعالیٰ ان (کفار) کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی درمیانی نماز سے مشغول کیے رکھا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کی قضاء ہے اور جہاد کی قضاء نہیں ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے

مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ

اپنے گھروں سے نکلے حالانکہ وہ ہزاروں تھے پھر اللہ نے ان کو فرمایا کہ مرجاؤ پھر انہیں

أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾

زندہ کردیا بیشک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ○

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَنْ ذَا الَّذِي

اور اللہ کی راہ میں لڑو اور سمجھ لو کہ بیشک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے ○ ایسا کون شخص ہے

يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَ

جو اللہ کو اچھا قرض دے پھر اللہ اس کو کئی گنا بڑھا کر دے اور اللہ ہی تنگی کرتا ہے اور

يَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤٥﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ

کشائش کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ کیا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو موسیٰ کے بعد

بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ

نہیں دیکھا جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کردو تا کہ ہم اللہ کی راہ

اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا

میں لڑیں پیغمبر نے کہا کیا یہ بھی ممکن ہے کہ اگر تمہیں لڑائی کا حکم ہو تو تم اس وقت نہ لڑو انہوں نے کہا

وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ

ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہ لڑیں گے حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بیٹوں سے نکال

أَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ

دیا گیا ہے پھر جب انہیں لڑائی کا حکم ہوا تو سوائے چند آدمیوں کے سب پھر گئے اور اللہ

عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ

ظالموں کو خوب جانتا ہے ○ ان کے نبی نے ان سے کہا بیشک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ

مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ

مقرر فرمایا ہے انہوں نے کہا اس کی حکومت ہم پر کیونکر ہو سکتی ہے اس سے تو ہم ہی سلطنت کے زیادہ مستحق ہیں اور اسے

يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ

مال میں بھی کشائش نہیں دی گئی پیغمبر نے کہا بیشک اللہ نے اسے تم پر پسند فرمایا ہے

بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ

اور اسے علم اور جسم میں زیادہ فراخی دی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ

کشائش والا جاننے والا ہے○ اور بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہا کہ طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ

فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ

صندوق واپس آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے اطمینان ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو موسیٰ اور ہارون

تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

کی اولاد چھوڑ گئی تھی اس صندوق کو فرشتے اٹھا لائیں گے بیشک اس میں تمہارے لئے پوری نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو○

افاداتِ محمود:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا الخ

مال اور جان یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنا نفس پر شاق ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کر کے یہ بتلا دیا گیا ہے کہ جہاد سے جی نہیں چرانا چاہیے۔ آیت ذیل میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے کچھ لوگ، جو ہزاروں کی تعداد میں تھے، بیماری کے ڈر سے یا دشمن کے ڈر سے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں ایک جگہ پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آیا اور دو فرشتوں کو عذاب نازل کرنے کا حکم دے دیا۔ جس وادی سے یہ لوگ گزر رہے تھے، ایک فرشتہ نے وادی کے ایک سرے پر اور دوسرے فرشتہ نے وادی کے دوسرے سرے پر کھڑے ہو کر ایک زوردار چیخ ماردی۔ اس سے یہ سب کے سب لقمہ اجل بن گئے۔ پھر یہ لوگ حزقیل پیغمبر کی دعا سے زندہ کیے گئے۔ سات دن کے بعد یا زیادہ عرصہ کے بعد یہ لوگ زندہ کیے گئے تا کہ توبہ کریں۔

دنیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا:

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ موت کے بعد دوبارہ کیسے زندگی ملی، جبکہ دوبارہ زندہ ہونا تو قیامت کے

روز ہوگا؟ جواب اس کا وہی ہے جو ابن العربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ لیست هذه موت اجل بل هي موت عقوبة یعنی یہ جو موت ان لوگوں پر طاری ہوئی تھی، وہ موت نہ تھی جو اجل مقرر اور وقت مقرر پر آتی ہے، بلکہ یہ بطور سزا ان پر طاری کر دی گئی تھی، تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ بیماری یا دشمن کے خوف سے بھاگنا حیات کا سبب نہیں ہے۔ موت اور زندگی کے نظام کو اللہ تعالیٰ کنٹرول کیے ہوئے ہیں۔ اس میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں ہے۔ انہیں دوبارہ زندگی مل گئی تاکہ یہ لوگ توبہ بھی کریں اور آئندہ ایسی ناشکری کے مرتکب نہ ہوں۔

قرآن کریم میں یہ واقعہ بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ ہے کہ جہاد سے جی چرانا اور جہاد میں شریک نہ ہونا زندگی اور زندہ رہنے کا سبب نہیں ہے، بلکہ جہاد میں عدم شمولیت کو ہلاکت سے تعبیر فرمایا ہے:

ع ہے کبھی جان اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ

یہاں جہاد بالنفس کا بیان ہے اور اگلی آیت میں جہاد بالمال کا بیان ہے۔

فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً

انسانوں کے لیے تو ضابطہ یہ ہے کہ جب ایک دوسرے کو قرض دیں تو بلا سود ہو تب وہ قرض حسنہ ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کو جب قرضہ دیا جاتا ہے تو وہ سود پر ہے۔ اس کا بہت زیادہ نفع ملے گا۔ اس کی طرف مندرجہ بالا الفاظ سے اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس کے عوض کئی گنا زیادہ دیا جائے گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ الخ

یہ بیان بھی پچھلے مضمون کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ گزشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب دی گئی تھی۔ اس واقعہ سے بھی یہی مقصود ہے کہ جب بنی اسرائیل کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور جالوت نے ان کو مغلوب کر دیا تو انہوں نے نبی وقت کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ اگر آپ ہمارے لیے کسی کو بادشاہ مقرر کر دیں تو ہم اس کی قیادت میں قوم عمالقہ سے لڑنے کے لیے تیار ہیں اور یہ نبی حضرت شموئیل علیہ السلام ہیں، لیکن یہاں بھی بنی اسرائیل پر جبل گردد و جبلت نہ گردد، والی مثال صادق آ گئی۔ جب حضرت طالوت بادشاہ مقرر ہو گئے تو بنی اسرائیل نے شکوک وشبہات پیش کرنا شروع کر دیے۔ کہا کہ یہ تو غریب آدمی ہے۔ اس کے پاس دنیوی وسائل اور مال نہیں ہے۔ جاہ وجلال نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے سمجھا دیا کہ یہ ایمانی اور جسمانی دونوں اعتبار سے مضبوط ہیں اور قیادت کے اہل ہیں۔ قوم کا قائد عالم باعمل اور مجاہد ہونا چاہیے۔ یہ بزدل اور ڈرپوک نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ قیادت کا دارومدار مال پر نہیں ہے۔

اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ الخ

یہ بنو اسرائیل کا تابوت تھا۔ اس میں پیغمبروں کے کچھ تبرکات تھے۔ بنو اسرائیل اس صندوق کو لڑائی

میں آگے رکھتے تھے تو ان کو فتح نصیب ہو جاتی تھی، لیکن جالوت جب بنی اسرائیل پر غالب آیا تو وہ ان سے یہ صندوق بھی چھین کر لے گیا۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ یہ لوگ جہاں بھی صندوق کو رکھتے وہاں وباء پھیل جاتی۔ آخر لاچار ہو کر انہوں نے اس کو بیل گاڑی پر رکھا اور بیلوں کو ہنکا دیا۔ فرشتے ان بیلوں کو لے کر طالوت بادشاہ کے دروازہ پر لے آئے۔ اس طرح یہ صندوق دوبارہ بنی اسرائیل کو مل گیا۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ

پھر جب طالوت فوجیں لے کر نکلا کہا بیشک اللہ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے جس نے اس نہر کا پانی پیا تو وہ میرا

فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ

نہیں ہے اور جس نے اُسے نہ چکھا تو وہ بیشک میرا ہے مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلّو بھر لے (تو اسے معاف ہے)

فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

پھر ان میں سے سوائے چند آدمیوں کے سب نے اس کا پانی پی لیا پھر جب طالوت اور ایمان والے اس کے ساتھ پار ہوئے

قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ

تو کہنے لگے آج ہمیں جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں جن لوگوں کو خیال تھا کہ انہیں اللہ سے ملنا ہے

مُلَاقُوا اللّٰهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ

وہ کہنے لگے بارہا بڑی جماعت پر چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے غالب ہوئی ہے

وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ

اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○ اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے ہُوئے تو کہا اے رب ہمارے

عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوهُمْ

دلوں میں صبر ڈال دے اور ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور اس کافر قوم پر ہماری مدد کر ○ پھر

بِإِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ

اللہ کے حکم سے مومنوں نے جالوت کے لشکروں کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ نے سلطنت اور حکمت

مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ

داؤد کو دی اور جو چاہا اُسے سکھایا اور اگر اللہ کا بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع کرا دینا نہ ہوتا تو زمین فساد سے

الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا

پُر ہو جاتی لیکن اللہ جہان والوں پر بہت مہربان ہے ○ یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم تمہیں

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٢﴾

ٹھیک طور پر پڑھ کر سُناتے ہیں اور بیشک تو ہمارے رسُولوں میں سے ہے ○

افاداتِ محمود:

وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ الخ

اس سے معلوم ہوا کہ پانی پر بھی طعام کا اطلاق ہوتا ہے۔ طالوت بادشاہ کے ساتھ ہزاروں بنی اسرائیل تھے، لیکن صرف (۳۱۳) تین سو تیرہ ایسے تھے جنہوں نے پانی نہیں پیا۔ وہی کامیاب ہوئے۔ جن لوگوں نے حکم کی تعمیل کی وہ کامران ہوئے اور جن لوگوں نے حکم توڑا وہ ناکام و نامراد قرار پائے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ
یہ سب رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمائی
بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ
اور بعضوں کے درجے بلند کیے اور ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو صریح معجزے دیے تھے اور اُسے رُوح القدس کیساتھ قوت دی تھی
وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ
اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ جو ان پیغمبروں کے بعد آئے وہ آپس میں نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے پاس صاف حکم پہنچ چکے تھے
وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫
لیکن ان میں اختلاف پیدا ہو گیا پھر کوئی ان میں سے ایمان لایا اور کوئی کافر ہوا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے
وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ ع
لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۝

افاداتِ محمود:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ الخ ۝

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بیان کی جارہی ہے کہ بنی اسرائیل میں بیک وقت بہت سے نبی مبعوث ہوتے تھے۔ کوئی ایک قوم کے لیے، کوئی دوسری قوم کے لیے، کوئی ایک علاقہ کے لوگوں کے لیے، کوئی دوسرے اہل علاقہ کے لیے۔ فضیلت کام کی اہمیت ونوعیت کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انس وجن کے لیے نبی ورسول بنا کر بھیجا گیا۔

المبعوث الی الاسود والاحمر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن آپؐ کا پروگرام وسیع اور عام ہے۔ آیت مذکور میں پہلے بَعْضَهُمْ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور علی بعض سے مراد دوسرے انبیاء کرام ہیں۔ آگے مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ الخ سے دیگر انبیاء کی فضیلت بیان فرمائی جارہی ہے تا کہ ان کی شان کم ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ

اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے اُس میں سے خرچ کرو اُس دن کے

اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

آنے سے پہلے کہ جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی سفارش اور کافر وُہی ظالم ہیں ○

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا نہ اُس کو اُونگھ دبا سکتی ہے نہ نیند آسمانوں اور زمین میں

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ

جو کچھ بھی ہے سب اُسی کا ہے ایسا کون ہے جو اُس کی اجازت کے سوا اُس کے ہاں سفارش کر سکے مخلوقات

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا

کے تمام حاضر اور غائب حالات کو جانتا ہے اور وُہ سب اُس کی معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا کہ

شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ

وہ چاہے اُس کی کُرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی

الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ

اور وُہی سب سے برتر عظمت والا ہے ○ دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے بے شک ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے

يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ

پھر جو شخص شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے تو اُس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا

لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ

جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سُننے والا جاننے والا ہے ○ اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور اُنہیں اندھیروں سے

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ

روشنی کی طرف نکالتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے دوست شیطان ہیں اُنہیں روشنی سے

النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ع

اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں یہی لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

افاداتِ محمود:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا الخ

گزشتہ رکوع میں قتال فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا بیان تھا یہاں پھر انفاق مال کا ذکر ہے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ

آیۃ الکرسی کی فضیلت:

(۱) ایک حدیث میں ہے کہ قرآنی آیات میں سے آیۃ الکرسی عظیم ترین آیت ہے۔

(۲) ایک روایت میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آیۃ الکرسی تمام آیات قرانیہ کی سردار ہے اور جس گھر میں یہ آیت پڑھی جائے، وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔

(۳) ایک روایت میں ہے جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھا کرے تو جنت میں داخل ہونے کے لیے سوائے اس کے مرجانے کے اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے یعنی موت کے بعد فوراً جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (الترغیب) یہ قرآن کریم کی عظیم ترین آیت اس وجہ سے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے صفاتی ناموں پر مشتمل ہے۔ یہ توحید ذاتی وصفاتی پر مشتمل ہے۔

قرآن کریم میں عموماً تین علوم سے بحث کی جاتی ہے۔

(۱) علم التوحید والصفات (۲) علم الاحکام (۳) علم القصص

اس آیت میں توحید وصفات کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ دونوں مضمون پوری تفصیل سے بیان فرمادیئے ہیں۔ (۱) جامعیت یعنی تمام صفات کمالیہ کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (۲) قیومیت، دیگر عبادات کی تہذیب وتنقیح بھی ان ہی صفات سے وابستہ ہے۔

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ الخ

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے کیونکہ ایمان کا تعلق حقیقت میں قلب کے ساتھ ہوتا ہے اور زبان پر جبری طور پر اجرائے کلمہ سے ایمان قلب میں نہیں اترتا۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد ہے......

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۝ (سورہ کھف /۶)

پس شاید کہ آپ تو ہلاک کر ڈالیں گے اپنی جان کو ان کے پیچھے، اگر وہ ایمان نہ لائیں اس کلام (قرآن کریم) پر افسوس کے مارے۔

مفہوم یہ ہے کہ آپ کو اتنی جان کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی شخص کو مسلمان بنانا اور اُس کے دل میں ایمان ڈالنا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہدایت وضلالت کے دونوں راستے اس نے سمجھا دیئے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ
کیا تُو نے اُس شخص
اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ
کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اُس کے رب کی بابت جھگڑا کیا اِس لئے کہ اللہ نے اُسے سلطنت دی تھی جب ابراہیم نے کہا
الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ
کہ میرا رب وُہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اُس نے کہا مَیں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں کہا ابراہیم نے بیشک اللہ
بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ
سُورج مشرق سے لاتا ہے تُو اسے مغرب سے لے آ تب وُہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ
لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾ اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى
بے انصافوں کو سیدھی راہ نہیں دِکھاتا ○ یا تُو نے اُس شخص کو نہیں دیکھا جو ایک شہر پر گزرا اور وُہ اپنی چھتوں پر
عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ
گرا ہوا تھا کہا اِسے اللہ مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا پھر اللہ نے اُسے سَو برس تک مار ڈالا
عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ
پھر اُسے اُٹھایا کہا کہ تُو یہاں کتنی دیر رہا کہا ایک دِن یا اس سے کچھ کم رہا فرمایا بلکہ
لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى
تُو سَو برس رہا ہے اب تُو اپنا کھانا اور پینا دیکھ وُہ تو سڑا نہیں اور اپنے
حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ
گدھے کو دیکھ اور ہم نے تجھے لوگوں کے واسطے نمونہ بنانا چاہا ہے اور ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم اُنہیں کس طرح اُبھار کر جوڑ دیتے
نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾
ہیں پھر اُن پر گوشت پہناتے ہیں پھر جب اُس پر یہ حال ظاہر ہوا تو کہا میں یقین کرتا ہوں کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○
وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىْ كَيْفَ تُحْىِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ
اور یاد کر جب ابراہیم نے کہا اَے میرے پروردگار! مجھ کو دکھا کہ تُو مُردے کو کس طرح زندہ کرے گا فرمایا کیا تم یقین نہیں لاتے کہا

بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ
کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے فرمایا تو چار جانور اُڑنے والے پکڑ
ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ
پھر اُنہیں اپنے ساتھ ہلا لے پھر ہر پہاڑ پر اُن کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے پھر اُن کو بُلا تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے
وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع
اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے ۝

افاداتِ محمود:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ الخ

ماقبل کے ساتھ ربط (۱) ایک تو یہ ہے کہ پہلے رکوع میں مبداء و معاد کا بیان تھا۔ اب تین مثالیں پیش کیں۔ پہلی مثال کا تعلق مبدأ سے اور دوسری و تیسری مثال کا تعلق معاد سے ہے۔

(۲) گزشتہ رکوع کے اختتام پر یہ ذکر تھا کہ کفار ظلمات میں اور ایمان والے نور ہدایت میں ہوتے ہیں۔ اس مضمون کو واضح کرنے کے لیے آگے چند نظائر بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) مثال اول:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے دربار میں گئے تو انھوں نے سجدہ نہیں کیا۔ نمرود نے پوچھا کہ آپ نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنے رب کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتا۔ نمرود نے کہا کہ میں ہی رب ہوں۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں دنیاوی حاکم کو رب نہیں سمجھتا، بلکہ رب وہ ہے جو زندگی دیتا اور مارتا ہے تو نمرود نے کہا کہ میں بھی زندگی دیتا اور مارتا ہوں۔ اس نے ایک بے قصور کو ماردیا اور ایک قصوروار کو چھوڑ دیا۔ حضرت ابراہیمؑ سمجھ گئے کہ یہ بے عقل ہے، لہٰذا ایسی دلیل دی کہ نمرود کو مبہوت کر دیا۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ تحقیقی جواب دے سکتے تھے، لیکن مناظرے میں ارخائے عنان (بات کا رخ پھیرنا) ہوتا ہے اس لیے بات کا رخ دوسری طرف پھیر دیا۔

(۲) مثال دوم:

اَوْ كَالَّذِىْ الخ یہ حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ اس زمانہ میں بخت نصر بادشاہ تھا۔ اس نے بیت المقدس کو ویران کر دیا تھا اور بہت سے بنی اسرائیل کو قیدی بنا لیا تھا۔ ان میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ اس

نے تورات کے تمام نسخے جلا ڈالے تھے۔ حضرت عزیرؑ جیل سے چھوٹ کر واپس جا رہے تھے کہ ایک ویران بستی دیکھی اور کہا اے باری تعالیٰ یہ بستی کیسے آباد ہوگی؟ اور اس بستی والے کیسے زندہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیرؑ پر سو سال کے لیے موت طاری کر دی۔ جو کھانے پینے کی چیزیں تھیں وہ سو سال تک بدستور صحیح سالم پڑی رہیں، لیکن جس گدھے پر وہ سوار ہو کر جا رہے تھے، اس کی ہڈیاں گل سڑ گئیں۔ اس طویل عرصہ میں بخت نصر بھی مر گیا۔ پھر کوئی دوسرا بادشاہ آیا اور وہ بستی بھی آباد ہوگئی۔ حضرت عزیرؑ کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ فرما دیا۔ اب وہ بیت المقدس آ گئے۔ چونکہ تورات کے تمام نسخے ضائع ہو گئے تھے اور وہ کسی کو یاد بھی نہ تھی۔ اس اثناء میں جو بچے تھے، وہ بھی بوڑھے ہو گئے، لیکن حضرت عزیرؑ اسی طرح نوجوان تھے اور زبانی تورات سنا رہے تھے۔ اس وقت یہود گمراہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ) حضرت عزیرؑ کا سوال بھی مشاہدہ پر مبنی ہے، ورنہ اس بستی کے آباد ہونے کا ان کو بھی پورا یقین تھا۔

(۳) مثال سوم:

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِـمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتىٰ ؕ الخ

ایمان علم الیقین کا نام ہے جو کہ حضرت ابراہیمؑ کو اعلیٰ درجہ کا حاصل تھا۔ اس سے اوپر عین الیقین ہے جو کہ مشاہدہ ہے اور اس سے اوپر حق الیقین ہے یعنی مباشرۃ بالنفس۔ جیسے کسی پھل کے متعلق آپ کچھ جانتے ہیں تو یہ علم الیقین ہے۔ اگر اس کو آنکھ سے دیکھ لیا تو یہ عین الیقین ہے اور اگر اس کو کھا لیا تو یہ حق الیقین ہے۔ کیف تحی الموتیٰ، یہ الفاظ خود بتاتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا سوال مطلق احیاء موتیٰ کے متعلق نہ تھا، بلکہ کیفیت احیاء کے متعلق تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پوچھا ''اولم تومن'' تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ''بلیٰ'' کیوں نہیں۔ اب قیامت تک آنے والے انسانوں کی زبانیں بند کر دی گئیں کہ کوئی جملہ اعتراض اور حرف شکایت زبانوں پر نہ لائیں۔

"اربعة من الطير" سے مراد:

چار پرندوں سے مراد، مور، مرغ، کوا اور کبوتر ہیں بعض مفسرین نے اور چار پرندے ذکر کیے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ

اُن لوگوں کی مِثال جو اللہ کی راہ میں مال

سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ

خرچ کرتے ہیں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ کہ اُگائے سات بالیں ہر بال میں سو سو

حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ

دانے اور اللہ جس کے واسطے چاہے بڑھاتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا جاننے والا ہے ○ جو لوگ

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ

اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ اِحسان رکھتے ہیں اور نہ

اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

ستاتے ہیں اُنہیں کے لئے اپنے رب کے ہاں ثواب ہے اور ان پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ

مناسب بات کہہ دینا اور درگزر کرنا اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستاتا ہو اور اللہ بے پرواہ

حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ

نہایت تحمل والا ہے ○ اے ایمان والو! اِحسان رکھ کر اور ایذا دے کر اپنی خیرات کو ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح

يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ

جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا سو اس کی مِثال

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ

اَیسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر کچھ مٹی پڑی ہو پھر اُس پر زور کا مینہ برسا پھر اس کو بالکل صاف کر دیا اَیسے لوگوں کو

عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ

اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی اور اللہ کافروں کو سیدھی راہ نہیں دِکھاتا ○ اور اُن لوگوں کی مِثال

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ

جو اپنے مال اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اپنے دلوں کو مضبوط کر کے خرچ کرتے ہیں اَیسی ہے جس طرح

جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ

بلند زمین پر ایک باغ ہو اُس پر زور کا مینہ برسا تو وہ باغ اپنا پھل دوگنا لایا اور اگر اُس پر مینہ نہ برسا تو شبنم ہی

فَطَلٌّؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ

کافی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ○ کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند آتی ہے کہ اُس کا ایک باغ

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِۙ

کھجور اور انگور کا ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اُسے اس باغ میں اور بھی ہر طرح کا میوہ حاصل ہو

وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْؕ

اور اُس پر بڑھاپا آ گیا ہو اور اُس کی اولاد ضعیف ہو تب اس باغ پر ایک بگولہ آ پڑا جس میں آگ تھی

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا ع

جس سے وہ باغ جل گیا اللہ تمہیں اِس طرح نشانیاں سمجھاتا ہے تاکہ تم سوچا کرو ○ اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا

ستھری چیزیں خرچ کرو اور اُس چیز میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہے اور اُس میں سے

الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا

ردّی چیز کا ارادہ نہ کرو کہ اس کو خرچ کرو حالانکہ تم اُسے کبھی نہ لو مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور سمجھ لو کہ

اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ

بے شک اللہ بے پروا تعریف کیا ہوا ہے ○ شیطان تمہیں تنگدستی کا وعدہ دیتا ہے اور بے حیائی کا

بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾

حکم کرتا ہے اور اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ دیتا ہے اور اللہ بہت کشائش کرنیوالا سب کچھ جاننے والا ہے ○

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ

جس کو چاہتا ہے سمجھ دے دیتا ہے اور جسے سمجھ دی گئی تو اُسے بڑی خوبی ملی

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ

اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں ○ اور جو تم خیرات کے طور پر خرچ کرو گے یا تم کوئی

مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا
مَنّت مانوگے تو بے شک اللہ کو سب معلوم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ۞ اگر تم خیرات
الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ
ظاہر کر کے دو تو بھی اچھی بات ہے اور اگر اُسے چھپا کر دو اور فقیروں کو پہنچا دو تو تمہارے حق میں وہ بہتر ہے
وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ
اور اللہ تمہارے کچھ گناہ دُور کر دے گا اور اللہ تمہارے کاموں سے خُوب خبر رکھنے والا ہے ۞ اُنہیں راہ پر لانا
هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ
تیرے ذمہ نہیں اور لیکن اللہ جسے چاہے راہ پر لاتا ہے اور جو مال تم خرچ کرو گے اُس کا نفع تمہاری جان کے لئے ہے
وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ
اور اللہ ہی رضامندی کے لئے خرچ کرو اور جو اچھی چیز تم خرچ کرو گے اُس کا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا
وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا
اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا ۞ خیرات اُن حاجت مندوں کے لئے ہے جو اللہ کی راہ میں
يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ
رکے ہوئے ہیں مُلک میں چل پھر نہیں سکتے ناواقف ان کے سوال نہ کرنے سے انہیں مال دار سمجھتا ہے
تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
تُو ان کے چہرے سے پہچان سکتا ہے لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور جو کام کی چیز تم خرچ کرو گے
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾
بے شک وہ اللہ کو معلوم ہے ۞

افاداتِ محمود:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا الخ

اب یہاں سے انفاق فی سبیل اللہ کی شرائط بیان ہو رہی ہیں۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ الخ عام حالات میں تو خفیہ صدقہ کرنا ہی بہتر ہے، لیکن ترغیباً اگر صدقہ ظاہر کر کے دیا جائے تا کہ دوسرے لوگ بھی آمادہ ہوں تو یہ نہ صرف

جائز ہے، بلکہ بعض صورتوں میں موقع ومحل کی مناسبت سے افضل بھی ہے۔ لِلْفُقَرَآءِ یہاں سے مصارف صدقات کا بیان ہے، اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ جیسے طالب علم ہوتے ہیں جیسے اصحاب صفہ تھے۔طالب علم کوایسا ہی ہونا چاہیے کہ جہاد بھی کرے اورعلم بھی حاصل کرے۔آج طالبعلم کوان چیزوں سے الگ کر دیا گیا ہے۔حالانکہ حصول علم اور جہاد دونوں ہونے چاہئیں۔ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا الخ

حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ نے فتویٰ دیا کہ بازاروں میں سائلوں کو دینا حرام ہے۔کیونکہ ان کا مانگنا حرام ہے توانہیں دینا دلانا تعاون علی الاثم ہے۔اس لیے دینا بھی حرام ہے،البتہ حاجت مند کو دینا جائز ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا

جولوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں رات اور دن کو چھپا کر

وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ وقف منزل

اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو اُن کے لئے اپنے رب کے ہاں ثواب ہے اُن پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ

جولوگ سُود کھاتے ہیں قیامت کے دن وہ نہیں اُٹھیں گے مگر جس طرح کہ وہ شخص اُٹھتا ہے جس کے حواس جن نے

مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ وقف لازم

لپٹ کر کھو دیئے ہیں یہ حالت اُن کی اس لئے ہوگی کہ اُنہوں نے کہا تھا کہ سَوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے

الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا

سَوداگری کو حلال کیا ہے اور سُود کو حرام کیا ہے پھر جسے اپنے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو جو پہلے لے

سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا

چُکا ہے وُہ اُسی کا رہا اور اُس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے اور جو کوئی پھر سُود لے وُہی لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ

ہمیشہ رہیں گے ○ اللہ سُود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو

اَثِیْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

پسند نہیں کرتا جولوگ اِیمان لائے اور نیک کام کئے اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ

تو ان کے رب کے ہاں اُن کا اجر ہے اور اُن پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اِے اِیمان والو!

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ

اللہ سے ڈرو اور جو کچھ باقی سُود رہ گیا ہے اُسے چھوڑ دو اگر تم اِیمان والے ہو ○ اگر تم نے

تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ

نہ چھوڑا تو اللہ اور اُس کے رسُول کی طرف سے تُمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور اگر توبہ کرلو تو اصل مال

رُءُوسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ
تمہارا تمہارے واسطے ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا ○ اور اگر وہ تنگ دست ہے
فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۗ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾
تو آسودہ حالی تک مُہلت دینی چاہئے اور بخش دو تو تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ○
وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ
اور اُس دن سے ڈرو جس دن اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اُس کی کمائی کا پُورا پُورا بدلہ دیا
وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾
جائے گا اور اُن پر ظلم نہ ہوگا ○

ع ۸

افاداتِ محمود:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ الخ

گزشتہ رکوع میں انفاق فی سبیل اللہ اور اس کی برکات کا ذکر تھا۔ اس رکوع کی پہلی آیت میں تو انفاق کی ترغیب و برکات کا بیان ہے۔ آگے پہلے رکوع کے احکام پر عمل کرنے والوں کا بیان ہے یعنی سود کے ذریعہ کمائی اور اس کے نقصانات کا بیان ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مندرجہ بالا آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ ان کے پاس چار درہم تھے۔ فتصدق بدرهم ليلاً و بدرهم نهاراً و بدرهم سرا و بدرهم علانية ایک درہم رات کو صدقہ کر دیا، ایک دن کو۔ ایک درہم چھپ کر صدقہ کر دیا اور ایک ظاہر کر کے، یعنی مختلف اوقات میں سب کے سب درہم تقسیم کر دیئے تو اللہ تعالیٰ کو یہ عمل پسند آیا اور یہ آیت نازل فرمائی، یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں ہے، لیکن اس روایت میں صراحۃً حضرت علیؓ کا نام نہیں ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں "نزلت فی رجل"، ممکن ہے حضرت علیؓ کا نام کسی اور روایت میں ہو۔ کیونکہ ہم نے کوئی استقراء تو کیا نہیں ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا الخ یہاں يَاْكُلُوْنَ بمعنی یاخذون یا یکسبون ہے۔ یہاں سودی کاروبار کرنا مراد ہے۔ خواہ کھائے یا نہ کھائے۔ یہ جو یاکلون سے تعبیر فرمایا ہے، یہ ابتداء بغلبة الامر ہے۔ یعنی جو لوگ سودی کاروبار کرتے ہیں، غایۃ ان کا مقصد اکل ہی ہوتا ہے۔ حرمت ربوا کی علت اکل نہیں ہے، بلکہ ربوا علی

الاطلاق حرام ہے، خواہ کوئی کھائے یا پیے یا کسی اور مد میں استعمال کرے۔

يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ الخ

جنات جب انسان کو پکڑ لیتے ہیں تو وہ کیا کچھ بکتا ہے۔ اسی طرح سود خور جب قیامت کے روز اٹھیں گے تو دیوانگی کی کیفیت طاری ہوگی تاکہ خوب رسوا ہوں۔ انہوں نے دنیا میں کام ہی دیوانوں والا کیا کہ حرام کے نام بدل بدل کر مختلف بہانوں سے ان کو حلال کرتے تھے اور پھر استعمال کرتے تھے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ الخ

ربوا اور بیع کی حقیقت

ربوا اور بیع کی حقیقت

ربوا کو بیع پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ بیع کی تعریف یہ ہے **مبادلة المال بالمال**، یعنی مال کو مال سے تبدیل کرنا۔

واما فی الربوا فیا خذ مال الغیر بدون العوض

یعنی سود میں کسی کا مال ناحق بغیر عوض کے لیا جاتا ہے۔

کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس کا مال بغیر عوض کے لینا بھی حرام اور اس کا منافع بھی حرام ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اسلام سے قبل اور حرمت ربوا کا حکم آنے سے قبل جو سودی معاملات ہو چکے ہیں، ان کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ الخ اس حکم کے نزول سے قبل جو سودی معاملات ہو چکے ہیں، وہ معاف ہیں۔ البتہ اگر کسی نے سچی توبہ نہ کی اور منافقین کی روش چلتا رہا تو پھر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے **ان شاء عذبه وان شاء غفر له**

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ الخ

اثیم کی قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے قید احترازی مراد لی ہے کہ کفار دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) زمین میں تخم اور بیج چھپانے والا کاشت کار (۲) اور ایک لفظ کافر کا عام فہم معنی ہے تو اثیم کی قید لگا کر غیر اثیم سے احتراز کیا۔

یہ متعدد روایات ربوا سے متعلق ہیں۔ کچھ آیتیں آگے بھی ہیں۔ قرآن کریم نے ربوا کی تفصیل و حقیقت نہیں بتلائی کہ جو زیادتی حرام ہے اس سے کیا مراد ہے۔ ایک حدیث میں ربوا کی کچھ وضاحت کی گئی ہے۔ یہ صحاح ستہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الذهب بالذهب و الفضة باالفضة والبر بالبر و الشعیر بالشعیر والتمر بالتمر الملح بالملح مثلا بمثل ید ابید والفضل ربوا ، اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے: **مثلا بمثل ید ابید فمن زاد او استزاد فقد اخذ الربوا الاخذ والمعطی فیه سواء فی اثم العقد**o

سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے عوض، گندم گندم کے عوض، جو جو کے عوض، کھجور کے بدلے کھجور اور نمک کے بدلے نمک برابر سرابر، اور دونوں طرف سے قبضہ اور (کسی ایک طرف سے) زیادتی سود شمار ہوگی۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے دونوں طرف (مندرجہ بالا چھ چیزیں) سے برابر سرابر ہوں اور دونوں طرف سے قبضہ بھی دیا جائے پس جو کسی ایک طرف سے زیادہ دے دیے یا زیادہ لے لے تو تحقیق کہ اس نے سود لیا۔ لینے اور دینے والا دونوں برابر کے شریک ہیں گناہ میں۔

حاصل یہ ہے کہ سود دینے والے نے گویا حرام کھلایا اور سود لینے والے نے حرام کھایا تو دونوں عقد حرام کا سبب بن گئے۔ سود لینا، دینا، لکھنا یا گواہ بننا، یہ سب کام کرنے والے اس جرم میں شامل ہوتے ہیں۔ حضرت عبادۃ ابن صامتؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

فاذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم

اشیاء ستہ مندرجہ بالا کو دیتے اور لیتے وقت اگر ان کی جنس بدل دی جائے، جیسے ایک طرف سونا، دوسری طرف چاندی، ایک طرف جو، ایک طرف گندم وغیرہ ہو تو پھر اضافہ کے ساتھ بیچنا جائز ہے، لیکن نسیہ (ادھار) جائز نہ ہوگا یعنی ایک طرف ایک من گندم ہو اور دوسری طرف 50 کلو جو ہوں تو یہ جائز ہے، لیکن دونوں طرف سے قبضہ اسی مجلس میں دینا ضروری ہے اور کسی ایک طرف سے ادھار جائز نہیں نسیئہ کی صورت میں یہ بھی سود ہو جائے گا۔

علت ربوا:

حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی روایت کے آخری حصہ کو "**فاذا اختلف هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم**" پڑھنے سے علت ربوا کی طرف کچھ اشارات ملتے ہیں۔ گزشتہ روایات میں چھ چیزوں کا ذکر ہے جن میں سے دو یعنی سونا چاندی وزنی ہیں اور بقیہ چار کیلی (ماپ سے مقدار کا تعین کرنا) ہیں۔ کھجوریں تو سعودی عرب میں اب بھی کیل سے بکتی ہیں۔ مدینہ میں مد اور صاع سے بیچتے ہیں اور ملح (نمک) سمندری پسا ہوا ہو تو اس کو بھی کیل سے فروخت کرتے ہیں۔ اس روایت سے کافی حد تک اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ حرمت ربوا میں کیل اور وزن کو

بڑا دخل ہے۔اس جنس کوقدر کہا جا تا ہےاورعندالا احناف حرمت ربوا کی ایک علت یہی قدر ہے۔

واما ما یوزن فی الوزن ولا یکال فی الکیل فلیس فیه الربوا وان کان من جنس واحد کبیع الحیوان بالحیوان فمن باع بعیرا ببعیرین فهو جائز

اور جو چیزیں وزن نہیں کی جاتیں اور وہ چیزیں جو کیل نہیں کی جاتیں تو ان میں سود متحقق نہ ہوگا۔اگر چہ دونوں چیزیں ایک ہی جنس کی کیوں نہ ہوں۔جیسے حیوان کو حیوان کے بدلے فروخت کرنا۔اگر کوئی شخص ایک اونٹ کو دو اونٹوں کے بدلے میں بیچے تو یہ جائز ہے۔

تفصیل مذکور سے معلوم ہوا کہ ربوا متحقق ہوتا ہے جنس کے اتحاد سے، کیونکہ مختلف الجنس اشیاء میں سود نہیں ہے۔جیسا کہ حدیث کے آخری جملوں سے معلوم ہوتا ہے **فاذا اختلف هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم**، اس اصول کی روشنی میں ایک صاع بر (گندم) کے بدلے دو صاع شعیر جائز ہے،لہٰذا معلوم ہوا کہ ہم جنس ہونا بھی ربوا میں داخل ہے۔اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے ہاں حرمت ربوا کی دوسری علت جنس کا متحد ہونا ہے۔گویا حرمت ربوا کی دو علتیں ہیں۔(۱) قدر (۲) جنس، اگر دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو ربوا متحقق نہ ہوگی اور کلا الا مرین کا اجتماع علت ربوا ہے، یعنی قدر و جنس دونوں کا بیک وقت پایا جانا، علت ربوا ہے۔

ابوداؤد میں حضرت عبادۃ ابن صامتؓ کی روایت کے آخر میں ہے **ولا بأس ببیع الذهب بالفضة والفضة اکثرهما یداً بید واما نسیاً فلا** یہ جملے بھی حدیث ہی کے ہیں یعنی جب جنس تبدیل ہوگئی جیسے سونا بمقابلہ چاندی یا گندم بمقابلہ جو تو **تفاضل عن احد الجانبین** (کسی ایک طرف سے اضافہ) جائز ہے۔ادھار اب بھی حرام ہے اور ادھار کی حرمت کے لیے قدر و جنس دونوں کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ "**بل احد هما یکفی لحرمة النساء**" نساء کی حرمت کے لیے دونوں میں سے ایک کا پایا جانا بھی کافی ہے۔بہرحال اس مسئلہ کی تفصیلات تو آپ حضرات نے کتب تفسیر وفقہ میں پڑھی ہوں گی یا پڑھیں گے۔یہاں آپ لوگوں کو اتنا اندازہ ہوا ہوگا کہ نسیئہ کی حرمت کی علت کیا ہے اور ربوا کی حرمت کی علت کیا ہے؟

حلت ربوا کے لیے عصر حاضر کے ملحدین کی کوششیں:

ربوا کی حرمت پر قطعی دلائل موجود ہیں جن کا کوئی شخص بھی انکار نہیں کرسکتا اور وعیدیں بھی انتہائی شدید ہیں، لیکن ملحدین کی یہ کوشش ہے کہ کسی طرح مروج ربوا کو حلال قرار دے دیا جائے۔چنانچہ اس سلسلے میں لبنان کے ایک قاضی، جو وہاں کے ہائی کورٹ کے جج بھی ہیں، نے ایک عجیب تحقیق پیش کی ہے کہ قرض دو قسم کے ہوتے ہیں۔(۱) القروض الانفاقیة (۲) القروض الانتاجیة ، یعنی جو شخص قرض اس وجہ سے لیتا ہے کہ اس رقم کو اپنی ضروریات زندگی پر خرچ کرے، جیسے عید کے موقع پر یا شادی کے موقع پر کپڑے وغیرہ بنوائے جاتے ہیں تو یہ

قروض انفاقیہ ہیں۔ ایسی رقم سود پر لینا اور دینا حرام ہے، لیکن کوئی شخص اس وجہ سے کسی بنک سے یا ادارے سے یا فرد سے رقم قرض لیتا ہے کہ اس پر کاروبار کرے گا اور کمائی کرے گا تو یہ "قروض انتاجیہ" ہیں اور ایسی رقم سود پر لینا اور دینا دونوں جائز ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جس سود کو حرام قرار دیا ہے، وہ پہلے والی قسم ہے اور قرض کی دوسری قسم پر چونکہ لوگ نفع کماتے ہیں، اس وجہ سے وہ حرام نہیں ہے۔ لبنانی قاضی کو قرض کی یہ دونوں شقیں اس وجہ سے نکالنی پڑیں کہ اگر وہ صریحاً کہہ دیتا کہ سود حلال ہے تو لوگ لعن طعن کرتے کہ ایک قطعی حکم کا منکر ہوا ہے۔ اپنے آپ کو بچانے اور لوگوں کو تشویش میں ڈالنے کے لیے اس نے دو قسمیں بنا دیں، تا کہ لوگوں کی مشکل بھی حل ہو جائے اور اس پر کوئی دھبا بھی نہ لگے۔ اہل تحقیق اس تشویش میں پڑے رہیں کہ یہاں قرض کی دو قسمیں کی گئی ہیں تا کہ ان سے کوئی جواب بن نہ پڑے۔ کبھی تو قرض کی دونوں قسموں کی تعبیر مندرجہ بالا الفاظ سے کی، اور کبھی پہلی قسم کو **القروض الاستهلاكية** یعنی وہ قرض رقم جو ضروریات زندگی پر صرف ہو جائے اور القروض الاستغلالیہ یعنی وہ قرض رقم جس سے نفع حاصل کیا جائے۔ اس کے ذریعہ کمائی کی جائے، **فالى الله المشتكى**۔

مروج ربوا کے متعلق ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی رائے اور اس کا محققانہ جواب:

ہمارے ایک پاکستانی ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ قرآن کریم میں جس ربوا سے منع کیا گیا ہے، وہاں سورہ آل عمران میں یہ الفاظ مذکور ہیں "**اضعافا مضاعفة**" ہیں یعنی "دو چند در دو چند سود نہ کھاؤ" تو یہاں دو چند در دو چند سے منع کیا گیا ہے۔ مطلق سود سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص ایک ہزار روپے قرض لے کر دو ہزار روپے واپس کرتا ہے تو یہ دو چند ہونے کی وجہ سے حرام ہے، لیکن اگر ایک ہزار کا ڈیڑھ ہزار واپس کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ اس پر اس نے بڑا زور لگایا، کیونکہ اس سے بنک والوں کا بھی مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ بنک کا سود ٪۶ اور بڑے ہوتا ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے بنک کے سود خوروں کے سود کو اور پیشہ ور سود کو حلال قرار دے دیا ہے، لیکن اس کی رائے کی تردید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ

اور اگر تم سودی کاروبار سے توبہ کرو گے تو تمہیں تمہارے رأس المال مل سکتے ہیں۔

فَلَكُمْ میں لام استحقاق کے لیے ہے کہ شرعی قانون کی رو سے تم اپنے رأس المال کے مستحق ہو۔ یہ مقام ترغیب الی التوبہ کا مقام ہے۔ اگر ہزار کا ڈیڑھ ہزار جائز ہوتا تو پھر صرف رأس المال کا ذکر کیوں ہوتا، بلکہ یوں کہا جاتا "فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ **مع شيئى زائد لم يبلغ الضعف**" یعنی رأس المال کے ساتھ اتنا اضافہ بھی جائز ہے جو دو چند کی حد کو نہ پہنچے۔ اس صورت میں زیادہ رغبت ہوتی کہ صرف دوگنا سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے کم سے منع نہیں کیا گیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف رأس المال کا ذکر فرمایا ہے۔ مقام ترغیب میں سوائے رأس المال

کے اور کسی مال کا ذکر نہ کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رأس المال کے سوا اور کوئی مال سود کے معاملہ میں جائز نہیں ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔

(۲) رہی یہ بات کہ ''اضعا فاًمضاعفۃً'' کی قید کیونکر لگائی گئی ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جو عربیت کا ذرا شعور رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اضعافاً والی قید احترازی نہیں، بلکہ اتفاقی اور واقعی قید ہے جس وقت یہ آیت نازل ہو رہی تھی اس وقت سود و ربوا کی کیفیت یہی تھی کہ یا تو ابتداء ہی سے بہت زیادہ سود مقرر کر لیتے تھے یا مجبوری کی وجہ سے وہ اضعافاً مضاعفا ہو جاتا تھا۔ اس طور پر کہ ایک مدت معینہ کے لیے رقم سود پر دے دیتے۔ اگر وہ مدت پوری ہو جاتی اور رقم واپس نہ ملتی تو سود اور بڑھا دیتے تھے۔ اس طرح کئی کئی بار ہوتا تھا جس کی وجہ سے سود اضعافاً مضاعفاً ہو جاتا تھا۔ سود کی یہی شکل زیادہ رائج تھی جس کو اضعافاً کہہ کر حرام قرار دے دیا گیا، ورنہ دیگر قرآنی آیات اور متواتر احادیث میں ایسی کوئی قید نہیں ہے، بلکہ مطلق ربوا کی حرمت کا ذکر ہے۔ اگر ان لوگوں کی یہ بات مانی اور سنی گئی تو کل کو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں شرک کی جو نفی فرمائی ہے وہ بھی بصیغہ جمع ہے۔ جیسے '' فلا تجعلوا لِلّٰہ انداد الخ ''اور نہ بناؤ اللہ کے لیے بہت سارے شریک۔ اسی طرح ارشاد ہے ''لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا الخ ''یعنی آسمان و زمین میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا بہت سارے معبود ہوتے تو ان دونوں میں فساد برپا ہو جاتا۔ کیا معاذ اللہ ایک یا دو شریک بنانا یا معبود بنانا جائز ہوگا، کیونکہ نفی بصیغہ جمع ہے۔

ع تف است بریں عقل و دانش

لہٰذا ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی بات کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کے صریح نصوص کے ہوتے ہوئے یہ رائے قائم کرنا الحاد و زندقہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

لبنانی قاضی کی تفسیر اور اس کا جواب:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سود کو حرام قرار دے دیا ہے تو وہ قرض انتاجیہ ہے (جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے) یعنی جب آیت ربوا نازل ہوئی تو اس کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر اعلان فرمایا کہ **ربوا الجاھلیۃ موضوع واول ربوی اضعہ ربوا عباس بن عبدالمطلب** یعنی جہالت کے زمانے کا جو سود ہے وہ آج کے بعد ختم اور سب سے پہلے میں جس سودی معاملہ کو منسوخ اور باطل قرار دیتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔

یہ بات ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت عباسؓ لوگوں کو تجارت کے لیے قرضہ دیتے تھے۔ قافلے ملک شام جاتے تھے، وہاں سے اناج اور دیگر مال تجارت لے کر واپس آتے تھے۔ پھر مکہ اور مدینہ میں وہ اموال فروخت ہوتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۚ (سورۂ قریش)

اس لیے کہ مانوس کر دیا قریش کو، ان کو مانوس کرنا سفر سے جاڑے اور گرمی میں۔

حضرت عباسؓ بڑے مالدار تھے اور تجارت کی غرض سے سود پر رقم لیتے دیتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوالاکھ لوگوں کے سامنے حج کے موقع پر اس ربوا کو حرام قرار دے دیا، حالانکہ یہ قرض اِنتاجیہ تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ حرام ہے۔ پھر لبنانی قاضی کا قرض انتاجیہ اور غیر انتاجیہ میں تفریق کر کے قرض انتاجیہ کو حلال قرار دے دینا، جبکہ وہ قرض سود پر لیا جائے، یہ قطعی غلط ہے اور نص صریح کے مخالف ہے۔ یہ لبنانی قاضی عجیب گمراہ شخص ہے جس نے شرعی دستور کے مقابلہ میں اپنی رائے کو فوقیت دی ہے۔

"لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ" یعنی نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ جب ربوا کو حرام قرار دے دیا گیا تو اگر اس حکم کے نزول کے بعد پھر بھی تم ربوا کا مطالبہ کرو تو یہ قرض دینے والے کی طرف سے ظلم ہوگا اور ربوا معاف ہونے کے بعد اگر قرض لینے والا رأس المال کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرے تو یہ اس کی طرف سے ظلم ہوگا۔ وہ رأس المال ہی پورا نہ دے تو پھر بھی یہ ظلم ہوگا۔ حدیث میں ہے **مطل الغنی ظلمٌ** غنی اور صاحب استطاعت شخص کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ حدیث میں ہے کہ دو صحابہ کرام کے درمیان قرض کے معاملہ میں کچھ جھگڑا ہوا۔ مسجد نبوی میں حضرت کعب ابن مالک قرض خواہ تھے اور حضرت ابن ابی حدرد قرض دہندہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعبؓ سے فرمایا کہ ادھار قرض معاف کر دو اور ابن ابی حدرد سے فرمایا کہ "قم فاقضیہ" یعنی اٹھ اور قرض ادا کر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں باتیں سمجھائیں کہ قرض خواہ اپنا کچھ حق معاف کر دے تاکہ مقروض کے لیے ادائیگی آسان ہو جائے اور ساتھ ہی مقروض کو ہدایت فرمائی کہ اب بقیہ قرض فوراً ادا کر دو۔ رأس المال میں ٹال مٹول نہ کرو تاکہ قرض خواہ کی حق تلفی نہ ہو۔ (ابن کثیر)

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ، الخ

اب آگے یہ ضابطہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ربوا اور سود والی اضافی رقم نہ ملنے کی وجہ سے لوگ تنگ دست لوگوں سے فوری مطالبہ شروع کر دیں اور ان کو بے وقت تنگ کریں۔ ارشاد ہوا کہ ان کے پاس رقم موجود ہے تو ربوا معاف ہونے کو نعمت عظمی سمجھ کر رأس المال کی ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کریں اور اگر سر دست ان کے پاس کچھ نہیں ہے تو قرض خواہ کو چاہیے کہ مقروض کو فراوانی تک مہلت دے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے تو اس کو روزانہ اتنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ

اے ایمان والو! جب تم کسی وقتِ مقرر تک آپس میں اُدھار کا معاملہ کرو

مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ

تو اُسے لکھ لیا کرو اور چاہئے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف سے لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے

يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ

جیسا کہ اس کو اللہ نے سکھایا ہے سو اُسے چاہئے کہ لکھ دے اور وہ شخص بتلاتا جائے کہ جس پر قرض ہے

رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔـا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ

اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور اُس میں سے کچھ کم کر کے نہ لکھائے پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے وقوف ہے

ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ

یا کمزور ہے یا وہ بتلا نہیں سکتا تو اُس کا کارکن ٹھیک طور پر لکھوا دے

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ

اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ کر لیا کرو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں

وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا

اُن لوگوں میں سے جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو تاکہ اگر ایک اُن میں سے بھول جائے تو دوسری اُسے

الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْـَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ

یاد دلا دے اور جب گواہوں کو بُلایا جائے تو انکار نہ کریں اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی میعاد تک

صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ

لکھنے میں سُستی نہ کرو یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک انصاف کو زیادہ قائم رکھنے والا ہے اور

اَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ

شہادت کا زیادہ دُرست رکھنے والا ہے اور زیادہ قریب ہے اس بات کے کہ تم کسی شُبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ سوداگری ہاتھوں ہاتھ ہو

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا

جسے آپس میں لیتے دیتے ہو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اسے نہ لکھو اور جب آپس میں سودا کرو تو گواہ بنا لو اور لکھنے والے اور گواہ بننے

شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ
والے کو تکلیف نہ دی جائے اور اگر تم نے تکلیف دی تو تمہیں گناہ ہوگا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے
وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ
اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ○ اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو گروی پر
مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ
قبضہ کیا جائے اور اگر ایک تم میں سے دوسرے پر اعتبار کرے تو چاہئے کہ وہ شخص امانت ادا کر دے جس پر اعتبار کیا گیا
وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ
اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص اسے چھپائے گا تو بے شک اُس کا دِل گنہگار ہے
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾
اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ خُوب جانتا ہے ○

ع

افاداتِ محمود:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ الخ

یہ آیت مداینہ قرآن کریم کی سب سے زیادہ طویل آیت ہے۔ اس آیت میں قرض اور دین کے احکام کا بیان ہے۔ سب سے پہلے قانونی معاہدات اور تحفظات کا ذکر ہے۔ (۱) اُدھار دیتے وقت یہ تحریر لکھنی کہ فلاں وقت ادائیگی ہوگی۔ (۲) کاتب کو حکم ہے کہ انصاف سے لکھے غیر جانبدار رہے۔ (۳) اقرار نامہ کا خرچہ بذمہ خریدار ہوگا۔ (۴) اقرار نامہ تحریر کرتے وقت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں۔ (۵) گواہ بلا عذر شرعی گواہ بننے اور گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔ (۶) کاتب اور گواہ کا نقصان نہ کیا جائے۔ (۷) اگر دست بدست سودا اور لین دین ہو تو اقرار نامہ لکھنا ضروری نہیں لیکن گواہ بنانا افضل ہے۔ نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیع سلم کا ذکر بھی فرمایا ہے بیع سلم میں ثمن عاجل ہوتا ہے اور مبیعہ اجل ہوتا ہے یعنی بیع سلم میں ''بیع الاجل بالعاجل'' ہوتا ہے جیسے کوئی شخص کہے ابھی سو روپے لو اور اتنے عرصہ کے بعد اتنی گندم دے دینا۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من اسلم منکم فلیسلم فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم○

یعنی تم میں سے کوئی شخص اگر بیع سلم کرنا چاہے تو یہ معاملہ ان شرائط کے ساتھ کرے کہ اگر کیلی چیز ہو تو کیل معلوم ہو اور اگر وزنی چیز ہو تو وزن معلوم ہو۔ نیز وقت بھی معلوم ہو اور جنس بھی معلوم ہو۔ جیسے گندم ہے تو گندم اور گندم کی صنف ونوع بھی معلوم ہو یعنی یہ بارانی زمین کی گندم ہو یا نہری زمین کی گندم۔ ثمن بھی معلوم ہو اور مبیعہ کا

قبضہ دینے کا مکان بھی معلوم ہو کیونکہ مذکورہ شرائط کا اگر بوقت بیع تصفیہ نہ کیا جائے تو یہ مقتضیٰ الی النزاع ہوتا ہے۔ گویا مستقبل میں پیش آنے والے جھگڑے کا دروازہ بند کردیا گیا۔ اس آیت سے یہ ضابطہ بھی معلوم ہو گیا کہ رأس المال اور ثمن بھی اسی مجلس میں ادا کیا جائے جو انعقاد بیع سلم کے لیے منعقد کی گئی ہو۔ اجل بیع میں ہے، لیکن قرض میں نہیں ہے۔ اگرچہ وقت مقرر کردیا پھر بھی تاخیر کا اعتبار نہیں ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ ''القروض لا تقبل التاجیل'' بیع سلم میں مسلم الیہ کا مسلم فیہ کا مالک ہونا شرط نہیں ہے۔ آپ نے ابھی پیسے دے دیے کہ مہینے کے بعد مسلم الیہ سے گندم لوں گا اور فی الحال وہ گندم مسلم الیہ کے قبضہ میں نہیں تو یہ درست ہے، لیکن جنس ایسی ہونی چاہیے کہ اجل آنے تک بازار سے نایاب اور غائب ہونے کا ظن غالب نہ ہو۔ اگر ظن غالب یہ ہو کہ اجل آنے تک یہ چیز بازار سے غائب ہو جائے گی تو اس میں بیع سلم کرنا جائز نہیں ہے۔

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ الخ

اس زمانہ میں کاتبوں کا قحط تھا۔ آج اگرچہ ہر شخص کی جیب میں قلم ہے، لیکن پھر بھی لکھنے کا ڈھنگ ہر ایک کو نہیں آتا۔ پس جو لوگ معاملہ کو صحیح لکھ سکتے ہیں، ان کو اس معاملہ میں بخل سے کام نہ لینا چاہیے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ الخ

اب یہاں سے رجال کی شہادت کا ذکر ہے یعنی عبید (غلاموں) کی گواہی غیر مقبول ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے ہاں شہادت عبید جائز نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک شہادت عبید جائز ہے ان کا نواعدولا' فرجل وامراتان الخ o یہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں۔ اصل شہادت رجال ہی کی ہے، لیکن عدم رجال کی صورت میں دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کے ساتھ ایک مرد کا ہونا ضروری ہے۔

اذا كان معهما رجل فشها دتهما جائز

فقط عورتوں کی شہادت معتبر نہیں ہے، البتہ بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن پر مردوں کو مطلع نہیں کیا جاسکتا۔ وہاں صرف عورتوں کی شہادت ہی معتبر ہے۔ وہ چند امور ہیں، جیسے ولادت، بکارت وغیرہ سے متعلق مسائل۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

ويقبل في الولادة والبكارة و العيوب بالنساء في موضع لا يطلع عليه الرجال شهادة امرأة واحدة

ایک عورت کی شہادت معتبر ہے ولادت کے بارے میں بکارت (اور شبہ ہونے) کے بارے میں اور عورتوں کے عیوب کے بارے میں، اگر وہ عیوب ایسی جگہ ہوں کہ مردان جگہوں کا مشاہدہ نہ کرسکتے ہوں۔

جیسے رضاع کے مسئلہ میں کہ عام حالات میں مرد رضاعت کے گواہ نہیں بن سکتے، کیونکہ عورتیں ہی بچوں کو دودھ پلاتی ہیں۔ مردوں کو کیا معلوم؟ امام مالکؒ کے ہاں اثبات رضاعت کے لیے، اگر مرد نہ ہوں تو چار عورتوں کی شہادت معتبر ہے، امام احمدؒ کے ہاں دو کی شہادت کافی ہے اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہاں رجلان یا رجل و امرأتان کی شہادت معتبر ہے۔

کیا یمین قائم مقام شہادت ہو سکتی ہے؟

قرآن و حدیث میں جہاں جہاں شہادت کا مطالبہ کیا گیا ہے، وہاں شہادت ہی معتبر ہوگی۔ یمین قائم مقام شہادت نہیں ہو سکتی، یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جہاں دو گواہوں کی ضرورت ہو تو ایک گواہ پیش کر دے اور ساتھ قسم بھی اٹھا لے۔ اس مسئلہ میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے کہ یمین ملا کر اگر کوئی گواہی دے تو کیا کام چل سکتا ہے یا نہیں؟ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہاں ایک شاہد کی شہادت کے ساتھ یمین ملا کر جو تکمیل شہادت کی صورت ہے، یہ ناممکن ہے اور یہ شہادت غیر معتبر ہے۔ بعض لوگ امام اعظمؒ کے خلاف حضرت ابن عباسؓ کی روایت پیش کرتے ہیں۔

عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قضی بیمین و شاهد ٥

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور ایک یمین کے ساتھ فیصلہ فرمایا ہے۔

(۱) یہ روایت امام اعظمؒ کے خلاف حجت نہیں ہے، کیونکہ اس روایت کا جو مفہوم عام طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہاں مراد نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کی موجودگی میں یمین کے ساتھ فیصلہ کیا۔ کیونکہ یمین تو مشہور حدیث کے مطابق مدعی علیہ پر ہے نہ کہ مدعی پر، لہٰذا مدعی کے پاس اگر گواہ بالکل نہ ہوں یا ایک گواہ ہو تو اس صورت میں مدعی علیہ پر یمین ہے۔ شاہد واحد لغو ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کو نظر انداز فرماتے ہوئے فیصلہ بالیمین کر لیا شاہد مع الیمین مراد نہیں ہے۔

(۲) حدیث ہے کہ "**البینة علی المدعی والیمین علی من انکر ٥**

مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہے اور انکار کرنے والے کے لیے قسم لازم ہے۔

واذا کان الیمین مختصا بالمدعی علیه فان قضی بالیمین قضی بیمین المدعی علیه٥

یعنی جب قسم خاص ہے مدعی علیہ کے ساتھ تو جب یمین کے ساتھ قاضی فیصلہ کرے گا تو مدعی علیہ کی قسم کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔

(۳) مندرجہ بالا توجیہ سے احادیث میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

(۴) امام زہریؒ کے شاگرد معمر کہتے ہیں کہ

سالت الزهری عن الیمین مع الشاهد فقال هذا شیئی احد ثه الناس ٥

میں نے زہریؒ سے (ایک) قسم اور (ایک) گواہ کے ذریعہ فیصلہ کے متعلق پوچھا تو انہوں

نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی بات ہے جو لوگوں نے بنائی ہے۔

شہادۃ الفاسقین کے مسئلہ سے متعلق امام اعظمؒ کے مسلک پر شبہ اور اس کا جواب:

مندرجہ بالا آیت میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا ذکر ہے۔ سورہ نساء میں گواہوں میں عدالت کو بھی شرط قرار دیا گیا ہے، لیکن امام اعظمؒ کا مسلک فقہ کی کتب میں عام نقل کیا گیا ہے کہ "النکاح ینعقد لشھادۃ الفاسقین" کہ فاسق لوگوں کی شہادت سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ یہ رائے بظاہر نص قطعی کے خلاف ہے۔ اس لیے امام اعظم کے متعلق کسی کا قول ہے:

"فقول ابی حنیفة فی هٰذه المسئلة ضعیف جداً"

امام ابی حنیفہ کا قول اس مسئلہ میں نہایت کمزور ہے۔

الجواب: جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ اس طرح کے اشکالات وہ لوگ پیش کرتے ہیں جو امام اعظمؒ کے مسلک کو سمجھتے ہی نہیں۔ نہ وہ اس حقیقت کی تہہ تک رسائی پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں اصل میں دو باتیں ہیں اور دونوں الگ الگ ہیں۔

(۱) ایک ہے انعقاد نکاح فیما بینہ وبین اللہ (۲) اور دوسرا ہے ثبوت نکاح عند القاضی عند اختلاف الزوجین۔ ترمذی شریف کی روایت ہے:

البغایا اللاتی ینکحن انفسھن بغیر بینة ٥

جو عورتیں بغیر گواہ کے نکاح کرتی ہیں وہ بدکار ہیں۔

(۱) پہلی صورت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر فاسق لوگ بھی موجود ہوں اور میاں بیوی کا نکاح کرایا گیا تو اللہ کے ہاں یہ نکاح درست ہے، لیکن کسی اختلاف کی صورت میں ان فاسق لوگوں کی شہادت قاضی کے ہاں قابل قبول نہیں ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے کہ بوقت نکاح بیوہ عورت کا بیٹا موجود ہو یا والد موجود ہو تو کیا ان لوگوں کی شہادت سے اور ان کی موجودگی میں نکاح درست نہ ہوگا؟ لیکن اختلاف کی صورت میں بیٹے کی شہادت والدہ کے لیے یا والد کی شہادت بیٹی کے لیے عند القاضی ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے۔ ان لوگوں کی شہادت کو قاضی رد کر دے گا اور ان کی شہادت سے نکاح ثابت نہ ہوگا۔

(۲) ثبوت نکاح کے لیے گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے۔ نکاح کے وقت قاضی ایسے گواہوں کو طلب کرے گا جو عادل ہوں۔ اصل ضابطہ یہی ہے۔ پہلی صورت تو ایک اتفاق ہے۔ زندگی بھر کوئی اختلاف نہ ہو تو مسئلہ ہی نہیں ہے۔ قاضی کے پاس نکاح کے ثبوت کی کوئی ضرورت پیش آئے تو فاسق لوگوں کی موجودگی میں کرایا ہوا نکاح منعقد ہے، باطل نہیں ہے۔

فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ الخ

حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ عورتیں ناقصات العقل ہیں۔ یہ قاعدہ اکثریت کے بارے میں ہے، ورنہ بعض عورتیں بڑی عاقل اور سمجھ دار ہوتی ہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اِنْ

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور اگر تم

تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ

اپنے دل کی بات ظاہر کرو گے یا چھپاؤ گے اللہ تم سے اس کا حساب لے گا پھر جس کو چاہے بخشے گا

وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲۸۴) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ

اور جسے چاہے عذاب کرے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ رسُول نے مان لیا جو کچھ

اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ

اُس پر اُس کے رب کی طرف سے اُترا ہے اور مُسلمانوں نے بھی مان لیا سب نے اللہ کو اور اُس کے فرشتوں کو اور اُس کی کتابوں کو

وَ رُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ٘ غُفْرَانَكَ

اور اُس کے رسُولوں کو مان لیا ہے کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسُولوں کو ایک دُوسرے سے الگ نہیں کرتے اور کہتے ہیں ہم نے سُنا اور

رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ (۲۸۵) لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ

مان لیا اے ہمارے رب! تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے ○ اللہ کسی کو اُس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں

وَ عَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا

دیتا نیکی کا فائدہ بھی اُسی کو ہوگا اور بُرائی کی زد بھی اُسی پر پڑے گی اے رب ہمارے! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہمیں نہ پکڑ

تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا

اے رب ہمارے! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تُو نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا اے رب ہمارے!

تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَ اعْفُ عَنَّا ٙ وَ اغْفِرْ لَنَا ٙ وَ ارْحَمْنَا ٙ اَنْتَ

اور ہم سے وہ بوجھ نہ اُٹھوا جس کی ہمیں طاقت نہیں اور ہمیں معاف کردے اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر تُو ہی ہمارا

مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ (۲۸۶) ع ۸

کارساز ہے کافروں کے مُقابلہ میں تُو ہماری مدد کر ○

افاداتِ محمود:

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ الخ

جب یہ آیت وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ الخ نازل ہوئی تو صحابہ کرام بہت گھبرائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی پریشانی کا اظہار فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم یہ ثابت کرو کہ ہم حکم الٰہی کو مانتے ہیں اور اپنے ایمان کا اظہار کرو، باقی اللہ تعالیٰ خود بخود ٹھیک کردے گا۔ پھر لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا الخ کے ذریعہ وہ آیت منسوخ ہوگئی۔ اب اگر صرف گناہ کا ارادہ ہو اور کسی عبد کا خیال نہ ہو تو حدیث النفس میں کوئی مواخذہ نہیں واللہ اعلم۔

آیاتہا ۲۰۰ سُوْرَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ ۸۹ رکوعاتہا ۲۰

سُورۂ آلِ عمران مدنی ہے اور اس میں دوسو آیتیں اور بیس رُکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ۞ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۞ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

اللہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے نظام کائنات کا سنبھالنے والا ہے ۞ اُس نے تجھ پر یہ سچی کتاب نازل فرمائی

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۞ مِنْ قَبْلُ هُدًى

جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اُسی نے اس کتاب سے پہلے تورات اور انجیل نازل فرمائی ۞ وہ کتابیں

لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ

لوگوں کے لئے راہ نُما ہیں اور اُسی نے فیصلہ کُن چیزیں نازل فرمائیں بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں سے منکر ہوئے اُن کے لئے

شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۞ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ

سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست بدلہ لینے والا ہے ۞ اللہ پر زمین اور آسمان میں کوئی چیز

وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۞ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

چھپی ہوئی نہیں ۞ وُہی جس طرح چاہے ماں کے پیٹ میں تمہارا نقشہ بناتا ہے اُس کے سوا

هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ

اور کوئی معبود نہیں زبردست حکمت والا ہے ۞ وُہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اُتاری اِس میں بعض آیتیں محکم ہیں

هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ

(جن کے معنی واضح ہیں) وہ کتاب کی اصل ہیں اور دُوسری مشابہ ہیں (جن کے معنی معلوم یا معیّن نہیں) سو جن لوگوں کے دل

مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا

ٹیڑھے ہیں وہ گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی غرض سے متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں اور حالانکہ ان کا

اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا

مطلب سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہمارا ان چیزوں پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب کی طرف

يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ
سے ہی ہیں اور نصیحت وُہی لوگ مانتے ہیں جو عقلمند ہیں ۝ اے رب ہمارے! جب تو ہم کو ہدایت دے چُکا تو ہمارے دلوں کو نہ پھیر
لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ
اور اپنے ہاں سے ہمیں رحمت عطا فرما بے شک تُو بہت زیادہ دینے والا ہے ۝ اے رب ہمارے! تُو ایک دن سب لوگوں کو
لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ ع
جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں بے شک اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا ۝

افاداتِ محمود:

یہ مدنی سورت ہے اس میں دوصد (۲۰۰) آیات ہیں اور بیس (۲۰) رکوع ہیں۔(۱) اس کا ایک نام سورۃ آل عمران ہے۔(۲) تورات میں اس کا نام طیبہ ہے۔(۳) سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران دونوں کو حدیث میں ''زہراوین'' کہا گیا ہے زہراوین بمعنی النیرۃ یعنی روشنی، سورج۔ گویا یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والے کو نور بخشتی ہیں۔ اس وجہ سے ان کو ''زھراوین'' فرمایا گیا ہے یعنی ان دونوں کو پڑھا کرو تو نور نصیب ہوگا۔ اسم اعظم بھی ان دونوں سورتوں میں ہے۔ چنانچہ ابوداود کی ایک روایت میں ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اسم الله الاعظم فی هٰذین الایتین والٰهکم اله واحد الخ (بقره) اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ الخ (سورہ آل عمران)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم درج ذیل دو آیاتوں میں ہے۔(۱) والٰھکم الخ (سورہ بقرہ) اور اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ الخ (سورہ آل عمران)

رواہ ابن ماجہ۔

(۴) اس سورت کو غمام اور ظلہ بھی کہا جاتا ہے۔ ''غمام'' بمعنی بادل اور ظلہ بمعنی سایہ بان یعنی ان قارئھا یکون فی ظل ثوابھا اس کا پڑھنے والا اس کے ثواب کے سایہ میں قیامت کے روز ہوگا۔

شانِ نزول:

نصاریٰ نجران کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ طیبہ میں آیا تھا۔ یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں ۱۴ افراد خاص تھے اور پھر ۳ افراد اخص الخواص اور نہایت بڑے عالم اور صاحب رائے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو ان لوگوں نے مسجد نبوی میں نماز پڑھی۔ جب انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو صحابہ کرامؓ نے روکا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ ان کو اپنے مذہب کے مطابق مشرق کی

طرف منہ کر کے نماز پڑھنے دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے مشرق ہی کی طرف نماز پڑھی۔

یہ وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر سن کر آپ ﷺ سے مباحثہ ومناظرہ کی غرض سے آیا تھا، لہٰذا ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور ابن اللہ ہونے پر دلائل دینا شروع کر دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دلائل سماعت فرما کر پھر ایک ایک دلیل کو رد فرمایا اور وہ لوگ اس رد اور جرح کے جواب میں لاجواب ہی ہوتے رہے۔ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مباھلہ کی دعوت دے دی تو یہ لوگ ڈر گئے اور گھبرانے کی وجہ سے مباھلہ کے لیے حاضر نہ ہوئے۔ سورۃ آل عمران کی ابتدائی آیات اسی وفد سے متعلق ہیں۔

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ

(۱) اس آیت کی مشہور تفسیر تو یہ ہے کہ ''الا اللہ'' پر وقف کیا جائے اور مفہوم اس کا یہ ہے کہ متشابھات کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا یہ قول منقول ہے حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عمرؓ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ سے' اس صورت میں الا اللہ پر وقف ہے اور اس کا مابعد الگ کلام ہے۔ ماقبل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضرت امام مالکؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

(۲) بعض مفسرین کے ہاں ''وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ'' پر وقف کیا جائے گا اور مفہوم یہ ہوگا کہ متشابہات کی مراد اللہ تعالیٰ اور راسخین فی العلم جانتے ہیں اور آگے ''یقولون'' خبر ہے مبتداء محذوف ھذا کے لیے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ...... ''وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ'' پر وقف کیا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ متشابہات کی تاویل حقیقی اور واقعی کو تو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تاویل ظنی راسخین فی العلم جانتے ہیں۔ (کما ذکرنا بالتفصیل فی المقدمۃ)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا الخ

یہاں سے معلوم ہوا کہ دلوں کو پھیرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس میں معتزلہ کے نظریہ کی تردید ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

بے شک جو لوگ کافر ہیں

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ

اُن کے مال اور اُن کی اولاد اللہ کے مقابلے میں ہرگز کام نہیں آئیں گی اور وہ لوگ

وَقُودُ النَّارِ ﴿١٠﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

دوزخ کا ایندھن ہیں ○ جس طرح فرعون والوں اور اُن سے پہلے لوگوں کا معاملہ تھا اُنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا

فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١١﴾ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

پھر اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب سے انہیں پکڑا اور اللہ سخت عذاب والا ہے ○ کافروں کو کہہ دے کہ

سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٢﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ

اب تم مغلوب ہوگے اور دوزخ کی طرف اکٹھے کیئے جاؤ گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ○ تمہارے سامنے ابھی

آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ

ایک نمونہ دو فوجوں کا گزر چکا ہے جو آپس میں ملیں ایک فوج اللہ کی راہ میں لڑتی ہے اور دُوسری فوج کافروں کی ہے

يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي

وہ کافر مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے آنکھوں کے دیکھنے سے اور اللہ جسے چاہے اپنی مدد سے قوّت دیتا ہے اس

ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٣﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ

واقعہ میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہے ○ لوگوں کو مرغوب چیزوں کی مُحبّت نے فریفتہ کیا ہوا ہے جیسے عورتیں

وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ

اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان کیئے ہوئے گھوڑے

الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ

مویشی اور کھیتی یہ دُنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور اللہ ہی

حُسْنُ الْمَآبِ ﴿١٤﴾ قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ

کے پاس اچھا ٹھکانا ہے ○ کہہ دے کیا میں تم کو اس سے بہتر بتاؤں پرہیزگاروں کے لئے

رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ اَزْوَاجٌ

اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاک

مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ﴿۱۵﴾ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ

عورتیں ہیں اور اللہ کی رضامندی ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے وہ جو کہتے ہیں

رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِیْنَ

اے رب ہمارے! ہم ایمان لائے ہیں سو ہمیں اور ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے ○ وہ صبر کرنے

وَ الصّٰدِقِیْنَ وَ الْقٰنِتِیْنَ وَ الْمُنْفِقِیْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ

والے ہیں اور سچے ہیں اور فرمانبرداری کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی راتوں میں گناہ بخشوانے والے ہیں ○

اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ

اللہ نے اور فرشتوں نے اور علم والوں نے گواہی دی کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی انصاف کا حاکم ہے اس کے سوا

اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ

اور کوئی معبود نہیں زبردست حکمت والا ہے ○ بے شک دین اللہ کے ہاں فرمانبرداری ہی ہے اور جنہیں کتاب دی گئی

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ

تھی اُنہوں نے صحیح علم ہونے کے بعد آپس کی ضد کے باعث اختلاف کیا اور جو شخص

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ

اللہ کے حکموں کا انکار کرے تو اللہ جلد ہی حساب لینے والا ہے ○ پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑیں تو ان سے کہہ دے کہ میں نے

وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ

اپنا منہ اللہ کے حکم کے تابع کیا ہے اور اُن لوگوں نے بھی جو میرے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے کہہ دے جنہیں کتاب دی گئی ہے

فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ

اور اَن پڑھوں سے آیا تم بھی تابع ہوتے ہو پھر اگر وہ تابع ہوگئے تو اُنہوں نے بھی سیدھی راہ پالی اور اگر وہ مُنہ پھیریں تو تیرے

بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۠﴿۲۰﴾

ذمہ فقط پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ○

افاداتِ محمود:

دأب ای العادۃ ۝

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ الخ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ بدر سے فارغ ہو کر فاتح کی حیثیت سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہود سے گفتگو فرمائی، لیکن ان لوگوں نے بجائے مشرکین مکہ کی حالت سے عبرت پکڑنے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ناشائستہ انداز میں گفتگو کی۔

عن عاصم بن عمروؓ ان رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم لما اصاب من اهل بدر ما اصاب و رجع الی المدینة رجع الیهود فی سوق بنی قینقاع وقال یا معشر یهود اسلموا قبل ان یصیبکم الله بما اصاب قریشا فقالو ایا محمد لا یغر نک من نفسک ان قتلت نفرا من قریش کانو اغمارا لایعرفون القتال انک والله لو قاتلتنا لعرفت انا نحن الناس وانک لم تلق مثلنا فانزل الله قل للذین کفرو الخ (تفسیر ابن کثیر) ۝

حضرت عاصم ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقام پر مشرکین مکہ کو شکست سے دوچار کیا اور واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو بنی قینقاع کے بازار میں یہود کو جمع فرما کر ان سے یوں گفتگو فرمائی، اے یہود کی جماعت اسلام قبول کرو، اس سے قبل کہ تمہیں وہ کچھ پہنچے جو مشرکین مکہ کو پہنچا۔ یہود (جواب میں) کہنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ آپ نے قریش کے چند ناتجربہ کار لوگوں سے لڑائی لڑی (اور ان کو زیر کیا) جو لڑائی کے پیچ وخم سے بالکل واقف نہ تھے۔ اللہ کی قسم اگر آپ کا ہم سے پالا پڑا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہی مردانہ وار جنگ کرنے والے ہیں اور ہم جیسوں سے تو اب تک آپ کا واسطہ پڑا ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی:

حاصل آیت یہ ہے کہ اے یہودیو! تم دنیا میں بھی مغلوب ہو جاؤ گے جیسا کہ بنوقریظہ کا حشر ہوا اور آخرت میں جہنم کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ اور ان کے لائے ہوئے دین کو غالب فرمائیں گے۔

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ

نافع مدنیؒ (پہلا قاری ہے) نے تَرَوْنَهُمْ تا کے ساتھ پڑھا اور باقی چھ قاری یا کے ساتھ يَرَوْنَهُمْ پڑھتے ہیں۔

(۱) پہلی قرأت کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ اے مسلمانو تم کفار کو اپنے سے دوگنا دیکھتے ہو ترون کا فاعل مسلمان ہیں اور ''هم'' کی ضمیر منصوب کفار کی طرف راجع ہے اور مِثْلَيْهِمْ میں ضمیر مجرور مسلمانوں کی طرف راجع ہے۔

(۲) دوسری قرأۃ کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ ''یرون'' کا فاعل کفار ہیں اور ''ھم'' کی ضمیر منصوب مسلمانوں کی طرف راجع ہے اور ''مثلیھم'' کی ضمیر مجرور مسلمانوں کی طرف راجع ہے اور حاصل یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کو ان سے دوگنا دیکھتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کو زیادہ دیکھتی تھیں اور سورہ انفال کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کو دونوں فوجیں ایک دوسرے کی نظر میں تھوڑی دکھائی دیتی تھیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا
(سورہ انفال نمبر ۴۴)

اور جب تم کو دکھلائی وہ فوج مقابلہ کے وقت تمہاری آنکھوں میں تھوڑی اور تم کو تھوڑا دکھلایا ان کی آنکھوں میں تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو مقرر ہو چکا تھا۔

سورہ انفال کی آیت میں جو کیفیت مذکور ہے یہ جنگ سے پہلے کی ہے۔ جیسا کہ ''لِيَقْضِيَ اللّٰهُ'' سے معلوم ہوتا ہے اور سوہ آل عمران میں جو کیفیت مذکور ہے، یہ دوران جنگ کی ہے۔ لہٰذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض یا تضاد نہیں ہے۔ آیت ذیل میں اگرچہ دیگر احتمالات بھی ہیں، لیکن خلاصہ ان کا ان دونوں قرأتوں وصورتوں کا وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ الخ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ماترکت بعدی فتنة اضر علی الرجال من النساء. (بخاری ومسلم)

مجھے اپنے بعد سب سے زیادہ جس خطرناک فتنے کا اندیشہ ہے وہ عورتیں ہیں۔

نساء میں دو اور اولاد میں ایک فتنہ ہے:

نساء میں دو فتنے اور اولاد میں ایک فتنہ ہے۔ (۱) عورتوں میں ایک فتنہ معاشرتی ہے (۲) اور دوسرا مالی ہے۔

(۱) معاشرتی فتنہ عورت میں یہ ہے کہ شوہر کو قطع رحمی پر ابھارتی اور برانگیختہ کرتی رہتی ہے کہ تمہاری والدہ نے یہ بات کہی ہے، تمہارے والد نے یہ بات کہی ہے۔ نتیجتاً گھر میں معاشرت خراب ہوتی اور فتنہ برپا ہو جاتا ہے۔ شادی کے بعد بہن بھائیوں اور والدین سے اچھا سلوک تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔ پھر الگ مکان اور رہن سہن کا مطالبہ کرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ نان ونفقہ چونکہ شوہر کے ذمہ واجب ہے تو وہ غریب مجبور ہوتا ہے کسب حرام پر۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ میں حلال کما رہا ہوں یا حرام۔ کتنے لوگوں کو اذیتیں دے دے کر وہ اس کے جائز وناجائز مطالبوں کو پورا کرتا ہے۔ اس کی عاقبت تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ مالی فتنہ ہے۔ اولاد میں صرف مالی فتنہ ہے، معاشرتی فتنہ نہیں

ہے۔ لہذا نساء کا فتنہ اشد واضر ہے اولاد کے فتنہ کے مقابلے میں۔ القناطیر یہ قنطار کی جمع ہے۔ قنطار اس مال کو کہتے ہیں کہ جمع کرتے کرتے ڈھیر بن جائے۔ جیسا کہ ایک اور جگہ اشاد ہے۔

وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا

(سورہ نساء نمبر ۲۰)

اور اگر تم چاہو بدلنا کسی عورت کو ایک عورت کی جگہ اور تم دے چکے ہو ایک کو ان میں سے بہت سا مال تو نہ واپس لو اس سے کچھ بھی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ
بے شک جو لوگ اللہ کے حکموں کا اِنکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق
بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم
قتل کرتے ہیں اور لوگوں میں سے اِنصاف کا حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں سو انہیں دردناک عذاب کی
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا
خوشخبری سُنا دے ○ یہی وہ لوگ ہیں جن کی دُنیا اور آخرت میں محنت ضائع ہوگئی اور اُن کا
لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٢﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ
کوئی مددگار نہیں ○ کیا تُو نے اِن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں ایک حصّہ کتاب کا مِلا وہ اللہ کی کتاب کی طرف بُلائے جاتے ہیں
إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾
تاکہ وہ کتاب اُن میں فیصلہ کرے پھر ایک فرقہ اُن میں سے پھر جاتا ہے ایسے حال میں کہ وہ مُنہ پھیرنے والے ہوتے ہیں ○
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي
یہ اِس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہرگز آگ نہیں لگے گی مگر چند دِن گِنتی کے اور ان کی اپنی بنائی ہوئی
دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ
باتوں نے انہیں دِین میں دھوکا دیا ہوا ہے ○ پھر ان کا کیا ہوگا جب ہم انہیں ایک دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شُبہ نہیں
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ
اور ہر کسی کو اپنی کمائی کا اجر پُورا دِیا جائے گا اور اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا ○ تُو کہہ اے اللہ! بادشاہی کے مالک!
الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ
جسے تُو چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے جسے تُو چاہتا ہے
مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
عزّت دیتا ہے اور جسے تُو چاہے ذلیل کرتا ہے سب خوبی تیرے ہاتھ میں ہے بے شک تُو ہر چیز پر
قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۖ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ
قادر ہے ○ تُو رات کو دِن میں داخل کرتا ہے اور دِن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مُردہ سے

الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾
نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور جسے تُو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے ○
لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ
مُسلمان مُسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ
یہ کام کرے اُسے اللہ سے کوئی تعلق نہیں مگر اس صورت میں کہ تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو
وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ﴿٢٨﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوا مَا فِي
اور اللہ تمہیں اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ○ تو کہہ دے اگر تم اپنے دل کی
صُدُورِكُمْ اَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
بات چھپاؤ یا ظاہر کرو اُسے اللہ جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے
الْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ
اُسے جانتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ جس دن ہر شخص موجود پائے گا اپنے سامنے
مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا
اُس نیکی کو جو اُس نے کی تھی اور جو کچھ کہ اُس نے بُرائی کی تھی اُس دن چاہے گا کہ کاش درمیان اُس کے اور درمیان اُس
بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾ ع
کی بُرائی کے مُسافت دُور کی ہو اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر شفقت کرنے والا ہے ○

افاداتِ محمود:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ الخ

یہاں سے پھر یہود کی قباحتوں کا بیان ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنے کے ساتھ ساتھ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔

وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ الخ

(۱) یہاں سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر پہلی امتوں پر بھی واجب تھا۔

حدیث میں ہے:

من امر بالمعروف ونهى عن المنكر فهو خليفة الله فى الارض و خليفة رسوله ٥

یعنی جس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تو وہ زمین میں اللہ اور اس کے رسول کا خلیفہ ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ بین المسلمین والمنافقین امتیازی شان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے......

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ الخ

(سورۃ توبہ ۷۱)

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں کہ حکم کرتے ہیں نیک کام کا اور روکتے ہیں برے کام سے۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ الخ

(سورۃ توبہ نمبر ۶۷)

منافق مرد اور منافق عورتیں بعض ان میں سے جنس ہیں بعض کی، حکم کرتے ہیں برے کام کا اور روکتے ہیں نیک کام سے۔

پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ امر بالمعروف اس صورت میں بھی جائز ہے کہ جس چیز کی طرف دعوت دے رہا ہے، خود اس پر عمل نہ کرتا ہو اور نہی عن المنکر جائز ہے، اگر چہ انسان خود اس منکر کا مرتکب ہو رہا ہو۔ یہ دونوں فعل (یعنی معروف پر عمل نہ کرنا اور منکر پر عمل کرنا) مذموم ضرور ہیں۔ ان پر مواخذہ ہوسکتا ہے، لیکن دعوت کا جواز ثابت ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ منکر کا تغیر اور بدلنا واجب ہے علیٰ کل مسلم (ہر مسلمان پر) بالید او باللسان او بالقلب (ہاتھ کے ذریعہ یا زبان کے ذریعہ یا دل کے ذریعہ) لیکن آج نہ باپ بیٹے کو روکتا ہے، نہ بیٹا باپ کو اور یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک نے اپنی قبر میں جانا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دینی نقصانات کے متعلق باپ کے دل میں حمیت وغیرت ہے ہی نہیں جو ہونی چاہیے، ورنہ اگر بیٹا پانچ روپے کا نقصان کر دے تو باپ گھر سے نکال دیتا ہے، لیکن دین کی بے حرمتی اور نقصان پر کچھ نہیں کہتا۔ اصل میں دین کی اہمیت ہی ختم ہو چکی ہے اور عورتیں تو نماز اپنے اوپر فرض سمجھتی ہی نہیں، الا ماشاء اللہ۔ بعض لوگ بالکل نہیں پڑھتے۔ بعض عیدین کی پڑھتے ہیں۔ بعض جمعہ کی پڑھتے ہیں۔ یہی لوگ آج کل نیک کہلاتے ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

متى يترك الامر بالمعروف والنهى عن المنكر قال اذا ظهر فيكم ما ظهر فى امم ما قبلكم

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب چھوڑا جائے گا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا جو گناہ پہلی اُمتوں میں ظاہر ہوئے تھے تم لوگوں میں ظاہر ہونے لگے۔

یعنی جب گناہ عام ہو جاتا ہے اُس کی اہمیت جاتی رہتی ہے۔

قل اللهم مالک الملک الخ

حضرت ابن عباسؓ وانسؓ سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا تو بعد میں صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہم روم وفارس کو بھی ختم کریں گے تو یہود اور منافقین کہنے لگے کہ......

هیهات هیهات این لمحمد ملک الروم و الفارس۔

یعنی یہ بات تو انتہائی بعید ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فارس وروم پر قبضہ کرنا اور ان کو زیرنگیں کرنا کب ممکن ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جسے چاہے جو حصہ سونپ دے۔

خوشامد کرنے والے قراء:

ایک فوجی آمر کے دور اقتدار میں قاری صاحبان کثرت سے سرکاری محفلوں میں اس آیت کی تلاوت کرتے تھے۔

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ

اس آیت میں ان کے اقتدار کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ آج کل ہمارے حکمرانوں کے جشن منانے کے دوران بھی اس آیت کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یہ خوشامد کرنے والے لوگ آیت کو غلط محل پر منطبق کرتے ہیں۔ یہ کوئی انعام ونعمت ان لوگوں کے لیے نہیں ہے، بلکہ تم لوگوں کو ایسے حکمرانوں کی شکل میں شامت اعمال کی سزا مل رہی ہے۔

تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ

(۱) ایک مطلب تو یہ ہے کہ گرمی کے موسم میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں اور سردیوں میں راتیں بڑی اور دن چھوٹے ہو جاتے ہیں۔

(۲) یا یہ مطلب ہے کہ دن کے بعد رات آتی ہے اور رات کے بعد دن آتا ہے، لیکن پہلے والی تفسیر زیادہ راجح اور اولیٰ ہے۔

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ الخ

(۱) حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ

تخرج المومن من الکافر والکافر من المئومن۔

یعنی اللہ تعالیٰ مومن کو کافر سے اور کافر کو مومن سے پیدا فرماتا ہے۔ مومن چونکہ بمنزلہ زندہ کے ہے اور کافر بمنزلہ مردہ کے ہے، لہٰذا اس طرح تعبیر فرمایا۔ دلیل اس کی یہ ملتی ہے کہ ایک نیک صائمہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس کا باپ کافر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

سبحان الذی یخرج الحی من المیت۔

یعنی پاک ہے وہ اللہ جس نے زندہ (مومن) کو مردہ (کافر) سے پیدا فرمایا۔ لہٰذا حی اور میت دونوں لفظ حقیقی معنی پر محمول نہیں ہیں۔

(۲) حضرت عکرمہؒ تلمیذ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس سے مراد اخراج الدجاجة وهي حية من البيضة وهي ميت و اخراج البيضة من الدجاجة٥

یعنی مرغی زندہ ہے وہ انڈے سے پیدا ہوتی ہے جو کہ مردہ ہے اور انڈا جو کہ مردہ ہے زندہ مرغی سے پیدا ہوتا ہے۔

(۳) حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ

النطفة تخرج من الرجل وهي ميت ويخلق الرجل منها حيا وهي ميت.

یعنی زندہ انسان سے نطفہ نکلتا ہے جو کہ بے جان ہے اور بے جان نطفہ سے زندہ انسان بنتا ہے۔

(۴) بعض کے ہاں مراد یہ ہے کہ

الحبة تخرج من السنبل وهي ميت و السنبل تخرج من الحبة وهو حي ٥

یعنی بے جان دانہ بیج کا سنبل سے پیدا ہوتا ہے حالانکہ پودا اور سنبل وغیرہ حرکت کرتے رہتے ہیں اور حرکت کرنے والا پودا و سنبل بے جان بیج سے پیدا ہوتا ہے۔ پودے اور خوشے میں ایک قسم کی زندگی ہے جبکہ دانہ خشک ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ہر درخت تسبیح کرتا رہتا ہے۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ الخ

جب احزاب الکفار و المشرکین نے مدینہ منورہ پر حملے کا ارادہ کر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے مشورہ سے خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ منافقین اور یہود نے مذاق اڑایا کہ یہ لوگ اب مدینہ منورہ کو بچا نہیں سکیں گے۔ اگرچہ خندقیں کھود رہے ہیں، لیکن ان کو فائدہ نہ ہوگا۔ (العیاذ باللہ) اور کہا کہ یہ لوگ باتوں میں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم روم و فارس کو فتح کریں گے، مگر اپنا شہر بچانا مشکل ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو باتیں تم اللہ کے رسول کے خلاف سینوں میں چھپائے رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ کو ان کا علم ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ

کہہ دو اگر تم

تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو تاکہ تم سے اللہ محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

مہربان ہے ○ کہہ دو اللہ اور اُس کے رسُول کی فرمانبرداری کرو پھر اگر وہ مُنہ موڑیں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ○

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ۙ

بے شک اللہ نے آدم کو اور نُوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو سارے جہان سے پسند کیا ہے ○

ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ

جو ایک دُوسرے کی اولاد تھے اور اللہ سُننے والا جاننے والا ہے ○ جب عمران کی عورت نے کہا

رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

اے میرے رب جو کچھ پیٹ میں ہے سب سے آزاد کر کے میں نے تیری نذر کیا سو تُو مجھ سے قبول فرما بے شک تُو ہی

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ

سُننے والا جاننے والا ہے ○ پھر جب اُسے جنا کہا اے میرے رب! میں نے تو وہ لڑکی جنی ہے اور جو کچھ

اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْۤ

اُس نے جنا ہے اللہ اُسے خُوب جانتا ہے اور بیٹا بیٹی کی طرح نہیں ہوتا اور میں نے اُس کا نام مریم رکھا اور میں اُسے

اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ

اور اُس کی اولاد کو شیطان مردُود سے بچا کر تیری پناہ میں دیتی ہوں ○ پھر اُسے اُس کے رب نے اچھی طرح سے قبول کیا

وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ

اور اُسے اچھی طرح سے بڑھایا اور وہ زکریا کو سونپ دی جب زکریا اُس کے پاس حجرہ میں آتے

وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ

تو اُس کے پاس کچھ کھانے کی چیز پاتے کہتے اے مریم! تیرے پاس یہ چیز کہاں سے آئی ہے وہ کہتی یہ اللہ کے ہاں سے آئی ہے

اِنَّ اللّٰهَ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ
اللہ جسے چاہے بے قیاس رزق دیتا ہے ○ زکریا نے وہیں اپنے رب سے دُعا کی کہا اے میرے رب!
هَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتۡهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ
مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بے شک تُو دُعا کا سُننے والا ہے ○ پھر فرشتوں نے اُس کو آواز دی
وَهُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیۡ فِی الۡمِحۡرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحۡیٰی مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ
جب وہ حُجرے کے اندر نماز میں کھڑے تھے کہ بے شک اللہ تجھ کو یحییٰ کی خُوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے ایک حکم کی
اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوۡرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوۡنُ
گواہی دے گا اور سردار ہوگا اور عورت کے پاس نہ جائے گا اور صالحین میں سے نبی ہوگا ○ کہا اے میرے رب! میرا لڑکا
لِیۡ غُلٰمٌ وَّقَدۡ بَلَغَنِیَ الۡكِبَرُ وَامۡرَاَتِیۡ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ
کہاں سے ہوگا حالانکہ میں بُڑھاپے کو پہنچ چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا اللہ اسی طرح
یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّیۡۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ
جو چاہتا ہے کرتا ہے ○ کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر فرمایا تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تُو لوگوں سے
ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ كَثِیۡرًا وَّسَبِّحۡ بِالۡعَشِیِّ وَالۡاِبۡكَارِ ﴿۴۱﴾ ع
تین دن سوائے اشارہ کے بات نہ کر سکے گا اور اپنے رب کو بہت یاد کر اور شام اور صبح تسبیح کر ○

افاداتِ محمود:

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ الخ

حدیث میں ہے:

من رائی ان یحبه فعلیه بصدق الحدیث واداء الامانه ولا یؤذی جاره الخ ○ (ترمذی)

جسے یہ بات بھلی لگی کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے تو اسے چاہیے کہ سچ بولے، امانت ادا کرے اور اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔

لیکن جو لوگ ایک ہی حجرے میں رہنے کے باوجود لڑ پڑیں (طلبہ کی طرف اشارہ ہے) تو پھر کیا حشر ہوگا۔

حدیث میں ہے:

من کان منکم یومن باللہ والیوم الاخر فلیحسن جاره.

جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

طلبہ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ میری پیالی میں چائے کیوں پی ہے؟ ارے ظالم اس سے آپ کا کیا نقصان ہوا؟ یہی تو ماعون ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ ''ہلاکت ہو نماز میں سستی کرنے والوں پر جو ریا کاری کرتے ہیں اور ماعون کو روکتے ہیں، حالانکہ استعمال سے برتن کم تو نہیں ہوتا۔

یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ الخ

صحیح مسلم میں حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے:

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله اذا احب عبدا دعا جبريل عليه السلام فقال انى احب فلانا فاحبه قال فيحبه جبريل ثم ينادى فى السماء فيقول ان الله يحب فلانا فاحبوه فيحبه اهل السماء قال ثم يوضع له القبول فى الارض الخ ٥

حضرت ابی ھریرہؓ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبریل کو بلا لیتے ہیں۔ اس سے ارشاد فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں سو تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ پس جبریلؑ اس سے محبت کرتا ہے پھر آسمان والوں کو اطلاع کر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں سو تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس بندہ کے لیے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے یعنی عام لوگوں میں وہ مقبول ہو جاتا ہے تو ''یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ'' یہ متضمن ہے محبت اہل اسماء و الارض کو اور اہل الارض کی محبت سے مراد صاحب عقل سلیم اور طبع مستقیم لوگ ہیں اور وہ ناشائستہ اور کمینے لوگ جن کو حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچے پیروکاروں سے محبت نہیں ہے، وہ حقیقت میں اہل الارض نہیں ہیں۔

دوران درس ایک عیسائی کا مشرف بہ اسلام ہونا:

(بوٹا مسیح حضرت کے سامنے ایمان لانے کی غرض سے دوزانو ہو کر بیٹھا تو حضرت مفتی صاحبؒ یوں گویا ہوئے)

تم اپنی مرضی سے خوشی سے مسلمان ہونا چاہتے ہو؟ (اس نے کہا جی ہاں) اچھا تو کہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں عبادت صرف اسی کے لیے ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ کہو میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام احکام پر ایمان لاتا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ نہ خود خدا ہیں، نہ خدا کے بیٹے ہیں۔ اب کلمہ پڑھیے۔

لا اله الا الله الخ ٥

اب تمہارا اسلامی نام بوٹا مسیح کی بجائے عبداللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضلال سے بچائے اور دین اسلام پر ثابت قدمی نصیب فرمائے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ الخ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ حضرت مریم کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ یہاں عمران سے مراد حضرت مریم کے والد ہیں۔

آج حضرت نوح علیہ السلام کے سوا کسی کی اولاد باقی نہیں ہے۔ یہ تمام پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا الخ ٥

حدیث میں ہے جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو ولادت کے وقت شیطان اس کو مس کرتا یعنی چھولیتا ہے۔ اب اس مس کرنے کا اثر کسی پر پڑتا ہے اور کسی پر نہیں پڑتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وابستہ ہے۔

حضرت مریم کی والدہ کی اس دعاء کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محفوظ کرلیا تھا۔ محفوظ کرنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

(۱) ایک یہ ہے کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شیطان نے بالکل مس نہ کیا ہو۔

(۲) دوسرا یہ ہے کہ مس تو کیا ہو، لیکن شیطان کے مس کرنے کے اثر سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگوں کو محفوظ رکھا ہو۔ دونوں صورتوں میں یہ ان دونوں بزرگوں کی جزوی خصوصیت ہوگی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے:

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مامن مولود یولد الانخسه الشیطان فیستهل صارخا من نخس الشیطان الا مریم وابنها وفی روایة الا ابن مریم و امه ثم قال ابو هریرة اقرأوان شئتم وانی اعیذها بک و ذریتها الخ ٥ (مسلم)

حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے ٹھنگا مارتا ہے اور شیطان کا ٹھنگا مارنے کی وجہ سے وہ بچہ اونچی آواز میں روتا ہے، سوائے حضرت مریم اور اس کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔

پھر حضرت ابوھریرۃؓ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو...... وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ الخ یعنی اس دعا کی برکت سے یہ دونوں حضرات شیطان کے اثر سے محفوظ ہو گئے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے......(**ان عبادی لیس لک علیهم سلطان** الخ)

(شیطان سے خطاب) بیشک جو میرے بندے ہیں، تو ان پر قابو نہیں پا سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی اس حفاظت کا اثر یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ کی نشونما بڑھ گئی اور وہ جسمانی طور پر ایک دن میں ایک سال

جتنا ترقی کرتے تھے۔

وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ای ضمها الیه ٥ یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ یہ حضرت زکریا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد ہیں اور حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر میں حضرت مریم کی خالہ تھیں۔ اس وجہ سے حضرت مریم کی کفالت کا انتظام وہاں کیا گیا۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا الخ

حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل ہوا کرتے تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

اس سے معلوم ہوا کہ کرامات اولیاء حق ہیں۔ کیونکہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔ یہ پھل کرامت کے طور پر یعنی خرق عادت طریقے سے ان کے پاس آتے رہے۔ کرامات اولیاء کا اصلی انکار آیات قرآنیہ کا انکار ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ عام مسلمانوں کو بھی سلام کیا جاتا ہے۔

ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً الخ

یہاں حضرت زکریا نے لڑکے کی دعا مانگی ہے کیونکہ سورہ مریم میں "رب هب لی من لدنک ولیا" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ آگے "یرثنی ویرث من اٰل یعقوب الخ" کے الفاظ آئے ہیں یہ صفات لڑکے کی ہیں لڑکی کی نہیں ہیں۔

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا الخ

یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات ہیں کہ سردار ہوں گے اور لذات وخواہشات نفسانیہ سے دور رہنے والے ہوں گے یعنی عبادات میں ایسا انہماک ہوگا کہ عورتوں کی طرف توجہ ہی نہیں ہوگی۔ یہ حضرت یحییٰ کا خصوصی حال ہے۔ یہ ضابطہ امت محمدیہ پر لاگو نہیں ہوتا، بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور شان تو یہ ہے کہ کمال معاشرت کے ساتھ کمال عبادت کا مظاہرہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عورت سے الگ رہنے اور شادی نہ کرنے کی اجازت چاہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں لو اجاز نالا ختصینا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اجازت فرما دیتے تو ہم خصی ہونے کو اپنا لیتے یعنی ہم ایسا کوئی عمل کر لیتے جس کے بعد عورتوں کے قابل ہی نہ رہتے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شادی شدہ رہنا پسند نہیں فرمایا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی (ابن ماجہ) نکاح میری سنت ہے اور جو میری سنت سے اعراض کرے گا، وہ مجھ

میں سے نہیں ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے:

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم (الترغیب والترھیب) نکاح ایسی عورتوں سے کرو کہ محبت کرنے والیاں اور زیادہ بچے جننے والیاں ہوں۔ بیشک میں (قیامت کے دن) تمہاری کثرت پر فخر کرونگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ **الحصور الذی لایات النساء المنوع من النساء** یعنی حصور کا معنی یہ ہے کو جو عورتوں کے پاس نہ جاتا ہو۔ اکثر صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ وہ عنین تھے **ای الذی یکف** جس شخص میں عورتوں کے پاس جانے کی صلاحیت نہ ہو لیکن **مع القدرۃ لایکون عنیناً** یعنی عورتوں کے پاس جانے کی قدرت کے باوجود نہ جانا وہ عنین نہیں کہلاتا اور یہی صورت نبی کے لیے زیادہ مناسب اور شایان شان ہے کیونکہ عنین ہونا عیب ہے۔ پیغمبر کے حق میں یہ بات مناسب نہیں ہے۔

وَّ قَدْ بَلَغَنِیَ الْكِبَرُ وَ امْرَاَتِیْ عَاقِرٌ الخ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے خود اللہ تعالیٰ سے لڑکا مانگا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے بشارت دے دی تو اب استبعاد فرما رہے ہیں؟ (۱) بعض مفسرین حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ اسی بڑھاپے میں اولاد ہوگی یا جوانی لوٹائی جائے گی؟

(۲) بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ حضرت زکریاؑ یہ پوچھتے رہے ہیں کہ اسی بانجھ بیوی سے اولاد ہوگی یا نئی شادی کرنی پڑے گی؟

(۳) چونکہ یہ بشارت دعا کے چالیس سال بعد آئی تھی، لہٰذا یہ استعبا د حقیقت پر مبنی ہے:

اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ الخ

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک شخص معذور ہے باتیں نہیں کر سکتا تو اشارہ فی حکم الکلام ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حبشی عورت سے پوچھا:

این اللہ فاشارت برا سھا الی السماء فقال اعتقھا فانھا مومنۃo

اللہ کہاں ہے؟ اس نے اپنے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا (یعنی الرحمٰن علی العرش استویٰ کی طرف اشارہ کیا) حضورؐ نے فرمایا اسے آزاد کر دو یہ مومنہ ہے۔

اس لیے اشارۃ الاخرس فی الطلاق والنکاح والبیوع جائز ہے۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے پسند کیا ہے اور تجھے پاک کیا ہے اور تجھے سب

عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ

جہان کی عورتوں پر پسند کیا ہے ○ اے مریم! اپنے رب کی بندگی کر اور سجدہ اور رکوع کرنے

مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ

والوں کے ساتھ رکوع کر ○ یہ غیب کی خبریں ہیں ہم بذریعہ وحی تمہیں اطلاع دیتے ہیں اور تو اُن کے پاس نہیں تھا

اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

جب اپنا قلم ڈالنے لگے تھے کہ مریم کی کون پرورش کرے اور تُو ان کے پاس نہیں تھا جبکہ وہ

يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ

جھگڑتے تھے ○ جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تجھ کو ایک بات کی اپنی طرف سے بشارت دیتا ہے

اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ

اُس کا نام مسیح عیسٰی بیٹا مریم کا ہوگا دُنیا اور آخرت میں مرتبے والا اور اللہ کے مقرّبوں میں سے

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ ۙ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ

ہوگا ○ اور جبکہ وہ ماں کی گود میں ہوگا تو لوگوں سے باتیں کرے گا اور جبکہ وہ اُدھیڑ عمر کا ہوگا اور نیکوں میں سے ہوگا ○ مریم نے

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ

کہا اے میرے رب! مجھے بیٹا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا فرمایا اِسی طرح اللہ جو چاہے

مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ

پیدا کرتا ہے جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کو یہی کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے ○ اور اس کو

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ ۚ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ

کتاب سکھائے گا اور دانش عطا فرمائے گا اور توریت اور انجیل ○ اور اُس کو بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گا

اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ

بے شک میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانیاں لے کر آیا ہوں کہ میں تمہیں مٹی سے

الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ

ایک پرندہ کی شکل بنا دیتا ہوں پھر اُس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اُڑتا جانور ہو جاتا ہے اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو

وَأُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ

اچھا کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مُردے زندہ کرتا ہوں اور تمہیں بتا دیتا ہوں جو کھا کر آؤ اور جو اپنے گھروں میں

فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۗ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا

رکھ کر آؤ اِس میں تمہارے لئے نشانیاں ہیں اگر تم ایمان دار ہو ○ اور مجھ سے پہلی

لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

کتاب جو تورات ہے اُس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور تا کہ تم کو وہ بعض چیزیں حلال کر دُوں جو تم پر حرام تھیں

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ إِنَّ اللّٰهَ

اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ○ بے شک اللہ ہی

رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّآ أَحَسَّ عِيْسٰى

میرا اور تمہارا رب ہے سو اُسی کی بندگی کرو یہی سیدھا راستہ ہے ○ جب عیسٰی نے بنی اسرائیل کا

مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِيْٓ إِلَى اللّٰهِ ۗ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ أَنْصَارُ

کفر معلوم کیا تو کہا کہ اللہ کی راہ میں میرا کون مددگار ہے حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں

اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا

ہم اللہ پر یقین لائے اور تُو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہونے والے ہیں ○ اے رب ہمارے! ہم اُس چیز پر ایمان لائے جو تُو نے نازل

الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ

کی اور ہم رسول کے تابعدار ہوئے سو تُو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے ○ اور اُنہوں نے خُفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خُفیہ تدبیر

الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

فرمائی اور اللہ بہترین خفیہ تدبیر کرنے والوں میں سے ہے ○

افاداتِ محمود:

وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الخ

یہاں سے پھر عود ہے، اصل مضمون یعنی، حضرت مریمؑ کے قصہ کی طرف۔ اس آیت میں جس فضیلت کا ذکر ہے وہ جزوی فضیلت ہے کہ مس بشر کے بغیر اللہ تعالیٰ نے بیٹا نصیب فرمایا۔ ورنہ بڑی بڑی ولیات گزری ہیں، حضرت مریمؑ سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **و فاطمة سيدة نساء اهل الجنة الخ** یعنی حضرت فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی۔ بعض حضرات تو حضرت فاطمہؓ کو مذکورہ حدیث کی وجہ سے تمام عورتوں سے افضل مانتے ہیں اور بعض حضرات حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو افضل مانتے ہیں جو والدہ ہیں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی۔ بہر حال سب کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں، بایں ہمہ سب متفق ہیں کہ افضلیت کے اعتبار سے مندرجہ بالا تینوں خواتین کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور حضرت مریمؑ کی فضیلت اس زمانہ کے عورتوں پر تھی، نہ کہ بعد والیوں پر۔ امام مسلمؒ نے ایک روایت نقل کی ہے:

عن ابی موسی الاشعری رضی الله عنه انه قال قال رسول الله عليه وسلم كمل من الرجال كثير ولا يكمل من النساء غير مريم بنت عمران واسية امراة فرعون و فی رواية و ان فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على الطعام٥

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں میں سے تو بہت سے لوگ کامل ہوئے ہیں، لیکن عورتوں میں سوائے حضرت مریمؑ اور حضرت آسیہ کے اور کوئی کامل نہ ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت کھانے پر۔

لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہؓ سابقہ ولاحقہ عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔

وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ یہاں جماعت کی نماز مراد نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جیسے رکوع والے رکوع کرتے ہیں **افعلي كفعلهم** تو بھی ان جیسا عمل کر۔

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ الخ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ولادت کے ذکر سے قبل ان کی والدہ کی فضیلت وشرافت کو ذکر کیا گیا تاکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے ذہنوں میں اس عظیم عورت کی طہارت، پاکبازی اور اپنے رب سے کمال وفاداری کا سکہ بیٹھ جائے اور کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ نفخ جبریل سے مراد اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق ہے، کیونکہ فرشتوں کی نسل افزائی یہاں مراد نہیں ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔ سورہ مریم میں ہے:

لا ھب لک غلاماً زکیا الخ ٥

یہاں سے باطل پرست لوگوں نے استدلال کیا کہ اگر جبریل بیٹا دے سکتا ہے تو پیر کیوں نہیں دے سکتے۔(العیاذ باللہ) حالانکہ حضرت جبریلؑ نے حکم خداوندی کی تعمیل کی، اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔

حَوَارِیُّوْنَ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفقاء کو یہ لقب اس لیے ملا کہ یہ لوگ یا تو خود سفید کپڑے پہنتے تھے یا دھوبی تھے۔لوگوں کے کپڑے دھو کر سفید کرتے تھے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْھُمُ الْکُفْرَ الخ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب عام لوگوں کا انکار دیکھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبہ کے لیے میرا معین و مددگار کون ہوگا؟ حواریین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی اقامت کے سلسلہ میں ہم آپ کے معین و مددگار ہوں گے۔

وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ الخ

انہوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی رد مکر کیا۔انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی سازش تیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی چال چلی۔اس لیے جب یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی غرض سے جمع ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک کمرہ میں تھے۔ان لوگوں نے ان کو گھیر لیا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا کہ کون ہے جو میری جگہ شہادت کے لیے تیار ہو؟ ایک جوان کھڑا ہوا اور اپنے آپ کو پیش کر دیا۔وفی روایۃ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ جو میری جگہ شہید ہو جائے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا تو ایک نوجوان کھڑا ہوا۔دوبارہ سوال ہوا تو پھر وہی کھڑا ہوا۔تیسری بار بھی وہی کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل عطا کر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا لیا۔یہودی جب اس کمرہ میں داخل ہوئے۔اس نوجوان کو دیکھا تو یہ سمجھے کہ یہ حضرت عیسیٰ ہی ہیں۔اسے شہید کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔اب قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نزول فرمائیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

واللہ لینزلن ابن مریم حکما و عدلا فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر ٥ (مشکوٰۃ)

اللہ کی قسم ابن مریم فیصلہ کرنے والے اور انصاف کرنے والے نازل ہوں گے۔سو صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے۔

ٹائی اور کف بھی علامت صلیب ہیں:

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ گلے میں زنار ڈالنا کفر کی علامت ہے۔ **شد الزنار علامۃ الکفر۔**

لیکن ٹائی لگانے والوں کا جو عمل ہے اس کو کفر اس وجہ سے نہیں کہتے کہ وہ فیشن کے طور پر لگاتے ہیں۔ان

لوگوں کو عقیدہ کا علم ہی نہیں ہے۔ٹائی لگانے والوں کو اس کا شعور نہیں ہوتا کہ یہ کیوں لگائی جاتی ہے، حالانکہ حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم ، جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے، وہ ان میں سے ہوگا۔آگے اللہ جانے۔بہرحال انگریزوں نے لباس میں بھی صلیب کی شکل بنائی اور بغیر بتلائے لوگوں کو انگریز بنادیا۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ

جس وقت اللہ نے فرمایا اے عیسٰی! بیشک میں تمہیں وفات دینے والا

مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا

ہوں اور تمہیں اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اور تمہیں کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور جو لوگ تیرے تابعدار ہوں گے اُنہیں

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ

ان لوگوں پر قیامت کے دن تک غالب رکھنے والا ہوں جو تیرے منکر ہیں پھر تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہوگا پھر میں تم میں

تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا

فیصلہ کروں گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے ○ سو جو لوگ کافر ہوئے اُنہیں دُنیا اور آخرت میں سخت عذاب

وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٥٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

دُوں گا اور اُن کا کوئی مددگار نہیں ہوگا ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے

فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٥٧﴾ ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ

اُنہیں اُن کا حق پُورا پُورا دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ○ یہ آیتیں ہم تمہیں پڑھ کر

الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن

سُناتے ہیں اور نصیحت حکمت والی ○ بے شک عیسٰی کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے اُسے مٹی سے بنایا

تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾

پھر اُسے کہا کہ ہوجا پھر ہوگیا ○ حق وُہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تُو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو ○

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ

پھر جو کوئی تجھ سے اِس واقعہ میں جھگڑے بعد اس کے کہ تیرے پاس صحیح علم آچکا ہے تو کہہ دے آؤ ہم

أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ

اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں بُلائیں پھر

نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ

سب اِلتجا کریں اور اللہ کی لعنت ڈالیں اُن پر جو جھوٹے ہوں ○ بے شک یہی سچا بیان ہے

الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ
اور اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی زبردست حکمت والا ہے ○ پھر اگر

تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ ع
پھر جائیں تو بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو جانتا ہے ○

افاداتِ محمود:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ الخ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مواعید اربعہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام سے چار وعدے فرمائے تھے۔

(۱) میں تجھ کو وفات دینے والا ہوں۔(۲) اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں (۳) اور کافروں سے بچا کر پاک کرنے والا ہوں۔(۴) اور آپ کے متبعین کو قیامت کے دن تک کافروں پر غالب رکھنے والا ہوں۔ یہ چار وعدے ہو گئے۔

لفظ توفی کی حقیقت:

(۱) اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ الخ کے متعلق ضحاک وغیرہ نے تو یہ لکھا ہے کہ اس میں تقدیم وتاخیر ہے رَافِعُكَ مقدم ہے اور مُتَوَفِّيْكَ موخر ہے۔ کیونکہ واؤ عاطفہ مطلق جمع کے لیے آتا ہے۔ لاللترتیب تو رفع الی السماء مقدم ہے اور لفظ توفی اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے جو کہ قرب قیامت میں ہوگا اور احادیث میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے، دجال کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے اور جزیہ ختم کر دیں گے۔ اس وقت صرف یہ معاملہ ہوگا۔

اما الا سلام و اما السیف.

یا تو اسلام قبول کیا جائے گا یا پھر تلوار کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جزیہ کا معاملہ نہیں ہوگا۔ کفار کے لیے موت یا قبول اسلام کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مجدد کی حیثیت سے آئیں گے، اگر چہ وہ بذاتہ نبی ہوں گے۔ یہ باتیں احادیث میں مذکور ہیں۔

(۲) ابن زید وغیرہ نے لکھا ہے یہاں ''متوفی'' بمعنی قابض ہے یعنی میں آپ کو پورا پورا لے لوں گا تو مفہوم یہ ہوگا کہ موت ابھی آپ پر طاری نہیں ہوئی۔ اس صورت میں توفی بمعنی موت نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں لفظ توفی کا اطلاق بدون الموت کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ الخ

اور وہی تو ہے جو رات کو تمہارے حواس قبض کرتا ہے۔ (سورہ انعام نمبر ۶۰)

یہاں توفی سے مراد نوم ہے۔ ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آیا جنت میں نیند ہوگی فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا' النوم اخو الموت جب جنت میں موت نہیں تو نوم بھی نہیں۔

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ الخ

عیسائیوں نے بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ (۱) ایک فرقہ کا خیال یہ ہے کہ وہ ہم میں سے نبی تھے، پھر آسمانوں پر اٹھا لیے گئے یہ عقیدہ صحیح ہے اور یہ فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے۔ (۲) دوسرے فرقے کا خیال ہے کہ کان فینا ابن الله یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام ہم میں اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے (العیاذ باللہ) رفعه الله اليه، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا ہے۔ اس فرقے کو فسطولیہ کہتے ہیں چنانچہ سورۃ صف پ ۲۸ میں ارشاد خداوندی ہے:

فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ الخ ○

تو ایمان لایا ایک فرقہ بنی اسرائیل میں اور منکر ہوا ایک فرقہ۔ (سورہ صف آخری آیت)

جو طائفہ صراط مستقیم پر تھا اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اور دوسرے طائفہ نے اسلام قبول نہ کیا، بلکہ ان کا کفر و عناد اور بڑھ گیا۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ الخ نصاریٰ کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑ رہا تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، بلکہ اکثر نصاریٰ و یہودی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی خرق عادت خلق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ لوگ یہ خرافات منہ سے نکالتے رہے کہ یوسف نجار نامی شخص حضرت عیسٰی کے والد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل دعوی و الزام تراشی کی تردید فرمائی۔ آگے مشبہ بہ حضرت آدم کو ذکر فرمایا کہ اگر بغیر والد کے پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کی دلیل ہے تو پھر حضرت آدمؑ کے حق میں یہ دلیل زیادہ اجلی و اصدق ہے، حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کسی نے ابن اللہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔

كَمَثَلِ اٰدَمَ یہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ دونوں کا خلق علی خلاف العادت تھا۔ حضرت آدمؑ بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے، لہٰذا یہ تشبیہ محض ہے۔ دونوں کا خلق على طريقة خرق العادة میں ہے اور مشبہ کا مشبہ بہ کے ساتھ من کل الوجوہ مشابہ ہونا لازم نہیں ہوتا۔ الشيئى قد يشبه الشيئى فى وصف واحد ایک چیز کی مشابہت دوسری کے ساتھ کبھی کبھی صرف ایک وصف میں ہوتی ہے۔ وبينهما فرق كبير حالانکہ ان دونوں میں بڑا ہی فرق ہوتا ہے۔ بہرحال یہاں اہل کتاب کی بھرپور تردید ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے محض اپنی قدرت سے بنایا اس کا اقرار کرتے ہو تو اس کے بعد کتنی گنجائش رہتی ہے کہ جو صرف بغیر

باپ کے پیدا ہوا، اس کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا جائے اور خدا کا بندہ ہونے سے انکار کیا جائے۔ گویا تم اشد و اثقل کو مانتے ہو اور اخف و اسہل (آسان بات) کو نہیں مانتے۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے؟

فَمَنْ حَآجَّكَ الخ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی ایک ایک دلیل رد فرمائی تو آخر میں فرمایا کہ اب بھی اگر تم مطمئن نہیں ہوتے ہو تو پھر مباھلہ کے لیے تیار ہو جاؤ مباھلہ، بھل سے ہے بھل یبھل باب فتح سے ہے۔ بھلہ ای لعنہ (۱) ایک تو یہ لفظ لعنت کے معنی میں آتا ہے۔ (۲) اور دوسرا دعاء، میں عاجزی و انکساری کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں۔

والبھل والا بتھال فی الدعا الا ستر سال فیہ و التضرع والباھل البعیر المخلی عن قیدہ الخ o

دعا میں بہل اور ابتہال کا مقصد یہ ہے کہ خوب عاجزی اور کھول کھول کر دعاء کی جائے۔ باہل وہ اونٹ جسے زنجیر یا رسی سے کھولا گیا ہو۔

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا الخ

یعنی جب بحث مباحثہ اور تبلیغ و دعوت کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں تو اب آخری حل یہ ہے کہ مباہلہ کرتے ہیں۔ ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو بلاتے ہیں۔ ایک میدان میں اکٹھے ہو جاتے اور آہ وزاری کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ و حسینؓ وفاطمہؓ کو ساتھ لے آئے۔ حضرت علیؓ بھی پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "ان ادعوفا منوا" یعنی جب میں دعا مانگوں تو آپ لوگ آمین کہنا۔ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ابناء الابناء (پوتے) اور ابناء البنات (نواسے) کو بھی ابناء کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ

وان ابنی ھذا سید

(حضرت حسنؓ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے) بیشک میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے وصیت کی لابناء فلان یعنی فلاں شخص کے بیٹوں کو یہ چیز دی جائے اور اتفاق سے اس شخص کے صلبی بیٹے نہ ہوں تو یہ وصیت کس کے حق میں نافذ ہوگی؟

ابناء الابناء (پوتوں کے حق میں) یا ابناء البنات یعنی نواسوں کے حق میں؟ تو فقہاء نے مسئلہ یہ لکھا ہے کہ یہ وصیت پوتوں اور نواسوں سب کے حق میں نافذ ہوگی اور وہ شیئ موصٰی بہ (وصیت کی گئی) سب میں مشترک ہوگی، لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"الوصیۃ لابن الابن لا لابن البنت"

یعنی مذکورہ بالا صورت میں وصیت پوتوں کے حق میں نافذ ہوگی اور اس میں نواسے شامل نہیں ہوں گے۔

بہر حال جب نصاریٰ کو مباہلہ کا چیلنج دیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم آپس کی مشاورت سے جواب دیں گے۔ مجلس مشاورت میں ان کے ہوشمند اور دانشمند لوگ کہنے لگے کہ اگر تم لوگوں کو یہ یقین ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی مرسل ہیں اور بنی اسماعیل میں جس نبی کے مبعوث کیے جانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ قیاساً یہی ہیں تو پھر ان کے ساتھ مباہلہ اور مجادلہ دنیوی و اخروی خسران سے خالی نہیں ہے، لہٰذا یہی بہتر ہے کہ ان سے صلح کر کے ان کو جزیہ دیا جائے۔ جب یہ لوگ باہر آ گئے تو اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن و حسین و فاطمہ و علی رضوان اللہ علیہم کے ہمراہ باہر تشریف لے آئے تھے۔ نصاریٰ کا لاٹ پادری کہنے لگا کہ میں ایسے نورانی چہرے دیکھ رہا ہوں کہ ان کی دعا سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے، لہٰذا ان کے ساتھ مقابلہ کرنے میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کے لیے آ جاتے تو وہ وادی جہاں کے یہ لوگ تھے۔ وہ ان پر آگ برساتی اور قہر خداوندی آگ کی شکل میں نازل ہو جاتا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى

کہہ اے اہلِ کتاب! ایک بات کی طرف

كَلِمَةٍ سَوَآءٍ ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ

آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ سوائے اللہ کے اور کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک

لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا

نہ ٹھہرائیں اور سوائے اللہ کے کوئی کسی کو رب نہ بنائے پس اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو گواہ رہو کہ

بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۞ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ

ہم تو فرمانبردار ہونے والے ہیں ۞ اے اہلِ کتاب! ابراہیم کے معاملہ میں کیوں جھگڑتے ہو

اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ هٰٓاَنْتُمْ

حالانکہ تورات اور انجیل تو اُس کے بعد اُتری ہیں کیا تم یہ نہیں سمجھتے ۞ ہاں! تم

هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ

وہ لوگ ہو کہ جس چیز کا تمہیں علم تھا اُس میں تو جھگڑیں پس اس چیز میں کیوں جھگڑتے ہو جس چیز کا تمہیں علم ہی نہیں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۞ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی

وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ اِنَّ اَوْلَى

لیکن سیدھے راستے والے مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے ۞ لوگوں میں

النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ

سب سے زیادہ قریب ابراہیم کے وہ لوگ تھے جنہوں نے اُس کی تابعداری کی اور یہ نبی اور جو اُس نبی پر ایمان لائے اور

وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا

اللہ ایمان والوں کا دوست ہے ۞ بعض اہلِ کتاب دل سے چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم کو گمراہ کر دیں اور

يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۞ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور نہیں سمجھتے ۞ اے اہلِ کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو

وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ
حالانکہ تم گواہ ہو ۝ اے اہلِ کتاب! جھوٹ کیوں ملاتے ہو سچ میں اور سچی بات کو
الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو ۝

ع ۱۵

افاداتِ محمود:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ الخ

یہاں سے پھر اہل کتاب کو دعوت دی جارہی ہے۔ یہ خطاب یہود و نصاریٰ دونوں کو ہے اور ممکن ہے کہ صرف نصاریٰ کو ہو۔ کیونکہ آپؐ کے پاس نجران سے جو وفد آیا تھا وہ صرف نصاریٰ پر مشتمل تھا، حاصل یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد نجران سے فرمایا کہ اسلموا یعنی اسلام لے آؤ تو وہ کہنے لگے کہ اسلمنا یعنی ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی کہ تمہارا مسلمان ہونے کا دعویٰ وہ اس صورت میں سچا ہوسکتا ہے کہ اس دعوے کے حقیقی تقاضے پورے کیے جائیں اور اندر کے خبث سے اس میں کوئی تبدیلی وتحریف نہ کی جائے، ورنہ توحید کے دعوے کے ساتھ کسی نبی کو خدا کا بیٹا قرار دے دینا اور کسی کو حلال وحرام قرار دینے کے اختیارات کا مالک سمجھنا یہ کہاں کی توحید ہے؟ تم توحید کے دعویٰ میں سچے بن جاؤ تو تم کامران ہو جاؤ گے۔ نصاریٰ ایک طرف تو عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ مان کر سخت قسم کا شرک کرتے تھے۔ مزید برآں اپنے احبار ورہبان کو حلال کو حرام کرنے اور حرام کو حلال کرنے اور دین میں تبدیلی اور اضافے کا اختیار دیتے تھے اور اندھے ہو کر ان کی پیروی کرتے تھے۔ یہ سب دعویٰ توحید کی نفی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل روم کو جو والا نامہ لکھا تھا، اس میں بھی یہی آیت لکھوائی تھی:

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله الى هرقل عظيم الروم سلم على من اتبع الهدى

اما بعد فاني ادعوک بدعاية الاسلام اسلم تسلم واسلم يوتک الله اجرک مرتين فان توليت فان عليک اثم الاريسيين وياأهل الكتاب الخ ۝ (بخاری)

یہ خط ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ہرقل کی جانب جو روم کا بڑا شخص ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ اما بعد میں تجھ کو دعوت دیتا ہوں اس کلمے کی جو اسلام کی طرف لانے والا ہے (یعنی کلمہ طیبہ کی) اسلام لے آؤ سلامت رہو گے اور اسلام لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں دہرا اجر عطاء کرے گا۔

جیسا کہ اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اولٰئیک یوتون اجرھم مرتین الخ پس اگر تو اسلام سے روگردانی کرے گا تو کاشت کاروں یعنی تمام پبلک ورعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا (کیونکہ تیرے اتباع میں وہ اسلام سے دور رہیں) اور اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں مسلم ہے۔ وہ یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی شخص کی عبادت نہ کریں اور نہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک گردانیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب اور معبود نہ بنائیں۔ حضرت نانوتویؒ کی کتاب تقریر دلپذیر اسی آیت کی تفسیر ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ توحید تمام دنیا کا متفقہ عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ اسلام میں اپنی احسن شکل میں موجود ہے۔ اس لیے تمام دنیا کی فلاح اسلام قبول کرنے میں ہے۔ پس اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ ہرقل نصرانی تھا اور روم کا بادشاہ تھا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خطاب صرف نصاریٰ سے ہے، لیکن اگر اس خطاب کو عام قرار دیا دیا جائے تو فائدہ بڑھ جائے گا۔

وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا الخ

یہود نے احبار اور نصاریٰ نے رھبان کو ارباب بنالیا تھا یعنی ان کو تحریم وتحلیل کا اختیار دے دیا تھا، حالانکہ یہ اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک الخ ٥ گویا اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دینے کا اختیار نبی کو بھی حاصل نہیں ہے، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ نے احبار ورہبان کو نبی تو نہیں بنایا، بلکہ احبار و رھبان ہی رہنے دیا۔ صرف ان کو اللہ تعالیٰ والے اختیارات سونپ دیئے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ پر طبری کا اعتراض اور اس کا جواب:

یہاں طبری نے امام ابوحنیفہؒ کے قیاسات واستحسانات پر اعتراض کیا ہے کہ یہاں تو حنفیوں نے امام ابوحنیفہؒ کو بھی رد کر دیا کیونکہ وہ بھی قیاسات کے ذریعہ حلال وحرام کا حکم لگاتے ہیں؟ لیکن (العیاذ باللہ) ابوحنیفہ کے ہاں کوئی ایسا قیاس نہیں ہے جو کسی نص کے مدمقابل ہو اور اس سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دیا گیا ہو۔ امام ابوحنیفہؒ نے جب بھی قیاس کیا تو سند شرعی کے ساتھ کیا اور یہ ہر امام کے لیے جائز ہے۔ قیاس کا قانون یہ ہے کہ قیاس کے لیے مقیس علیہ منصوص ہوتا ہے اور قیاس اس چیز کو کیا جاتا ہے جس کے متعلق براہ راست نص موجود نہ ہو۔ اس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ اگر کسی چیز کی حلت یا حرمت سے متعلق حکم درکار ہو اور یہ شیئ منصوص نہ ہو پھر اس کے متعلق صحابہ کرامؓ کے قضایا میں بھی کوئی فیصلہ موجود نہ ہو تو اس کی جہت حلت وحرمت کو اچھی طرح پرکھنے کے بعد اس کو کسی حلال چیز پر قیاس کر کے اس کے حلال ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا یا حرام چیز جو منصوص ہو، پر قیاس کر کے اس کی حرمت کا حکم دیا جائے گا۔ یہ تو پوری امت مسلمہ کا مسلمہ طریقہ ہے، لیکن بعض لوگوں کو امام ابوحنیفہؒ کے نام سے ہی

تکلیف ہوتی ہے۔

ربوا کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے اس کی علت نہیں بتائی، بلکہ فرمایا کہ "والفضل ربوا" یعنی سونا سونے کی مقابلہ میں، چاندی چاندی کے مقابلہ میں، یہ معاملہ ہاتھ در ہاتھ ہونا چاہیے اور دونوں طرف سے برابر برابر ہونا چاہیے۔ نہ اضافہ جائز ہے، نہ ادھار جائز ہے۔ اب یہاں اشیاء ستہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اجتہاد کے ذریعہ اس حکم کی علت قدر وجنس کو قرار دے دیا۔ امام اعظمؒ کی طرح امام شافعیؒ نے جو علت استنباط فرمائی ہے وہ طعم اور ثمنیت ہے۔ چار چیزوں میں علت طعم ہے اور سونا چاندی میں علت ثمنیت ہے۔ بعض دیگر حضرات نے علت ربوا الادخار کو قرار دے دیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قیاس ایک شرعی حکم ہے اور اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ القیاس مظھر لا مثبت ہو یعنی قیاس حکم شرعی کو ظاہر کرنے والا ہے۔ ثابت کرنے والا نہیں ہے۔ حلت وحرمت یا جواز وعدم جواز کو محض قیاس سے ثابت نہیں کیا جاتا، صرف استنباط کیا جاتا ہے۔ ثابت تو اس کو نص سے کیا جاتا ہے، نہ کہ قیاس سے۔ قیاس سے اسے منصوص مقیس علیہ کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ ذریعہ اثبات نص ہے، نہ کہ قیاس۔

فثبت بذالک ان قیاسات ابی حنفیۃ لا تثبت التحلیل و لا التحریمo

مندرجہ بالا ضابطہ بیان ہونے کے ساتھ یہ بات واضح ہوگئی کہ امام اعظمؒ کے قیاسات سے نہ کسی چیز کی حلت کا حکم دیا جاسکتا ہے، نہ حرمت کا۔ وہ قیاسات صرف مظہر ہیں۔ حلت وحرمت کا تعلق نص سے ہوتا ہے جو کہ مقیس علیہ میں ہوتا ہے، لہٰذا یہ الزام صرف اختراع ہے مجتہدین پر اور بس۔

هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ الخ

یہود ونصاریٰ کا جس طرح یہ دعویٰ تھا کہ ہم توحید واسلام میں مشترک ہیں۔ اسی طرح یہ دعویٰ تھا کہ ہم حقیقی معنی میں ملت ابراہیمیہ پر ہیں۔ مارے حماقت کے یہود کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نصاریٰ کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم نصرانی تھے، حالانکہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ پھر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ میں ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ گویا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰ میں دو ہزار سال کا فاصلہ تھا۔ بعض باتیں ایسی تھیں جن کا ان لوگوں کو تھوڑا بہت علم تھا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق بشارتیں وغیرہ، لیکن حضرت ابراہیمؑ کو اپنی صفوں میں لا کھڑا کرنا اور اپنی انا پر حق و ناحق کی بات کو مستحکم کرنے کے لیے یہ دعویٰ کرنا کہ ان کی ملت حضرت ابراہیمؑ کی ہی ملت ہے اور یہی ان کا طریقہ ہے۔ یہود کی اختراع ذہنی تھی جس کا کوئی ثبوت تھا نہ کوئی دلیل:

اِنَّ ھذا لعمری فی الفعال بدیع

محاجہ یعنی دلیل کا مقابلہ کرنا۔

بات وہاں کرنی چاہیے جس موضوع سے متعلق انسان کو کچھ علم حاصل ہو۔ بغیر علم کے خیالی گھوڑے دوڑانا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اپنے بیٹے کے نسب سے انکار کر دیا اور کہا کہ

ولدلی غلام اسود فقال هل لک من ابل قال نعم قال ما الوانها قال حمر قال هل فیها من اورق قال نعم قال فانٰی ذالک قال لعل نزعه عرق قال فلعل ابنک هذا نزعه (بخاری)

میرے ہاں سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟ کہنے لگا ہاں۔ آپؐ نے پوچھا ان کا رنگ کیسا ہے؟ جواب دیا سرخ ہے۔ آپؐ نے پھر پوچھا کہ ان میں خاکستری رنگ کے اونٹ ہیں؟ کہنے لگا ہاں۔ آپؐ نے فرمایا یہ درمیان میں کیسے آ گئے؟ وہ شخص بولا شاید یہ رنگ انہوں نے اپنے بڑے سے اخذ کیا ہو۔ (یعنی اپنی نسل کے پرانے اونٹوں نر یا مادہ کے رنگ پر گئے ہوں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شاید یہ بچہ بھی اپنے بڑوں پر گیا ہو یعنی ددھیال یا ننھیال میں کوئی اس رنگ کا ہوگا جس کی وجہ سے اس نے وہی رنگت اختیار کی۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جس مٹی سے ہوئی اس میں ہر رنگ کی مٹی شامل تھی جس کی وجہ سے انسانوں کی رنگتوں میں فرق ہوتا ہے۔ اپنے موجودہ والدین کی رنگت کے بجائے کوئی اس اصل کی طرف جا سکتا ہے۔ بہر حال بات کسی دلیل سے کرنی چاہیے، محض رنگ کی وجہ سے بچے کے نسب کا انکار کرنا غیر معقول ہے، اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کی طرف بغیر کسی علم و دلیل کے یہودیت و نصرانیت کی نسبت کرنا غلط ہے۔

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ الخ

حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ، خاندانی اعتبار سے، دین اور ملت کے اعتبار سے، سب سے زیادہ مناسبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اسی وجہ سے بادشاہ نجاشی جو مذہباً نصرانی تھا، مہاجرین حبشہ کو ''حزب ابراہیم'' کہا کرتا تھا۔ ''وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ'' ایک بار حضور نے فرمایا:

ان لکل نبی ولاۃ من النبین وان ولیّ منهم ابی خلیل الرحمن۔

بیشک ہر نبی کے لیے انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی دوست ہوتا ہے اور بیشک میرا دوست ان میں سے میرے اور اللہ تعالیٰ کے دوست حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ پھر آپؐ نے بطور دلیل یہ آیت پڑھی۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ

اور اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت نے کہا جو کچھ مسلمانوں پر اُترا ہے

عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا

اُس پر صبح ایمان لاؤ اور شام کو اُس سے اِنکار کردو شاید کہ وہ بھی پھر جائیں ○ اور اپنے

تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ

مذہب والے کے سوا کسی کی بات نہ مانو ان سے کہہ دو کہ بیشک ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے اور یہ بات نہ مانو کہ

مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ

کوئی شخص دیا جاسکتا ہے مثل اِس کے کہ تم دیئے گئے ہو یا کوئی گروہ خدا کے ہاں تم پر الزام قائم کرسکتا ہے ان سے کہہ دو کہ فضل اللہ

یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

کے اختیار میں ہے جسے چاہے وہ دیتا ہے اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے ○ جسے چاہے اپنی مہربانی سے خاص کرتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ

اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○ اور اہلِ کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ اگر تُو اِن کے پاس ایک ڈھیر مال کا امانت رکھے

یُّؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ

وہ تجھ کو ادا کردیں اور بعضے ان میں سے وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھے تو بھی تجھے واپس نہیں کریں گے ہاں

عَلَیْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ

جب تک کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے یہ اس واسطے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر اَن پڑھ لوگوں کا حق لینے میں کوئی گناہ نہیں اور اللہ

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى

پر وہ جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں ○ گناہ کیوں نہ ہوگا جس شخص نے اپنا عہد پُورا کیا اور اللہ سے ڈرا

فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ

تو بیشک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے ○ بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے

ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا

حقیر مُعاوضہ لیتے ہیں آخرت میں اُن کا کوئی حصّہ نہیں اور اُن سے اللہ کلام نہیں کرے گا اور

يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۞ وَإِنَّ
قیامت کے دن اُن کی طرف نہ دیکھے گا اور اُنہیں پاک بھی نہ کرے گا اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے ۞ اور بے شک
مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا
ان میں سے ایک جماعت ہے کہ کتاب کو زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں تاکہ تم یہ خیال کرو کہ وہ کتاب میں سے ہے
هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ
حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے ہاں سے
اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۞ مَا كَانَ لِبَشَرٍ
نہیں ہے اور اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں ۞ کسی انسان کے لئے
أَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا
یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ اُسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ
عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ
اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ لیکن کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ اِس لئے کہ تم اللہ کی کتاب
الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۞ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ
سکھاتے ہو اور اس واسطے کہ تم پڑھتے ہو ۞ اور نہ یہ جائز ہے کہ تمہیں حکم کریں کہ تم فرشتوں
وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۞
اور نبیوں کو رب بنالو کیا وہ تمہیں کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو ۞

افاداتِ محمود:

یہود کی اسلام کے خلاف ایک خطرناک چال:

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ الخ

کعب بن اشرف اور بعض دیگر یہودیوں نے یہ سازش کی کہ دن کے ابتدائی حصہ میں ہم لوگوں میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مسلمانوں میں رل مل جائیں اور شام کے وقت پھر کفر کا اظہار کر دیں تاکہ ضعیف الاعتقاد نومسلم ہم لوگوں کو دیکھ کر دین اسلام سے برگشتہ ہو جائیں کیونکہ ہم تو سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب ہم برگشتہ ہوں گے تو

لوگ سمجھیں گے کہ یہ لکھے پڑھے اور اہل کتاب لوگ ہیں۔ یہ اسلام سے پھر گئے تو اسلام میں ضرور کوئی عیب و نقصان ہے۔اس طرح شاید کچھ لوگ واپس ہو جائیں۔

زندگی کا ایک اصول ہے کہ ایک شخص اگر بہت بڑا یا چھوٹا لیڈر ہو،لیکن وہ واقع میں سچا آدمی ہو تو جو کچھ اس کے دل میں ہوتا ہے، وہی اس کی زبان پر ہوتا ہے۔ یہ شخص کامیاب ہوگا۔اس کی علامت یہ ہے کہ جو شخص اس کے قریب ہو جاتا ہے اس کے دل میں اس کی محبت بڑھتی ہے۔اس طرح لوگ اس کے جاں نثار بن جاتے ہیں اور اس کے مقربین و متعلقین میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے۔قریب والوں کو عین الیقین ہوتا ہے۔ان لوگوں میں اتباع کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ اگر اس کے پاس سے قریب کے اچھے لوگ بھاگ جائیں اور تھرڈ کلاس لوگ قریب ہونا شروع ہو جائیں تو سمجھ لو کہ یہ غلط آدمی ہے۔

اب ہمارے اکابر پر نظر ڈالیے جیسے حضرت شیخ الہند، حضرت مدنیؒ ، مفتی کفایت اللہ دہلوی اور دیگر اکابر تھے۔ جو شخص ان کے قریب ہوا، وہ ان اکابر کا اتنا محبّ اور جان نثار بنا کہ ان حضرات کے ایک اشارے پر جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے ہمہ وقت، ہمہ تن تیار ہو گیا۔دوسری طرف مودودی صاحب کو دیکھ لیں۔عموماً نیم خواندہ اور کم علم لوگ ان سے متعلق ہوتے ہیں۔امین احسن اصلاحی جماعت اسلامی کے بانی رُکن اور نائب امیر تھے۔ان کے علاوہ مولانا عبدالغفار حسن، عبدالجبار غازی، سردار اجمل لغاری، مولانا عبدالرحیم اشرف اور بہت سارے دوسرے لوگ جماعت اسلامی میں مدتوں شامل رہے۔ یہ لوگ جماعت میں مودودی صاحب کے قائم مقام بنتے رہے مگر ایک وقت آیا کہ انہوں نے جماعت کو نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ اپنی ماضی کی زندگی پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔ جماعت اسلامی کے ساتھ اپنے گزرے سالوں کو ایک غلطی ٹھہرایا۔ سیاسی جماعتوں میں لوگ روزانہ وفاداریاں بدلتے ہیں۔کسی کی وفا میں استقامت نہیں۔بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ لوگ اپنی پارٹیوں میں سالہا سال صرف مفاد اور خود غرضی کے لیے براجمان تھے۔آخر کوئی بات تو ہو راتوں رات وفاداریاں بدلنا کہاں کی اخلاقیات ہے۔

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ الخ

یہاں سے یہود اور اہل کتاب کی مالی بددیانتی کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ بعض ان میں ایسے ناعاقبت اندیش ہیں کہ دینی بددیانتی کے ساتھ مالی بددیانتی بھی کرتے ہیں اور جو ایک روپے امانت کی حفاظت نہ کر سکے اور ادائیگی کے وقت لیت ولعل سے کام لے۔ بھلا دینی واعتقادی معاملات میں اس پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے؟

رَبّٰنِيّٖنَ الخ، ربانی یعنی منسوب الی الرب ٥ جیسا کہ مولوی منسوب الی المولیٰ ہے یعنی مولیٰ والا بخلاف مولینا کے کہ اس کا معنی ہے ہمارا سردار۔

ایک جگہ حدیث میں ہے الربانی الذی یربی الناس یعنی ربانی وہ ہے جو درس وتدریس کے ذریعہ لوگوں کی تربیت کرے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس سے مراد حکماء، حلماء اور علماء ہیں۔

وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ﴿۷۹﴾

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اصل میں ربانی ربی سے بنا ہے، الف اور نون کا اضافہ مبالغہ کے لیے ہے۔ جیسے جمۃ جمان یعنی گدی کے بال والے اور جیسے بڑی داڑھی والے کولحیانی کہتے ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کو جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی دعوت دی تو بعض اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی ویسی پرستش کریں جیسی پرستش حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی، کی جاتی ہے تو اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ ایسا کب ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو رعایا کی ہدایت کے لیے منتخب فرمادے اور وہ خود گمراہ ہو جائے یا دوسروں کو گمراہ کرے (العیاذ باللہ) بلکہ وہ تو لوگوں سے ٹھیک ٹھیک وہی باتیں کہے گا جن کے لیے وہ مبعوث کیا گیا ہے۔

الفاظ میں احتیاط کا حکم:

لفظوں کے استعمال میں بھی احتیاط سے کام لینا چاہیے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

لايقولن احد كم عبدى و امتى كلكم عبيد الله و كل نسا ئكم اماء الله و لكن ليقل غلامى و جاريتى وفتاى وفتاتى ولا يقل العبد ربى و لكن ليقل سيدى (مسلم)

تم میں سے کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ عبدی وامتی کیونکہ تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری عورتیں اللہ تعالیٰ کی بندیاں ہیں لیکن غلامی اور جاریتی کہا کرو، یا فتای وفتاتی کہا کرو، (ایک اور روایت میں ہے) کوئی غلام اپنے آقا کو رب نہ کہے، بلکہ سیدی کہا کرے۔

شرک کے شائبہ کی وجہ سے ہی ملک الملوک یعنی شہنشاہ کہنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا انبیاء کی شان سے یہ بات بہت بعید ہے کہ لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائیں یا ان کو اپنی بندگی کا حکم کریں (العیاذ باللہ)

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا اور البتہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور علم سے دوں پھر

جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

تمہارے پاس پیغمبر آئے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے البتہ اُس پر ایمان لے آنا اور البتہ اُس کی مدد کرنا

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ

فرمایا تم نے اِقرار کیا اور اِس شرط پر میرا عہد قبول کیا اُنہوں نے کہا کہ ہم نے اِقرار کیا اللہ نے

فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

فرمایا تو اب تم گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں ۝ پھر جو کوئی اُس کے بعد

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي

پھر جائے تو وہی لوگ نافرمان ہیں ۝ کیا اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین تلاش کرتے ہیں حالانکہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا

جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے یا لاچاری سے سب اُسی کے تابع ہے اور اس کی طرف لوٹائے جائیں گے ۝ کہہ دو ہم

بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ

اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ ابراہیم اور اِسمٰعیل اور

اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ

اِسحٰق اور یعقوب اور اُس کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو کچھ موسٰی اور عیسٰی اور سب نبیوں کو

مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ

اُن کے رب کی طرف سے ملا ہم اُن میں سے کسی کو جدا نہیں کرتے اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں ۝ اور

مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ

جو کوئی اِسلام کے سوا اور کوئی دین چاہے تو وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ

والوں میں سے ہوگا ۝ اللہ ایسے لوگوں کو کیونکر راہ دکھائے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

اور گواہی دے چکے ہیں کہ بے شک یہ رسُول سچّا ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں آئی ہیں اور اللہ ظالموں کو

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۶ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ

راہ نہیں دکھاتا ○ ایسے لوگوں کی یہ سزا ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں اور

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۸۷ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

سب لوگوں کی لعنت ہو ○ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُن سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝۸۸ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ

اور نہ وہ مُہلت دیئے جائیں گے ○ مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور نیک کام کئے

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۸۹ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا

تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ بے شک جو لوگ ایمان لانے کے بعد منکر ہو گئے پھر انکار میں

كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ۝۹۰ اِنَّ الَّذِيْنَ

بڑھتے گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وُہی گمراہ ہیں ○ بے شک جو لوگ

كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ

کافر ہوئے اور کُفر کی حالت میں مر گئے تو کسی ایسے سے زمین بھر کر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا

ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ

اگرچہ وہ اس قدر سونا بدلے میں دے اُن لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور اُن کا کوئی

نّٰصِرِيْنَ ۝۹۱

مددگار نہیں ہو گا ○

افاداتِ محمود:

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا الخ

حارث ابن سوید اپنی قوم کا سردار تھا۔ وہ مسلمان ہو گیا تھا پھر مرتد ہو کر (العیاذ باللہ) مشرکین مکہ سے جا ملا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ کسی نے اس کو سنائی تو کہنے لگا کہ مجھے یقین نہیں آتا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آیت سننے کے بعد اس نے لوگوں سے کہا کہ اگر میں مسلمان ہو جاتا ہوں تو کیا میری توبہ قبول ہو

جائیگی؟ تب اس کو توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سنائی گئی۔ وہ پھر مسلمان ہوا اور زندگی بھر اچھا مسلمان رہا۔ آیت کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کو ہدایت نہیں ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آگے استثناء بیان فرمایا ہے، حدیث میں ہے:

جیئ بالکافر یوم القیامۃ فیقال لہ لو کان لک ملاء الارض ذھبا اکنت تفدی بہ یقول نعم فیقال لہ قد کنت سئلت ماھو ایسر من ذالکo (تفسیر ابن کثیر)

قیامت کے دن کافر کو لایا جائیگا پس اس سے کہا جائیگا کہ اگر تیرے پاس زمین بھر کر سونا ہوتا تو کیا اس کو عذاب سے چھٹکارا کے عوض فدیہ میں دیدیتا؟ وہ کہے گا جی ہاں، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تجھ سے اس سے بھی ایک آسان بات کا مطالبہ ہوا تھا (لیکن تو نے نہ کیا) کیونکہ ایمان لانا آسان تھا بنسبت اتنے بڑے سونے کے ڈھیر خرچ کرنے اور فدیہ دینے کے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

ہرگز نیکی میں کمال حاصل نہ کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز سے کچھ خرچ کرو اور جو چیز تم خرچ کرو گے بے شک اللہ

بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ

اسے جاننے والا ہے ۝ بنی اسرائیل کے لئے سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں مگر وہ چیز جو اسرائیل نے

عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ

تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کی تھی کہہ دو تورات لاؤ اور اسے پڑھو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

اگر تم سچے ہو ۝ پھر جس شخص نے اس کے بعد اللہ پر جھوٹ بنایا

فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ

وہی بڑے بے انصاف ہیں ۝ کہہ دو اللہ نے سچ فرمایا ہے اب ابراہیم کے دین کے تابع ہو جاؤ جو ایک ہی کے

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ

ہو گئے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے ۝ بے شک لوگوں کے واسطے جو سب سے پہلا گھر مقرر ہوا یہی ہے جو مکّہ میں برکت

مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ وَمَنْ

والا ہے اور جہان کے لوگوں کے لئے راہ نما ہے ۝ اس میں ظاہر نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں

دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ

داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے اور لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا اللہ کا حق ہے جو شخص اس تک پہنچنے کی

سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ

طاقت رکھتا ہو اور جو انکار کرے تو پھر اللہ جہان والوں سے بے پرواہ ہے ۝ کہہ دو اے اہلِ کتاب

لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ یٰۤاَهْلَ

اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر گواہ ہے ۝ کہہ دو اے اہلِ

الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ

کتاب اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو اس شخص کو جو ایمان لائے اس میں عیب ڈھونڈتے ہو اور تم

شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ
خود جانتے ہو اور تمہارے کام سے اللہ بے خبر نہیں ہے ○ اے ایمان والو اگر
تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾
تم اہل کتاب کی کسی جماعت کا بھی کہا مانو گے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر کر دیں گے ○
وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَ
اور تم کس طرح کافر ہو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور اس کا رسول تم میں موجود ہے اور
مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع
جو شخص اللہ کو مضبوط پکڑے گا تو اُسے ہی سیدھے راستے کی ہدایت کی جائے گی ○

افاداتِ محمود:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ

كان ابو طلحة اكثر الانصار مالاً بالمدينة وكان احب امواله اليه بير حاء وكانت مستقبلة المسجد وكان النبى صلى الله عليه وسلم يدخلها ويشرب من ماء فيها طيب قال انس فلما نزلت (لن تنالوا البرحتى تنفقوا مما تحبون) قال ابو طلحة يارسول الله ان الله يقول لن تنالو الخ وان احب اموالى الى بيئر حاء وانها صدقة لله ارجو بها برها وذخر ها عندالله تعالى فضعها يا رسول الله حيث اراک الله فقال النبى صلى الله عليه وسلم بح بح ذاک مال رابح ذاک مال رابح و قد سمعت وانا ارىٰ ان تجعلها فى الاقربين فقال ابو طلحة افعل يا رسول الله فقسمها ابو طلحة فى اقاربه و بنى عمه (تفسیر ابن کثیر)○

حضرت ابوطلحہؓ مدینہ منورہ کے انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور ان کو اپنے تمام مال و جائیداد میں سے بئر حاء زیادہ محبوب باغ تھا جو کہ مسجد نبوی کے سامنے تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے آتے اور پانی نوش فرماتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب لن تنالوا البرالخ والی آیت نازل ہوگئی تو حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کی اے اللہ کے رسول اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لن تنالوا البرالخ میرا محبوب ترین مال بیرحاء والا باغ ہے وہ اللہ کے لیے صدقہ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ مجھ کو اس کے عوض بر ملے گا جس کا اللہ تعالیٰ

نے آیت بالا میں وعدہ فرمایا ہے اور یہ میرے لیے ذخیرۂ آخرت ہوگا تو اے اللہ کے نبی آپؐ جہاں مناسب سمجھیں اس کو خرچ کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ واہ واہ، وہ تو بہت ہی نفع والا مال ہے۔ وہ تو بہت ہی نفع والا مال ہے۔ میں نے آپ کی بات سن لی، لیکن میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے عزیز و اقارب پر خرچ کرو۔ حضرت ابو طلحہؓ نے کہا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے اس کو اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم فرمادیا۔

اس باغ میں ایک کنواں بھی تھا جس کا پانی اس باغ کو لگتا تھا اور حضرت ابوطلحہؓ نے باغ اور ساتھ ہی کنواں بھی اللہ کی رضا کے لیے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت ابوطلحہؓ کے چچازاد بھائیوں میں حضرت حسان ابن ثابت اور حضرت ابی ابن کعبؓ بھی شامل تھے۔

مدینہ منورہ کے چھ کنویں:

(۱) بیئر حاء یہی ابوطلحہ والا (۲) بیئر بضاعۃ، ثقیفہ بنی ساعدہ میں جہاں حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کا فیصلہ ہوا تھا۔ (۳) بیئر رومہ اس کو بیئر عثمانؓ بھی کہتے ہیں۔ (۴) بیئر اویس قباء میں (۵) بیئر لقبہ نخلستان میں (۶) بیئر غرس، یہ اب بھی ہے، لیکن پانی ناصاف ہے۔ اُس وقت باقی سارا پانی کھارا تھا اور بیئر رومہ کا پانی میٹھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو اسے مسلمانوں کی ضرورت کے لیے خریدے گا تو اس کے عوض جنت ملے گی۔ حضرت عثمانؓ نے پہلے تو آدھا کنواں خریدا۔ اب پانی کی باری لگ گئی۔ مسلمان ایک دن میں دودنوں کا پانی جمع کر لیتے تھے کیوں کہ حضرت عثمان نے آدھا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف فرمادیا۔ اس طرح یہود کا کاروبار ٹھپ ہوگیا۔ پھر بقیہ آدھا کنواں بھی بیچ دیا حضرت عثمان نے بقیہ آدھا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف فرمادیا اور مسلمانوں کو وافر اور میٹھا پانی میسر آ گیا۔ (۲) صحیحین میں ہے حضرت فاروق اعظمؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی میرا محبوب ترین مال وہ ہے جو خیبر میں مجھ کو بطور حصہ ملا ہے۔ فرمائیے میں اسے کیسے خرچ کروں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اصل اپنے پاس رہنے دو اور اس کا منافع اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ (۳) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو جب مندرجہ بالا آیت ذہن نشین ہوگئی تو میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے مجھے کونسا مال پسند ہے؟ تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ رومی لونڈی جو مجھ کو حصہ میں ملی ہے سب سے زیادہ وہی پسند ہے لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔ (۳) حضرت زید ابن الحارثؓ کا ایک پسندیدہ گھوڑا تھا وہ بھی اللہ کی رضا کے لیے دے دیا تھا۔ (۴) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مشک خرید کر مشک ہی اللہ کی راہ میں دیا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ جناب آپ یہ رقم ہی کیوں نہیں دے دیتے تو فرمایا کہ مجھ کو تمام چیزوں

سے مشک ہی زیادہ پسند ہے، لہٰذا اسی کو دینا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں۔

''البر'' بعض نے کہا کہ اس سے مراد جنت ہے اور بعض نے کہا کہ ثواب البر، یعنی نیک عمل کا ثواب مراد ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا الخ

یہودی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو کہا کرتے تھے کہ تم لوگوں کو دعویٰ ہے کہ ہم ملت ابراہیمی پر قائم ہیں اور ہم لوگوں کو بھی ملت ابراہیمیؑ پر ہونے کا دعویٰ ہے' ہمارا دعوی سچا ہے، کیونکہ حضرت ابراہیمؑ پر اونٹ اور چربی وغیرہ حرام قرار دیے گئے تھے اور ہم بھی ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف مسلمان تو ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہی نہیں تو پھر ملت ابراہیم پر قائم رہنے کا دعویٰ کیسے کرتے ہیں؟ مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان باطل نظریات کی تردید فرمائی کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں ان چیزوں کی حرمت کا دعوی کرنا بلا دلیل ہے۔ تمہارے پاس جو خدائی دستور و آئین تورۃ کی شکل میں موجود ہے۔ اس کو پڑھ کر دیکھو۔ وہاں اس بات کا کوئی پتا نہیں، البتہ حضرت یعقوبؑ نے علاجاً و اجتھاداً...... اونٹ، چربی اور دودھ کو چھوڑ دیا تھا کیونکہ حضرت یعقوبؑ کو عرق النساء کی بیماری تھی۔ آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو صحت بخشی تو میں اپنی مرغوب و محبوب چیز کو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ صحت یاب ہونے کے بعد انہوں نے ان کا استعمال چھوڑ دیا۔ پھر اولاد میں بھی یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، لیکن ہماری شریعت میں قسم یا نذر کی وجہ سے حلال کو حرام قرار دے دینا یا اس کا عکس کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ اگر کسی نے خلاف شرع قسم کھائی اور مباح وغیرہ کو اس کے ذریعہ اپنے اوپر حرام قرار دیدیا تو اس قسم کا توڑنا اور کفارہ دینا واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کو اپنے اوپر حرام قرار دیدیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا...... يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ

اے نبی آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دے دیا ہے۔ (سورہ تحریم پارہ ۲۸)

ببكة مکہ میں۔ مکہ کا ایک نام بکہ بھی ہے جس کا معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا یا جھکا دینا ہے۔ کیونکہ کعبہ میں بڑے بڑے جبابرہ کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ الخ

اولیت بیت اللہ سے کیا مراد ہے؟:

یہاں سے یہود کے دوسرے شبہ پر مبنی سوال کا جواب مقصود ہے۔ وہ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ہم ملت ابراہیم کے زیادہ اقرب ہیں، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا اصلی وطن عراق کو چھوڑ

کر شام تشریف لے گئے تھے اور بیت المقدس کو ہی قبلہ بنایا تھا۔ پھر ان کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام نے متفق علیہ طور پر اس کو قبلہ بنایا، لیکن تم حجاز والوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ بنالیا۔ پھر ملت ابراہیم پر قائم ہونے کا دعویٰ کیونکر کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا جواب یہ دیا کہ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جو گھر بنایا گیا، وہ بیت اللہ الحرام ہی ہے۔ ارکان و مناسک حج ہمیشہ یہیں ادا ہوتے رہے ہیں۔ حضرت آدمؑ سے خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء اور ان کے متبعین یہیں حج کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ نقلی دلائل کے علاوہ یہاں ایک حسی دلیل مقام ابراہیم ہے۔ جس پتھر کو تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور سیڑھی استعمال فرمایا تھا، وہ یہاں موجود ہے۔ لہٰذا حضرت ابراہیمؑ کے متعلق یہود کا یہ دعویٰ تو قطعاً غلط ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور دیگر انبیاء کا قبلہ بیت المقدس رہا ہے، البتہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم کچھ عرصہ کے لیے دیا گیا تھا۔ مناسک حج بدستور بیت اللہ الحرام اور کعبہ ہی میں ادا کیے جاتے رہے، لہٰذا مسلمان یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ ملت ابراہیم پر ہیں اور مسلمان ہی ملت ابراہیم کے زیادہ قریب ہیں۔

رہی یہ بات کہ آیت میں جس اولیت کا ذکر ہے اس سے زمانی اولیت مراد ہے یا رتبی؟ دونوں باتیں صحیح روایات سے ثابت ہوتی ہیں۔

عن ابی ذر سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن اول مسجد وضع فی الارض فقال المسجد الحرام قلت ثم؟ قال المسجد الاقصی قلت کم بینهما فقال اربعون عاماً ثم الارض لک مسجد حیثما ادرکت الصلواة فصل o (مسلم)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ زمین میں سب سے پہلی مسجد کونسی بنائی گئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مسجد حرام۔ میں نے پوچھا پھر کونسی؟ آپؐ نے فرمایا مسجد اقصیٰ۔ میں نے کہا دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنے عرصے کا فاصلہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا چالیس سال، پھر ساری زمین تیرے لیے مسجد ہے جہاں نماز کا وقت ہو جائے، وہیں پڑھ لیا کر۔

عن خالد ابن عروة قال قام رجل الی علی رضی الله عنه فقال الاتحد ثنی عن البیت اهو اول بیت وضع فی الارض قال لا ولکنه اول بیت وضع فیه البرکة مقام ابراهیم و من دخله کان امنا (ابن کثیر) o

حضرت خالد بن عروہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے سامنے کھڑا ہوا اور کہا کہ کیا آپ مجھ کو بتانا پسند فرمائیں گے کہ اول بیت سے کیا مراد ہے؟ کیا بیت اللہ ہی کو پہلے بنایا گیا

ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، بلکہ بیت اللہ وہ گھر ہے جس میں سب سے پہلے برکت رکھ دی گئی ہے جو کہ مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہوجاتا ہے، وہ امن میں ہوجاتا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بیت اللہ کی تعمیر حضرت آدمؑ نے فرمائی اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمائی تو پھر دونوں میں ایک ہزار یا اس سے کم و بیش عرصہ ہونا چاہیے۔ چالیس سال کا عرصہ تو بہت قلیل مدت ہے؟ جواب اس سوال کا یہ ہے کہ حقیقت میں ابتدائی تعمیر بیت اللہ کی بھی اور مسجد اقصیٰ کی بھی فرشتوں نے کی تھی اور حضرت آدمؑ و سلیمانؑ نے دوبارہ انہی بنیادوں پر تعمیر فرمائی ہے۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ الخ نہ یہاں کسی سے بدلہ لا جاسکتا ہے اور نہ گرفتار کیا جاسکتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

ان الحرم لا یعیذ عاصیا و لا فارا بدم و لا فارا بجزیة الخ:

حرم نہ تو نافرمان کو پناہ دیتا ہے، نہ قاتل کو اور نہ اس کو جو جزیہ دینے سے بچ کر رہا ہو۔ اس کے علاوہ حرم ہر شخص کے لیے پناہ گاہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جو پاکستانی بغیر ویزے کے ہوتے ہیں، ان کو حرم میں نہیں پکڑتے۔ یعنی مسجد حرام کے گیٹ تک پولیس تعاقب کرسکتی ہے اس سے آگے نہیں۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ الخ ○

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ استطاعت سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا **الزاد والراحلة** یعنی زادراہ اور سواری کا انتظام ہو تو یہ استطاعت ہے۔

فرضیت حج علی الفور ہے یا علی التراخی:

یہاں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ فرضیت حج علی الفور نہیں ہے، بلکہ علی التراخی (جس کام کو موخر کیا جاسکے) ہے کیونکہ سورہ حج میں ارشاد خداوندی ہے

وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾

(سورہ حج/نمبر ۲۷)

اور اعلان کرلوگوں میں حج کا۔ وہ آئیں گے تیرے پاس پیدل اور دبلے اونٹوں پر تمام دور دراز راستوں سے۔

سورہ حج مکی ہے اور سورہ آل عمران مدنی ہے یہ ۳ھ میں غزوہ احد والے سال نازل ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں حج ادا فرمایا تھا جب راستہ میں رکاوٹ وغیرہ نہ تھی۔ ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوچکا تھا۔ ۱۸ رمضان کو مکہ فتح ہوا اور ۱۰ شوال کو آپؐ طائف چلے گئے۔ وہاں قبیلہ ھوازن وغیرہ کو شکست دی۔ پھر جعرانہ کے مقام پر ٹھہرے۔ رات کے وقت آپ عمرہ کے لیے چلے گئے اور ھوازن وغیرہ سے لیا گیا مال غنیمت تقسیم فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم سمجھ رہے تھے کہ حضور نے رات یہی گزارنی ہے، لیکن آپ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے واپس مدینہ منورہ چلے گئے اور اگلے سال ۹ ھ میں حج ادا فرمایا، حالانکہ ۸ ھ میں اشہر حرم میں آپ وہاں موجود تھے اور وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کی فرضیت پہلے ہے اور وجوب اداء علی التراخی ہے۔ بعض مالکیہ نے اس میں اختلاف کیا ہے جب وجوب اداء علی التراخی ہے تو باوجود وجوب کے اگر کوئی شخص فی الفور حج نہ کرے تو گنہگار نہیں، لیکن بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر فرضیت حج کے بعد کوئی شخص ایک یا دو سال تاخیر کرے تو وہ فاسق ہوگیا اور اگر اس حال میں انتقال ہونے لگا تو وصیت لازم ہے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ الخ

اللہ تعالیٰ کا ایمان والوں پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کو ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ اس کے بعد ایمان واسلام کے تقاضوں کو پورا کرنا اور دشمن کے جال میں پھنسنے سے بچنا مطلوب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان یہ ہوا کہ اسلام سے قبل جاہلیت ہی کے زمانہ میں لڑائیاں ہوتی رہیں، لیکن ایمان لانے کے بعد وہ عداوت اور دشمنی دوستی میں تبدیل ہوگئی اور کل کے دشمن آج بھائی بھائی بن گئے۔ چونکہ اسلام سے قبل لڑائیوں کا دور دورہ تھا۔ ذرا سی بات پر، پلک جھپکنے میں سینکڑوں لوگوں کا خون ہو جایا کرتا تھا۔ قبیلہ اوس اور خزرج میں بھی جنگ بعاث ۴۰ سال تک جاری رہی۔ اسلام لانے کے بعد وہ دشمنی دوستی میں تبدیل ہوگئی۔ بعض کفار نے حسد اور بغض کی آگ میں جل بھن کر جہالت کے زمانہ کے کچھ جذبات ابھارے اور صحابہ کرامؓ کے سامنے جنگ پر برانگیختہ کرنے والے اشعار پڑھے تو زبانی کلامی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ قریب تھا کہ زبانی کلامی جنگ میں اسلحہ اٹھانے تک کی نوبت آجائے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور پھر بھی یہ جہالت کی باتیں سن رہا ہوں۔ تم لوگ اسلام کے اجالے میں آنے کے بعد پھر جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں جاتے ہو؟ صحابہ کرام ایک دوسرے سے چمٹ کر رونے لگے۔ ان کو احساس ہوا کہ ہم دشمن کے نرغے میں آگئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔ مندرجہ بالا تمام آیتیں اس مضمون سے متعلق ہیں۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اے ایمان والو

اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا

اللہ سے ڈرتے رہو جیسا اس سے ڈرنا چاہئے اور نہ مرو مگر ایسے حال میں کہ تم مُسلمان ہو ۞ اور سب مل کر

بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ

اللہ کی رسّی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جبکہ تم آپس میں

اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى

دشمن تھے پھر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پھر تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم

شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر تم کو اس سے نجات دی اسی طرح تم پر اللہ اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ

ہدایت پاؤ ۞ اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے اور اچھے

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا

کاموں کا حکم کرتی رہے اور بُرے کاموں سے روکتی رہے اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں ۞ ان لوگوں کی طرح

كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ

مت ہو جو متفرق ہوگئے بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح احکام آئے انہوں نے اختلاف کیا اور ان کے لئے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ

بڑا عذاب ہے ۞ جس دن بعضے منہ سفید اور بعضے منہ سیاہ ہوں گے سو وہ جن کے منہ

وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

سیاہ ہونگے ان سے کہا جائیگا کیا تم ایمان لاکر کافر ہوگئے تھے اب اس کفر کرنے کے بدلے میں عذاب چکھو ۞

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور وہ لوگ جن کے منہ سفید ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہونگے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۞

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ
یہ اللہ کے احکام ہیں ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں اور اللہ مخلوقات پر ظلم نہیں کرنا چاہتا ○ اور جو کچھ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع
آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور سب کام اللہ ہی کی طرف پھیرے جاتے ہیں ○

افاداتِ محمود:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ الخ

''حَبْلِ اللّٰهِ'' کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ **ان هذا القران حبل الله المتين** یعنی یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔

عن ابن مسعود رضي الله عنه حبل الله القرآن○

حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ حبل اللہ سے مراد قرآن کریم ہے۔ قرآن کو قرآن اس وجہ سے کہتے ہیں اس کے مضامین ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اس سے لفظ ''قران'' بھی ہے جو حج کی اقسام ثلاثہ میں سے ایک قسم ہے حج کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) حج افراد جس میں حج کا احرام باندھ کر حج کیا جاتا ہے۔ (۲) حج تمتع اس میں احرام باندھتے وقت عمرہ کی نیت کی جاتی ہے۔ طواف اور سعی کر کے احرام کھول دیا جاتا ہے۔ پھر حج کے لیے دوبارہ احرام باندھا جاتا ہے۔ (۳) حج قران میں احرام باندھتے وقت حج وعمرہ دونوں کی نیت کی جاتی ہے اور ارکان عمرہ اداء کرنے کے بعد انسان بدستور محرم ہوتا ہے تاوقتیکہ ارکان حج ادا نہ ہوں۔ تمتع کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ایک سائق الھدی (۲) دوسرا غیر سائق الھدی۔ سائق الھدی یعنی جو قربانی کا جانور ساتھ لے جائے اور غیر سائق الھدی جو قربانی کا جانور ساتھ لے کر نہ جائے۔ ہمارے ہاں حج قران افضل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج بھی حج قران ہی تھا۔ جیسا کہ ترمذی شریف اور دیگر کتب حدیث میں صراحت ہے۔

وَلَا تَفَرَّقُوْا الخ اپنی قوت کو اختلاف کے ذریعہ پارہ پارہ نہ کرو۔ جب اللہ کے نبی تم میں موجود ہیں تو تم غیروں کے اشاروں پر نہ چلو اور ان کے شیطانی جال میں پھنسنے سے بچو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں اس بھائی چارے اور دوستی کو اپنا احسان قرار دیا اور تمام ملت اسلامیہ کو کلمہء واحدہ پر ایک قلب کے مانند جمع فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اختلاف وافتراق سے گریز کرنا چاہیے۔ حدیث میں ہے:

وان بني اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة وتفترق امتي على ثلاث وسبعين ملة كلهم في النار الاملة واحدة قالوا ومن هي يارسول الله قال ما انا عليه واصحابي (ترمذی)

تحقیق بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہوئے اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ وہ دوزخی ہوں گے مگر ایک فرقہ صحابہ نے عرض کیا وہ نجات پانے والا کون سا فرقہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ فرقہ ناجیہ وہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریق پر ہوگا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ

تم سب

أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

اُمتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لئے بھیجی گئیں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور

تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ

اللہ پر ایمان لاتے ہو اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر تھا کچھ ان میں سے

الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ

ایماندار ہیں اور اکثر ان میں سے نافرمان ہیں ○ وہ زبان سے ستانے کے سوا تمہارا اور کچھ بگاڑ نہ سکیں گے اور اگر تم سے

يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا

لڑیں گے تو پیٹھ پھیر دیں گے پھر مدد نہیں دیئے جائیں گے ○ ان پر ذلت لازم کی گئی ہے جہاں وہ پائے جائیں مگر

إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ

ساتھ اللہ کی پناہ کے اور لوگوں کی پناہ کے اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ

اور ان پر پستی لازم کی گئی یہ اس واسطے ہے کہ اللہ کی نشانیوں کے ساتھ کفر کرتے تھے

وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۱۲﴾

اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے نکل جاتے تھے ○

لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ

وہ سب برابر نہیں اہلِ کتاب میں سے ایک فرقہ سیدھی راہ پر ہے وہ رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں ○

وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

اور وہ سجدے کرتے ہیں ○ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور اچھی بات کا حکم کرتے ہیں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۴﴾

اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور وہی لوگ نیک بخت ہیں ○

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

وہ لوگ جو نیک کام کرینگے اس سے محروم نہ کئے جائینگے اور اللہ پرہیزگاروں کو جاننے والا ہے ○ بے شک جو لوگ

كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ

کافر ہیں ان کے مال اور اولاد اللہ کے مقابلے میں کچھ کام نہ آئیں گے اور وہی

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ

لوگ دوزخی ہیں وہ اس آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ اس دُنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی

الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ

ہے جسطرح ایک ہوا ہو جسمیں تیز سردی ہو وہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو لگ جائے جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا

پھر اس کو برباد کر گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں ○ اے ایمان والو اپنوں کے سوا

بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ

کسی کو بھیدی نہ بناؤ وہ تمہاری خرابی میں قصور نہیں کرتے جو چیز تمہیں تکلیف دے وہ انہیں پسند آتی ہے ان کے

الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ

مونہوں سے دشمنی نکل پڑتی ہے اور جو ان کے سینوں میں چھپی ہوئی ہے وہ بہت زیادہ ہے ہم نے تمہارے لئے

الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ

نشانیاں بیان کر دیں اگر تم عقل رکھتے ہو ○ سُن لو تم ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں

وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا

اور تم تو سب کتابوں کو مانتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور جب الگ ہوتے ہیں

عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

تو تم پر غصہ سے انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں کہہ دو تم اپنے غصہ میں مرو اللہ کو دلوں کی باتیں

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ

خوب معلوم ہیں ○ اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بُری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے

يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ
تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو ان کے فریب سے تمہارا کچھ نہ بگڑے گا بے شک اللہ
بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾
ان کے اعمال پر احاطہ کرنے والا ہے ۝

ع

افاداتِ محمود:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الخ

پہلے رکوع میں حَبْلِ اللّٰهِ یعنی قرآن کریم کا ذکر تھا۔ اب اس امت کی افضلیت کا بیان ہے کہ گذشتہ رکوع میں ایمان والوں کے لیے جن صفات کو اپنانا اہم بتلایا گیا تھا، وہ جب ہی ممکن ہے کہ ایک جماعت مسلمانوں میں ایسی ہو کہ جہاں کوئی منکر اور برائی دیکھے تو اس سے منع کرے اور اعمال صالحہ کی ترغیب دے اور اُس جماعت کے افراد ان اوامر و نواہی کے متعلق علم بھی رکھتے ہوں۔ کیونکہ جاہل آدمی کسی منکر کو معروف اور معروف کو منکر سمجھ کر اگر ترغیب و ترہیب کا فریضہ سرانجام دے گا تو اصلاح کے بجائے فساد اور تعمیر کی بجائے بگاڑ پیدا ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ الخ ۝

اے ایمان والو! اپنوں کے سوا غیروں کو اپنا راز دان نہ بناؤ۔

کلیدی عہدوں پر غیر مسلم کی تقرری سے متعلق ایک عالمگیر اور حقائق پر مبنی ضابطہ:

ایک اسلامی ریاست کے امیر اور ذمہ دار کلیدی عہدوں پر غیر مسلموں کا تقرر کرنا اور ان سے تعاون حاصل کرنا عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ غیر مسلم تو موقع کے تلاش میں رہیں گے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کا راز فاش کرنے میں کوئی دقیقہ خالی نہ چھوڑیں گے۔ ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ایک عیسائی لڑکا بہت ہی زیرک اور سمجھدار ہے، اگر آپ اسے منشی مقرر فرمائیں تو بہتر ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اسی آیت کا حوالہ دے کر انکار فرما دیا:

قيل لعمر ابن الخطاب رضي الله عنه ان ههنا غلاما من اهل الحيرة حافظ كاتب فلوا اتخذته كاتب فقال قد اتخذت اذاً بطانة من دون المئومنين ۝ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت فاروق اعظمؓ سے کہا گیا کہ یہاں حیرہ کا رہنے والا ایک منشی ہے جو کہ اس فن کو خوب جاننے والا ہے۔ آپ اس کو اپنے ہاں منشی رکھوائیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا اس (غیر مسلم) کو منشی رکھنے سے قرآن کی (مندرجہ بالا) آیت کی مخالفت لازم آئے گی

اور اس وقت گویا میں مسلمانوں کو چھوڑ کر غیر مسلم کو اپنا راز دان بناؤں گا۔

اسی طرح حضرت ابوموسی اشعریؓ جب گورنر تھے تو اپنے منشی کے ساتھ حضرت فاروق اعظمؓ کے ہاں حاضر ہوئے۔ اتفاق سے حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس ایک خط آیا ہوا تھا۔ آپ اسے پڑھوانا چاہتے تھے۔ حضرت ابو موسی اشعریؓ نے اپنے کاتب کی نشان دہی فرمائی۔ سارے لوگ مسجد میں چلے گئے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے عرض کی کہ امیر المومنین وہ کاتب تو نصرانی ہے، مسجد میں نہیں جاسکتا۔ آپؓ نے فرمایا کہ اس کو ڈیوٹی سے فوراً معزول کردو۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ تمام گورنروں کو خط لکھا کہ

لاتستعملوا اهل الكتاب o

یعنی اہل کتاب سے اس طرح کے کام نہ لیا کرو۔ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو اپنے پاس رکھو۔

میں (مفتی محمودؒ) کہتا ہوں کہ ہماری ناکامی کے اسباب یہی ہیں کہ محض کلیدی عہدوں پر غیر مسلموں کو تعینات کرنا تو درکنار بدقسمتی سے ہماری پوری حکومت ہی باہر کی ہوتی ہے۔ ۳۰ سال گزر گئے، لیکن ہمیں ایسی حکومت نصیب نہ ہوئی جو غیروں کے اشاروں اور سہاروں سے پاک ہو۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ

اور جب تو صبح کو اپنے گھر سے نکلا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانے پر

لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا

بٹھا رہا تھا اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ○ جب تم میں سے دو جماعتوں نے قصد کیا کہ نامردی کریں

وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ

اور اللہ ان کا مددگار تھا اور چاہئے کہ اللہ ہی پر مسلمان بھروسہ کریں ○ اور اللہ بدر کی لڑائی میں

بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ تَقُولُ

تمہاری مدد کر چکا ہے حالانکہ تم کمزور تھے پس اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر کرو ○ جب تو

لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

مسلمانوں کو کہتا تھا کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کے لئے تین ہزار فرشتے آسمان سے

مُنْزَلِينَ ﴿١٢٤﴾ بَلَىٰ ۚ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ

اُترنے والے بھیجے ○ بلکہ اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو اور وہ تم پر ایک دم سے آ پہنچیں تو تمہارا

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا

رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر مدد کے لئے بھیجے گا ○ اور اس چیز کو اللہ نے تمہارے دل کی

بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ

خوشی کے لئے کیا ہے اور تاکہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست

الْحَكِيمِ ﴿١٢٦﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا

حکمت والا ہے ○ تاکہ بعض کافروں کو ہلاک کرے یا انہیں ذلیل کرے پھر وہ ناکام ہو کر

خَائِبِينَ ﴿١٢٧﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ

لوٹ جائیں ○ تیرا کوئی اختیار نہیں یا اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے یا انہیں عذاب کرے

فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٢٨﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ

کیونکہ وہ ظالم ہیں ○ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی

ع	يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾
	کا ہے جسے چاہے بخشدے اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

افاداتِ محمود:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِكَ الخ

اب یہاں سے غزوہ احد میں شکست اور بدر میں کامیابی کا ذکر کیا جارہا ہے۔غزوہ بدر میں چندلوگ پیچھے تو رہ گئے تھے،مگر کوئی منافق ساتھ نہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے ہم کنار فرمایا۔غزوہ احد میں بہت سے منافقین بھی ساتھ گئے تھے۔عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے ساتھ ۳۰۰ تین صد بندے راستے سے واپس ہو گئے تھے۔یہ انسانی فطرت ہے کہ ایسے موقعوں پر جب بعض لوگ نامردی دکھاتے ہیں تو بقیہ لوگوں کے حوصلے پست ہوتے اور دل ٹوٹ جاتے ہیں۔

اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ الخ

بخاری کی روایت کے مطابق یہ آیت بنوحارثہ اور بنوسلمہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔منافقین کو واپس جاتے ہوئے دیکھ کر ان لوگوں کو بھی خیال آیا کہ ہمیں واپس جانا چاہیے،لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو تھاما اور یہ اس غلطی سے بچ گئے۔بظاہر تو اس آیت کے ابتدائی حصہ میں مذکورہ بالا دونوں قبیلوں کی کچھ کمزوری اور بزدلی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ لوگ کہتے کہ کاش کہ ہمارے متعلق ایسی آیت نازل نہ ہوتی،لیکن قربان جایئے صحابہ کرامؓ کی فقاہت پر۔وہ حضرات اس آیت کے اگلے جملے '' وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا '' پر نظر جمائے ہوئے تھے۔فرماتے تھے کہ ہم کبھی یہ نہ کہیں گے کہ کاش کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی، بلکہ ہم بہت خوش ہیں کہ ایک ایسی آیت نازل ہوگئی جس میں اللہ تعالیٰ کی ہم لوگوں سے ولایت،محبت اور نصرت کا اظہار براہ راست کیا گیا ہے۔اس پر ہم خوش ہیں اور راضی ہیں۔ایک طرف اگرچہ دونوں قبیلوں کی کمزوری بیان کی گئی ہے،لیکن اگلے جملے '' وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا '' میں دلاسہ دیا جارہا ہے اور تسلی بھی دی جارہی ہے۔ان لوگوں کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے بچالیا تو ان پر کوئی گناہ نہیں تھا۔ھم سیئہ (گناہ کا ارادہ) گناہ ہے،لیکن کف النفس عن السیئہ اپنے آپ کو گناہ سے باز رکھنا یہ نیکی ہے۔پہلا گناہ سرزد ہوا بعد میں نیکی کر لی تو دونوں عمل بظاہر برابر ہو گئے،لیکن خدائی ضابطے کے مطابق

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا الخ

تو ایک نیکی کے عوض کم از کم دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اور ایک گناہ ایک ہی شمار ہوتا ہے۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا (سورۂ انعام ۱۶۰)

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں اور کفار کے پاس سامان جنگ کا تجزیہ اور اسباب شکست:

مسلمانوں کے پاس ایک گھوڑا بھی نہیں تھا اور تعداد بھی تھوڑی تھی۔ مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سے (۷۰۰) سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ اشراف مکہ کی پندرہ عورتیں بھی ہمراہ تھیں جو اشعار پڑھ پڑھ کر مردوں کو لڑائی پر برانگیختہ کرتی تھیں۔ مختصر یہ کہ جب یہ لوگ احد کے قریب جا ٹھہرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔ حضورؐ کی اپنی رائے مبارک مدینہ کے اندر رہ کر لڑنے اور دفاع کرنے کی تھی، لیکن وہ حضرات جن کو بدر میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا جذبہ شہادت سے سرشار اور شوق شہادت میں بیتاب تھے۔ اس لیے اکثر صحابہ کرامؓ نے رائے دی، کہا اندر رہ کر لڑنے کو دشمن ہماری بزدلی اور نامردی پر محمول کرے گا، لہٰذا باہر ہی نکل کر لڑنا چاہیے۔ اسی طرح عبداللہ ابن اُبی نے اندر رہ کر لڑنے کی رائے دی، مگر اس کی رائے نفاق اور بزدلی پر مبنی تھی۔ اس نے اس ظاہری طور پر حامی بھرنے سے اپنی رائے حضورؐ کی رائے سے منسلک کرلی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اکثریت کی رائے پر عمل کرتے ہوئے تیار ہو کر باہر تشریف لے آئے۔ آپ صحابہ کرامؓ کو لے کر جب احد کے قریب پہنچ گئے تو آپؐ نے ایک درہ پر نظر ڈالی۔ آپ نے اس درے کی حفاظت کو اہم سمجھ کر صحابہ کرام کی ایک جماعت وہاں مقرر فرمادی جو پچاس نفوس قدوسیہ پر مشتمل تھی۔ حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ کو ان پر امیر مقرر فرمادیا۔ ان کو تاکیداً حکم دیا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست، اگر پرندے ہمارا گوشت بھی نوچ نوچ کر کھالیں تو بھی آپ لوگوں نے اس درہ کو نہیں چھوڑنا ہے، لیکن تقدیر بر تدبیر غالب۔ جب مسلمانوں اور کفار کے درمیان گھمسان کا رن پڑا اور کفار میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تو مسلمانوں نے مال غنیمت اکٹھا کرنا شروع کردیا۔ درہ پر موجود حضرات سے ایک اجتہادی غلطی سرزد ہوگئی۔ وہ یہ سمجھے کہ حضورؐ کا ارشاد تو جنگ لڑے جانے کے ساتھ مشروط تھا۔ جنگ ختم ہوگئی۔ اب ہم درہ پر رہ کر کیا کریں گے۔ حضرت ابن جبیرؓ نے حضورؐ کا ارشاد یاد دلا کر اترنے سے منع بھی فرمایا، لیکن اکثر حضرات اتر آئے اور اس درہ پر صرف ۱۲ آدمی رہ گئے۔ کفار کی کمان حضرت خالد ابن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھی۔ (یہ حضرت خالد کے ایمان لانے سے پہلے کا واقعہ ہے)۔ وہ اس درہ کے خالی ہونے کا انتظار کررہے تھے۔ درہ کو خالی پاکر انہوں نے پلٹ کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کردیا۔ آناً فاناً (۷۰) ستر مسلمان شہید ہوگئے جن میں حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ بھی شامل ہیں۔ حضرت طلحہؓ حضورؐ کے آگے ڈھال بنے رہے، حتیٰ کہ کثرت تیر زنی سے آپ کا ایک ہاتھ شل ہوگیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے چار دانتوں میں سے نچلا دائیں طرف والا دندان مبارک شہید ہوگیا۔ سر مبارک میں خود یا زرہ کی کڑیاں گھس گئی تھیں سر مبارک بھی زخمی ہوا تھا۔ بعد میں جب مسلمانوں نے دوبارہ صف بندی کی تو انجام کار فتح مسلمانوں کی ہوئی، لیکن وقتی طور پر مسلمانوں کو عارضی شکست اور پریشانی سے دوچار ہونا پڑا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اے ایمان والو

اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

سُود دونے پر دونا نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تمہارا چھٹکارا ہو ۝

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ

اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۝ اور اللہ اور رسُول کی تابعداری کرو تاکہ

تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ

تم رحم کئے جاؤ ۝ اور اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو اور بہشت کی طرف جس کا عرض آسمان

وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ

اور زمین ہے جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۝ جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۝

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا

اور وہ لوگ جب کوئی کھلا گناہ کر بیٹھیں یا اپنے حق میں ظلم کریں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں سے

لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي

بخشش مانگتے ہیں اور سوائے اللہ کے اور کون گناہ بخشنے والا ہے اور اپنے کئے پر وہ

مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ

اَڑتے نہیں اور وہ جانتے ہیں ۝ یہ لوگ ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں سے بخشش ہے

وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ

اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان باغوں میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے اور کام کرنے والوں کی

الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

کیسی اچھی مزدوری ہے ۝ تم سے پہلے کئی واقعات ہو چکے ہیں سو زمین میں سیر کرو

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ

اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ○ یہ لوگوں کے واسطے بیان ہے

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

اور ڈرنے والوں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے ○ اور سُست نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ

اگر تم ایمان دار ہو ○ اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو انہیں بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ

اور ہم یہ دن لوگوں میں باری باری بدلتے رہتے ہیں اور تا کہ اللہ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے

مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

بعضوں کو شہید کرے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ○ اور تا کہ اللہ ایمان والوں کو

اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ

پاک کردے اور کافروں کو مٹادے ○ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تک اللہ نے نہیں ظاہر کیا

الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ

ان لوگوں کو جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور ابھی صبر کرنے والوں کو بھی ظاہر نہیں کیا ○ اور تم موت سے پہلے

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع

اس کی ملاقات کی آرزو کرتے تھے سو اب تم نے اسے آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا ○

افاداتِ محمود:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ الخ

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کے لیے برزخ ہے ہی نہیں۔ وہ سیدھے جنت میں جائیں گے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنت میں جانے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ ان کو انعامات وکرامات سے نوازیں گے جیسا کہ حضرت جعفرؓ کے متعلق ہے کہ ''لہ جنا حین یطیر بھما فی الجنة'' حضرت جعفرؓ غزوہ موتہ کے موقع پر شہید ہو گئے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں۔ ہاں باضابطہ طور پر جنت میں جانا قیامت کے روز حساب کتاب کے بعد ہی ہوگا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا

اور محمد تو ایک

رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى

رسول ہے اس سے پہلے بہت رسول گزرے پھر کیا اگر وہ مرجائے یا مارا جائے تو تم اُلٹے پاؤں

اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى

پھر جاؤ گے اور جو کوئی اُلٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑیگا اور اللہ

اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا

شکر گذاروں کو ثواب دے گا ○ اور اللہ کے حکم کے سوا کوئی مر نہیں سکتا ایک وقت مقرر لکھا

مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

ہوا ہے اور جو شخص دنیا کا بدلہ چاہے گا ہم اسے دنیا ہی میں دے دینگے اور جو آخرت کا بدلہ

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ

چاہے گا ہم اسے اسمیں سے دینگے اور ہم شکر گذاروں کو جزا دیں گے ○ اور کئی نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر

رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا

بہت اللہ والے لڑے ہیں پھر اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچنے پر نہ ہارے ہیں اور نہ سست ہوئے ہیں اور نہ

اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا

وہ دبے ہیں اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتا ہے ○ اور انہوں نے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا کہ اے ہمارے رب

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى

ہمارے گناہ بخش دے اور جو ہمارے کام میں ہم سے زیادتی ہوئی ہے اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافروں

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ

کی قوم پر ہمیں مدد دے ○ پھر اللہ نے اُن کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا عمدہ بدلہ دیا

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

اور اللہ نیک کاموں کو پسند کرتا ہے ○

افاداتِ محمود:

یَضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا الخ

دوران جنگ جب عبداللہ ابن قمیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک زخمی کر دیا تو ساتھ ہی یہ افواہ اڑائی گئی کہ نعوذ باللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیے گئے۔ اس اندوہناک خبر سے بعض صحابہؓ کے حوصلے کچھ پست ہو گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور صحابہ کرام نے پھر جم کر مقابلہ کیا۔ اس افواہ پھیلانے سے کفار کا مقصد یہ تھا کہ جب قائد ہی نہیں رہا تو اب یہ تحریک ختم ہو جائے گی۔ تحریکوں کا سہرا قائدین کے سر ہوتا ہے۔ تحریک کے لیے ٹھوس نظریات ہوتے ہیں، لیکن آج کل کی پارٹیوں کے پاس کوئی ٹھوس نظریہ نہیں ہے۔ اسلام مکمل دین ہے۔ اس کی تحریک کبھی ختم نہ ہوگی۔ اس کو ختم کرنے والے لوگ آپ ہی ختم ہوں گے۔ بہرحال لڑائی ختم ہونے کے بعد حضرت ابوسفیانؓ (احد کی جنگ کا واقعہ حضرت ابوسفیان کے ایمان لانے سے قبل کا ہے) نے آواز دی:

فقال افی القوم محمد؟ فقال لا تجیبوہ فقال افی القوم ابن ابی قحافة؟ قال لا تجیبوہ فقال افی القوم ابن الخطاب؟ فقال ان ھئولاء قتلو فلو کانوا احیاء لا جابوا فلم یملک عمر نفسه فقال له کذبت یا عدو الله ابقی الله لک ما یحزنک قال ابو سفیان اعل ھبل فقال النبی صلی الله علیه وسلم اجیبوہ قالو اما نقول؟ قال قولوا الله اعلی واجل قال ابو سفیان لنا العزی ولاعزیٰ لکم فقال النبی صلی الله علیه وسلم اجیبوہ قالوا ما نقول؟ قال قولوا الله مولانا ولا مولی لکم قال ابو سفیان یوم بیوم بدر و الحرب سجال و ستجدون مثلة ما امرت بھاولم تسئونیO (بخاری)

کیا لوگوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ جواب نہ دو۔ پھر ابوسفیانؓ نے کہا کیا لوگوں میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیقؓ) موجود ہیں؟ حضور نے فرمایا اس کو کچھ جواب نہ دو، پھر حضرت ابوسفیانؓ نے کہا کہ کیا لوگوں میں (عمر) ابن الخطاب موجود ہیں؟ پھر حضرت ابوسفیانؓ نے کہا۔ یہ سارے کے سارے قتل ہو گئے، ورنہ اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ حضرت فاروق اعظمؓ اپنے پر قابو نہ رکھ سکے اور فرمایا کہ اے اللہ کے دشمن تو نے جھوٹ کہا۔ اللہ تعالیٰ اس چیز کو قائم رکھے گا جو تجھ کو غم میں ڈالے رکھے۔ ابوسفیانؓ نے کہا کہ ہبل (بت کا نام ہے) غالب رہا، حضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اس کو جواب دو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم جواب میں کیا کہیں؟ حضورؐ نے فرمایا کہو "اللہ اعلیٰ واجل" ابوسفیانؓ نے کہا ہمارا عزیٰ (بت کا نام ہے) ہے اور تم لوگوں کا عزیٰ نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جواب میں کہو اللہ تعالیٰ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں ہے۔ حضرت

ابوسفیانؓ نے کہا کہ آج کا دن بدر کے بدلے رہا اور لڑائی ڈول کی مانند ہے (کبھی ایک پلڑا بھاری ہوتا ہے کبھی دوسرا) اور تم لوگ کو شہداء میں مثلہ نظر آئے گا، لیکن نہ تو میں نے مثلہ کرنے کا کسی کو حکم دیا ہے اور نہ ہی مجھے اس سے کوئی تکلیف ہوئی ہے۔

رِبِّيُّوْنَ اس سے مراد مولوی ہیں کیونکہ مولوی منسوب الی المولیٰ ہے اور ربی مولوی کے معنی میں ہے، لیکن لوگ مولانا کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں اور حقیقی مقام کو کم سمجھتے ہیں۔ مولوی کا معنی منسوب الی المولیٰ ہے اور مولانا بمعنی آقا ہے تو بتایئے کہ دونوں میں سے کونسا لفظ اچھا ہے؟ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے مودودی صاحب کے خلاف جو کتاب لکھی تھی اس میں ''مولوی مودودی'' لکھا تھا تو انہوں نے کہا کہ مولانا احمد علیؒ نے میری توہین کی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اے ایمان والو اگر تم کافروں کا کہا مانو گے

يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ

تو وہ تمہیں اُلٹے پاؤں پھیر دینگے پھر تم نقصان میں جا پڑو گے ○ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ

خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا

بہترین مدد کرنے والا ہے ○ اب ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دینگے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھیرایا

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا وہ بہت بڑا ٹھکانا ہے ○

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ

اور اللہ تو اپنا وعدہ تم سے سچا کر چکا جب تم اس کے حکم سے انہیں قتل کرنے لگے یہاں تک کہ جب تم نے

وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ

نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تم کو دکھادی وہ چیز جسے تم پسند کرتے تھے بعض

مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ

تم میں سے دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں سے آخرت کے طالب تھے پھر تمہیں ان سے پھیر دیا تا کہ

لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ

تمہیں آزمائے اور البتہ تحقیق تمہیں اس نے معاف کر دیا ہے اور اللہ ایمانداروں پر فضل والا ہے ○ جس وقت تم

تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ

چڑھتے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر نہ دیکھتے تھے اور رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے پکار رہا تھا سو اللہ نے تمہیں اس کی پاداش میں

غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ

غم دیا بسبب غم دینے کے تا کہ تم مغموم نہ ہو اس پر جو ہاتھ سے نکل گئی اور نہ اس پر جو تمہیں پیش آئی اور اللہ خبردار ہے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً

اس چیز سے جو تم کرتے ہو ○ اس غم کے بعد تم پر چین یعنی اونگھ بھیجی اس نے بعضوں کو تم میں سے

مِّنكُمْ ۖ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

ڈھانک لیا اور بعضوں کو اپنی جان کا فکر پڑ رہا تھا اللہ پر جھوٹے خیال جاہلوں جیسے

الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ

کر رہے تھے کہتے تھے ہمارے ہاتھ میں کچھ کام ہے کہہ دو کہ سب کام اللہ کے ہاتھ

لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ

میں ہے وہ اپنے دل میں چھپاتے ہیں جو تیرے سامنے ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں اگر ہمارے ہاتھ میں کچھ کام ہوتا

الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ

تو ہم اس جگہ مارے نہ جاتے کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے البتہ اپنے گرنے کی جگہ پر

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ

باہر نکل آتے وہ لوگ جن پر قتل ہونا لکھا جا چکا تھا اور تا کہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے

وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٥٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ

اور تا کہ اس چیز کو صاف کر دے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے ○ بے شک وہ لوگ

تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا

جو تم میں پیٹھ پھیر گئے جس دن دونوں فوجیں ملیں سو شیطان نے ان کے گناہ کے سبب سے انہیں

كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾ ع

بہکا دیا تھا اور اللہ نے اُن کو معاف کر دیا ہے بے شک اللہ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے ○

افاداتِ محمود:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا الخ

خلاصہ ان چند آیات کا یہ ہے کہ شکست کی ذمہ داری آپ لوگوں پر عائد ہوتی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نصرت والا وعدہ پورا فرما دیا تھا کہ ابتداء میں جب تم قتال کرنے لگے تو ان کو مغلوب کرتے رہے، لیکن بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم چھوٹ گیا اور آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ اِس کی وجہ سے عارضی شکست میں مبتلا ہو گئے۔

وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ الخ

یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے عیب جوئی کرنے والوں کی زبانوں پر مہر سکوت ثبت فرمادی کہ جن حضرات سے درہ چھوڑنے کی ایک اجتہادی غلطی سرزد ہوگئی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا۔ یہ غلطی بھی صداقت اور راست گوئی پر مبنی تھی۔ العیاذ باللہ نفاق یا کفر کی کوئی بیماری اس کے پیچھے کارفرما نہ تھی۔ حضرت ابن عمرؓ سے جب حضرت عثمانؓ کے متعلق کسی شخص نے پوچھا کہ (۱) وہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ (۲) احد میں ثابت قدم نہیں رہے تھے۔ (۳) وہ بیعت رضوان میں بھی شامل نہ تھے؟ حضرت ابن عمرؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جہاں تک بدر کی جنگ میں حضرت عثمانؓ کی عدم شمولیت کا بیان ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی، جو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں، بیمار تھیں اور حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ (۲) رہا احد میں عدم ثابت قدم رہنے کا سوال سو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کردیا۔ (۳) اور جہاں تک بیعت رضوان میں عدم شمولیت کا تعلق ہے تو حضرت عثمانؓ سے زیادہ قابل اعتماد اگر کوئی حضور کی نظر میں ہوتا تو وہ ان کو بھیج دیتے۔ اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہوگی کہ حضور علیہ السلام نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر مارا اور فرمایا کہ یہ ایک ہاتھ عثمان کا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے معافی اور عافیت کا اعلان کرکے قیامت تک کے لیے بدخوئی بدجوئی اور بدگوئی کرنے والوں کی زبانیں بند فرمادیں۔

نعاسا یغشی الخ

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ اونگھ کی وجہ سے میرے ہاتھ سے کئی دفعہ تلوار گرگئی تو حقیقت یہ ہے کہ اطمینان کے بعد ہی نیند آتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اے ایمان والو

اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي

تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو کافر ہوئے اور وہ اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں جب وہ

الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ

ملک میں سفر پر نکلیں یا جہاد پر جائیں اگر ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ

اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا

اللہ اس خیال سے ان کے دلوں میں افسوس ڈالے اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے اور اللہ

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ

تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے ○ اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ کی بخشش

مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى

اور اسکی مہربانی اس چیز سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں ○ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ تم سب

اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ

اللہ ہی کے ہاں جمع کیے جاؤ گے ○ پھر اللہ کی رحمت کے سبب سے تو ان کیلئے نرم ہو گیا اور اگر تو تندخو اور سخت

الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

دل ہوتا تو البتہ تیرے گرد سے بھاگ جاتے پس انہیں معاف کر دے اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور کام میں ان سے

فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

مشورہ لیا کر پھر جب تو اس کام کا ارادہ کر چکا تو اللہ پر بھروسہ کر بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ○

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ

اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہ ہو سکے گا اور اگر اس نے مدد چھوڑ دی تو پھر ایسا کون

يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ

ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے ○ اور کسی

لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَ مَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى

نبی کو یہ لائق نہیں کہ خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا اس چیز کو قیامت کے دن لائے گا جو خیانت کی تھی پھر ہر کوئی

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ

پورا پالے گا جو اس نے کمایا تھا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے ○ آیا وہ شخص جو اللہ کی رضا کا

كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ

تابع ہے اس کے برابر ہو سکتا ہے جو غضب الٰہی کا مستحق ہوا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیسی وہ بُری جگہ ہے ○ اللہ کے

دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ

ہاں لوگوں کے مختلف درجے ہیں اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ○ اللہ نے ایمان والوں پر

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

احسان کیا ہے جو ان میں انہیں میں سے رسول بھیجا ان پر اس کی

اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ

صریح گمراہی میں تھے ○ کیا جب تمہیں ایک تکلیف پہنچی حالانکہ تم تو اس سے دو چند تکلیف پہنچا چکے ہو

قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی کہہ دو یہ تکلیف تمہیں تمہاری ہی طرف سے پہنچی ہے بے شک اللہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَ مَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيَعْلَمَ

قادر ہے ○ اور جو کچھ تمہیں اس دن پیش آیا جس دن دونوں جماعتیں ملیں سو اللہ کے حکم سے ہوا اور تاکہ اللہ ایمانداروں کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَ قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ

ظاہر کر دے ○ اور تاکہ منافقوں کو ظاہر کر دے اور انہیں کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ

دشمنوں کو دفع کرو تو انہوں نے کہا اگر ہمیں علم ہوتا کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے وہ

لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ
اس وقت بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب تھے وہ اپنے مونہوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے
فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝١٦٧ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ
دلوں میں نہیں ہیں اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے ○ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں
وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۗ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ
حالانکہ خود بیٹھ رہے تھے اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ کئے جاتے کہہ دو اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝١٦٨ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ
موت کو ہٹا دو ○ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں مُردے نہ سمجھو
بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝١٦٩ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ
بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں سے رزق دیے جاتے ہیں ○ اللہ نے اپنے فضل سے جو انہیں دیا ہے اس پر خوش
فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا
ہونے والے ہیں اور ان کی طرف سے بھی خوش ہوتے ہیں جو ابھی تک ان کے پیچھے سے ان کے پاس نہیں پہنچے اس لئے کہ
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝١٧٠ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ
نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے ○ اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہوتے ہیں
وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٧١
اور اس بات سے کہ اللہ ایمان داروں کی مزدوری کو ضائع نہیں کرتا ○

افاداتِ محمود:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ الخ

غلول مال غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں یا تقسیم سے قبل کچھ رکھ لینا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے دو تسمے مال غنیمت سے لے لیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرا کین من النار ، یعنی اس شخص نے گویا آگ کے دو تسمے لیے ہیں۔ (۲) اسی طرح مطلق مال حرام کو بھی غلول کہا جاتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتقبل صلوٰۃ من بغیر طہور ولا صدقۃ من غلول○

نماز بغیر وضو کے قبول نہیں اور حرام مال سے کیا ہوا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔

قرآن کریم میں اس مقام پر خصوصی طور پر مال غنیمت میں خیانت کرنا مراد لیا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص ابن لتیبہؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا۔ جب وہ واپس آ گئے تو کچھ مال الگ کر کے رکھ دیا اور کہا کہ مجھ کو لوگوں نے یہ ہدیہ دیا ہے اور زکواۃ کا مال الگ کر کے بیت المال کے حوالہ کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان فرمائی۔ پھر فرمایا کہ ایسا کیوں ہے کہ میں کسی کو کوئی ڈیوٹی سونپ دوں اور جب وہ واپس آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ بیت المال کا مال ہے اور یہ مجھ کو بطور ہدیہ دیا گیا ہے۔

فهلا يجلس في بيت ابيه او بيت امه فينظر ايهدى له اَم لا؟ ○

یہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھتا پھر دیکھے کہ اسے کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟

یہ حدیث سدِ ذرائع کے قبیل سے ہے۔ اللہ کے نبیؐ نے ہمیشہ کے لیے رشوت اور بے قاعدگیوں کا دروازہ بند کر دیا۔ چنانچہ آگے ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیده لایاخذ احد منه شيئً الا جاء به يوم القيامة يحمله على رقبته ان كان بعيرا له رغاء او بقرا له خوار اوشاة تبعر الخ ○ (الترغیب)

اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے۔ تم میں سے جو شخص جو بھی چیز لے گا، اسے وہ قیامت کے دن (ذلت ورسوائی) اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا۔ اگر وہ اونٹ ہوگا تو اس کی آواز ہوگی اور اگر وہ بیل ہوگا تو اس کی آواز ہوگی اور اگر وہ بکری ہوگی تو اس کی آواز ہوگی۔

ایک روایت میں ہے کہ ابن لتبیہؓ سے وہ مال واپس لے کر بیت المال میں داخل کر لیا گیا۔ لوگ انہیں عامل ہونے کی وجہ سے یہ کچھ دیتے تھے۔ یہ عمل بذات خود درست نہیں۔ مزید برآں مستقبل میں اس فعل کے ذریعہ گناہوں کے متعدد دروازوں کے کھل جانے کا اندیشہ بھی ہے۔

هم درجات انه ای ذی درجات ○ یہ لوگ اللہ کے ہاں بڑے درجات والے ہیں

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا

مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾

بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکے تھے جو ان میں سے نیک ہیں اور پرہیزگار ہوئے ان کے لئے بڑا اجر ہے ○

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ

جنہیں لوگوں نے کہا کہ مکہ والوں نے تمہارے مقابلہ کیلئے سامان جمع کیا ہے سو تم ان سے ڈرو تو ان کا

اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ

ایمان اور زیادہ ہوا اور کہا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے ○ پھر مسلمان اللہ کی نعمت اور

فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ

فضل کے ساتھ لوٹ آئے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور اللہ کی مرضی کے تابع ہوئے اور اللہ بڑے فضل

عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ

والا ہے ○ سو یہ شیطان ہے کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے پس تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ

اگر تم ایمان دار ہو ○ اور وہ لوگ آپ کو غم میں نہ ڈالدیں جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں وہ اللہ کا

لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ

کچھ نہیں بگاڑیں گے اللہ ارادہ کرتا ہے کہ آخرت میں انہیں کوئی حصہ نہ دے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا

اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے ○ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر کو خرید لیا وہ اللہ کا کچھ نہیں

اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِىْ

بگاڑینگے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ○ اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں مہلت دیتے ہیں یہ اُن کے حق

لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

میں بھلائی ہے ہم تو انہیں مہلت اس لئے دیتے ہیں کہ وہ گناہ میں زیادتی کریں اور ان کے لئے خوار کرنے والا عذاب ہے ○

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ

اللہ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ ناپاک کو

مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ

پاک سے جدا نہ کردے اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تمہیں غیب پر مطلع کردے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں

رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ

جسے چاہے چُن لیتا ہے سوتم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

بہت بڑا اجر ہے ○ اور جو لوگ اس چیز پر بخل کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے وہ یہ خیال نہ کریں کہ بخل

هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ

ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ یہ ان کے حق میں بُرا ہے قیامت کے دن وہ مال طوق بنا کر ان کے گلوں میں ڈالا جائیگا

الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

جس میں وہ بخل کرتے تھے اور اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے ○

افاداتِ محمود:

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ الخ

(۱) اس آیت کے متعلق حضرات مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا اور ستر صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے تو واپس جاتے ہوئے حضرت ابوسفیانؓ (قبل از اسلام جنگ احد میں یہی قریش کے لشکر کے سالار تھے) کے دل میں یہ بات آگئی کہ ہم نے بہت بڑی غلطی کی۔ مسلمانوں کو شکستہ حال اور زخم خوردہ چھوڑ کر آ گئے۔ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔ لہٰذا اپنے ساتھیوں میں اعلان کر دیا کہ پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہیے تاکہ ان کا کامل استیصال ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے بذریعہ بلالؓ مدینہ منورہ میں منادی کرادی کہ جو لوگ کل احد میں شریک تھے، وہی لوگ دوبارہ تیار ہوں۔ ہم نے ابوسفیانؓ کا تعاقب کرنا ہے۔ آپؐ کے جان نثار صحابہ کرامؓ آپؐ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تیار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو لے کر جب حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے، جو مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے، تو حضرت ابوسفیانؓ کو سب حال معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایسا رعب طاری کر دیا کہ وہ دوبارہ حملہ کا ارادہ ترک کر کے مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گیا۔ وہ جبن و فرار کا الزام مسلمانوں کو دینا چاہتا تھا، لہٰذا ایک شخص کو کچھ

مال دے کر تیار کرلیا کہ مدینہ منورہ میں اور مسلمانوں میں یہ مشہور کردے کہ ابوسفیانؓ بہت بڑے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہونے والا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس شخص نے آ کر جب مسلمانوں کو یہ کچھ بتایا تو بجائے خوف زدہ و مرعوب ہونے کے سب نے کہا کہ ”حسبنا اللہ ونعم الوکیل“ ایک اللہ کی مدد اگر شامل حال رہی تو ہمیں وہی کافی ہے۔ دشمن کی تعداد اور ساز وسامان اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

(۲) دوسرا شان نزول یہ ہے کہ اختتام جنگ پر حضرت ابوسفیانؓ نے اعلان کردیا تھا کہ آئندہ سال بدر کے مقام پر پھر جنگ ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور فرمالیا تھا۔ سال کے دوران میں حسب وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو ترغیب دیتے رہے اور فرمایا کہ اگر کوئی اور نہیں جائے گا تو میں اکیلا جاؤں گا۔ آپؐ صحابہ کرامؓ کو لے کر بدر کے مقام پر پہنچے۔ یہ مدینہ منورہ سے دور اور مکہ کے قریب ہے۔ حضرت ابوسفیانؓ نے بھی آنے کا ارادہ کیا، لیکن راستہ ہی میں کمر ہمت ٹوٹ گئی اور قحط سالی کا عذر کر کے واپس جانا چاہا۔ وہ الزام تو مسلمانوں کو دینا چاہتا تھا، لہٰذا ایک شخص کو پیسے دے کر تیار کیا کہ جا کر مدینہ میں یہ خبر مشہور کردے کہ ابوسفیانؓ بہت بڑے لشکر کو لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس شخص نے آ کر مدینہ میں یہی خبر مشہور کردی، لیکن قربان جایئے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثاروں کے، سب نے یک زبان ہوکر کہا ”حسبنا اللہ ونعم الوکیل“ کفار اب کی بار مسلمانوں کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی فتح عطاء فرمائی۔ تین دن بدر کے مقام پر ٹھہر کر وہاں، جو سالانہ منڈی لگتی تھی اس میں، خوب تجارت کی۔ دنیا وآخرت دونوں کے نفع سے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو سرفراز فرمایا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کو بدر صغریٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مکہ والے قریش کے اس لشکر کو ”جیش سویق“ کہتے ہیں یعنی یہ لشکر وہاں بدر کے مقام پر صرف ستو پینے گیا تھا اور کچھ کام نہ کیا۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ الخ

اس آیت کے ظاہری مفہوم سے کوئی یہ اخذ کرے کہ صحابہ کرامؓ میں سے بعض محسن اور بعض غیر محسن تھے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب ذکر بالعموم ہوتا ہے تو وہاں لازماً کچھ خاص افراد کا ذکر ہوتا ہے۔ اس سے ذکر بالعموم کی نفی لازم نہیں آتی جیسے تنزل الملائکۃ کے بعد خصوصیت سے روح القدس کا ذکر ہے، حالانکہ ملائکہ میں روح القدس بھی شامل ہے۔ جیسے کہا جائے کہ تم میں سے جو سمجھدار ہیں، ان کو انعام ملے گا، حالانکہ سمجھدار سب ہی ہوتے ہیں۔

قَالَ لَهُمُ النَّاسُ الخ

یہاں ناس سے مراد تجارتی قافلہ ہے جنہوں نے کفار کا بول بالا رکھنے کے لیے بات کی۔ ان الناس سے مراد حضرت ابوسفیانؓ اور ان کا لشکر ہے۔

فزا دھم ایماناً.....زیادۃ الایمان ونقصانہ:

ایمان میں زیادتی ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ ہمیشہ محدثین کے ہاں معرکہ آرار ہا ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں جہاں ہدیٰ یا ایمان یا تقویٰ کے ساتھ لفظ زاد یا یزید استعمال کیا ہے، اس سے مراد زیادتی فی الایمان ہے۔ جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک ''الایمان یزید و ینقص'' یعنی ایمان میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور ایمان کم بھی ہوتا ہے۔

''وقال ابو حنیفة الایمان لایزید ولا ینقص''

امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایمان میں نہ اضافہ ہوتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔ امام اعظمؒ اور دیگر فقہاء کا جو اختلاف ایمان کی زیادتی اور عدم زیادتی سے متعلق ہے، یہ نزاع لفظی ہے، حقیقی نہیں ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر مزید واضح ہو جائے گا۔

مندرجہ بالا اختلاف کا مدار ایک اور اصل پر ہے اور یہی اس اختلاف کی جڑ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اعمال جزء من الایمان ہیں یا نہیں؟ جن لوگوں کے ہاں اعمال جزء من الایمان ہیں، ان کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی ہو سکتی ہے اور جن لوگوں کے ہاں اعمال جزء من الایمان نہیں ہیں، ان کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

معتزلہ، خوارج اور مرجیہ کے درمیان نزاع حقیقی ہے:

خوارج اور معتزلہ کے نزدیک اعمال جزء ایمان ہیں اور قاعدہ ہے کہ انتفاء جزء انتفاء کل کو مستلزم ہے یعنی جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ پھر آگے دونوں میں یہ فرق ہے کہ (۱) عندالخوارج کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ (۲) معتزلہ کے نزدیک اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ جزو کی نفی سے کل کی نفی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

أی ولا نسقط عن المسلم بسبب ارتکاب کبیرة وصف الایمان کما یقوله المعتزلة حیث ذھبوا الی ان مرتکب الکبیرة یخرج عن الایمان ولایدخل فی الکفر

(فقہ اکبر صفحہ ۱۷)

ہم کسی مسلمان سے گناہ کبیرہ کرنے کی وجہ سے صفت ایمان سلب نہیں کرتے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس طرف گئے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے تو نکل جاتا ہے، لیکن کفر میں داخل بھی نہیں ہوتا۔

(۳) فرقہ مرجئہ کے ہاں صرف ایمان کافی ہے۔ ان کے نزدیک ایمان کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت ہے۔ نجات کے لیے صرف اتنا کافی ہے، طاعت اور عبادت یا اعمال ضروری نہیں۔

امام اعظمؒ اگر چہ اعمال کو جزء الایمان قرار نہیں دیتے، لیکن مرجئہ کی طرح اعمال کو لغو اور فضول بھی نہیں کہتے۔ اب سوال یہ ہے کہ جمہور محدثین اور فقہاء جب اعمال کو جزوایمان قرار دیتے ہیں تو امام اعظمؒ کیوں اس بات کا انکار فرماتے ہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ امام اعظمؒ نے چالیس حج کیے اور پچاس سال تک فجر کی نماز عشاء کے وضوء سے پڑھی۔ اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اعمال کے کیسے دلدادہ تھے۔ اصل قصہ یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے زمانہ میں خوارج اور معتزلہ کی کثرت تھی جو عمل کو جزوایمان قرار دے رہے تھے اور مرتکب کبیرہ کو خارج از اسلام سمجھتے تھے۔ ان کی اس افراط کی طرف نظر فرماتے ہوئے امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اعمال ایمان کا جز نہیں، مگر اعمال کی اہمیت بدستور قائم ہے۔ عام محدثین اور فقہاء کے زمانہ میں مرجئہ کی کثرت تھی، جنہوں نے اعمال کو بالکل لغو اور فضول قرار دے دیا تھا تو ان کی تفریط کی طرف نظر فرماتے ہوئے فقہاء اور محدثین نے اعمال کو جزوایمان قرار دے دیا تاکہ اعمال کی اہمیت بدستور قائم رہے اور وہ اعمال کے معاملہ میں مداہنت کے مرتکب نہ ہوں۔ یہ حقیقت میں نزاع لفظی ہے، حقیقی نہیں ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا تفصیل سے عیاں ہے۔

معتزلہ وغیرہ کے دلائل اور ان کے جوابات:

اس سلسلہ میں معتزلہ نے بعض کمزور دلائل کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے، لیکن ان کی کوئی دلیل بھی اثبات دعویٰ کے لیے کافی نہیں۔

(۱) اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ؀ (سورہ الم السجدہ/۱۸)

پس کیا جو شخص مومن ہے وہ برابر ہے اس کے جو نافرمان ہے، وہ برابر نہیں ہو سکتے۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ یہاں فاسق اور مومن کا تقابل ہے **والمقابلة قول على المغايرة**

(۲) لایزنی الزانی وھو مومن ولا یسرق السارق وھو مومن الخ

زنا کرنے والا جب زنا کا مرتکب ہوتا ہے، وہ مومن نہیں ہوتا اور چور جب چوری کرتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں صراحتاً مرتکب کبیرہ سے ایمان کو سلب قرار دے دیا گیا ہے؟

(۳) لا ایمان لمن لا امانة له الخ

اس شخص کا ایمان نہیں جو امانت دار نہیں۔

اس حدیث میں بھی خائن سے ایمان کا سلب ہونا بیان کیا گیا ہے؟ میں (مفتی محمودؒ) اگر چاہوں تو ان لوگوں کے رد میں بہت سارے دلائل دے سکتا ہوں، لیکن یہ بے جا طوالت ہوگی۔ مختصراً بات یہ ہے کہ (۱) جہاں تک مذکورہ بالا آیت کا تعلق ہے، اس میں فاسق سے مراد کافر ہے۔ کیونکہ کفر سب سے بڑا فسق ہے۔ جیسا کہ آیت کے شان نزول سے واضح ہے۔ (۲) اور حدیث تغلیظ ومبالغہ پر مبنی ہے۔ گناہ کی روک تھام کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوذرؓ کے سوال کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "علی

رغم انف ابی ذر"

اسی طرح خوارج نے عام نصوص سے استدلال کیا ہے جیسے

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکٰفرون o

لیکن مجموعی امت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ نصوص اپنے ظاہر پر حمل نہیں ہو سکتے اور دیگر قطعی دلائل اس کے خلاف ہیں۔ خوارج کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ اپنی من مانی تفسیریں بیان کرتے پھریں۔ چنانچہ صاحب شرح عقائد لکھتے ہیں:

والجواب انها متروكة الظاهر للنصوص القاطعة على ان مرتكب الكبيرة ليس بكافر والاجماع المنعقد على ذالك على مامر، والخوارج خوارج عما انعقد عليه الاجماع فلااعتداد بهم الخ

(خوارج کے مستدلات کا) جواب یہ ہے کہ وہ نصوص ظاہری معنی پر محمول نہیں ہیں کیونکہ ان کے مقابلے میں دیگر قطعی نصوص موجود ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا اور اس پر امت کا اجماع بھی ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے اور خوارج تو اس جادہ حق سے ہٹ چکے ہیں جس پر امت کا اجماع ہے، لہٰذا ان کے کسی قول وفعل کا اعتبار ہی نہیں ہے۔

(۳) نیز قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں کہ باوجود گناہ کے ارتکاب کے اللہ تعالیٰ نے مومن کہہ کر پکارا ہے جیسا کہ **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ** الخ (تحریم/۸)

(۴) **اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** الخ (الکہف/ ۱۰۷)

یہاں اعمال صالحہ کا عطف ایمان پر کیا گیا ہے اور عطف مغایرت کا طالب ہے۔ یعنی یہاں ایمان اور عمل صالح کو واضح طور پر الگ الگ کیا گیا ہے۔

(۵) ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور اعمال کا تعلق جوارح سے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ معتزلہ اور خوارج کے پاس کوئی ٹھکانے کی بات نہیں ہے اور عاقل کو اشارہ کافی ہے۔

حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ الخ

یعنی غزوہ احد جیسے واقعات اور آزمائشیں اس وجہ سے رونما ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی مقتضی ہے کہ اب کھرے کو کھوٹے سے اور کچے کو پکے سے الگ فرما دے۔ ورنہ ایک زمانہ تو اسی طرح لوگ ایسے ملے رہے کہ بظاہر کلمہ پڑھ لیا اور ہر محاذ پر مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ مومن منافق الگ تھلگ ہو جائیں اور آئندہ منافقین کا مسلمانوں کے ساتھ ایسا اختلاط نہ ہو۔ اگر یہ کڑی آزمائش نہ ہوتی تو خوشیوں میں کون الگ ہوتا ہے۔ چنانچہ غزوہ احد میں منافقین کا کردار کھل کر سامنے آ گیا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

یعنی اللہ تعالیٰ ایسا کر سکتے تھے کہ مسلمانوں میں سے ہر فرد کو منافقین کے اسماء واحوال کی اطلاع فرما دیتے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی عادت نہیں ہے۔ کیونکہ معجزات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہیں، لہٰذا اپنے رسولوں میں سے جن کو چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں امورِ غیبیہ پر مطلع فرما دیتے ہیں، بہر حال کماً اور کیفاً یعنی مقدار اور کیفیت کے اعتبار سے یہ بات اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے مشروط ہے۔

نور اور بشر کا مسئلہ:

نور اور بشر کو ایک دوسرے کے مقابل کرنا ایک جاہلانہ اور احمقانہ بات ہے۔ نور کے مقابلہ میں ظلمت ہے اور بشر کے مقابلہ میں جن اور فرشتے ہیں۔ نور اور ظلمت کا تقابل ہونا چاہیے اور بشر، جن، فرشتے کا۔ یہ ایک دوسرے مقابل ہیں، لیکن نور اور بشر کو مقابل قرار دینا جاہلانہ بات ہے اور تم لوگوں کو بھی اس جاہلانہ بات میں پھنسایا ہوا ہے، لہٰذا تم چلا چلا کر بھی کسی بریلوی کو اس بات سے نہیں روک سکتے۔ ہمارے اکابرین ایسی جاہلانہ باتوں میں نہیں الجھتے تھے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الخ

اب یہاں سے جہاد بالمال کا ذکر ہے کہ منافقین جس طرح جہاد سے جی چرا کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور پھر حضورؐ کے سامنے جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں، اسی طرح مال خرچ کرنے سے بھی جی چراتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے مال بچا لیا۔ سو جس طرح جہاد سے اپنے آپ کو بچا کر زندہ رہنا کوئی عزت کا جینا نہیں، اسی طرح اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا یہ سراسر نقصان اور خسران کا سودا ہے۔ دنیا میں تو اس کا نقصان ہے ہی، لیکن آخرت میں ایسا مال سخت زہریلے سانپ کی شکل میں گلے کا طوق ہوگا۔

وقف لازم

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ

بیشک اللہ نے انکی بات سنی ہے جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ فقیر ہے اور ہم دولت مند ہیں اب ہم

مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ

ان کی بات لکھ رکھیں گے اور جو انہوں نے انبیاء کے ناحق خون کیے ہیں اور کہیں گے کہ جلتی آگ کا

الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ

عذاب چکھو ۝ یہ اس چیز کے بدلے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم

لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى

نہیں کرتا ۝ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم فرمایا تھا کہ ہم کسی پیغمبر پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ

يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ

وہ ہمارے پاس قربانی لائے کہ اسے آگ کھا جائے کہہ دو مجھ سے پہلے کتنے رسول نشانیاں لے کر تمہارے پاس آئے

وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ

اور یہ نشانی بھی جو تم کہتے ہو پھر انہیں تم نے کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو ۝ پھر اگر یہ تجھے جھٹلائیں

فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

تو تجھ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے جو نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لائے ۝

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ

ہر جان موت کا مزا چکھنے والی ہے اور تمہیں قیامت کے دن پورے پورے بدلے ملیں گے پھر جو کوئی

زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا

دوزخ سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا سو وہ پورا کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کی

مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۫ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

پونجی کے اور کچھ نہیں البتہ تم اپنے مالوں اور جانوں میں آزمائے جاؤ گے اور البتہ پہلی کتاب والوں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا

اور مشرکوں سے تم بہت بدگوئی سنو گے اور اگر تم نے صبر کیا

وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اور پرہیزگاری کی تو یہ ہمّت کے کاموں میں سے ہے ○ اور جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اسے لوگوں سے

الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ

ضرور بیان کرو گے اور نہ چھپاؤ گے انہوں نے وہ عہد اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے میں

ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا

تھوڑا سا مول خرید کیا سو کیا ہی بُرا ہے جو وہ خریدتے ہیں ○ مت گمان کر ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں جو کرتے ہیں

وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ

اور چاہتے ہیں کہ اس چیز کے ساتھ تعریف کیے جائیں جو انہوں نے نہیں کی پس ہرگز تو انہیں عذاب سے خلاصی پانے والا خیال نہ کر

وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى

اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ○ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے واسطے ہے اور اللہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ ع

ہر چیز پر قادر ہے ○ بے شک آسمان اور زمین کے بنانے اور رات کے آنے

وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا

جانے میں البتہ عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں ○ وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے

وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا

اور کروٹ پر لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں (کہتے ہیں) اے ہمارے رب

خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ

تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا تو سب عیبوں سے پاک ہے سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا ○ اے رب ہمارے جسے تو نے

تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا

دوزخ میں داخل کیا سو تو نے اسے رُسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا ○ اے رب ہمارے ہم نے ایک پکارنے

مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

والے سے سُنا جو ایمان لانے کو پکارتا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لے آئے اے رب ہمارے اب ہمارے گناہ بخش

ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا

دے اور ہم سے ہماری بُرائیاں دُور کر دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے ○ اے رب ہمارے اور ہمیں دے جو تو نے

عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿١٩٤﴾ فَاسْتَجَابَ

ہم سے اپنے رسُولوں کے ذریعے سے وعدہ کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رُسوا نہ کر بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ○ پھر ان

لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ

کے رب نے ان کی دُعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کا کام ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت

بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا

تم آپس میں ایک دُوسرے کے جز ہو پھر جن لوگوں نے وطن چھوڑا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری

فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ

راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے البتہ میں اُن سے اُن کی برائیاں دور کروں گا اور انہیں

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ

باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ اللہ کے ہاں سے بدلہ ہے اور اللہ ہی کے ہاں

حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ

اچھا بدلہ ہے ○ تجھ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکہ نہ دے ○ یہ تھوڑا سا

قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ

فائدہ ہے پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے ○ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے

لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ

رہے ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کے ہاں مہمانی ہے

وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ

اور جو اللہ کے ہاں ہے وہ نیک بندوں کے لئے بدرجہا بہتر ہے ○ اور اہلِ کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر

بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ

ایمان لاتے ہیں اور جو چیز تمہاری طرف نازل کی گئی اور جو ان کی طرف نازل کی گئی اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
اللہ کی آیتوں پر تھوڑا مول نہیں لیتے یہی ہیں جن کے لئے ان کے رب کے ہاں مزدوری ہے بے شک اللہ جلد حساب
الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا
لینے والا ہے ○ اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ کے وقت مضبوط رہو اور لگے رہو اور اللہ سے
اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع
ڈرتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ ○

افاداتِ محمود:

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا الخ

یعنی یہود نے صرف اس پر اکتفا نہ کیا کہ فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے سے کتراتے ہوں، بلکہ جب قرآنی آیات واحادیث میں اللہ تعالیٰ نے صدقات واجبہ یا نافلہ کو کمال شفقت ومہربانی سے قرض سے تعبیر فرمایا تو یہود اور منافقین کہنے لگے کہ (العیاذ باللہ) محمدؐ کا رب غریب ہو گیا ہے جو ہم سے قرض مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس گستاخی کو سنگین جرم قرار دیتے ہوئے قتل انبیاء کے ساتھ اس بات کا بھی ذکر فرما دیا۔

تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ

گذشتہ امتوں میں بعض انبیاء کے ہاتھ پر اس معجزے کا ظہور ہوا کہ جو صدقات دے دیتے تھے، آسمان سے آگ اترتی اور اس کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی اور یہ اس کے قبولیت کی علامت ہوا کرتی تھی، لیکن یہ معجزات نہ تو ہر نبی کو ملے تھے اور نہ ہر نبی کے لیے ضروری تھے۔ چنانچہ جو کتب منزل من اللہ ہیں، ان میں بھی ایسی کوئی بات نہیں۔ یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بہانہ کر دیا کہ اگر آپ آگ لائیں گے تو ہم صدقہ کریں گے یا ہم صدقہ اس صورت میں دیں گے جب آگ آ کر اس کو جلا دے تو اللہ تعالیٰ نے ایک الزامی جواب دیا کہ اس سے قبل بہت سے نبی ایسے گزرے ہیں کہ ان کے صدقات کو آگ جلا دیتی تھی، لیکن پھر بھی تم لوگوں نے ان کو شہید کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ محض ایک بہانہ ہے اور تمہارے مقدر میں کفر لکھ دیا گیا ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ الخ

صحابہ کرامؓ سے کہا جا رہا ہے کہ احد کی آزمائش کی طرح مزید آزمائشیں بھی آ سکتی ہیں۔ آپ لوگوں کو تیار رہنا چاہیے اور انصار النبی کا عملی نمونہ پیش کرنا چاہیے اور کفار کی اذیت رساں باتوں پر صبر کرنا چاہیے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ الخ

آج کل سیاستدان اور لیڈر بھی یہی توقع رکھتے ہیں کہ خواہ مخواہ ان کی تعریف کی جائے۔ کام کسی اور نے کیا

ہوتا ہے، بورڈ کسی اور کے نام کا لگ جاتا ہے، حالانکہ یہ حرکت چنداں مفید نہیں، بلکہ اس میں دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی نقصان ہے۔ ایسے لوگ اخروی ودائمی عذاب سے چھوٹ نہیں سکیں گے۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ الخ

یعنی اللہ کے بندے کسی بھی وقت اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتے۔ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی یاد ان کے دلوں میں رہتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

کان رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر الله فی كل احيانه

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد فرماتے تھے۔

نماز بھی بہت بڑا ذکر ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کو قیام وقعود کی حالت میں یاد کرتا ہے۔ صاحب عذر پہلو کے بل بھی نماز پڑھ کر اللہ کو یاد کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْآ الخ پہلی امتوں میں صدقات وصول کرنے کے لیے فقراء ومساکین اللہ تعالیٰ کے نائب نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ اللہ کی راہ میں خرچ ہونے والا سرمایہ رکھ دیا جاتا تھا اور آسمان سے آگ آ کر اس کو خاکستر کر دیتی تھی اور یہ اس کے قبول ہونے کی دلیل تھی۔ ورنہ پھر اور سرمایہ ساتھ رکھ دیا جاتا تھا لیکن اُمت محمدیہ پر یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل واحسان ہے کہ صدقات وخیرات ضائع ہونے کی بجائے محتاجوں کو دے دیتے ہیں اور قبول ہو جاتے ہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا الخ

منادی سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا قرآن ہے اور دعوت سے مراد دعوت فعلی ہے یا سماعی ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ الخ

بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ حضور قرآن میں عموماً مردوں کا ذکر آتا ہے، مگر عوتوں کے اعمال کا ذکر نہیں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں یہ آیت نازل فرمادی کہ میں کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ کسی کا نیک عمل فرشتے بالکل نوٹ نہ کریں یا کسی نے زیادہ عمل کیا ہو تو فرشتے اس کو کم لکھ دیں اور آگے " بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ الخ " سے علت بھی بتادی کہ مرد عورتوں سے پیدا ہوتے ہیں اور عورتیں مردوں سے پیدا ہوتی ہیں، لہٰذا مردوں کے ضمن میں عورتیں بھی آ جاتی ہیں۔ اگر مؤنث کے صیغے استعمال نہ بھی ہوں، پھر بھی عورتیں ہر نیک تذکرہ میں شامل ہیں۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ الخ

اگر ایک شخص کو کہا جائے کہ یہ پلاؤ کھاؤ، لیکن کل تختہ دار پر لٹکائے جاؤ گے اور دوسرے سے کہا جائے کہ یہ دال روٹی کھاؤ اور ہمیشہ خوشی اور راحت سے رہو تو لازمی بات ہے کہ دال روٹی کو ترجیح دی جائے گی۔ دین کے

اعتبار سے اپنے سے افضل عمل والے کو دیکھنا چاہیے تا کہ اعمال کا شوق پیدا ہو اور دنیا کے اعتبار سے اپنے سے کمتر کو دیکھنا چاہیے تا کہ بندہ شکر ادا کرنے والا بنے۔ اگر ایک شخص پیادہ پا چلتا ہے تو لنگڑے کی حالت پر غور کرے۔ وہ شاکر بنے گا۔ اگر کوئی شخص بغیر جماعت کے نماز پڑھتا ہو اور بے نمازی کو دیکھے تو شکر کرے گا کہ میں تو پڑھتا ہوں، لیکن اگر وہ با جماعت نماز پڑھنے والوں اور تہجد پڑھنے والوں کو دیکھے گا تو زیادہ اعمال کا شوق و شغف پیدا ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ وقتی ساز و سامان اور آسائش و زیبائش کو نہ دیکھنا چاہیے جس کی عاقبت جہنم ہو (اعاذ نا الله منها)

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی جنت میں اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے جاؤں گا۔

وَرَابِطُوْا الخ (۱) اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ہی دل کی لو لگاؤ۔ (۲) یا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرو۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ رات کو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ حضرت عمار ابن یاسرؓ اور حضرت عباد ابن بشرؓ کی ڈیوٹی لگائی کہ یہ دونوں حضرات رات کے وقت قافلہ کی حفاظت اور چوکیداری کریں گے۔ ان دونوں حضرات نے آپس میں مشورہ کیا کہ دونوں کے مسلسل جاگنے سے ممکن ہے کہ رات کے آخری حصہ میں غلبۂ نوم کی وجہ سے آنکھ لگ جائے اور نقصان ہو جائے، لہٰذا رات کے ابتدائی نصف میں ایک ساتھی کو آرام کرنا چاہیے اور دوسرے کو حفاظت اور نصف آخر میں دوسرے ساتھی کو آرام کرنا چاہیے اور پہلے ساتھی کو ڈیوٹی سر انجام دینا چاہیے۔ چنانچہ ایک ساتھی آرام کرنے لگے اور ایک نے قافلہ کی حفاظت کی ذمہ داری کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دی۔ دوران نماز میں کسی دشمن کی طرف سے ایک تیر آ کر اس نماز پڑھنے والے کو لگ گیا۔ پھر دوسرا اور تیسرا تیر بھی لگا تب ساتھی کو جگایا۔ انہوں نے کہا کہ آپ پہلے ہی مجھ کو بیدار کر دیتے؟ فرمایا کہ میں نے نماز میں ایک سورۃ پڑھنا شروع کی تھی۔ اگر مجھ کو اپنے مرنے اور مسلمانوں کے سونے کی وجہ سے نقصان اور خیانت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس سورۃ کو مکمل کرنے سے پہلے نماز موقوف نہ کرتا۔ رباط کا ایک معنی یہ بھی ہے، جیسا کہ صحابہ کرام کے عمل مبارک سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

(۴) سُوْرَةُ النِّسَاۗءِ مَدَنِيَّةٌ (۹۲) رکوعاتها ۲۴

آیتیں ۱۷۶ سورۂ نساء جو مدینہ میں نازل ہوئی رکوع ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ
اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ
اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر
تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝۱ وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤى
تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ داری کے تعلقات کو بگاڑنے سے بچو بیشک اللہ تم پر نگرانی کررہا ہے ۝ اور یتیموں کو
اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ
اُن کے مال دو اور ناپاک کو پاک سے نہ بدلو اور ان کے مال اپنے
اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا ۝۲ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی
مال کے ساتھ مِلا کر نہ کھاجاؤ یہ بڑا گناہ ہے ۝ اور اگر تم یتیم لڑکیوں سے
الْیَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ
بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کرلو اگر
خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا
تمہیں خطرہ ہو کہ انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی سے نکاح کرو یا جو لونڈی تمہاری مِلک میں ہو وہی سہی یہ طریقہ
تَعُوْلُوْا ۝۳ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ
بے انصافی سے بچنے کے لئے زیادہ قریب ہے ۝ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو پھر اگر وہ اس میں سے اپنی خوشی سے
نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝۴ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ
تمہیں کچھ معاف کردیں تو تم اسے مزہ دار خوشگوار سمجھ کر کھاؤ ۝ اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہاری زندگی کے قیام کا

اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾

ذریعہ بنایا ہے بے سمجھوں کے حوالہ نہ کرو البتہ انہیں ان مالوں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور انہیں نصیحت کی بات کہتے رہو ○

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا

اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو یہاںتک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جاویں پھر اگر ان میں ہوشیاری دیکھو تو ان کے مال

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ

ان کے حوالے کردو اور انصاف کی حد سے تجاوز کرکے یتیموں کا مال نہ کھاؤ اور انکے بڑے ہونے کے

غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ

ڈر سے ان کا مال جلدی نہ کھاؤ اور جسے ضرورت نہ ہو تو وہ یتیم کے مال سے بچے اور جو حاجت مند ہو تو مناسب مقدار کھالے پھر

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۶﴾ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ

جب اُن کے مال ان کے حوالے کرو تو اس پر گواہ بنالو اور حساب لینے کے لئے اللہ کافی ہے ○ مردوں کا اس مال میں

مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

حِصّہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کا بھی اس مال میں حِصّہ ہے جو ماں باپ

وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۷﴾ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ

اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو تھوڑا ہو یا بہت یہ حِصّہ مقرر ہے ○ اور جب تقسیم کے وقت

اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا

رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور اُن کو معقول

مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا

بات کہہ دو ○ اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہئے اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں جن کی

عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ

انہیں فکر ہو ان لوگوں کو چاہئے کہ خدا سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں ○ بے شک جو لوگ

اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾ ع

یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور عنقریب آگ میں داخل ہوں گے ○

افاداتِ محمود:

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ الخ

نفس واحدہ سے مراد حضرت آدم ہیں۔

وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا الخ

یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے سب کو پیدا فرمایا اور حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے حضرت حوا کو پیدا فرمایا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وھی حوا علیھا السلام خلقت من ضلعه الا یسر من خلفه وھو نائم فاستیقظ فرا ھا فاعجبته○

(مذکورہ آیت میں زوج سے مراد) حضرت حوا ہیں جو پیچھے کی جانب سے حضرت آدم کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں اور حضرت آدمؑ سوئے ہوئے تھے جب اٹھے اور حضرت حوا کو دیکھا تو ان سے مانوس ہو گئے۔

پسلی چونکہ ٹیڑھی ہوتی ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی:

ان المرا ۃ خلقت من ضلع وان اعوج شیئی فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمه کسرته و ان استمتعت بھا استمتعت بھا و فیھا عوج و فی روایة کسرھا طلاقھا○

(تفسیر ابن کثیر بتغیر یسیر)

اور پسلی چونکہ ٹیڑھی ہوتی ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور سب چیزوں میں پسلی زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر تو اس کو (سو فی صد) سیدھا رکھنے کی کوشش کرے گا تو اسے توڑ دے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اس کے ٹیڑھا پن کے ہوتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھا۔ ایک اور روایت میں ہے، اس (عورت) کو توڑنا اسے طلاق دینا ہے۔

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ الخ

لوگوں کے پاس یتیموں کا مال ہوا کرتا تھا اور وہ اس مال کے نگران ہوتے تھے۔ اگر یتیم کی ۲۰ بکریاں اچھی قسم کی ہوتی تھیں تو یتیم کو دیتے وقت ردّی بکریاں دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ ایسا نہ کیا کرو۔ ان کا جو مال تمہارے پاس ہے وہی لوٹاؤ۔ اپنے پاس کوئی چیز نہ چھوڑو۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا الخ

اس آیت کے متعلق حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ عدم قسط اور ناانصافی سے کیا مراد

ہے؟ وہ فرمانے لگیں کہ یتیم لڑکی سے کبھی تو نکاح اس کے مال کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے جمال کی وجہ سے اور مردوں کی چاہت یہ ہوتی ہے کہ مہر مثل بھی دینا نہ پڑے۔ وہ نکاح کر کے صرف اس کا مال ہڑپ کر جائیں۔ اسی طرح دیگر حقوق جو معیشت اور معاشرت سے متعلق ہیں، ان کا کوئی خیال نہ کرنا پڑے۔ صرف مال یا جمال مطلوب ہو اور نکاح کے بعد اس کو معلقہ کر کے رکھا جائے تو یہ ناانصافی ہے۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ پھر یتیم لڑکیوں کے بجائے عام آزاد عورتوں سے نکاح کیا کرو جن کے سرپرست موجود ہوں۔ وہ خود بھی اپنے حقوق کا مطالبہ کر سکتی ہیں اور ان کے وارث بھی۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى الخ

اگر استطاعت ہے تو متعدد عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو، ورنہ ایک عورت سے یا باندی پر اکتفا کرو۔

نکاح میں اصل تعدد ہے:

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نکاح میں اصل تعدد ہے اور ایک نکاح مبنی برضرورت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم کا آغاز دو عورتوں کے نکاح سے کیا ہے۔ اکثر لوگ الٹا کہتے ہیں کہ اصل تو ایک نکاح ہے اور ایک سے زیادہ شادیاں کرنا کسی ضرورت کے ساتھ مشروط ہے۔ حالانکہ یہ ہے غلط بلکہ اصل حکم تعدد کا ہے۔ البتہ اگر طبیعت میں عدل کا رویہ پختہ نہیں اور ظلم کا احتمال موجود ہے یا طبیعت میں دنائت ہے تو پھر ایک پر اکتفاء کرو۔ مختصراً یوں کہا جائے گا۔

(وھذا نکاح الضرورۃ للظالم والتعدد مشروع اصلا)

یعنی ظالمانہ مزاج رکھنے والے کے لیے ایک نکاح ہے جو کہ نکاح ضرورت ہے اور زیادہ نکاح کرنا اصل ہے اور بنیادی طور پر جائز ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے دوسرے نکاح سے منع نہیں فرمایا، بلکہ بندے کے حالات پر اس کا دارومدار ہے کہ وہ اپنی طبیعت اور حالات کو جانچے پھر فیصلہ کرے۔ حکومت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ بتلا دیا:

ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحا الخ ۝

یعنی جو لوگ نکاح کے اخراجات کو برداشت نہیں کر سکتے، ان کو گناہ سے بچتے رہنا چاہیے تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ ان کو صاحب استطاعت بنا دے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سہلؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نکاح کے لیے پیش کیا تو ایک شخص نے کہا کہ حضور اس کا نکاح مجھ سے کرا دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا......

اذهب فالتمس ولو خاتماً من حدیدo

کہ جا مہر کے لیے کچھ تلاش کر خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ جب وہ گیا تو واپس آ کر کہا کہ اے اللہ کے رسول گھر میں کچھ بھی نہیں ہے۔ انگوٹھی بھی نہیں ملی، البتہ میرے پاس تہہ بند کی چادر ہے۔ آدھی اس کو دونگا اور آدھی میں لے لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تہہ بند کی چادر سے وہ کیا فائدہ اٹھا سکتی ہے؟ اگر تیرے پاس ہوگی تو اس کے پاس نہ ہوگی اور اگر اس کے پاس ہوگی تو تیرے پاس نہ ہوگی۔ جب وہ جانے لگا تو حضورؐ نے اسے دوبارہ بلوایا اور پوچھا کہ تیرے پاس قرآن کریم کا کچھ حصہ ہے؟ اس نے کچھ سورتوں کے نام بتلا دیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا ہم نے تیرا نکاح اس سے کر دیا اور مہر وہ سورتیں ہیں جو تجھ کو آتی ہیں (یعنی بیوی کو وہ سورتیں سکھانی ہیں) تو تعدد ازواج کا معاملہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مشورہ ہے کسی کو پابند نہیں کیا گیا۔ اللہ کے نبی نے بھی متعدد شادیاں فرمائی تھیں۔

عدل بین الزوجین اور بین النساء سے مراد عدل اختیاری ہے، اضطراری نہیں:

ایک عورت کے ساتھ بھی عدل وانصاف ضروری ہے اور اگر بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو پھر یہ ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اور وہ ان میں انصاف نہیں کر پاتا تو قیامت کے دن اس حال میں حاضر ہوگا کہ ایک جانب کو جھکا ہوا اور ٹیڑھا ہوگا۔ یاد رہے کہ عدل کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک اختیاری (۲) دوسری اضطراری۔ دونوں قسموں کی طرف قرآن وحدیث میں واضح اشارات موجود ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ

(سورہ نساء/۱۲۹)

اور تم ہرگز نہ کر سکو گے عدل عورتوں کے درمیان اگرچہ تم حرص بھی کرو۔ پس نہ جھکو پورا جھکنا (ایک ہی کی طرف) کہ تم چھوڑ دو اس کو بیچ میں لٹکی ہوئی۔

یعنی مکمل عدل وانصاف تم نہیں کر سکتے ہو کہ ذرا ذرا سی بات میں انصاف برتو اور کسی قسم کی کوئی کوتاہی اور لغزش نہ ہو۔ کیونکہ یہ انسان کے بس میں نہیں ہے۔ خصوصاً تکوینیات اور خطریات میں کہ ایک بہت بلند اخلاق کی حامل ہو، دوسری کچھ کم ہو۔ یہی حال خدمت کا اور دیگر فرائض کا ہے کہ سب عورتیں برابر نہیں ہوتیں۔ کبھی علم وفضل اور تقوی کے اعتبار سے بیویوں میں بڑا فرق ہوتا ہے تو برتاؤ میں کچھ نہ کچھ فرق تو ضرور آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی بات ارشاد فرمائی کہ کامل انصاف اگرچہ ممکن نہیں، لیکن کسی ایک کے ساتھ صریح اور کھلی بے انصافی نہ کرو کہ وہ معلقہ بن جائے کہ نہ تو وہ بغیر نکاح کے ہو کہ دوسری جگہ نکاح کر سکے اور نہ شوہر سے اسے حقوق ملیں۔ اپنی بساط کے

مطابق خوب انصاف کرواور کسی ایک پر ظلم نہ کرواور یہی عدل اختیاری ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی ہدایت ملی ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقسم فیعدل ویقول اللهم هذا قسمی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک (یعنی القلب)

(الترغیب والترھیب)o

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (ازواج مطہرات کے درمیان انتہائی انصاف پر مبنی تقسیم فرما دیتے تھے اور پھر ارشاد فرماتے کہ اے اللہ میں نے (عدل پر مبنی) تقسیم کردی ہے جو میرے اختیار میں ہے پس تو میرا مواخذہ اس بات پر نہ فرما جو تیرے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں ہے۔ (یعنی غیر اختیاری قلبی میلان)

اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ شرعاً عدل اختیاری اور جزوی عدل مطلوب ہے، نہ کہ غیر اختیاری اور عدل کلی

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ الخ

عطف علی واحدۃ ہے یعنی اگر زیادہ عورتوں میں انصاف واعتدال قائم رکھنے کا ظن غالب نہ ہو تو پھر ایک آزاد عورت سے یا باندی سے نکاح کرلو۔ کیونکہ ایک عورت کی ذمہ داری کو نبھانا بنسبت زیادہ عورتوں کے آسان ہے اور باندی کا تو مہر بھی کم ہوتا ہے۔ اس سے نکاح کرنے میں زیادہ سہولت ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ حرہ کے ساتھ نکاح کی استطاعت کے باوجود لونڈی سے نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟ امام مالک کے ہاں حرام ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مکروہ ہے۔

وَالْاَقْرَبُوْنَ اس لفظ سے معلوم ہوا کہ **یعول الاقرب حاجب للابعد** لٰہذا والدین کا مال اولاد کو ملے گا اس ارشاد کی دلیل اور بنیاد اقربیت ہے اس لیے بتا رہا ہوں کہ الاقرب یرث والابعد لا یرث قریب وارث بنتا ہے اور بعید نہیں بنتا۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے حق میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک مَرد کا حِصّہ دو عورتوں کے برابر ہے پھر اگر

نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا

دو سے زاید لڑکیاں ہوں تو ان کے لئے دو تہائی اس مال میں سے ہے جو میّت نے چھوڑا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے

النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ

آدھا ہے اور اگر میّت کی اولاد ہے تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو کل مال کا چھٹا حِصّہ

لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ

ملنا چاہئے اور اگر اس کی کوئی اولاد نہیں اور ماں باپ ہی اسکے وارث ہیں تو اسکی ماں کا ایک تہائی

كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ

حِصّہ ہے پھر اگر میّت کے بھائی بہن بھی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حِصّہ ہے (یہ حِصّہ اس) وصیّت کے بعد ہوگا جو وہ کر گیا تھا

اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ

اور بعد ادا کرنے قرض کے تم نہیں جانتے تمہارے باپوں اور تمہارے بیٹوں میں سے کون تمہیں زیادہ نفع پہنچانے والا ہے اللہ کی طرف

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ

سے حِصّہ مقرّر کیا ہوا ہے بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے ۝ جو مال تمہاری عورتیں چھوڑ مریں اسمیں تمہارا آدھا حِصّہ ہے

يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ

بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو اُس میں سے جو چھوڑ جائیں ایک چوتھائی تمہاری ہے اس

وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ

وصیّت کے بعد جو وہ کر جائیں یا قرض کے بعد اور عورتوں کے لئے چوتھائی مال ہے جو تم چھوڑ کر مرو بشرطیکہ

لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

تمہاری اولاد نہ ہو پس اگر تمہاری اولاد ہو تو جو تم نے چھوڑا اُس میں سے اُن کا آٹھواں حِصّہ ہے اس وصیّت کے بعد

تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ

جو تم کر جاؤ یا قرض کے بعد اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی یہ میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا

اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ
اوراس میت کا ایک بھائی یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہرایک کا چھٹا حصّہ ہے پس اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک
فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ
تہائی میں سب شریک ہیں وصیت کے بعد جو ہو چکی ہو یا قرض کے بعد بشرطیکہ اوروں کا نقصان نہ ہو
وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ
یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ جاننے والا تحمل کرنے والا ہے ○ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں اور جو شخص
يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
اللہ اوراُس کے رسُول کے حکم پر چلے اُسے بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں ہمیشہ
فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ
رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی ہے ○ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسُول کی نافرمانی کرے
حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع
اُس کی حدوں سے نکل جائے اسے آگ میں ڈالے گا اس میں ہمیشہ رہے گا اوراس کے لئے ذلّت کا عذاب ہے ○

افاداتِ محمود:

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ الخ یعنی لڑکیاں دو ہوں یا دو سے زیادہ ہوں اور لڑکے نہ ہوں تو لڑکیوں کو دو ثلث ملیں گے اور اگر صرف ایک ہی لڑکی ہو اور ساتھ کوئی لڑکا نہ ہو تو اس کو نصف ملے گا۔

پاکستانی آئین میں پوتے کی وراثت اور دلائل عقلیہ ونقلیہ سے اس کا ابطال:

پاکستانی قانون اور آئین کے مطابق اگر ایک شخص کے دو بیٹے ہوں اور پوتے بھی ہوں۔ پھر ایک بیٹا باپ کی زندگی میں فوت ہو جائے اور اس میت کا بیٹا زندہ ہو تو میت کا والد فوت ہونے کی صورت میں بیٹا تو وارث ہوگا ہی، لیکن عائلی قوانین کے مطابق اس کا پوتا بھی وارث ہوگا اور وہ فوت شدہ باپ کا حصہ پائے گا، حالانکہ الاقرب فالاقرب کے اصول کے مطابق حقیقی بیٹا عصبہ ہے۔ وہی وارث بن سکتا ہے، لیکن ابن الابن ابعد ہے یعنی پوتا ابعد ہے، وہ وارث نہیں بن سکتا۔ عائلی قوانین دفعہ ۴ میں اس کو وارث قرار دیدیا گیا ہے۔

عائلی قوانین مرتب کرنے والوں نے ایک خودساختہ ضابطہ بنایا کہ پوتا اپنے فوت شدہ والد کا قائم مقام ہے۔ اس طور سے اس میت کو اس کے والد کی وفات کے وقت زندہ فرض کرلیں گے۔ گویا اس نے میراث سے اپنا

حصہ پالیا۔ پھر اسے مردہ فرض کر کے اس کا حصہ اس کے بیٹے کو منتقل کر دیں گے، حالانکہ اس صورت میں عقلاً اور نقلاً بہت ساری خرابیاں ہیں۔

(۱) اسلام کا ضابطہ یہ ہے کہ زندہ وارث بنتا ہے، مردہ وارث نہیں بنتا، لیکن یہاں تو ۱/۲ مردہ کو دیا گیا اور ۱/۲ زندہ کو دیا گیا۔ پھر مردہ کا حصہ اس کے زندہ بیٹے کو منتقل کیا گیا، حالانکہ جس پوتے کو دادا کا وارث بنایا جا رہا ہے، یہ ایک دفعہ پہلے اپنے فوت شدہ والد کا وارث بن چکا ہے، اور وہ مرحوم مورث بن چکا ہے، لیکن اب دوبارہ اسے قبر میں پڑے پڑے مورث گردانا جا رہا ہے۔

(۲) جب بیٹا فوت ہوا تھا تو والد وارث بن گیا تھا جیسا کہ نصوص سے ظاہر ہے، لیکن اب جب والد وفات پا گیا تو بیٹا (فوت شدہ) پھر وارث بن گیا۔ یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

(۳) اسی طرح ایک شخص کے دو بچے ہوں اور ایک بیٹا ایک بیٹی۔ بیٹا اس شخص کی زندگی میں فوت ہو جاتا ہے آگے اس کی بھی ایک بیٹی ہے جو کہ پہلے شخص کی پوتی ہے۔ اب اگر وہ پہلا شخص فوت ہو جاتا ہے تو عائلی قانون کے مطابق اس کی پوتی کو اس شخص کی میراث سے دو حصے ملیں گے کیونکہ یہ لڑکی اپنے فوت شدہ والد کے دو حصے پائے گی، لہٰذا حقیقی بیٹی کو ایک اور پوتی کو دو حصے ملیں گے۔ یہ بھی عقل کے خلاف ہے اور اصول وراثت کے بھی خلاف ہے۔

(۴) اسی طرح اگر ایک شخص (زید) کے دو بیٹے ہوں اور ایک بیٹا صاحب اولاد ہو بیٹی کا باپ ہو اور یہ شخص اپنے والد زید کی زندگی میں فوت ہو جاتا ہے آگے ایک بیٹی چھوڑ جاتا ہے تو گویا اس شخص زید کا ایک حقیقی بیٹا اور یک حقیقی پوتی موجود ہیں اب یہ شخص زید فوت ہو جاتا ہے تو اس کے مرے ہوئے بیٹے کو زندہ فرض کر کے اس کو کل مال کا آدھا حصہ ملے گا۔ پھر اسے مردہ سمجھ کر وہ آدھا مال اس کی بیٹی کو ملے گا تو اس صورت میں حقیقی بیٹے اور پوتی کا حصہ برابر ہو گیا۔ حالانکہ یہ آیت لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ کی صریح مخالفت ہے۔ اگر بھائی کے ساتھ حقیقی بہن ہوتی تو اس کو ثلث ملتا اور اب بھتیجی ساتھ ہے جو مرے ہوئے شخص زید کی پوتی ہے تو اس کو آدھا حصہ مل رہا ہے۔ یہ بہت بڑی بیوقوفی ہے۔

(۵) پھر یہ قانون اولاد ہی کے ساتھ کیوں کر خاص ہے۔ آخر جو شخص فوت ہوا ہے، اس کی بیوہ بھی تو موجود ہے۔ اس کے لیے کوئی قانون نہیں۔ یہ ساری خرابی یہاں سے پیدا ہوئی کہ مردہ کو زندہ فرض کر لیا گیا اور سارے مال کا مالک بنا دیا گیا۔ اولاد کی تخصیص غلط ہے۔

(۶) اور اگر یہ کہا جائے کہ یہاں قائم مقام والا اصول جاری ہوتا ہے یعنی پوتا اپنے فوت شدہ والد کا قائم قام ہے تو یہ اصول صرف فوت شدہ شخص کی اولاد تک کیوں محدود ہے۔ اس کے بھائی وغیرہ بھی تو ہوتے ہیں، وہ قائم مقام کیوں نہیں بنتے؟

(۷) اگر ایک شخص فوت ہوتا ہے اور اس کا حقیقی بھتیجا زندہ اور بھائی پہلے سے فوت ہو گیا ہو تو جن صورتوں

میں بھائی وارث بنتا ہے ان صورتوں میں پھر بھتیجے کو بھی حصہ ملنا چاہیے، کیونکہ عائلی قوانین کے مطابق یہ بھی قائم مقام ہے۔صحیح بخاری میں ہے۔

سئل ابو موسی عن ابنة وبنات الابن واخت فقال للا بنة النصف وللاخت النصف وأت ابن مسعود فسيتا بعني فسئل ابن مسعود واخبر بقول ابی موسی فقال لقد ضللت اذاً وما انا من المهتدين، اقضی فيها بما قضی النبی صلی الله عليه وسلم لابنة النصف لابن الابن السدس تكملة للثلثين وما بقی للاخت٥ (بخاری ج۲)

حضرت ابوموسی اشعریؓ سے پوچھا گیا کہ اگر وارث (۱) بیٹی (۲) پوتی (۳) اور میت کی بہن ہوں تو ان کو میراث میں سے کتنا کتنا ملے گا؟ حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا کہ آدھا بیٹی کو ملے گا اور دوسرا آدھا بہن کو ملے گا (پوتی محروم ہے) اور احتیاطاً فرمایا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھیے۔وہ بھی جواب دینے میں میری پیروی کریں گے۔ وہ سائل حضرت ابن مسعودؓ کے پاس گیا۔سوال بھی پوچھا اور حضرت ابوموسیٰؓ کا جواب بھی عرض کر دیا۔حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر میں بھی وہی جواب دوں جو ابوموسیٰؓ نے دیا ہے۔تب تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور جادہ حق سے ہٹ جاؤں گا، بلکہ اس صورت میں وہی فیصلہ دونگا جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا، لہٰذا بیٹی کو کل مال کا آدھا ملے گا اور پوتی کو سدس یعنی چھٹا حصہ ملے گا تا کہ دو ثلث مکمل ہو جائیں اور جو باقی بچے گا وہ بہن کو ملے گا۔ یہاں دیکھیے کہ پوتی کو اللہ کے رسولؐ نے سدس دیا اور عائلی قوانین کے مطابق اس کو اپنے والد کا پورا حصہ ملنا چاہیے۔کتنا بڑا فرق ہے؟

(۸) اب اگر ایک شخص فوت ہو جاتا ہے پیچھے ایک بیٹی (بنت) کو بنت الابن (پوتی) اور اخت یعنی بہن کو چھوڑ جاتا ہے تو عائلی قانون کے مطابق پوتی کو۲/۳ ملے گا اور بنت کو۱/۲ ملے گا اور اخت (بہن) محروم ہوگی تو قرآن کریم سے انحراف کی وجہ سے تینوں کے حقوق متاثر ہو گئے۔اگر یہ قائم مقام والا اصول چلتا رہا تو حضرت حوا اور آدمؑ تک سارے لوگ حصوں کا مطالبہ کریں گے۔

اسلام میں اقربیت کا اصول ہے:

اسلام میں اقربیت کا اصول ہے اور میراث کے تمام احکام اس ضابطہ کی روشنی میں طے ہوتے ہیں۔

الولد: سے مراد مطلق اولاد ہے خواہ مذکر ہو یا مونث، (اخوۃ) بھائی۔ایک بھائی سے زیادہ ہوں، ورنہ ایک بھائی اثر انداز نہ ہوگا۔ وَصِيَّةٍ وَدَيْنٍ ؕ میں دین، وصیت پر مقدم ہے، لیکن یہاں آیت میں وصیت کو دین سے مقدم اس وجہ سے ذکر فرمایا گیا ہے کہ لوگ عموماً وصیت کے معاملہ میں کوتاہی کرتے ہیں۔ كَلٰلَةً ایسا شخص جس کے اصول اور فروع نہ ہوں یعنی باپ بھی نہ ہو اور بیٹا بھی نہ ہو۔

وَالّٰتِیْ
اور تمہاری
يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ
عورتوں میں سے جو کوئی بدکاری کرے ان پر اپنوں میں سے چار مرد گواہ لاؤ
فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ
پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لئے
لَهُنَّ سَبِيْلًا ۞ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا
کوئی راستہ نکال دے ۞ اور تم میں سے جو دو مرد وہی بدکاری کریں تو ان کو تکلیف دو پھر اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں
فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۞ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ
تو انہیں چھوڑ دو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ۞ اللہ پر توبہ قبول کرنے کا حق
لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ
انہیں لوگوں کے لئے ہے جو جہالت کی وجہ سے برا کام کرتے ہیں اس کے بعد جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۞ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ
اُن لوگوں کو اللہ معاف کر دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا دانا ہے ۞ اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہے
يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ
جو برے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے اس وقت کہتا ہے کہ اب میں توبہ
الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا
کرتا ہوں اور اسی طرح ان لوگوں کی توبہ بھی قبول نہیں ہے جو کفر کی حالت میں مرتے ہیں ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب
اَلِيْمًا ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا
تیار کیا ہے ۞ اے ایمان والو! تمہیں یہ حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کو میراث میں لے لو اور ان کو
تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ
اس واسطے نہ روکے رکھو کہ ان سے کچھ اپنا دیا ہوا مال واپس لے لو ہاں اگر وہ کسی صریح بدچلنی کا

مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ
ارتکاب کریں اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح سے زندگی بسر کرو اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ
تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ⑲ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ
تمہیں ایک چیز پسند نہ آئے مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھی ہو ○ اور اگر تم
اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا
ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو بدلنا چاہو اور ایک کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی
مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ⑳ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ
واپس نہ لو کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح ظلم کر کے واپس لو گے ○ تم اسے کیونکر لے سکتے ہو
وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ㉑
جب کہ تم میں سے ہر ایک دُوسرے سے لطف اندوز ہو چکا ہے اور وہ عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں ○
وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں مگر جو پہلے ہو چکا
فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ㉒ ع
یہ بے حیائی ہے اور غضب کا کام ہے اور بُرا چلن ہے ○

افاداتِ محمود:

وَالَّذٰنِ الخ

صیغہ اگرچہ مذکر کا ہے، لیکن مراد مرد وعورت دونوں ہیں اور مذکر کا صیغہ تغلیباً لایا گیا ہے۔(۲) یا لفظ اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور مراد دونوں مرد ہیں اس صورت میں لواطت مراد ہوگی۔ لیکن پہلی تفسیر راجح ہے۔

قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْئٰنَ الخ

نزع کی حالت میں ایمان اندر نہیں جاتا اور نزع کی حالت میں سابقہ ایمان سے بھی کچھ جاتا نہیں۔ البتہ کوشش کرنی چاہیے کہ متحضر کے سامنے کلمہ پڑھا جائے۔ اگر اس وقت اس کو پڑھنے کی توفیق ہوگئی تو کیا ہی اچھی بات ہے، لیکن نزع کی حالت میں سلب ایمان کا خطرہ نہیں ہے۔

اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ الخ

آج کل بھائی کی بیوی اور یتیم بھتیجیاں بھی لوگ میراث میں دیتے اور لیتے ہیں حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ میراث میں مال تو مل سکتا ہے، لیکن عورتیں نہیں۔ یہ ایک جاہلانہ رسم اور انانیت پر مبنی مسئلہ ہے۔ بعض لوگوں کا مطمح نظر یہاں بھی مال ہوتا ہے۔ مال ہڑپ کرنے کے لیے جبراً بھائی کی بیوہ سے خود اور یتیم بھتیجیوں سے بیٹوں کی شادی رچا لیتے ہیں۔

بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ الخ

یعنی میت کے وارثوں کو جبراً بیوہ عورت سے نکاح کرنے کا حق نہیں ہے، البتہ اگر وہ صریح فحاشی اور گناہ کی مرتکب ہو رہی ہو تو گناہ سے روکنے کا انہیں حق حاصل ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ
تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں
وَ أَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْأَخِ وَ بَنٰتُ الْأُخْتِ وَ أُمَّهٰتُكُمُ
اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور جن ماؤں نے
الّٰتِيٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَ أَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ أُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ
تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دُودھ شریک بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور
رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ
اُن کی بیٹیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہے ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا تعلق زن وشو ہو چکا ہے اور اگر
لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ
تعلق زن وشو نہ ہوا ہو تو تم پر اس نکاح میں کچھ گناہ نہیں اور تمہارے بیٹوں کی عورتیں
الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَ أَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ
جو تمہاری پشت سے ہیں (یہ سب عورتیں تم پر حرام ہیں) اور دو بہنوں کو (ایک نکاح میں) اکٹھا کرنا حرام ہے مگر جو پہلے ہو چکا
إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾
بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

افاداتِ محمود:

أُمَّهٰتُكُمْ

مائیں اور تمام جدات مراد ہیں۔ ماں کی طرف سے بھی اور باپ کی طرف سے بھی۔ الی الحواء۔ وبناتکم الخ تمام بیٹیاں مراد ہیں۔ پوتیاں پڑپوتیاں بھی حرام ہیں۔ وَ أَخَوٰتُكُمْ (۱) حقیقی بہنیں (۲) باپ شریک بہنیں۔ (۳) ماں شریک بہنیں۔ تینوں قسم حرام ہیں وَ عَمّٰتُكُمْ پھوپھیاں وَ خٰلٰتُكُمْ اور خالائیں وَ بَنٰتُ الْأَخِ الخ بھتیجیاں وان سفلت وَ بَنٰتُ الْأُخْتِ اور بھانجیاں أَرْضَعْنَكُمْ اور وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو، لیکن حرمت زمانہ شیر خواری سے مشروط ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر غلطی سے بیوی کا دودھ حلق میں اتر گیا تو کیا حکم ہے۔ جواب یہ ہے کہ بیوی کا دودھ پینا اگرچہ حرام ہے، لیکن بیوی شوہر پر حرام نہ ہوگی، کیونکہ زمانہ رضاعت کا نہیں ہے۔ حرمت رضاعت کے ثبوت کے

لیے مطلق دودھ کا پینا پلانا کافی ہے، نہ تو میراث کی کوئی قید ہے اور نہ قلیل و کثیر میں فرق ہے۔
حضرت عائشہؓ کے پاس حضرت افلحؓ آیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے منع فرمایا۔ کہنے لگے کہ میں آپ کا رضاعی چچا ہوں کیونکہ یہ مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے شوہر کے بھائی تھے۔ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ واقعی وہ آپ کے چچا ہیں تو حضرت عائشہؓ نے پھر پوچھا کہ حضورؐ، دودھ تو مجھ کو عورت نے پلایا ہے، لہٰذا مرد کیسے والد یا چچا ٹھہرا؟ آپؐ نے فرمایا یحرم من الرضاع مایحرم من النسب ٥ یعنی جتنے رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں وہ سب رضاعت کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

وَ اُمَّھٰتُ نِسَاۗىِٕكُمْ

اور ساس بھی حرام ہے وان طلق قبل الدخول ، اگر چہ ایک شخص نے مباشرت سے پہلے ہی بیوی کو طلاق دی ہو، لیکن ساس پھر بھی حرام ہوگی۔ وربائبکم ربیبہ وہ لڑکی ہے جو تمہاری بیوی کے سابق شوہر سے ہو تو اب جب اس کی ماں سے نکاح کریں تو ربیبہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے، بشرطیکہ اس سوتیلے والد نے اس کی والدہ سے مباشرت کی ہو۔ اگر مباشرت سے پہلے ربیبہ کی والدہ کو طلاق دیدی تو پھر ربیبہ سے نکاح جائز ہوگا۔

حرمت وحلت سے متعلق ایک اہم قانون:

نکاح البنات تحریم الامہات و دخول الامہات تحریم البنات ٥

عورتوں کی بیٹیوں سے نکاح کرنا ان کی حرمت ہے۔ (عورتیں ساس بن گئیں) اور بیٹیوں کی حرمت ان کی ماؤں سے مباشرت سے مشروط ہے جیسا کہ وَ اُمَّھٰتُ نِسَاۗىِٕكُمْ کے اطلاق اور ان دَخَلْتُمْ بِهِنَّ کی قید سے ظاہر ہے۔ وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ اور بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں، لیکن مراد صلبی بیٹے ہیں، متبنیٰ وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنیٰ حضرت زیدؓ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا تھا۔ (قانون) ایسی دو عورتیں کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد فرض کیا جائے تو ان کا نکاح جائز نہ ہو۔ ان کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

بہنوں کے متعلق شرعی حکم اور مودودی صاحب کی رائے:

مودودی صاحب نے ایک خود ساختہ ضابطہ بنایا کہ حالت اضطرار میں دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ دو بہنیں جڑی ہوئی ہوں۔ بدن ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہو۔ دونوں جدا نہ ہو سکتی ہوں تو ان کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ حالت اضطرار ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں کا جدا کرنا ممکن ہے تو دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا جائے اور اگر الگ کرنے میں موت کا اندیشہ ہو تو اسی طرح رہنے دیا جائے۔ پھر یہ دیکھا جائے گا کہ حقیقت میں دو ہیں یا ایک لڑکی ہے اور دوسرا عضو زائد ہے۔ اس اعتبار سے احکام مرتب ہوں گے۔ (۱) پہچان اس کی یہ ہے کہ اگر ایک نے کھانا کھایا اور دوسری کی بھوک رفع ہو گئی۔ اسی طرح ایک نے پانی پیا تو دوسری کی بھی پیاس بجھ گئی تو سمجھ لو کہ حقیقت میں وجود واحد ہے اور دوسرا عضو زائد ہے۔ تب اس صورت میں ایک شخص سے نکاح جائز ہوگا۔

(۲) اور اگر دونوں کے اعضاء الگ الگ ہیں۔ ایک کے کھانے پینے سے دوسری کو فائدہ نہیں ہوتا تو یہ حقیقت میں دو ہیں۔ پھر ایک شخص سے نکاح جائز نہ ہوگا اور یہ اسی طرح زندگی گزاریں گی۔

رہی بات مودودی صاحب کی کہ یہ حالت اضطراری ہے اور دونوں کا نکاح ایک شخص سے جائز ہے تو یہ غلط ہے۔ نکاح میں کوئی اضطرار نہیں ہے۔ کیونکہ کہ اس کی مثالیں موجود ہیں۔ (۱) مثلاً ایک عورت نوجوان ہے سن یاس کو بھی نہیں پہنچی ہے، لیکن کسی بیماری کی وجہ سے حیض بالکل بند ہو گیا اور شوہر نے طلاق دے دی تو یہ عورت سن یاس تک عدت میں رہے گی اور سن یاس کو پہنچ کر پھر اس کی عدت گزرے گی اور دوسری جگہ نکاح کر سکے گی۔

(۲) یا ایک عورت مفضاۃ ہو اور دونوں راستے مل گئے تو منکوحہ ہونے کی صورت میں چونکہ اتیان الد بر حرام ہے، لہٰذا زندگی بھر اسی طرح بیٹھی رہے گی۔ اس سے مباشرت نہیں کی جا سکتی، لہٰذا نکاح میں اضطرار کا کوئی اصول نہیں ہے۔ مودودی صاحب نے پہلے خود ایک ضابطہ بنایا اور پھر اس کی روشنی میں جن دو بہنوں کے جسم ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں ان کے ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونے کو جائز قرار دے دیا۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا مودودی صاحب نے متعہ کو حالت اضطرار میں جائز قرار دے دیا اور اس اضطرار کی مثال یہ دی کہ اگر کسی بحری جہاز میں مرد و عورت سوار ہوں اور وہ غیر ارادی طور پر کسی سنسان جزیرہ کے کنارے پر جا لگے تو اس صورت میں متعہ جائز ہوگا۔ (۱) میں (مفتی محمودؒ) کہتا ہوں اگر وہ عورت اس کی ماں یا بہن ہو تو پھر وہ کیا کرے گا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ دجال سے متعلق حضرت تمیم داریؓ کی جو حدیث ہے، وہ مشکوٰۃ سمیت احادیث کی بہت سی کتابوں میں موجود ہے کہ ان لوگوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشاہدہ کی خبر سنی اور پھر اس کو مسجد نبوی کے منبر پر بیان فرمایا کہ دجال ایک جزیرہ میں قید ہے اور قرب قیامت میں وقت مقرر پر آزاد ہو کر وہاں سے باہر آئے گا۔ تفصیل کتب احادیث و عقائد میں ملاحظہ فرمائیں۔ مودودی صاحب نے اس کے متعلق کہا کہ ۱۳۰۰ سو سالہ تاریخ نے ثابت کر دیا کہ دجال کا اندیشہ غلط تھا۔ کیونکہ کوئی جزیرہ غیر آباد نہیں ہے یوں حدیث دجال سے انکار کر دیا۔ میں (مفتی محمودؒ) کہتا ہوں کہ جس جزیرہ میں متعہ جائز ہے، اسی میں دجال موجود ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ جواز متعہ کے لیے جزیرہ کو غیر آباد تسلیم کیا جائے اور وجود دجال سے انکار کے لیے تمام جزائر کو آباد قرار دے دیا جائے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ

اور خاوند والی عورتیں مگر تمہارے ہاتھ جن کے مالک ہو جائیں یہ اللہ کا قانون تم پر لازم ہے

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ

اور ان کے سوا تم پر سب عورتیں حلال ہیں بشرطیکہ انہیں اپنے مال کے بدلے میں طلب کرو ایسے حال میں کہ نکاح کرنے والے ہو

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو پھر ان عورتوں میں سے جسے تم کام میں لائے ہو تو ان کے حق جو مقرر ہوئے ہیں وہ انہیں دے دو البتہ

فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد آپس کی رضامندی سے باہمی کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے ○

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ

اور جو کوئی تم میں سے اس بات کی طاقت نہ رکھے کہ خاندانی مسلمان عورتیں نکاح میں لائے تو تمہاری ان لونڈیوں میں سے

مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ

کسی سے نکاح کر لے جو تمہارے قبضہ میں ہوں اور ایماندار بھی ہوں اور اللہ تمہارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِهِنَّ وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ

تم آپس میں ایک ہو لہٰذا ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لو اور دستور کے موافق ان کے مہر دے دو

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ

درآنحالیکہ نکاح میں آنے والیاں ہوں آزاد شہوت رانیاں کرنیوالیاں نہ ہوں اور نہ چھپی یاری کرنیوالیاں پھر جب

اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ

وہ قید نکاح میں آجائیں پھر اگر بے حیائی کا کام کریں تو ان پر آدھی سزا ہے جو خاندانی عورتوں پر

مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ

مقرر کی گئی ہے یہ سہولت اس کیلئے ہے جو کوئی تم میں سے تکلیف میں پڑنے سے ڈرے اور صبر کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

افاداتِ محمود:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ الخ یعنی کسی عورت کا کافر کے ساتھ نکاح ہوا اور لڑائی کے دوران قید ہوکر وہ باندی بن گئی اور شوہر دارالحرب میں ہے تو طلاق نہ دینے کے باوجود نکاح ٹوٹ گیا کیونکہ تباین دارین سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

اَنْ تَبْتَغُوْا الخ ابتغا سے مراد نکاح اور مال سے مراد حق مہر ہے۔(أی ان تنکحو بالمهور)

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا الخ

سابقہ آیات میں نکاح سے متعلق بیت سے احکام بیان ہو گئے جو آزاد مرد اور آزاد عورت کے حقوق وفرائض سے متعلق تھے۔اب ارشاد ہوتا ہے کہ اگر مسلمان مرد حرّہ مسلمہ سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو مسلمان لونڈی سے نکاح کرلے جو تم میں سے بعض کے قبضہ وملک میں ہے۔مگر ان کی شرائط کا پاس رکھ یعنی اس کے مالک کی اجازت ورضا سے اور اس کے مالک کو وہ مطلوبہ مہر جو آزاد عورت کے مہر کے مقابلے میں کہیں کم ہوتا ہے ادا کر دیا جائے تاکہ اس کا نکاح آپ سے درست ہو سکے۔لونڈی ایسی ہو جو بدکاری اور خفیہ یاری کرنے والی نہ ہو۔اگر وہ لونڈیاں پھر بھی بدکاری کی مرتکب ہو جائیں تو ان کے لیے آزاد عورت کی سزا کا نصف ہے اور یہی حکم تمام سزاؤں میں غلام کے لیے بھی ہے۔

ہمارے تمام دستاویز اور آج تک بننے اور ٹوٹنے والے تمام پاکستانی آئین میں غلامی ممنوع ہے۔اس آئین میں بھی ہم نے بہت کوشش کی کہ یہ شق ختم ہو جائے لیکن حکومت کے کارندے اس کو معاشرتی اور ترقی یافتہ دور کے لیے ناہمواری سمجھتے ہیں اور اس کو اپنی جمہوریت کے مطابق نہیں پاتے اور اس کو انسان کی فضیحت کا نام دیتے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے اُن کے حقوق متعین کر لیے ہیں۔کسی بھی موقع پر ان کے حقوق مسلمانوں سے کم نہیں ہیں۔حتیٰ کہ اسلام نے بہت سے کفارات میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔اس صورت میں تو ان کی بہت ہی رعایت رکھی گئی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اسلام انسانی حقوق کا سب سے زیادہ علمبردار ہے اور کسی بھی انسان کی فضیحت اور تضحیک وغیرہ سے منع کرتا ہے۔اگر مسلمانوں کی سیاسی صورت حال مدنظر نہ ہوتی تو اسلام کے نظریات و تصورات بھی غلام بنانے کی سوچ سے ناآشنا ہوتے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ آج کوئی بھی ملک دوسرے ملک کے جنگی قیدیوں کو بلاتاخیر اور بلاتامل نہیں چھوڑتا۔ حالانکہ اقوام متحدہ کے بہت سے کاغذی معاہدے ملکوں سے ہو چکے ہیں اور اب تک قائم ہیں لیکن کوئی ملک اُن معاہدوں پر اس وقت تک عمل نہیں کرتا جب تک اُسے کوئی سیاسی یا مالی مفاد حاصل نہ ہو۔ان فوجیوں اور قیدیوں کی صحت تباہ کرنے کے لیے ان کو جیلوں میں ڈالا جاتا ہے اور طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان قیدیوں کی سوچ اور ردعمل اس ملک کے خلاف مزید شدت اختیار کر جاتا ہے۔جبکہ اس کے برعکس اسلام

نے ہر موقع پر غلاموں کے ساتھ احسان وحسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ جیل کے بجائے اپنے پاس رکھنے کا حکم دیا ہے اور ہدایت دی کہ جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ اور جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ۔ تا کہ آپ کے میانہ اخلاق وکردار سے متاثر ہو کر یا تو وہ مسلمان ہو جائیں اور اگر مسلمان نہیں ہوتے تو کم از کم ان کے جذبات مسلمانوں کے خلاف نہیں ہوں گے۔ بلکہ موافق اور حق میں ہوں گے۔ نیز غلام بنائے جانے کی وجہ سے وہ فوری انتقام سے بچ جائیں گے کیونکہ سزا مل چکنے یا قتل کیے جانے کے بعد اس کی مکافات نہیں ہوسکتی جو ہونا تھا ہو گیا اب کیا کیا جاسکتا ہے؟ لیکن غلام بنائے جانے کے بعد اسلام نے ان کے تحفظات کے متعلق یہ ہدایت دی۔ وما ئهم كدمائنا واموالهم كأموالنا الخ

لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی زید بن حارثہ بنا، کوئی سلمان فارسیؓ اور کوئی بلال حبشیؓ بنا۔ واللہ اعلم

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ
اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کرے اور تمہیں
مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ
پہلوں کی راہ پر چلائے اور تمہاری توبہ قبول کرے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ○ اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی
عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾
رحمت سے متوجہ ہو اور جو لوگ اپنے مزوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہ سے بہت دُور ہٹ جاؤ ○
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے ○ اے ایمان والو!
اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ
آپس میں ایک دُوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی خوشی سے
مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ
تجارت ہو اور آپس میں کسی کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے ○ اور جو شخص
ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۗ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
تعدّی اور ظلم سے یہ کام کرے گا تو ہم اسے آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ پر
يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ
آسان ہے ○ اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا تو ہم تم سے تمہارے چھوٹے گناہ معاف کر دینگے
نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى
اور تمہیں عزت کے مقام میں داخل کریں گے ○ اور مت ہوس کرو اس فضیلت میں جو اللہ نے بعض کو
بَعْضٍ ۗ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۗ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۗ
بعض پر دی ہے مردوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے
وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا
اور اللہ سے اس کا فضل مانگو بے شک اللہ کو ہر چیز کا علم ہے ○ اور ہر شخص کے

مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ
ہم نے وارث مقرر کردیئے ہیں اس مال کے جو ماں باپ یا رشتہ دار چھوڑ کر مریں اور وہ لوگ جن سے تمہارے عہد و پیمان ہوں
فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿٣٣﴾ ع
تو انہیں ان کا حصہ دے دو بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ○

افاداتِ محمود:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ الخ اس آیت سے معتزلہ استدلال کرتے ہیں کہ کبائر جمع کا صیغہ ہے اور جمع جب مضاف ہوتا ہے تو اس سے استغراق مراد ہوتا ہے اور یہ جملہ شرطیہ ہے، لہٰذا مراد یہ ہے کہ صغائر کی بخشش موقوف ہے کبائر سے اجتناب پر۔ اگر تمام کبائر سے کوئی بچے گا تو صغائر معاف ہوں گے اور اگر تمام کبائر سے نہ بچے گا تو صغائر بھی معاف نہ ہوں گے۔

اس آیت سے معتزلہ کا یہ استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مضاف مضاف الیہ نہیں ہے، بلکہ موصوف صفت ہے کبائر موصوف ہے ماتنھون عنه صفت ہے اس صورت میں معنٰی یہ ہوگا کہ اگر تم ان کبائر سے بچو جن سے تم روکے جاتے ہو۔ صغائر ہم معاف کردیں گے، البتہ کبیرہ کے دواعی صغیرہ ہیں۔ جیسے زنا کبیرہ گناہ ہے۔ اس کے دواعی النظر الی الاجنبیه و لمسها و تقبیلها یہ دواعی زنا ہیں صغیرہ ہیں، کبیرہ نہیں ہیں۔ اگر یہ دواعی منتج کبیرہ ہوئے تو یہ بھی کبیرہ بن جائیں گے اور الکف من الزنا یہ کف حسن ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کف نفس عن الـزنـا کر دیتا ہے تو یہ فعل حسن ہے اور پھر دواعی بھی معاف ہو جائیں گے۔ کیونکہ قانون خداوندی ہے ''ان الحسنات یذهبن السیئات'' یعنی نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں، لہٰذا معتزلہ کا استدلال اس آیت سے باطل ہے اور جس دعویٰ پر انہوں نے یہ دلیل قائم کی تھی وہ دعویٰ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ الخ

پاکستان کے آئین میں غلامی کا سلسلہ ممنوع ہے۔ آج کل لوگ اس کا مذاق ہی اڑاتے ہیں، حالانکہ قیدیوں کو چھوڑنا بہت بڑی سیاسی غلطی ہے۔ کیونکہ وہ دشمن ہیں۔ جب آپ نے ان کو چھوڑ دیا تو وہ زیادہ مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔ وہ زیادہ مقابلہ کریں گے اور اپنا غصہ نکالیں گے۔ ۶۵ء کے قیدی اب تک موجود ہیں اور لوگ ان کو طرح طرح کی سزائیں اور عذاب دیتے ہیں، لیکن اسلام نے جیل خانہ نہیں بنایا، بلکہ مسلمان ان جنگی قیدیوں کو بطور غلام مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور وہ اپنے کردار و اخلاق سے ان کو متاثر کر کے مسلمان بنا دیتے تھے۔ ان موالی میں بڑے بڑے متقی اور بزرگ پیدا ہوئے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ ایک دن جا رہے تھے۔ ان کے پاس ایک جوڑا نیا تھا اور ایک پرانا تھا۔ اسی طرح ان کے غلام کے پاس بھی ایک نیا اور ایک پرانا جوڑا

تھا۔ جب اس بے مثال مساوات کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ میں ایسا کیوں نہ کرتا، جبکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت یہ ہے کہ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے قبضہ قدرت میں دے دیا ہے۔ پس جس کے زیر دست کوئی غلام ہو تو اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور ان کو کسی مشکل کام کی تکلیف نہ دے اور اگر لاچار ہو کر ایسا کرنا پڑے تو پھر تم بھی ان کی مدد کرو۔ سبحان اللہ کیا ہدایات اور اصول سمجھائے جا رہے ہیں۔ غلاموں کے حقوق کی کیا عجیب پاس داری کی جا رہی ہے۔ انسانی حقوق کے علم برداروں کے لیے اس حدیث میں بڑی عبرت ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے غلام کو تھپڑ مارا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اعلم یا ابا مسعود اللہ اقدر علیک منک علی ھذا" یعنی اے ابو مسعودؓ اللہ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے۔ کہا کہ وہ آزاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو اسے آزاد نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ تجھ کو سزا دے دیتا۔ غلام کو آزاد کرنے پر بڑے اجر اور ثواب کا وعدہ ہے کہ غلام کے ایک ایک عضو کے عوض آزاد کرنے والے کے تمام اعضاء جہنم سے آزاد ہوں گے۔ اسی طرح کفارۂ قتل کے سوا تمام کفارات میں مطلق تحریر رقبۃ کا ذکر ہے کہ کسی نہ کسی بہانے سے غلام کو آزاد کیا جائے۔ جیسا کہ کفارۂ یمین، کفارہ ظہار وغیرہ۔ اسلام کسی کو قید میں رکھنا نہیں چاہتا، لیکن فوری طور پر چھوڑ دینے کا بھی روادار نہیں ہے۔ آج کل سرمایہ دار لوگ نوکروں سے غلاموں سے بھی بدتر سلوک کرتے ہیں۔ بعض دفعہ نوکر سید ہوتا ہے اور مالک کا نسب بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا، لیکن اس سید پر طرح طرح کے مظالم کے پہاڑ ڈھائے جاتے ہیں۔ آج غریب ملازم چاہتے ہیں کہ ان سے وہی سلوک کیا جائے جو غلاموں سے کیا جاتا تھا اور ان کو وہ حقوق دیئے جائیں جو غلاموں کو دیے جاتے تھے، لیکن آج ایسا کب ممکن ہے؟

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ

مرد عورتوں پر

عَلَى النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ

حاکم ہیں اس واسطے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے اور اس واسطے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ

پھر جو عورتیں نیک ہیں وہ تابعدار ہیں مردوں کی پیٹھ پیچھے اللہ کی نگرانی میں (انکے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں اور جن

نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاهْجُرُوْھُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ۚ فَاِنْ

عورتوں سے تمہیں سرکشی کا خطرہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور سونے میں جدا کردو اور مارو پھر اگر

اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝۳۴ وَاِنْ

تمہارا کہا مان جائیں تو ان پر الزام لگانے کیلئے بہانے مت تلاش کرو بے شک اللہ سب سے اُوپر بڑا ہے ۝ اور اگر

خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَھْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَھْلِهَا ۚ

تمہیں کہیں میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان

اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝۳۵

میں سے مقرر کرو اگر یہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں میں موافقت کردے گا بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے ۝

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَـيْـــًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي

اور اللہ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰي وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ

رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور

الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا

پاس بیٹھنے والے اور مسافر اور اپنے غلاموں کے ساتھ بھی نیکی کرو بے شک اللہ

يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا ۝۳۶ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ

اترانے والے بڑائی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ۝ جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل سکھاتے ہیں

بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ
اور اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو دیا ہے اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے

عَذَابًا مُّهِيْنًا ۟ وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا
ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے ○ اور جو لوگ اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھانے میں خرچ کرتے ہیں اور

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ
اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جس کا شیطان ساتھی ہوا تو وہ بہت برا

قَرِيْنًا ۟ وَ مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا
ساتھی ہے ○ اور اگر یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے تو ان کا

رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۟ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ
کیا نقصان تھا اور اللہ انہیں خوب جانتا ہے ○ بے شک اللہ کسی کا ایک ذرہ برابر بھی حق نہیں رکھتا اور اگر

تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۟ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا
نیکی ہو تو اس کو دگنا کر دیتا ہے اور اپنے ہاں سے بڑا ثواب دیتا ہے ○ پھر کیا حال ہوگا

مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۟ؕ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ
جب ہم ہر امت میں سے گواہ بلائیں گے اور تمہیں ان پر گواہ کر کے لائیں گے ○ جن

وقف النبی علیہ السلام

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ لَا يَكْتُمُوْنَ
لوگوں نے کفر کیا تھا اور رسول کی نافرمانی کی تھی وہ اس دن آرزو کریں گے کہ زمین کے برابر ہو جائیں اور اللہ سے کوئی بات

اللّٰهَ حَدِيْثًا ۟ع
نہ چھپا سکیں گے ○

افاداتِ محمود:

وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۟ الخ

پہلے تو انکار کریں گے کہ "مـا انـا مـن الـمـشـر کـیـن" کہ میں دنیا میں مشرک نہ تھا، لیکن بعد میں مان جائیں گے اور انکار نہ کر سکیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى

اے ایمان والو! جس وقت کہ تم نشہ میں ہو نماز کے نزدیک نہ جاؤ یہاں تک کہ

تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ

تم سمجھ سکو کہ تم کیا کررہے ہو اور نہ جنبی ہونے کی حالت میں مگر راستہ گزرتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کرلو اور اگر تم

مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ

بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی شخص تم میں سے رفع حاجت کرکے آئے یا عورتوں کے پاس گئے ہو

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ ؕ

پھر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو اور اسے اپنے مونہوں پر اور ہاتھوں پر ملو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ

بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے ○ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کچھ حصہ

الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ

کتاب سے ملا ہے وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستہ گم کردو ○ اور اللہ تمہارے

بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا

دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور تمہاری حمایت اور مدد کے لئے اللہ ہی کافی ہے ○ یہودیوں میں بعض ایسے ہیں

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ

جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سُنا اور نہ مانا اور کہتے ہیں کہ سُن نہ سنایا

مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا

جائے تو اور کہتے ہیں راعنا اپنی زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کرنے کے خیال سے اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سُنا

وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ

اور ہم نے مانا اور سُن تو اور ہم پر نظر کر تو ان کے حق میں بہتر اور درست ہوتا لیکن اُن کے کفر کے سبب سے

بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا

اللہ نے اُن پر لعنت کی سو ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لائیں گے ○ اے کتاب والو اس پر ایمان لے آؤ جو

نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى
ہم نے نازل کیا ہے اُس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے اس سے پہلے کہ ہم بہت سے چہروں کو مٹا ڈالیں پھر انہیں
اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾
پیٹھ کی طرف اُلٹ دیں یا ان پر لعنت کریں جسطرح ہم نے ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم تو نافذ ہو کر ہی رہتا ہے ○
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ
بے شک اللہ اُسے نہیں بخشتا جو اس کا شریک کرے اور شرک کے ماسوا دُوسرے گناہ جسے چاہے بخشتا ہے
وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ
اور جس نے اللہ کا شریک ٹھیرایا اُس نے بڑا ہی گناہ کیا ○ کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی
اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ
کا دم بھرتے ہیں بلکہ اللہ جسے چاہے پاک کرتا ہے اور ان پر تاگے برابر بھی ظلم نہ ہوگا ○ دیکھو یہ لوگ
يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع
اللہ پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں یہی ایک صریح گناہ کافی ہے ○

افاداتِ محمود:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ الخ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے گھر صحابہ کرامؓ کی دعوت تھی۔ کھانے کے بعد شراب پی گئی، کیونکہ ابھی حرمت کا قطعی حکم نہیں آیا تھا۔ مغرب کی نماز حضرت علیؓ نے یا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پڑھائی اور سورۃ کافرون میں ''لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ'' کے بجائے اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھا جس کا مطلب یہ ہوا کہ العیاذ باللہ کہنے والا اور پڑھنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ میں بھی ان بتوں کی پرستش کرونگا جنکی پرستش تم کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ، کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ کیا کہہ رہے ہو۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ غلبۂ نیند کے دوران انسان تلاوت، دعاء وغیرہ نہ کرے۔ ممکن ہے کہ نوم کے غلبہ کی وجہ سے زبان پر بددعاء جاری ہو جائے اور قبولیت کی گھڑی ہو تو نقصان ہو جائیگا۔ (تفسیر ابن کثیر) **او لا مستم النسآء** مراد مباشرت ہے کیونکہ لامس باب مفاعلہ ہے، یہ مباشرت پر دلالت کرتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا

أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا وہ بتوں اور شیطانوں کو مانتے ہیں اور کافروں سے یہ کہتے ہیں کہ

هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَ

یہ لوگ مسلمانوں سے زیادہ راہِ راست پر ہیں ○ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور

مَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا

جس پر اللہ لعنت کرے تو اس کا کوئی مددگار نہیں پائے گا ○ کیا سلطنت میں ان کا بھی کچھ حصہ ہے پھر تو

لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ

یہ لوگوں کو ایک تِل بھر بھی نہیں دیں گے ○ یا لوگوں پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے

مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾

فضل سے دیا ہے ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی ہے اور ان کو ہم نے بڑی بادشاہی دی ہے ○

فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾ إِنَّ

پھر ان میں سے کوئی اس پر ایمان لایا اور کوئی اس سے ہٹ گیا اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کافی ہے ○ بے شک

الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا انہیں ہم آگ میں ڈال دیں گے جس وقت اُن کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کو

جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ

اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ عذاب چکھتے رہیں بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے ○ اور جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

ایمان لائے اور نیک کام کیے انہیں ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا

ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہونگے ان کے لیے وہاں ستھری عورتیں ہونگی اور ہم انہیں گھنی چھاؤں

ظَلِيْلًا ﴿٥٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ
میں رکھیں گے ○ بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچادو اور جب
بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو بیشک اللہ تمہیں نہایت اچھی نصیحت کرتا ہے بے شک
كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٥٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
اللہ سُننے والا دیکھنے والا ہے ○ اے ایمان والو اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسُول کی فرمانبرداری کرو
وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ
اوران لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہوں پھر اگر آپس میں کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسُول کی طرف پھیرو
اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٥٩﴾ ع
اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو یہی بات اچھی ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت بہتر ہے ○

افاداتِ محمود:

يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ الخ

یہ آیت یہود کی مذمت بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے کہ اگر کتاب اللہ سے تمسک نہیں کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جبت اور طاغوت کا اتباع کرنا ہوگا۔ جبت اور طاغوت کا اتباع سبب لعنت ہے۔ گویا یہود اور بنی اسرائیل اپنے افعال و کردار سے لعنت اور عتاب کے مستحق ہیں کیونکہ ان لوگوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ سے مل کر شرک کیا۔

جبت اور طاغوت سے کیا مراد ہے؟

(۱) عام مفسرین نے یہ معنی کیا ہے کہ جبت سے مراد اصنام (بت) ہیں اور طاغوت سے مراد شیطان ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جبیرؓ سے منقول ہے کہ جبت حبشی زبان کا لفظ ہے۔ (ھو الساحر) جادوگر کے معنی میں ہے اور طاغوت حبشی زبان میں (ھو الکاھن) کاہن کو کہتے ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ سے بھی یہی منقول ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ جبت سے مراد کعب بن اشرف یہودی عالم ہے اور طاغوت سے مراد حیی ابن اخطب ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر ہیں۔ یہ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کے والد

ہیں۔غزوہ خیبر میں حضرت صفیہؓ کو قیدیوں کے ساتھ گرفتار کرلیا گیا تھا اور اسی سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا تھا۔

(۴) حضرت عکرمہؓ سے بالعکس منقول ہے یعنی جبت سے مراد حیی ابن اخطب اور طاغوت سے مراد کعب ابن اشرف ہے۔

(۵) حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ " الطاغوت معبود من دون الله " اس میں بت اور حجر وشجر سب ہی آجاتے ہیں اور قرآن کریم کی متعدد آیات اس توجیہ کی تائید کرتی ہیں۔

(۱) وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ الخ (سورہ زمر/۱۷)

اور جولوگ کنارہ کش رہے شیطانوں کو پوجنے سے اور رجوع کیا اللہ کی طرف۔

(۲) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ الخ ٥ (سورہ بقرہ/۲۵۷)

اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں۔

(۳) ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت الخ ٥

یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

شان نزول:

مذکورہ بالا آیت کا شان نزول یہ ہے کہ غزوہ احد کے بعد کعب ابن اشرف ۷۰ سواروں کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ کی طرف چلا تا کہ وہ اور اس کے ساتھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ سے معاہدہ کر لیں۔چنانچہ کعب ابن اشرف حضرت ابوسفیانؓ (یہ واقعہ حضرت ابوسفیانؓ کے ایمان لانے سے قبل کا ہے) کے ہاں مہمان کے طور پر ٹھہرا اور دونوں نے خفیہ معاہدہ کرلیا۔اس وقت حضرت ابوسفیانؓ نے کعب ابن اشرف سے پوچھا کہ

انک امراء تقراء الکتاب وتعلمه ونحن امیون لانعلم فایناا هدی سبیلاً واقرب الی الحق فقال کعب انتم والله اهدی سبیلاً مما علیه محمد واصحابه الخ ٥

تو کتاب پڑھنے اور پڑھانے والا شخص ہے اور ہم تو ان پڑھ لوگ ہیں، کچھ نہیں جانتے۔پس تو بتا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم میں سے کون صحیح راستہ پر ہے؟ اور کون حق بات کے زیادہ قریب ہے؟ کعب ابن اشرف نے اپنے دل کو جھٹلاتے ہوئے کہا کہ اللہ کی قسم تم سیدھے طریق اور حق پر ہو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے مقابلے میں۔

پھر قریش کو ساتھ لینے کے لیے ان اہل علم واہل کتاب یہودیوں نے بت کو سجدہ کیا، باوجودیکہ وہ اہل کتاب

تھے۔ انھیں شرک سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ راز مسلمانوں پر عیاں کر دیا کہ جو اہل کتاب بتوں کی پوجا کریں اور مشرکین کے ہم پلہ بنیں، ان سے خیر کی توقع عبث ہے۔ نقیرا یعنی یہ یہودی اگر ملک کے مالک بنیں تو تل کے برابر بھی کسی کو کچھ نہ دیں گے۔ امام راغب المفردات میں لکھتے ہیں:

"والنقير و قبة فى ظهر النواة يضرب به المثل فى الشئى اللطيف"

کھجور کی گٹھلی کی پشت پر جو باریک سا پردہ ہوتا ہے اس کو "نقیر" کہا جاتا ہے اور کسی چیز کی باریکی کو بیان کرنے کے لیے بطور مثال اس کو نقیر سے تعبیر کرتے ہیں اور گٹھلی کی شگاف میں جو دھاگہ سا ہوتا ہے اسے فتیل کہا جاتا ہے۔ امام راغب لکھتے ہیں۔

والفتيل المفتول وسمى مايكون فى شق النواة فتيلاً لكونه على هيته الخ (المفردات)

یعنی فتیل بمعنی مفتول ہے (ہر بٹی ہوئی چیز کو کہتے ہیں) اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں جو بتی سی ہوتی ہے، اسے بھی فتیل کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بٹے ہوئے دھاگے کی طرح ہوتی ہے۔

مدینہ منورہ میں چونکہ کھجوریں زیادہ ہوتی تھیں، اس وجہ سے یہ مثال دی گئی ہے۔ مراد "الشئى الحقير" ہے۔ بدن کے میل کچیل کو بھی فتیل کہا جاتا ہے، کیونکہ بدن ملنے کے بعد میل دھاگہ کی طرح ہو جاتی ہے۔

جبت اور طاغوت کی تفسیر پر اشکال اور اس کا جواب:

اگر جبت اور طاغوت سے مراد "معبود من دون الله" ہیں تو اس میں بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی داخل ہیں۔ بظاہر اس سے انبیاء کی مذمت لازم آتی ہے؟ جواب (۱) اس کا یہ ہے کہ ایک تو ایمان بالجبت والطاغوت کا ذکر ہے جس میں انبیاء داخل نہیں ہیں۔ (۲) اصل بات یہ ہے کہ اس نوعیت کی آیات کے عموم سے حضرات انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بشر اور انسان ہر دو لفظ استعمال ہوئے ہیں اور پھر ان دونوں لفظوں کے مدلولات کی مختلف غلطیاں اور کمزوریاں گنوائی گئی ہیں۔ کہیں انسان کو ظالم کہا جاتا ہے تو کہیں ناشکرا۔ اسی طرح لفظ 'ناس' ہے۔ جب مطلق ناس اور الناس کے افعال کی مذمت کی جاتی ہے تو انبیاء علیہم السلام الناس لفظ کے عموم سے مستثنیٰ ہوتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں امور خارجیہ سے قطع نظر بشر، انسان اور الناس کا اطلاق انبیاء اور غیر انبیاء مسلم اور غیر مسلم سب ہی پر ہوتا ہے، لہٰذا ذم کے وقت حضرات انبیاء ایسے الفاظ کے عموم سے مستثنیٰ ہوں گے۔ کیونکہ شیطان کی جب پرستش کی جاتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور حضرات انبیاء تو غیر اللہ کی عبادت سے منع کرنے کے لیے اور ایک اللہ کی عبادت اور بندگی کی ترغیب دینے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ الخ

اس آیت کا شان نزول اکثر مفسرین نے یہی بیان فرمایا ہے کہ فتح مکہ کے دن جب لوگ مطمئن ہو گئے اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں داخل ہونا چاہا تو عثمان ابن طلحہ نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ جب اس سے زبردستی چابی حاصل کی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہو گئے اور دیکھا کہ لکڑی کا کبوتر بنا ہوا ہے اس کو توڑ دیا اور حضرت ابراہیمؑ کی تصویر دیکھی کہ ہاتھ میں تیر ہے اور اس کے ذریعہ تقسیم کرتے نظر آرہے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کے لیے ہلاکت ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کا ان بیہودہ باتوں سے کیا واسطہ۔ پھر مقام ابراہیمؑ ساتھ لے کر باہر آ گئے اور اس کو دیوار کعبہ کے ساتھ لگایا۔ پھر کچھ ہدایات ارشاد فرمائیں۔ حضرت علیؓ یا حضرت عباسؓ نے حضورؐ سے بیت اللہ کی چابی مانگی۔ وہ چاہتے تھے کہ سقایہ کی خدمت کے ساتھ حجابت کی خدمت بھی انھیں سونپی جائے تو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی۔ حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے باہر تشریف لاتے ہوئے اس آیت کی تلاوت فرمارہے تھے، حالانکہ یہ آیت میں نے اس سے قبل آپ سے نہیں سنی تھی۔

آپؐ نے عثمان اور شیبہ دونوں کو بلوایا اور ان سے فرمایا کہ یہ چابی لو "خالدة تالدة" ہمیشہ ہمیشہ یہ چابی آپ لوگوں کے خاندان میں رہے گی۔ اس سے قبل بھی ایک طویل عرصہ سے یہ چابی ان لوگوں کے خاندان میں چلی آ رہی تھی۔ بہر حال شان نزول جو بھی ہو، لیکن امانات سے مراد عام امانات ہیں جس میں فرائض اور واجبات سب داخل ہیں، وہ خواہ از قبیل مال ہوں۔ جیسے زکوٰۃ صدقات وغیرہ یا از قبیل بدنی عبادات ہوں جیسے نماز روزہ وغیرہ یا مشترک ہوں یعنی از قبیل مال اور بدنی عبادت جیسے حج وغیرہ۔ آیت کا حکم تمام فرائض کے بارے میں عام ہے۔

ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادالا مانة الی من ائتمنک ولا تخن من خانک

جس نے تیرے پاس امانت رکھی ہے وہ اس کو دو اور جس نے تمہارے ساتھ خیانت کی، تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرنا۔

معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں امانات سے مراد جمیع حقوق ہیں۔

أی ان اللہ یامرکم باداء الحقوق باسرھا فحق الزوجة علی الزوج النفقة وحسن الصحبة وکذالک حق الزوج علی الزوجة ان تکون امینة فی نفسھا ومالہ، وحق الوالدین علی الاولاد وحق الاولاد علی الوالدین وغیرہ الخ

مذکورہ آیت میں امانات سے مراد تمام حقوق ہیں، جیسا کہ بیوی کا حق شوہر پہ یہ ہے کہ اس کے نان نفقہ کا انتظام کرے اور حسن معاشرت رکھے اور شوہر کا حق بیوی کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اپنی جان اور شوہر کے مال میں خیانت کا ارتکاب نہ کرے، اسی طرح والدین کے حقوق اولاد کے ذمہ اور اولاد کے حقوق والدین کے ذمہ ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے ہاں بچہ پیدا ہو، اسے چاہیے کہ

بچے کی اچھی تربیت کرے اوراس کا اچھا نام رکھے۔ قیامت کے روز لوگ اپنے اوراپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جائیں گے۔ جیسے عبدالرحمٰن، عبدالغفار وغیرہ۔ جو شخص ساری زندگی رحمٰن کا بندہ پکارا گیا، امید ہے کہ اس کی مغفرت کردی جائے گی۔ آگے حضور نے فرمایا کہ جب بچہ بلوغ کو پہنچے تو اس کی شادی کرادے اوراگر شادی نہ کرانے کی وجہ سے وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گیا تو ماں باپ برابر کے شریک ہوں گے۔ (الترغیب والترھیب) ان تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ الخ حاکموں کے ذمہ رعایا کے حقوق ہیں۔ ان کے درمیان بغیر رشوت کے فیصلہ کریں۔ فیصلہ عدل پر مبنی ہو اور غیر جانبدارانہ فیصلہ کیا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان المقسطين عند الله على منابر نور عن يمين الرحمٰن و كلتا يديه يمين الذين يعدلون في حكمهم و اهليهم وما ولوا (الترغیب)

بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے ہاں نور کے منبروں پر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب۔ اور اللہ تعالیٰ کے دونوں جانب دائیں ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو انصاف برتا کرتے تھے اپنے فیصلوں میں، اپنے اہل وعیال اوراپنے زیرتصرف معاملات میں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ بادشاہ رعایا کے حقوق کا محافظ ہے۔ اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا اور عام آدمی اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے۔ اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے۔ اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا اور غلام اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے۔ اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ سو تم میں سے ہر شخص (کسی نہ کسی معاملہ کا) ذمہ دار ہے اوراس سے اس کی ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا۔ مدارس دینیہ کے مہتمم طلبہ کے حقوق کے ذمہ دار ہیں۔ اگر طعام ناقص ہوگا تو یہ پوچھے جائیں گے اور مسئول ہوں گے۔

اسلام میں احساس حق ہے، طلب حق نہیں ہے:

ان تمام احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس کے ذمہ کسی کا حق ہو، وہ اس کے ادا کرنے کی فکر کرے۔ یہ عجیب بات ہے کہ قران وحدیث پڑھنے اور تفکر کرنے سے یہ بات سامنے تو آتی ہے کہ جن کے ذمے حقوق ہیں، وہ ان کی ادائیگی کی فکر کریں۔ دوسرے کا حق پورا پورا دیا جانا چاہیے، لیکن کہیں نہیں ہے کہ اپنے حق کو طلب کرو۔ طلب حق کا کہیں ذکر نہیں ہے، لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ اپنے ذمے حقوق ادا کرتا رہے اوراپنا حق طلب نہ کرے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب عاملوں کو صدقہ اور زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجتے تھے تو ان کو تاکید فرماتے تھے کہ تم اموال میں زیادتی سے بچو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ

المعتدی فی الصدقة کمانعها صدقہ وصول کرنے میں زیادتی کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ صدقہ نہ دینے والا۔ یعنی زکوٰۃ کی وصولی میں حد سے بڑھنے والا ایسا گناہ گار ہے جیسا کہ زکوٰۃ نہ دینے والا گناہ گار ہے۔ اگر آپ اونٹوں کے گلے میں جاتے ہیں اور چھانٹی کر کے عمدہ عمدہ اونٹ زکوٰۃ میں لیتے ہیں تو یہ بہت بڑے نقصان اور خسران کی بات ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ

ارضوا المصدقین قالوا ولو ظلمونا قال ولو ظلموکم ولو ظلموکم ولو ظلموکم

صدقہ وصول کرنے والوں کو راضی اور خوش کیا کرو تو لوگوں نے پوچھا: ''اگر چہ وہ ہم پر ظلم کریں'' تو آپ نے تین بار فرمایا: ''اگر چہ وہ تم پر ظلم کریں۔'' یہاں صدقات دینے والوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ بلاوجہ صدقات وصول کرنے والوں سے نہ الجھیں۔ جہاں ایسا معاشرہ پروان چڑھتا ہو، وہاں جھگڑوں اور فسادات کا کیا کام۔ فساد اور جھگڑے تو وہاں ہوتے ہیں جہاں صرف طلب حق ہی ہو اور احساس ادائے حق نہ ہو۔ آج کل عدالتوں میں زیادہ تر اسی نوعیت کے دیوانی کیس اور مقدمے سالہا سال چلتے رہتے ہیں۔ مظلوم اور شریف لوگوں کے حقوق مارے جاتے ہیں۔ شریف آدمی عدالت میں جانے کے واسطے تیار نہیں ہوتا اور اگر چلا بھی جاتا ہے تو اس سے جھوٹی قسمیں اور جھوٹی شہادتیں بن نہیں پڑتیں۔ جبکہ جھوٹے اور بدکردار لوگوں کی عمریں عدالتوں میں کٹ جاتی ہیں۔ وہ ہمیشہ ناحق مقدمات دائر کر کے عدالتی جنگ لڑتے رہتے ہیں اور جیت بھی جاتے ہیں۔

جمعیت علماء اسلام کا مطالبہ:

اب جو ہمارے مطالبات ہیں، وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اپنے حق کا مطالبہ کریں سو یہ تو ہم نہیں کرتے۔ دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ پاکستانی قوم پر ظلم نہ ہو، ان کا ضمیر نہ کچلا جائے اور حسب وعدہ اس ملک میں قرآن وسنت کی بالادستی ہو اور قرآن وسنت پر مبنی آئین ودستور نافذ العمل ہو اور اس کے لیے عملی طور پر جدوجہد کی جائے۔ چنانچہ غزوات میں یہی کچھ تھا کہ اگر کوئی ظالم اسلام کے اصولوں پر نہ چلتا ہو تو اس قوم کا حق ہے کہ اس کے خلاف جدوجہد کرے۔ تب ہی تو جہاد کے احکام نافذ ہوئے تاکہ اسلام کو برتری حاصل ہو، یہ طلب حق نہیں ہے اور ملک کے نظام کے متعلق بھی ہم کوئی مطالبہ حقیقی معنوں میں نہیں کرتے، بلکہ یہ سعی اور کوشش کرتے ہیں کہ اس ملک میں اسلامی قوانین ودفعات کی بالادستی ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ تم (موجود حکمران) ہٹ جاؤ ہم اسلام کے مطابق نظام نافذ و رائج کر کے اور اس کے مطابق ملکی نظام چلا کر دکھائیں گے۔ بہر حال مذکورہ بالا آیت نے ادائیگی حقوق کی طرف بڑی توجہ دلائی ہے۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ الخ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **لا طاعة لمخلوق فی معصیة خالق** (الترغیب) یعنی اللہ تعالیٰ

کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا حکمران اگر اسلامی اصولوں کے موافق کوئی حکم دیں تو مان لینا چاہیے، ورنہ رد کر دینا چاہیے اور اگر کوئی حکم ایسا ہے جس کے موافق یا مخالف شریعت ہونے میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو یعنی قران وحدیث کی روشنی میں اور ان سے مستنبط ضابطوں کی روشنی میں اس امر کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ

کیاتم نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جواس چیز پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں جو تجھ پر نازل کی گئی ہے اور جو چیز تم سے پہلے

قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا

نازل کی گئی ہے وہ چاہتے ہیں کہ اپنا فیصلہ شیطان سے کرائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اسے نہ

بِهِ ؕ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ

مانیں اور شیطان تو چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور جا ڈالے ○ اور جب انہیں کہا جاتا ہے

تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ

جو چیز اللہ نے نازل کی ہے اس کی طرف آؤ اور رسول کی طرف آؤ تو تو منافقوں کو دیکھے گا کہ تجھ سے

عَنْكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ

پہلوتہی کرتے ہیں ○ پھر کیا ہوتا ہے جب ان کے اپنے ہاتھوں سے لائی ہوئی مصیبت اُن پر آتی ہے پھر

جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

تیرے پاس آکر خدا کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم کو تو سوائے بھلائی اور باہمی موافقت کے اور کوئی غرض نہ تھی ○ یہ وہ لوگ ہیں کہ

يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ

اللہ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے تو ان سے مُنہ پھیر لے اور انہیں نصیحت کر اور ان سے ایسی بات کہو جو ان کے دلوں میں

قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ؕ وَلَوْ أَنَّهُمْ

اتر جائے ○ اور ہم نے کبھی کوئی رسُول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اللہ کے حکم سے اسکی تابعداری کی جائے اور جب

إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ

انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسُول بھی اُن کی معافی کی درخواست کرتا

لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا

تو یقیناً یہ اللہ کو بخشنے والا رحم کرنے والا پاتے ○ سو تیرے رب کی قسم ہے یہ کبھی مومن نہیں ہونگے جب تک کہ اپنے

شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا

اختلافات میں تجھے منصف نہ مان لیں پھر تیرے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور خوشی سے

تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ

قبول کریں ○ اور اگر ہم ان پر حکم کرتے کہ اپنی جانوں کو ہلاک کردو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ

مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا

تو ان میں سے بہت ہی کم آدمی اس پر عمل کرتے اور اگر یہ لوگ کریں جو ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے لئے زیادہ بہتر ہوتا

لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾

اور دین میں زیادہ ثابت رکھنے والا ہوتا ○ اور اس وقت البتہ ہم ان کو اپنے ہاں سے بڑا ثواب دیتے ○

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ

اور البتہ انہیں سیدھا راستہ دکھاتے ○ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا فرمانبردار ہو

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ

تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا وہ نبی اور صدیق اور شہید اور صالح ہیں

وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

اور یہ رفیق کیسے اچھے ہیں ○ یہ اللہ کی طرف سے احسان ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا ○

افاداتِ محمود:

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ الخ

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر دو فریقوں میں کسی معاملہ میں جھگڑا ہوا اور ایک فریق دوسرے کو دعوت دے کہ آئے شرعی فیصلہ کرواتے ہیں اور دوسرا فریق انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ ان کنتم تومنون میں یہ قضیہ شرطیہ ہے۔ یعنی ایمان کے ہوتے قرآن وسنت کے بغیر فیصلہ نہیں ہوسکتا اور غیر شرعی فیصلہ کے ہوتے ہوئے ایمان نہیں ہوسکتا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ

یہاں وجود اور ثبوت ایمان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنانا شرط قرار دیا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس دنیا میں موجود نہیں ہیں تو پھر آپ کو حکم یعنی منصف کیسے بنایا جائے؟ جواب یہ ہے کہ پیغمبر کا دین موجود ہے۔ شریعت موجود ہے۔ جو لوگ اپنے فیصلے دین محمدی کے مطابق کریں گے اور کروائیں گے۔ گویا یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنانا ہے اور یہ فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فیصلہ تصور ہوگا۔ چنانچہ حضرت

ابن مسعودؓ سے میراث کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں وہی فیصلہ کروں گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ اگر ایسا نہ کروں تو ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ ہوں گا۔ اس مسئلہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبرؑ کی وفات کے بعد پیغمبرؑ کے اصولوں کے مطابق فیصلہ کرنا، یہ پیغمبر کا ہی فیصلہ ہے اور اگر ایسا فیصلہ نہ کیا جائے تو موجب ضلالت ہے۔

قران کو چھوڑ کر اس کے مقابل کسی قانون پر عمل کرنا کفر ہے:

علامہ آلوسی صاحب روح المعانی نے مفصل تحریر فرمایا ہے کہ قرآن اور اسلام کے مقابل اور متضاد قانون پر عمل کرنا صریح کفر ہے اور ایسے قوانین بنانا بھی کفر ہے۔ تفصیل کے لیے روح المعانی سے مراجعت فرمائیں۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ الخ

یہود اور منافقین کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہم ان لوگوں کو جان بوجھ کر ہلاکت میں ڈالنے کا حکم دیتے تو انھیں اس حکم کو بھی پورا کرنا چاہیے تھا، کیونکہ جان بھی تو اللہ ہی کی دی ہوئی ہے، یا اگر جلاوطنی کا حکم دیا جاتا تو بھی ان پر لازم تھا کہ اس پر عمل کریں، لیکن سہل اور آسان احکام دیے گئے ہیں، مگر ان کی حالت یہ ہے کہ ان سے بھی انحراف اور روگردانی کی جا رہی ہے۔

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ الخ

نبی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا اور فرستادہ ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بواسطہ یا بلا واسطہ ہم کلام ہوتا ہے۔ صدیق کا دل ہی چاہتا ہے کہ وہ نبی کی ہر بات کی تصدیق کرے اور شہید اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور صالح اپنے ظاہر و باطن کو ظاہری اور باطنی آلائشوں سے صاف رکھتا ہے۔ ان چاروں کی رفاقت جو اس آیت میں مذکور ہے، یہ قیامت تک رہے گی یعنی ایسے افراد قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے جو اس آیت کا مصداق ہوں گے۔ ہاں نبوت کا سلسلہ بند ہو گیا، لیکن نبوت کے عطا کیے ہوئے اصول دین اور نبی کی احادیث باقی ہیں۔ اور مگر صدیق و شہداء قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا خُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ فَانْفِرُوۡا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوۡا جَمِيۡعًا ﴿۷۱﴾

اے ایمان والو! اپنے ہتھیار لے لو پھر جدا جدا فوج ہو کر نکلو یا سب اکٹھے ہو کر نکلو ○

وَاِنَّ مِنۡكُمۡ لَمَنۡ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنۡ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالَ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ

اور بیشک تم میں بعض ایسا بھی ہے جو لڑائی سے جی چُراتا ہے پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آجائے تو کہتا ہے کہ اللہ نے

عَلَىَّ اِذۡ لَمۡ اَكُنۡ مَّعَهُمۡ شَهِيۡدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنۡ اَصَابَكُمۡ فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ

مجھ پر فضل کیا کہ میں اُن لوگوں کے ساتھ نہ تھا ○ اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر فضل ہو تو

لَيَقُوۡلَنَّ كَاَنۡ لَّمۡ تَكُنۡۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ مَعَهُمۡ

اس طرح کہنے لگتا ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان دوستی کا کوئی تعلق ہی نہیں کہ کاش میں بھی

فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ﴿۷۳﴾ فَلۡيُقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يَشۡرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ

ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا ○ سو چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں وہ لوگ لڑیں جو دنیا کی زندگی کو

الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ ؕ وَمَنۡ يُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيُقۡتَلۡ اَوۡ يَغۡلِبۡ فَسَوۡفَ

آخرت کے بدلے بیچتے ہیں اور جو کوئی اللہ کی راہ میں لڑے پھر مارا جائے یا غالب رہے

نُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ

تو اسے ہم بڑا ثواب دینگے ○ اور کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ

مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اس

الۡقَرۡيَةِ الظَّالِمِ اَهۡلُهَا ۚ وَاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ

بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے واسطے اپنے ہاں سے کوئی حمایتی کر دے اور ہمارے واسطے

لَّدُنۡكَ نَصِيۡرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيۡنَ

اپنے ہاں سے کوئی مددگار بنا دے ○ جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو

كَفَرُوۡا يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ الطَّاغُوۡتِ فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِيَآءَ الشَّيۡطٰنِ ۚ اِنَّ

کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں سو تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو بے شک

كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾
شیطان کا فریب کمزور ہے ○

ع

افاداتِ محمود:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ الخ

اس رکوع میں جہاد کا ذکر ہے۔ پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ذکر تھا۔ پھر انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کی رفاقت کا ذکر تھا۔ شہید تو آدمی جہاد میں جانے کے بعد بنتا ہے، لیکن منافقین جہاد کا نام سن کر ہی کانپتے تھے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جہاد کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد چھوٹی چھوٹی جماعتیں ذکر فرمائیں۔ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ یہاں محرکات قتال دو چیزیں ہیں۔ غلبہ اسلام، ضعیف اور کمزور مسلمانوں کا زبردست اور زور آور کفار سے چھڑانا۔ ایمان والوں کا قتال اسی نیت سے ہونا چاہیے کہ دین اسلام غالب ہو اور ضعیف و کمزور لوگوں کو کفار کے ظالمانہ چنگل سے آزادی نصیب ہو۔ چنانچہ محمد ابن قاسم رحمہ اللہ نے سندھ پر جو حملہ کیا تھا وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ راجہ داہر نے مسلمانوں کی ایک کشتی قبضہ میں لے لی تھی۔ اس میں خواتین بھی تھیں۔ انہوں نے حجاج ابن یوسف الثقفی کے نام خط لکھا کہ معلوم نہیں حجاج مر گیا ہے یا اس کے بدن کا وہ گرم خون جو غیرت کی وجہ سے جوش مارتا تھا ٹھنڈا ہو گیا ہے یا اس کی غیرت جواب دے گئی ہے۔ جب یہ خط حجاج کے پاس پہنچا تو اس نے محمد ابن قاسم کو بلایا۔ یہ اس کا بھتیجا بھی تھا اور داماد بھی۔ ۱۷ برس اس کی عمر تھی۔ اس سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس نے کہا کہ میں تیار ہوں۔ اس نے بغداد میں تقریر کر کے فوج اکٹھی کی اور پھر تمام فوج چل پڑی اور قتال کرتے کرتے ملتان تک پہنچ گئے۔ راجہ داہران کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ جس بستی میں اس کی بیوی رہتی تھی، اس پر جب قبضہ ہونے لگا تو اس نے اپنے آپ کو اور اپنی حاشیہ نشین تمام لونڈیوں کو آگ سے جلوا دیا کہ مجھ کو کوئی پکڑ نہ سکے۔ جنگ کے اختتام پر حجاج ابن یوسف نے کہا تھا ربحنا ستین الفا و ادر کنا ثار ناو رأس داهـــر یعنی ہم نے ساٹھ ہزار کا نفع کمایا۔ انتقام بھی لے لیا اور راجہ داہر کا سر بھی اپنے قبضہ میں لے لیا۔ بہر حال مظلوم اور مغلوب لوگ یہ دعا کرتے تھے کہ ہمیں ظلم سے نجات مل جائے اور مسلمان ان مظلوموں کا خیال کرتے تھے، لیکن آج ۱۴ اگست کا جشن منایا جاتا ہے مظلوم اور بے سہارا لوگوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ ان کی غیرت بھی جواب دے چکی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ الخ مسلمانوں کی اگر آپس میں لڑائی ہو تو اس میں شرکت سے تامل تو ہو سکتا ہے جیسے جنگ جمل اور صفین وغیرہ میں ہوا، لیکن جہاں کفر کے خلاف جنگ ہو تو مسلمانوں کا قتال یقیناً فی سبیل اللہ ہو گا۔ اس میں کوئی تامل نہیں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو پھر جب انہیں لڑنے کا حکم دیا گیا اسوقت انمیں سے

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ

ایک جماعت لوگوں سے ایسا ڈرنے لگی جیسا اللہ کا ڈر ہو یا اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے تو نے

عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ

ہم پر لڑنا کیوں فرض کیا کیوں نہ ہمیں تھوڑی مدت اور مہلت دی ان سے کہہ دو دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۟ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا

اور آخرت پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے اور ایک تاگے برابر بھی تم سے بے انصافی نہیں کی جائیگی ○ تم جہاں کہیں ہوگے

يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا

موت تمہیں آہی پکڑے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہی ہو اور اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ

یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾

کہہ دے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی ○

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ

تجھے جو بھلائی بھی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے

نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ

نفس کی طرف سے ہے ہم نے تجھے لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے ○ جس نے

الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَ

رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے تجھے ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ○ اور

يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ

کہتے ہیں قبول کیا پھر جب تیرے ہاں سے باہر گئے تو ان میں سے ایک گروہ رات کو جمع ہو کر تمہاری باتوں کے خلاف

الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ

مشورہ کرتا ہے اور اللہ لکھتا ہے جو وہ مشورہ کرتے ہیں تو ان کی پرواہ نہ کر اور اللہ پر بھروسہ کر

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ

اور اللہ کارساز کافی ہے ○ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ قرآن

غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ

سوائے اللہ کے کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے ○ اور جب اُن کے پاس کوئی خبر امن

اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ

یا ڈر کی پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اُسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچاتے تو

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

اس کی تحقیق کرتے جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو

لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ

البتہ تم شیطان کے پیچھے ہو لیتے سوائے چند لوگوں کے ○ سو تو اللہ کی راہ میں لڑ تو سوائے اپنی جان کے کسی کے ذمہ دار نہیں

وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ

اور مسلمانوں کو تاکید کر قریب ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی بند کر دے اور اللہ لڑائی میں

بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ

بہت ہی سخت ہے اور سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے ○ جو کوئی اچھی بات میں سفارش کرے اسے بھی اس میں سے ایک حصہ ملے گا

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اور جو کوئی بری بات میں سفارش کرے اس میں سے ایک بوجھ اس پر بھی ہے اور اللہ ہر چیز پر

مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

قدرت رکھنے والا ہے ○ اور جب تمہیں کوئی دعا دے تو تم اس سے بہتر دعا دو یا الٹ کر ویسی ہی کہو بے شک اللہ

كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ
ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے ۝ اللہ وہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں بیشک قیامت کے دن
الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝
تم سب کو جمع کرے گا اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے ۝

افاداتِ محمود:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ الخ

ہجرت سے قبل مسلمان جب مشرکین مکہ اور دیگر کفار کی اذیتوں کو اور زیادتیوں کو دیکھتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگتے کہ قتال و جہاد کی اجازت ملنی چاہیے۔ اس وقت مسلمان مظلوم بھی تھے اور تعداد میں کم بھی تھے، لیکن ہجرت کے بعد جب جہاد اور قتال کی اجازت مل گئی تو بعض کچے مسلمان ڈر گئے۔ انھوں نے خیال کیا کچھ مزید مدت کے لیے جہاد کا حکم نازل نہ ہوتا اور ہم زندہ رہ کر دنیا کے فوائد سے متمتع ہوتے تو اچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بتلا دیا کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے اور جہاد ہی میں تمہارے لیے سینکڑوں فوائد مضمر ہیں۔ نہ تو یہ ظلم ہے، نہ آئندہ تم ذرہ برابر ظلم کیے جاؤ گے۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ الخ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح ہوئی تو منافقین کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی ہے۔ ایسے واقعات کو اللہ تعالیٰ کی تکوینیات پر محمول کرتے تھے اور آپ کی حسن تدبیر کو یکسر نظر انداز کر دیتے تھے اور اگر مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو حضورؐ پر طرح طرح کے الزامات لگاتے اور کہتے کہ آپؐ کی غلط تدبیر اور جنگی نقشہ مناسب نہ ہونے کی وجہ سے یہ شکست اور نقصان ہوا۔ تاکہ مسلمان آپؐ سے بدظن ہوں۔ فتح اور شکست یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، لیکن ظاہری اسباب کو بھی دخل ہوتا ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ الخ

حسنہ سے مراد فراخی رزق ہے کہ صحت و سلامتی کے ساتھ نصیب ہو اور سیئہ سے مراد قحط سالی اور بیماریاں ہیں۔ یہ حالات اکثر اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ لہٰذا حسنہ اللہ سے منسوب ہے اور سیئہ بندے سے منسوب ہے۔ اب اس آیت کی تفسیر دونوں طرح منقول ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں یہ کلام استینافی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی مقدر لفظ یا حرف کے ذریعہ اس کو کلام سابق سے جوڑ دیا جائے۔ اگر یہ جملہ مستانفہ ہو تو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کیے ہوئے احسانات جتلا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے تمام احسانات محض اس کا فضل اور اس کی مہربانی ہے، ہمارا کوئی استحقاق نہیں اور مصائب و آلام و آفات اکثر انسان کے شامت اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ فعل مذموم کا نتیجہ مذمومہ یعنی ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

کل من عند الله الخ

حسنہ اور سیئہ یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف ہیں کیونکہ ہر خیر وشر کا خالق اور موجد اللہ تعالیٰ ہے، انسان تو صرف کسب کرنے والا ہے۔

بعض کے ہاں اِمَآ اَصَابَكَ سے پہلے یَقُوْلُوْنَ مقدر ہے یعنی منافقین یہ کہتے ہیں حالانکہ خیر اور شر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ان کو ایسی بات نہیں کہنی چاہیے۔ بعض مفسرین حضرات کہتے ہیں کہ یہ جملہ استفہامیہ ہے اور ما سے پہلے حرف استفہام مقدر ہے۔ ای اِمَآ اَصَابَكَ الخ یعنی کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حسنہ جو پہنچے وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور سیئہ آپ کے نفس کی طرف سے ہے۔ ایسا خیال نہ کرنا چاہیے۔ بعض کے ہاں صرف استفہام ''فمن نفسک'' سے پہلے مقدر ہے۔ یعنی کیا برائی اپنی طرف سے سمجھتے ہو؟ حالانکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

یَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ الخ یہاں منافقین کے ایک اور مکر اور دجل کا ذکر ہے کہ آپ کے سامنے ''اطعنا'' کہتے ہیں اور جب آپ کی بابرکت مجلس سے چلے جاتے ہیں تو کچھ اور کہتے اور کرتے ہیں۔

لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا الخ

یہاں قرآن کریم کی حقانیت کی دلیل ہے کہ اس کتاب کے وحی الٰہی اور کلام الٰہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، ورنہ انسان مختلف حالات میں مختلف باتیں کرتا ہے۔ حالات کے بدلنے کے ساتھ بدلتا رہتا ہے، لیکن قرآن کریم نے جو اصول بتلائے ہیں۔ وہ ابتدا، انتہا اور وسط میں ایک جیسے ہیں۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ الخ

جب کوئی خبر صلح کی یا فتح کی اور یا کوئی خبر شکست وغیرہ کی سن لیتے ہیں تو منافقین اپنے نفاق کی وجہ سے اور بعض سادہ لوح مسلمان کم فہمی کی وجہ سے اس کو اڑا دیتے ہیں۔ آخر کار اس کا نقصان مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔ حالانکہ بات کہنے سے پہلے تحقیق کر لینی چاہیے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تو وہ جس بستی میں جا رہے تھے، اس بستی کے لوگ اس کے استقبال کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور یہ صاحب یہ سمجھے کہ شاید مجھ کو قتل کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ راستہ سے ہی لوٹ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہ لوگ مرتد ہو چکے ہیں (العیاذ باللہ) اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ پھر منافقین نے بھی خوب پروپیگنڈا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ ایسی باتیں مت اڑاؤ۔

فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ الخ

اگر کسی نے آپ کو السلام علیکم کہہ کر سلام کیا اور تم نے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا تو یہ اس سے عمدہ ہے جو سلام آپ کو کیا گیا ہے کیونکہ سلام کرنے والے نے صرف السلام علیکم کہا ہے اور آپ نے جواب میں اس کو سلامتی، رحمت خداوندی اور برکت خداوندی تینوں چیزوں کی دعا دے دی تو یہ جواب سلام اس سلام سے عمدہ ہے۔ اگر آپ نے جواب میں صرف وعلیکم السلام کہا تو یہ ''رُدُّوْهَا'' کا مصداق ہے۔

فَمَا لَكُمْ فِي
پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ
الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا
منافقوں کے معاملہ میں دو گروہ ہو رہے ہو اور اللہ نے انکے اعمال کے سبب سے ان کو الٹ دیا ہے کیا تم چاہتے ہو کہ
مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ
جسے اللہ نے گمراہ کیا ہوا سے راہ پر لاؤ اور جسے اللہ گمراہ کرے تو اس کے لئے ہرگز کوئی راہ نہیں پائے گا ○ وہ تو چاہتے ہیں کہ
تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰى
جیسے وہ کافر ہوئے ہیں تم بھی کافر ہو جاؤ پھر تم سب برابر ہو جاؤ لہٰذا ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک کہ
يُھَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ
وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے نہ آ جائیں پھر اگر وہ اس بات کو قبول نہ کریں تو جہاں پاؤ انہیں پکڑو اور قتل کرو
وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ
اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ ○ البتہ وہ منافق اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جا ملیں
وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَاۗءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ
جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو یا وہ جو تمہارے پاس آتے ہیں اور لڑائی سے دلبرداشتہ ہیں نہ تم سے لڑتے ہیں
يُقَاتِلُوْا قَوْمَھُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَھُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ
اور نہ اپنی قوم سے اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے لڑتے سو اگر وہ تم سے یکسو رہیں
فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾
اور تم سے نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہیں ان پر کوئی راہ نہیں دی ○
سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَھُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا
ایک اور قسم کے منافق تم دیکھو گے جو چاہتے ہیں تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی جب کبھی وہ
اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْھَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا
فساد کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اس میں کود پڑتے ہیں پھر اگر وہ تم سے یکسو نہ رہیں اور تمہارے آگے صلح پیش نہ کریں

اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ
اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور ان پر ہاتھ اٹھانے کے لئے
عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾ ع
ہم نے تمہیں کھلی حجت دے دی ہے ۝

افاداتِ محمود:

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ الخ اس آیت کے شان نزول میں ایک بات تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب احد کی طرف تشریف لے گئے تھے تو کچھ لوگ آپ کے ساتھ وہاں گئے تھے، لیکن جنگ سے پہلے ہی گھروں کو واپس چلے گئے تو صحابہ کرام کی دو جماعتیں ہوگئیں۔ ایک جماعت کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کرنا چاہیے اور دوسری جماعت کی رائے یہ تھی کہ قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ آیت اس کے متعلق اُتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

انها طيبة وانها تنفي الخبث كما ينفي الكير خبث الحديد الخ (صحیحین)

بے شک مدینہ پاکیزہ ہے وہ غلط لوگوں کو ایسا دور کرتا ہے جیسا کہ بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کر دیتی ہے۔

اور دوسری بات اس آیت کے شان نزول میں حافظ ابن کثیر نے یہ نقل فرمائی ہے کہ مکہ مکرمہ سے کچھ لوگ اپنے کسی کام کے سلسلے میں نکل کھڑے ہوئے اور کہا کہ اگر ہماری ملاقات کہیں مسلمانوں سے ہوگئی تو ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں۔ اب جب مسلمانوں کو ان کے نکلنے کی اطلاع ملی تو بعض صحابہ کہنے لگے کہ یہ لوگ اگر ہمارے دشمنوں سے مل گئے تو ہمارے خلاف ان کی مدد کریں گے، لہٰذا ان کو قتل کرنا چاہیے۔ دوسرے گروہ کی رائے یہ تھی کہ جب وہ لوگ ایمان ظاہر کرتے ہیں۔ صرف یہ ہے کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی اپنا گھر بار نہیں چھوڑا، لیکن زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں تو ہم ان کا خون حلال نہیں سمجھتے، لہٰذا ان کو قتل نہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ منافقوں کا آپ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں، نہ ہی وہ آپ کے خیر خواہ ہیں لہٰذا ایک ہی رائے پر سب کو قائم رہنا چاہیے اور اختلاف نہ کرنا چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ لوگ مکہ میں تھے اور کہتے تھے کہ **ان ظهر محمد عرفنا وان ظهر قومنا فهو احسن** یعنی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم غالب آگئے تو بھی ہمیں پتا چل جائے گا اور اگر ہماری قوم غالب آگئی تو یہ بہت ہی اچھا ہے۔

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا

اور مسلمان کا یہ کام نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے

وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى

اور جو مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو ایک مسلمان کی گردن آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا

اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ

دے مگر یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں پھر اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہے

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ

تو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے اور اگر وہ مقتول مسلمان کسی ایسی قوم میں سے تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہے

فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا پھر جو غلام نہ پائے وہ پے درپے

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

دو مہینے کے روزے رکھے اللہ سے گناہ بخشوانے کے لئے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ○

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ

اور جو کوئی کسی مسلمان کو جان کر قتل کرے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے ○ اے ایمان والو!

اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ

جب اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم پر سلام کہے اس کو مت کہو کہ

السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ

تو مسلمان نہیں ہے تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو سو اللہ کے ہاں

كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

بہت غنیمتیں ہیں تم بھی تو اس سے پہلے ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا لہٰذا تحقیق سے کام لیا کرو بیشک اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ
تمہارے کاموں سے باخبر ہے ○ مسلمانوں میں سے جو کوئی عذر کے بغیر گھر
أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ
بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں دونوں برابر نہیں ہیں اللہ نے بیٹھنے
اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ
والوں پر جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑھا دیا ہے اگرچہ ہر ایک سے
اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ
اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھنے والوں سے اجرِ عظیم میں زیادہ کیا ہے ○ ان کے لئے
مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ع
اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے اور اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے ○

افاداتِ محمود:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ الخ

کسی مومن کے شایانِ شان نہیں کہ عمداً اور جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کرے۔ غلطی سے ہو جائے تو اور بات ہے۔ یہاں ''ما حرف نفی'' ''کان'' پر داخل ہے یعنی ارتکاب قتل سے نہی مقصود ہے کہ قتل عمد فعل قبیح ہے۔ دینی و دنیوی ہر دو اعتبار سے برائی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی نہی فرمائی ہے۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وما كان لكم ان تئوذوا رسول الله الخ

اور تم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ میں نہی تحریمی ہے۔ یعنی مسلمان کو عمداً بغیر کسی وجہ شرعی کے قتل کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور کسی مسلمان سے ایسے فعل کے صدور کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ الخ

یہاں کفارۂ قتل میں رقبۃ (غلام) کے ساتھ مؤمنہ کی قید ہے۔ جبکہ دیگر کفارات جیسے کفارۂ یمین پارہ ۷ کفارہ ظہار پارہ ۲۸ میں مطلق تحریر رقبہ کا ذکر ہے، مؤمنہ کی قید نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کریم کے مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید ہی رکھا جائے گا، لہٰذا کفارۂ قتل میں رقبۂ مؤمنہ کا آزاد کرنا شرط ہے۔ جبکہ کفارۂ یمین و ظہار میں مطلق رقبہ کو آزاد کرنا کافی ہے۔ جو حضرات ''مؤمنہ'' کی قید کو دیگر کفارات کی طرف منتقل کرتے

ہیں، ان کے ہاں کفارۂ یمین اور کفارۂ ظہار میں بھی رقبہء مؤمنہ کا آزاد کرنا شرط ہے۔ البتہ اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر رقبہ (غلام) اعمیٰ ہے یا شل ہے یا مقطوع الیدین ہے، مقطوع الرجلین (دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں، دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں) ہے تو اس کا آزاد کرنا کسی کفارہ میں جائز نہیں ہے اور اگر غلام اعور (کانا) یا اعرج (لنگڑا) ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ اکثر کے نزدیک آزاد کرنا جائز ہے، مگر امام مالک کے ہاں ناجائز ہے۔ اگر مکمل طور پر لنگڑا ہو تو پھر ہرگز جائز نہیں ہے۔ اسی طرح **مقطوع احدی الیدین یا احدی الرجلین** امام ابو حنیفہ کے ہاں جائز ہے۔ وعند الشافعی و مالک ناجائز ہے۔ اصل میں امام ابوحنیفہ کے ہاں ضابطہ یہ ہے کہ اگر کوئی عضو کٹ جائے اور اس کی صنعت و منفعت مکمل طور پر ختم ہو جائے تو ایسے غلام کو کسی کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسے اعمیٰ (اندھا) یا ہاتھ پاؤں کی منفعت سے محروم شخص۔ اگر تھوڑی بہت کمی کسی عضو میں موجود ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ الخ

دیت چونکہ مقتول کے خون کے عوض دی جاتی ہے، لہٰذا اولیاء مقتول کو ہی دیت ملنی چاہیے۔ یہاں دیت کے وجوب کا ذکر ہے، لیکن یہ نہیں بتلایا گیا کہ دیت قاتل پر واجب ہے یا عاقلہ پر؟ (عاقلہ سے مراد قاتل کی برادری ہے یا جس محکمہ میں وہ ملازم ہے اس کے ملازم) نیز یہ بھی نہیں بتلایا گیا کہ دیت کا نصاب اور مقدار کیا ہے۔ ان تمام باتوں کی تفصیل احادیث میں موجود ہے اور احادیث سے ہی فقہاء نے اخذ کیا ہے۔ دیت سے متعلق متعدد مسائل ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اہل ابل پر **مأة ابل** (سو اونٹ) ہیں اس صورت میں بھی دیت لاکھوں روپے ہوگی۔ کیونکہ کم از کم ایک اونٹ چار پانچ ہزار کا ہوگا اور اونٹ کے سوا دیت من الذہب والفضۃ بھی جائز ہے۔ اگر دیت سونے سے ادا کی جائے گی تو ہزار دینار دینے ہوں گے۔ **وهو قول مالک و احمد و ابی حنیفه والقول القديم للشافعی**ؒ یعنی امام مالک، امام احمد اور امام ابی حنیفہ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے اور اگر چاندی میں سے دیت کو ادا کریں گے تو اہل عراق، اہل خراسان اور اہل فارس کے (۱۲۰۰۰) بارہ ہزار درہم ہوں گے۔ یہی امام مالک کا بھی مذہب ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں (۱۰۰۰۰) دس ہزار درہم دینے ہوں گے۔ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ دیت میں ابل (اونٹ) ہیں۔ اگر ابل موجود نہ ہوں تو پھر ان کی قیمت لگائی جائے گی (**سواء من الذهب اوالفضة**) خواہ سونے سے یا چاندی سے، امام شعبیؒ سے منقول ہے کہ (**من الابل مأة**) دیت میں ۱۰۰ سو اونٹ واجب ہیں (**ومن الورق عشرة الاف**) اور چاندی سے دس ہزار درہم واجب ہیں، (**ومن التبر مأتين**) اور سونے کے دو صد (۲۰۰) ڈھیلے واجب ہیں، (**وعلى اهل الشاة الف شاة**) اور بکریوں والوں پر ایک ہزار (۱۰۰۰) بکریاں واجب ہیں۔ (**وعلى اهل احلة مأتي حلل**) اور کپڑے والوں پر (۲۰۰) دو صد جوڑے دینا واجب ہیں، لیکن فقہاء سبعہ اور دیگر ائمہ فقہ مثل امام ابوحنیفہ

وغیرہ نے بقر، شیاہ اور حلل کو دیت میں دینے سے انکار کیا ہے کہ ان چیزوں کو دیت میں دینا درست نہیں۔ البتہ ابل (اونٹ) ذہب (سونا) اور فضہ (چاندی) دینا درست ہے۔

دیت میں دیے جانے والے اونٹوں کی تفصیل:

اس معاملے میں موجودہ کرنسی کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ اونٹوں کی قیمت یا براہِ راست اونٹ معتبر ہیں۔ دیت میں جو اونٹ دیے جائیں گے، ان کی عمریں درج ذیل حدیث سے ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

وعن خشف ابن مالک عن ابن مسعودؓ قال قضٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی دیة الخطاء. عشرین بنت مخاض. وعشرین ابن مخاض ذکور و عشرین بنت لبون وعشرین جذعة وعشرین حقة. (ابوداؤد)

حضرت خشف ابن مالکؒ، ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ قتل خطاء کی دیت کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا تھا کہ (سو میں سے) (۲۰) بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو دوسرے سال میں لگی ہوں اور ۲۰ اونٹ نر جو دوسرے سال میں لگے ہوں اور (۲۰) بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو تیسرے سال میں لگی ہوں اور (۲۰) بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو پانچویں سال میں لگی ہوں اور (۲۰) بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو چوتھے سال میں لگی ہوں۔ یہ روایت امام ابو حنیفہ کی حجت اور دلیل ہے کہ دیت کی تقسیم اخماساً ہے اور مختلف عمروں کے بیس بیس اونٹ جمع کر کے سو کی تعداد پوری کی جائے گی۔ یہی مذہب ہے امام مالکؒ اور امام شافعی کا ہے۔ ایک اور روایت بھی دیت سے متعلق ہے، لیکن فقہاء میں سے کسی نے اس پر اپنے مسلک کی بنیاد نہیں رکھی۔ وہ روایت یہ ہے۔

وفیه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قضٰی ان من قتل خطاء فدیته مأة من الابل ثلاثون بنت مخاض وثلاثون بنت لبون وثلاثون حقة وعشر بنی لبون الخ

اس (روایت) میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطاء کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا کہ اس کی دیت سو اونٹ ہوں گے۔ تیس بنت مخاض (وہ اونٹنیاں جو دوسرے سال میں لگی ہوں) اور تیس (۳۰) بنت لبون (وہ اونٹنیاں جو تیسرے سال میں لگی ہوں) اور تیس (۳۰) حقے (وہ اونٹ یا اونٹنیاں جو چوتھے برس میں لگی ہوں) اور دس (۱۰) بنی لبون (وہ اونٹ جو تیسرے سال میں لگے ہوں)۔

دیت سے متعلق دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ دیت کن لوگوں پر واجب ہے۔ اس پر اجماع ہے کہ دیت عاقلہ پر واجب ہے۔ سب لوگوں پر تقسیم کی جائے گی اور وہ لوگ تین سال میں ادا کریں گے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ دیت زندہ شخص کو قتل کرنے کی وجہ سے واجب ہوگی۔ اس میں چھوٹا اور بڑا برابر ہے۔ حتیٰ کہ اگر حاملہ عورت کو کسی شخص نے دھکا دے دیا یا اس کے پیٹ پر مکا مارا اور بچہ پیدا ہو کر پھر مر گیا تو فیہ دیة

كاملة (اس میں بھی کامل دیت واجب ہے)۔ چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اگر حاملہ عورت کو مارنے یا اس کے پیٹ پر کوئی چیز مارنے سے بچہ اندر ہی اندر فوت ہو گیا اور وہ مردہ پیدا ہوا تو اس صورت میں حدیث ہے غرۃ عبد یعنی ایک غلام دیا جائے گا اور اگر غلام نہ ہو تو امام مالک کے ہاں یا تو پچاس دینار دینے ہوں گے یا چھ سو درہم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ایک عبد ہی کا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

عن حمل ابن مالك قال كنت بين جاريتين لي فضربت احدٰهما بطن صاحبتها بعود فسطاط او سطح خيمة فالقت جنيناً ميتاً فاختصم اولياء ها الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال عليه السلام لاولياء الضاربة فدوه فقال اخوها انفدى من لاصاح ولا استهل ولا شرب ولا اكل ودم مثله يطل فقال عليه السلام السجع سجع الكهان قوموا فدوه

حمل ابن مالک کہتے ہیں کہ میری دو بیویوں میں سے ایک نے دوسری کے پیٹ پر خیمہ کا ستون مارا اور اس نے مرا ہوا بچہ جنم دیا تو اس کے اولیاء نے یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی دیت دے دو تو مارنے والی کا بھائی کہنے لگا کہ کیا ہم ایسے (بچے) کی دیت دیں جو نہ تو چلایا اور نہ آواز بلند کی اور نہ کھایا پیا۔ ایسا خون تو رائیگاں ہونا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجع تو کاہنوں والا ہے، لیکن اٹھو اور دیت ادا کرو (جو کہ ایک عبد ہے)

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا الخ

قتل عمد کی سزا میں جو خلود کا ذکر آیا ہے یا تو اس وجہ سے ہے کہ بہت سے لوگ قتل ناحق کو حلال جانتے ہیں اور یہ کفر ہے۔ کفر کی سزا یہی ہے۔ یعنی جب موت کفر پر آئی ہو تو خلود فی النار ہے۔ جیسے آج کل دشمن کے بھائی کو، باپ کو، بیٹے کو لوگ قتل کر دیتے ہیں اور اس قتل کو وہ حلال سمجھتے ہیں تو یہ صریح کفر ہے۔ بعض مفسرین نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں خلود ہے ابد نہیں ہے۔ خلود سے مراد طولِ سزا ہے جیسے عمر بھر قید سے مراد صرف ۱۴ سال قید ہے یا قتل کے گناہ کبیرہ بتلانے اور جتلانے کے لیے یہ سزا اہم رکھی گئی ہے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ قتل ناحق کتنا بڑا گناہ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ الخ

شانِ نزول

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت فدک کی طرف بھیجی تو جو غیر مسلم تھے، وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور حضرت مرداس ابن نھیک اکیلے ان میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ اپنے مال و اسباب سمیت ان لوگوں سے

الگ ہو گئے تھے جب صحابہ کرام پہنچ گئے تو وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ رہے تھے، لیکن صحابہ کرام یہ سمجھے کہ شاید مال و جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ لہٰذا حضرت اُسامہ بن زید نے ان کو شہید کر دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ کو بڑا دکھ ہوا کہ ایک مسلمان کو شہید کر دیا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی کہ آئندہ خیال کیا کرو۔ بلا تحقیق اس طرح کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ جذبات میں پڑ کر کسی کو قتل نہ کیا کرو۔

لَسْتَ مُؤْمِنًا الخ

یعنی دوران سفر انسان کو ہر بستی کے لوگوں کے متعلق علم نہیں ہو سکتا کہ ان کے عقائد و نظریات کیا ہیں۔ لہٰذا خوب تحقیق و تفتیش کے بعد ہی کوئی قدم اُٹھانا چاہیے۔ ہم نے جب حکومتی سطح پر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کی کوشش کی تو ہمارے سامنے بھی یہی آیت رکھی گئی۔ مقصد یہ تھا کہ مرزائی چونکہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، لہٰذا ان کو کافر اور غیر مسلم نہ کہا جائے، لیکن یہ انتہائی حماقت کی بات ہے۔ کیونکہ آیت کے الفاظ سے جو مفہوم صراحۃ سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ ہے کہ تم سفر پر ہو اور دوران سفر بیگانہ اور اجنبی لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جن کے عقائد کو جاننے اور پرکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن مرزائیوں کی خرافات اور کفریات کو لوگ ۹۰ سال سے دیکھ رہے ہیں۔ ان کی تحقیق و تفتیش میں ہم ''فَتَبَيَّنُوْا'' سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔ اب مزید تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ

بے شک جو لوگ

تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا

اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے تھے اُن کی رُوحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے انہوں نے جواب دیا

مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا

ہم اس ملک میں بے بس تھے فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں

فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ

ہجرت کر جاتے سو ایسوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ○ ہاں جو

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ

مرد اور عورتیں اور بچے واقعی کمزور ہیں جو نکلنے کا کوئی ذریعہ اور راستہ

سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾

نہیں پاتے ○ پس اُمید ہے کہ ایسوں کو اللہ معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے ○

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ

اور جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے اس کے عوض جگہ بہت اور کشائش پائے گا اور جو کوئی

يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ

اپنے گھر سے اللہ اور رسُول کی طرف ہجرت کر کے نکلے پھر اس کو موت پالے تو

وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ ع

اللہ کے ہاں اس کا ثواب ہو چکا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ اور جب تم سفر کے لئے نکلو

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ

تو تم پر کوئی گناہ نہیں نماز میں سے کچھ کم کر دو اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ

کافر تمہیں ستائیں گے بے شک کافر تمہارے صریح دشمن ہیں ○ اے نبی جب تو مسلمانوں میں

فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ
موجود ہو اور انہیں نماز پڑھانے کیلئے کھڑا ہو تو چاہئے ان میں سے ایک جماعت تیرے ساتھ کھڑی ہو اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں
فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا
پھر جب یہ سجدہ کریں تو تیرے پیچھے سے ہٹ جائیں اور دُوسری جماعت آئے جس نے نماز نہیں پڑھی
فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ
وہ تیرے ساتھ نماز پڑھے اور وہ بھی اپنے بچاؤ اور ہتھیار ساتھ رکھیں کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم
تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً
اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے بے خبر ہو جاؤ تا کہ تم پر یک بارگی ٹوٹ پڑیں
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا
اور اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو ہتھیار رکھ دینے میں کوئی
اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا
مضائقہ نہیں اور (تب بھی) اپنا بچاؤ ساتھ رکھو بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ذِلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے ○ پھر جب
قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ
نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہونے کی حالت میں یاد کرو پھر جب تمہیں اطمینان ہو جائے
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾
تو پوری نماز پڑھو بے شک نماز اپنے مقرر وقتوں میں مسلمانوں پر فرض ہے ○
وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ
اور ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہمت نہ ہارو اگر تم تکلیف اُٹھاتے ہو تو وہ بھی تمہاری طرح تکلیف اٹھاتے ہیں
وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۵
حالانکہ تم اللہ سے جس چیز کے امیدوار ہو وہ نہیں ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ○

افاداتِ محمود:

اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ

اس آیت میں قصر فی السفر کو خوف کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے یعنی اگر خوف ہو تو قصر کیا کرو۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر خوف نہ ہو تو قصر نہ کیا جائے؟ لیکن عند الاحناف تو مفہوم مخالف ویسے ہی معتبر نہیں ہے اور یہاں تو کسی کے ہاں بھی شرط کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے، بلکہ اکثریت کے ہاں مطلق قصر ہے۔ خواہ خوف ہو یا نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مطلق قصر ہی ثابت ہے۔ مسند احمد میں ہے:

عن یعلٰی بن امیة قال سئلت عمر بن الخطاب قلت له: قوله لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰة ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا، وقد امن الناس فقال لی عمر بن الخطاب رضی الله عنه عجبت مما عجبت منه، فسالت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذالک فقال: صدقة تصدق الله بها علیکم فاقبلوا صدقته (ابن کثیر)

حضرت یعلیٰؓ سے روایت ہے کہ میں نے فاروق اعظم سے کہا کہ آیت فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ الخ میں قصر من الصلوٰة مشروط ہے خوف کے ساتھ اور اب تو لوگ مامون ہو چکے ہیں (تو قصر کیونکر جائز ہوگی؟)۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ جس بات سے تجھ کو تعجب ہو رہا ہے، اس سے مجھ کو بھی تعجب ہوا تھا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ تم پر احسان فرمایا ہے، لہٰذا اُس کا احسان قبول کرو۔ اب قصر متعین ہے اتمام کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ الخ

یہاں صلوٰۃ خوف کی ایک صورت مذکور ہے۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ اکثر احادیث میں دوسری صورتیں بھی مذکور ہیں۔

فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ الخ

یہاں اقامت کا لفظ استعمال نہیں فرمایا گیا، ورنہ صلوٰۃ کے ساتھ اکثر اقامت کا لفظ استعمال ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ خوف کے ہوتے ہوئے اطمینان وسکون کے ساتھ تو نماز نہیں پڑھی جا سکتی، لہٰذا اقامت کا لفظ ہی استعمال نہیں کیا گیا۔ یاد رہے کہ صلوٰۃ خوف جس طرح دشمن کے خوف کی وجہ سے جائز ہے اس طرح شیر اور اژدھا وغیرہ جانوروں سے نقصان پہنچانے کے اندیشہ کی صورت میں بھی جائز ہے۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾

نمازیں اپنے اپنے اوقات میں فرض ہیں۔ حضرت جبریل کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک نماز اپنے اپنے وقت میں پڑھائی تھی۔ اب بعض لوگ جمع بین الصلوتین کے علی الاطلاق قائل (یعنی ہر صورت میں دو نمازیں اکٹھی کرنا جائز سمجھتے ہیں) ہیں اور بعض صرف سفر میں قائل ہیں۔ بعض بارش وغیرہ کی صورت میں قائل ہیں، لیکن احناف کے ہاں سوائے عرفات اور مزدلفہ کے جمع بین الصلوٰتین بالکل جائز نہیں

ہے۔عرفات میں عصر کو ظہر کے ساتھ ملا کر پڑھا جاتا ہے۔ یہ جمع تقدیم ہے۔مزدلفہ میں مغرب مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ یہ جمع تاخیر ہے۔اس ضمن میں مخالفین کے دلائل اخبار احاد ہیں (یعنی مخالفین نے خبر واحد سے استدلال کیا ہے، کوئی مشہور یا متواتر روایتیں ان کے پاس نہیں ہیں) امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں جن روایات میں جمع بین الصلوتین کا ذکر ہے، ان سے مراد جمع صوری اور جمع نزولی ہے کہ ایک نماز اپنے آخری وقت میں اور دوسری بالکل شروع وقت میں پڑھ لی تو یہ جمع صوری ہے، جمع حقیقی نہیں ہے۔ چنانچہ نسائی وغیرہ میں روایت موجود ہے کہ حضرت ابن عمرؓ مکہ مکرمہ تشریف لے جا رہے تھے کسی کام سے اور حضرت نافع جو خادم تھے، وہ بھی ساتھ تھے۔راستہ میں چلتے ہوئے جب سورج غروب ہو گیا تو حضرت نافع نے کہا الصلوٰۃ یعنی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا آگے چل۔ وہ پھر نماز کا کہتے تو آپؓ فرماتے آگے چل۔ متعدد بار ایسا ہوتا رہا۔

بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں حتیٰ کادان یغیب الشفق نزل وصلی المغرب ثم انتظر شیأ فصلی العشاء وهٰذا الجمع الصوری کنامع رسول الله صلی الله علیه وسلم ففعل رسول الله صلی الله علیه وسلم هٰكذا

یعنی مغرب کا وقت ختم ہونے سے کچھ دیر قبل حضرت ابن عمرؓ اپنی سواری سے اُترے اور مغرب کی نماز پڑھی پھر، تھوڑی دیر انتظار کر کے عشاء کی نماز پڑھی۔ حضرت نافع کہتے ہیں یہ جمع صوری ہے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔آپؐ نے بھی اسی طرح کیا تھا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ
بے شک ہم نے
اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ
تیری طرف سچی کتاب اتاری ہے تا کہ تو لوگوں میں انصاف کرے جو کچھ تمہیں اللہ سجھا دے اور تو
لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝١٠٥ۙ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١٠٦ۚ وَلَا
بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والا نہ ہو ○ اور اللہ سے بخشش مانگ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ اور ان
تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا
لوگوں کی طرف سے مت جھگڑو جو اپنے دل میں دغا رکھتے ہیں جو شخص دغا باز گنہگار ہو بے شک اللہ اسے پسند
اَثِــيْمًا ۝١٠٧ۚۙ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَھُوَ مَعَھُمْ
نہیں کرتا ○ یہ لوگ انسانوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے حالانکہ وہ اس وقت بھی ان کے
اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝١٠٨
ساتھ ہوتا ہے جبکہ رات کو چھپ کر اس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں اور ان کے سارے اعمال پر اللہ احاطہ کرنے والا ہے ○
هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْھُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ
ہاں تم لوگوں نے ان مجرموں کی طرف سے دُنیا کی زندگی میں تو جھگڑا کر لیا پھر قیامت کے دن
عَنْھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝١٠٩ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا
ان کی طرف سے اللہ سے کون جھگڑے گا یا ان کا وکیل کون ہوگا ○ اور جو کوئی برا فعل کرے
اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١١٠ وَمَنْ يَّكْسِبْ
یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اس کے بعد اللہ سے بخشوائے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے ○ اور جو کوئی
اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِـيْمًا ۝١١١ وَمَنْ يَّكْسِبْ
گناہ کرے سو اپنے ہی حق میں کرتا ہے اور اللہ سب باتوں کا جاننے والا حکمت والا ہے ○ اور جو کوئی خطا یا
خَطِيْۗئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝١١٢ۧ
گناہ کرے پھر کسی بے گناہ پر تہمت لگا دے تو اس نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بار سمیٹ لیا ○

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ

اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تمہیں غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ

حالانکہ وہ اپنے سوا کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہیں کر سکتے تھے اور وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے اور اللہ نے

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ

تجھ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تجھے وہ باتیں سکھائی ہیں جو تو نہ جانتا تھا اور اللہ کا

اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِیْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ

تجھ پر بہت بڑا فضل ہے ○ اُن لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر کوئی بھلائی نہیں ہوتی ہاں مگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ کرنے

اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

یا کسی نیک کام کے کرنے یا لوگوں میں صلح کرانے میں کی جائے تو یہ بھلی بات ہے اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے

اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ

کرے تو ہم اسے بڑا ثواب دیں گے ○ اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ

مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ

اس پر سیدھی راہ کھل چکی ہو اور سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا ہے

جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا

اور اسے دوزخ میں ڈالیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ○ بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا جو کسی کو اس کا شریک بنائے اور اس کے

دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

سوا جسے چاہے بخش دے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا ○

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾

یہ لوگ اللہ کے سوا عورتوں کی عبادت کرتے ہیں اور صرف شیطان سرکش کی عبادت کرتے ہیں ○

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ

جس پر اللہ کی لعنت ہے اور شیطان نے کہا کہ اے اللہ میں تیرے بندوں میں سے حصہ مقرر لوں گا ○ اور البتہ انہیں ضرور گمراہ کروں گا

وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ

اور البتہ ضرور انہیں امیدیں دلاؤں گا اور البتہ ضرور انہیں حکم کروں گا کہ جانوروں کے کان چیریں اور البتہ ضرور انہیں حکم دوں گا کہ

خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا

اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں بدلیں اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے گا وہ صریح نقصان میں

مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ

جا پڑا ○ شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے صرف جھوٹے وعدے کرتا ہے ○ ایسے

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور اس سے کہیں بچنے کے لئے جگہ نہ پائیں گے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ

انہیں ہم باغوں میں داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ کا وعدہ

اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ

سچا ہے اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہے ○ نہ تمہاری امیدوں پر مدار ہے اور نہ

اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا

اہلِ کتاب کی امیدوں پر جو کوئی برا کام کرے گا اس کی سزا دیا جائے گا اور اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی

وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ

اور مددگار نہیں پائے گا ○ اور جو کوئی اچھے کام کرے گا مرد ہے یا عورت درآنحالیکہ وہ

مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ

ایمان دار ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور کھجور کے شگاف برابر بھی ظلم نہیں کئے جائینگے ○ اس شخص سے بہتر

دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ

دین میں کون ہے جس نے اللہ کے حکم پر پیشانی رکھی اور وہ نیکی کرنے والا ہو اور ابراہیم حنیف کے دین کی پیروی کرے

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

اور اللہ نے ابراہیم کو خالص دوست بنالیا ہے ○ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾
اور اللہ سب چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے ○

افاداتِ محمود:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ الخ

شانِ نزول

ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کے گھر میں نقب زنی کر کے آٹے کا ایک تھیلا اور کچھ اسلحہ چوری کر لیا۔ اتفاق سے تھیلے میں سوراخ تھا سارے راستہ میں آٹا گرتا گیا۔ گھر تک پہنچ کر اس چور نے وہ تھیلا اور اسلحہ وغیرہ ایک یہودی پڑوسی کے پاس بطور امانت رکھوا دیا۔ اب گھر کا مالک جس کی چوری ہوئی تھی، وہ آٹے کی نشانات پر چلتا رہا، یہاں تک کہ چور کے گھر کے پاس پہنچ گیا، لیکن تلاشی کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر آگے آٹا گرنے کے نشانات پر چل پڑا تو اس یہودی کے گھر تک پہنچ گیا اور چوری شدہ مال بھی اس کے گھر سے برآمد ہوا، لیکن ساتھ ہی یہی یہودی قسمیں کھانے لگا کہ یہ میرا مال نہیں ہے، بلکہ ایک مسلمان نے میرے پاس امانت رکھوایا ہے اور ادھر مسلمان نے ٹھان لی کہ اب بہرصورت یہودی کو پھنسانا ہے۔ خود جھوٹی قسمیں کھا کر بری ہونے اور یہودی کو ملوث کرنے کی سعی نامشکور کی۔ ممکن تھا کہ مسلمان کی ان بے باک قسموں کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہودی پر فرد جرم عائد فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی صورت حال سے آگاہ فرما دیا کہ اس مسلمان نے خیانت کی ہے، لہٰذا آپ اس کی طرف داری نہ کریں۔

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ الخ کافر لوگ کسی جانور کے کان میں سوراخ کر کے یا کسی عضو کو کاٹ کر بتوں کی تعظیم و تکریم کے لیے بتوں کے نام چھوڑ دیتے تھے۔ نہ اس کو کوئی ہاتھ لگا سکتا تھا نہ اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور نہ ذبح ہو سکتا تھا۔ آج کل بھی بعض جاہل پیر مریدوں کے لیے خاص خاص نشانیاں مقرر کر دیتے ہیں۔ کبھی کان میں سوراخ کرنا، کبھی ننگا رہنے کا اور ڈاڑھی منڈوانے کا حکم دیتے ہیں یا اور کوئی تغیر فی خلق اللہ کرتے ہیں۔ یہ سب حرام ہیں۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۗ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ

اور تجھ سے عورتوں کے نکاح کی رخصت مانگتے ہیں کہہ دے اللہ تمہیں ان کی

فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ

اجازت دیتا ہے اور وہ جو تمہیں قرآن میں سنایا جاتا ہے سو ان یتیم عورتوں کا حکم ہے جنہیں تم نہیں دیتے

مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ

جو ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کرو اور کمزور لڑکوں کے بارے میں ہے

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

اور یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو اور جو تم نیکی کرو گے پس تحقیق اللہ اسے جاننے والا ہے ○

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ

اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے لڑنے یا منہ پھیرنے سے ڈرے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ

اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۗ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۗ وَ

آپس میں کسی طرح صلح کرلیں اور یہ صلح بہتر ہے اور دلوں میں حرص موجود ہے اور

اِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا

اگر تم نیکی کرو اور پرہیزگاری کرو تو اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے ○ اور تم عورتوں کو

اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا

ہرگز برابر میں نہیں رکھ سکو گے اگرچہ اس کی حرص کرو سو تم بالکل ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری عورت کو لٹکی ہوئی

كَالْمُعَلَّقَةِ ۗ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ

چھوڑ دو اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیزگاری کرتے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ اور اگر

يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

دونوں میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے پرواہ کر دیگا اور اللہ وسعت کرنے والا حکمت والا ہے ○

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور ہم نے پہلی کتاب والوں کو

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا
اور تمہیں حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اگر ناشکری کرو گے تو جو کچھ
فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي
آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ بے پرواہ تعریف کیا ہوا ہے ○ اور جو کچھ
السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
آسمانوں اور جو کچھ زمین میں سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ کارساز کافی ہے ○ اگر چاہے تو
اَيُّهَا النَّاسُ وَ يَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ
اے لوگو تمہیں لے جائے اور اوروں کو لے آئے اور اللہ اس پر قادر ہے ○ جو شخص
يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ
دنیا کا ثواب چاہتا ہے تو اللہ کے ہاں دنیا اور آخرت کا ثواب ہے اور اللہ
سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾
سننے والا دیکھنے والا ہے ○

ع ۸ / ۱۶

افاداتِ محمود:

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ الخ

اگر کوئی لڑکی یتیم رہ جاتی اور چچازاد بھائی وغیرہ اس کے وارث و والی ہوتے تو بہت سے لوگ اس یتیم پر ظلم کرتے تھے۔ میراث عورتوں کو نہ دیتے تھے۔ یہ خیال کرتے تھے کہ میراث ان مردوں کا حق ہے جو دشمن کے مقابلے میں سینہ سپر ہوتے ہیں۔ یتیم لڑکیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوتا تھا کہ ان کے مال یا جمال کی وجہ سے ان سے شادی رچالی اور آگے تمام حقوق غائب۔ اس صورت میں لوگوں پر پابندی لگادی گئی تھی کہ یتیم لڑکیوں سے خود نکاح نہ کریں، بلکہ کسی اور جگہ ان کا نکاح کرائیں۔ چنانچہ ایسا ہونے لگا تو بعد میں تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایسا کرنا مناسب نہیں کیونکہ اپنے بیگانوں سے ہر لحاظ سے اچھے ثابت ہوتے ہیں، لہٰذا بعض صحابہ کرامؓ نے یہ بات پوچھ ہی لی کہ اگر یتیم لڑکی کے تمام حقوق کا خیال کرنے والا ہی اس سے شادی کرلے تو کیا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اجازت مرحمت فرمادی کہ یتیم لڑکی کے حقوق کا جو حقیقی محافظ ہو، اس کو اس سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اللہ کی طرف کی

لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ

گواہی دو اگرچہ اپنی جانوں پر ہو یا ماں باپ اور رشتہ داروں پر اگر کوئی مالدار ہے یا

فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا

فقیر ہے تو اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے سو تم انصاف کرنے میں دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو اور اگر تم

اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے ○ اے ایمان والو!

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ

اللہ اور اس کے رسول پر یقین لاؤ اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اس کتاب پر

اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ

جو پہلے نازل کی تھی اور جو کوئی اللہ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اسکے رسولوں کا

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا

اور قیامت کے دن کا تو وہ شخص بڑی دور گمراہی میں جا پڑا ○ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کفر کیا

ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا

پھر ایمان لائے پھر کفر کیا پھر کفر میں بڑھتے رہے تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ

لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾

انہیں راہ دکھائے گا ○ منافقوں کو تو خوشخبری سنا دے کہ ان کے واسطے دردناک عذاب ہے ○

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ

وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں کیا ان کے ہاں سے عزت چاہتے ہیں

اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ

سو ساری عزت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے ○ اور اللہ نے

عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

تم پر قرآن میں حکم اتارا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں پر انکار اور مذاق ہوتا سنو

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ

تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ کسی دوسری بات میں مشغول ہوں ورنہ تم بھی

اِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ

انہیں جیسے ہو جاؤ گے اللہ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک ہی جگہ

جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا

اکٹھا کرنے والا ہے ○ وہ منافق جو تمہارے متعلق انتظار کرتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ہو تو کہتے ہیں

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ

کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل جائے تو کہتے ہیں کیا ہم تم پر

عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ

غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچا نہیں لیا سو اللہ تمہارا اور ان کا قیامت میں

الْقِيٰمَةِ ۗ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ اِنَّ

فیصلہ کرے گا اور (وہاں) اللہ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ہرگز غالب نہیں کرے گا ○

الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا

منافق اللہ کو فریب دیتے ہیں اور وہی ان کو فریب دے گا اور جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سست بن کر

كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ

کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں ○ کفر اور ایمان کے

بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ

درمیان ڈانواں ڈول ہیں نہ پورے اس طرف ہیں اور نہ پورے اس طرف اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اس کے واسطے

تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

ہرگز کہیں راہ نہ پائے گا ○ اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا

کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ کیا تم اپنے اُوپر اللہ کا صریح الزام

مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ

لینا چاہتے ہو ○ بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے درجہ میں ہوں گے اور تو ان کے واسطے

نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ

کوئی مددگار ہرگز نہ پائے گا ○ مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور اللہ کو مضبوط پکڑا اور اپنے دین کو خالص

لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

اللہ ہی کے لئے کیا تو وہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور اللہ جلدی ایمان والوں کو بہت بڑا ثواب دے گا ○

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

(اے منافقو!) اللہ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لے آؤ اور اللہ قدردان جاننے والا ہے ○

افاداتِ محمود:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا الخ

بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت منافقین کے بجائے یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کبھی مسلمان اور کبھی مرتد ہوتے رہے۔

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ الخ

یعنی ایسی محفل اور ایسی مجلس جہاں شعائر اللہ کا مذاق اڑایا جاتا ہو اور انسان منع کرنے پر قادر نہ ہو تو وہاں نہ بیٹھنا چاہیے۔ ورنہ ان کی ناروا گپیں سننے کی وجہ سے انسان انہی میں شمار ہو جاتا ہے۔ جب پاکستان کا آئین بن رہا تھا اور ہم اسلامی شقوں کو شامل کرنے کی کوشش کرتے کرتے تھک گئے تو ہم نے واک آؤٹ کر دیا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی ہمارے بزرگ تھے۔ انہوں نے کہا کہ واک آؤٹ نہ کرو۔ روز روز یہ اٹھک بیٹھک ہم سے نہیں ہوتی۔ تو میں نے یہ آیت بطور دلیل پیش کر دی کہ جب یہ لوگ اسلامی شقوں سے انحراف کرتے اور ان کا مذاق اُڑاتے ہیں تو ہمیں ان کے پاس نہیں بیٹھنا چاہیے۔ مولانا غلام غوث نے فرمایا کہ پھر کیوں آتے ہو؟ میں نے کہا حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ الخ یعنی جب اسلامی شقوں پر یہ لوگ تنقید نہیں کریں گے تو ہم ساتھ بیٹھیں گے۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَہْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا

اللہ کو کسی کی بری بات کا ظاہر کرنا پسند نہیں مگر جس پر ظلم ہوا ہو اور اللہ سننے والا

عَلِیْمًا ۝۱۴۸ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ كَانَ

جاننے والا ہے ○ اور اگر تم نیک کام علانیہ کرو یا اسے خفیہ کرو یا کسی برائی کو معاف کردو تو اللہ بڑا

عَفُوًّا قَدِیْرًا ۝۱۴۹ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ

معاف کرنے والا قدرت والا ہے ○ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں

اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ

اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر ایمان لائے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں

وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۝۱۵۰ اُولٰٓئِكَ ہُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ

اور چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے درمیان ایک راہ نکالیں ○ ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّہِیْنًا ۝۱۵۱ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ

اور ہم کافروں کے واسطے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے ○ اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے رسولوں پر

وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْہُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ یُؤْتِیْہِمْ اُجُوْرَہُمْ ؕ وَكَانَ

اور اُن میں سے کسی کو جُدا نہ کیا ان لوگوں کو اللہ جلد ان کے ثواب دے گا اور

اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۱۵۲ ع

اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

افاداتِ محمود:

اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا الخ

احسان عام ہو یا احسان خاص پوشیدہ طور پر ہو اور برائیوں سے درگزر کرتے ہوئے کم از کم بیان کی جائیں۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ

اہل کتاب تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے لکھی ہوئی

السَّمَاۗءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً

کتاب اُتار لائے سو موسیٰ سے اس سے بڑی چیز مانگ چکے ہیں اور کہا ہمیں اللہ کو بالکل سامنے لا کر دکھا دے

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا

ان کے اس ظلم کے باعث ان پر بجلی ٹوٹ پڑی پھر بہت سی نشانیاں پہنچ چکنے کے بعد

جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝۱۵۳

بچھڑے کو بنا لیا پھر ہم نے وہ بھی معاف کر دیا اور ہم نے موسیٰ کو بڑا رعب دیا تھا ○

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

اور لوگوں پر طور اٹھا کر ان سے عہد لیا اور ہم نے کہا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو

وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۱۵۴

اور ہم نے کہا کہ ہفتہ کے بارے میں زیادتی نہ کرو اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا ○

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ

پھر ان کی عہد شکنی پر اور اللہ کی آیتوں سے منکر ہونے پر اور پیغمبروں کا ناحق خون کرنے پر

حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

اور اس کہنے پر کہ ہمارے دلوں پر پردے ہیں انہیں سزا ملی پردے نہیں بلکہ اللہ نے ان کے دلوں پر کفر کے سبب سے مہر کر دی

اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵۵ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝۱۵۶ وَّقَوْلِهِمْ

ہے سو ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے ○ اور ان کے کفر اور مریم پر بڑا بہتان باندھنے کے سبب سے ○ اور ان کے اس کہنے پر کہ

اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا

ہم نے مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو قتل کیا جو اللہ کا رسول تھا حالانکہ انہوں نے نہ اسے قتل کیا

صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ

اور نہ سولی چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں

مِّنۡهُ ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ‌ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۢ ۙ‏ ﴿۱۵۷﴾
مبتلا ہیں ان کے پاس بھی اس معاملہ میں کوئی یقین نہیں ہے محض گمان ہی کی پیروی ہے انہوں نے یقیناً مسیح کو قتل نہیں کیا ○
بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا‏ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ
بلکہ اسے اللہ نے اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ زبردست حکمت والا ہے ○ اور اہلِ کتاب میں
الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُـؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ‌ ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ
کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے گا اور قیامت کے دن وہ اُن پر
شَهِيۡدًا‌ ۚ‏ ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ
گواہ ہوگا ○ سو یہود کے گناہوں کے سبب سے ہم نے ان پر بہت سی پاک چیزیں حرام کر دیں جو ان پر حلال تھیں
وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ۙ‏ ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ
اور اس سبب سے کہ اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے ○ اور اُن کے سُود لینے کے سبب سے حالانکہ اس سے منع کیے گئے تھے
وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ‌ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا
اور اس سبب سے کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے جو کافر ہیں ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب
اَ لِيۡمًا‏ ﴿۱۶۱﴾ لٰـكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ
تیار کر رکھا ہے ○ لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں اور مسلمان ہیں سو مانتے ہیں اس کو
بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ‌ وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ‌ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ
جو تجھ پر نازل ہوا اور جو تجھ سے پہلے نازل ہو چکا ہے اور نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ
الزَّكٰوةَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ اُولٰۤـئِكَ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِيۡمًا‏ ﴿۱۶۲﴾ ع
دینے والے اور اللہ اور قیامت پر ایمان لانے والے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم بڑا ثواب عطا فرمائیں گے ○

افاداتِ محمود:

وَمَا قَتَلُوۡهُ الخ یعنی عدم قتل متعین ہے یہ بات نہیں کہ قتل نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ اور ہوا ہو، بلکہ عدم قتل متعین ہے۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ الخ قتل کی نفی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم سے ہوئی تھی۔ لہٰذا رفع الی السماء بھی جسم ہی کا ہوگا جیسے آپ کہیں ما قتلت زید ابل ضربته تو زید سے قتل کی نفی ہو رہی ہے اور زید ہی سے ضرب متعلق ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ کے جسم اطہر سے قتل کی نفی کی گئی تو اثبات رفع بھی جسم ہی کے لیے ہوگا تا کہ مناسب ہو۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ

ہم نے تیری طرف وحی بھیجی جیسی نوح پر وحی بھیجی اور ان نبیوں پر جو اس کے بعد آئے اور

إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولاد اور عیسیٰؑ

وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿۱۶۳﴾

اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ پر وحی بھیجی اور ہم نے داؤدؑ کو زبور دی ○

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ

اور ایسے رسول بھیجے جن کا حال اس سے پہلے ہم تمہیں سنا چکے ہیں اور ایسے رسول جن کا ہم نے تم سے بیان نہیں کیا

وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿۱۶۴﴾ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ

اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور پر کلام فرمایا ○ ہم نے پیغمبر بھیجے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ لوگوں کا

عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۶۵﴾ لَّٰكِنِ اللَّهُ

اللہ پر پیغمبروں کے بعد الزام نہ رہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے ○ لیکن اللہ

يَشْهَدُ بِمَآ أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُۥ بِعِلْمِهِۦ ۖ وَالْمَلَٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ

اس پر شاہد ہے جو تم پر نازل کیا کہ اسے اپنے علم سے نازل کیا اور فرشتے بھی گواہ ہیں

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۱۶۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ

اور اللہ گواہی دینے والا کافی ہے ○ بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کی راہ سے روکا

قَدْ ضَلُّوا ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ﴿۱۶۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ

وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے ○ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کیا اللہ انہیں کبھی نہیں

لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿۱۶۸﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ

بخشے گا اور نہ ان کو سیدھی راہ دکھائے گا ○ مگر دوزخ کی راہ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿۱۶۹﴾ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ

اور اللہ پر یہ آسان ہے ○ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ٹھیک بات لے کر

مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

رسول آپکا سو مان لو تا کہ تمہارا بھلا ہو اور اگر انکار کرو گے تو اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ

اور زمین میں ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ۝ اے اہلِ کتاب تم اپنے دین میں حد سے نہ نکلو

وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

اور اللہ کی شان میں سوائے پکی بات کے نہ کہو بے شک مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا

رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

اللہ کا رسول ہے اور اللہ کا ایک کلمہ ہے جسے اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہے سو اللہ پر

وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ

اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس بات کو چھوڑ دو تمہارے لئے بہتر ہوگا بے شک اللہ اکیلا معبود ہے

سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى

وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا

کارساز کافی ہے ۝ مسیح خدا کا بندہ بننے سے ہرگز عار نہیں کرے گا اور نہ

الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ

مقرب فرشتے اور جو کوئی اس کی بندگی سے انکار کرے گا اور تکبر کرے گا پھر ان سب کو

اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ

اپنی طرف اکٹھا کرے گا ۝ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور اچھے کام کئے ہوں گے انہیں تو ان کا پورا ثواب دے گا

وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ

اور انہیں اپنے فضل سے اور زیادہ دے گا اور جن لوگوں نے انکار کیا اور تکبر کیا انہیں درد دینے والا

عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا اپنے واسطے کوئی دوست اور مددگار نہیں پائیں گے ۝

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک ظاہر روشنی

مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ

اتاری ہے○ سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کو مضبوط پکڑا انہیں اللہ اپنی رحمت اور اپنے

مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ

فضل میں داخل کرے گا اور اپنے تک ان کو سیدھا راستہ دکھائے گا○ تجھ سے حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ

اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ

اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو

فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ

تو اسے اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ شخص اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اگر

كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا

دو بہنیں ہوں تو انہیں کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا اور اگر چند وارث بھائی بہن ہوں مرد

وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ

اور عورت تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملے گا اللہ تم سے اس لئے بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع

اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے○

افاداتِ محمود:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا الخ ہم نے برھان بھیجا اور ساتھ ہی ایک نور (قرآن کریم) بھی بھیجا۔ برھان سے مراد از روئے تفسیر ابن عباسؓ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہیں کیونکہ آپ کے کریمانہ اخلاق، معجزات نزول وحی وغیرہ آپؐ کی ذات میں یہ ساری باتیں جمع ہیں۔ لہٰذا آپؐ مجسمہ برھان ہیں۔

نور سے مراد قرآن کریم ہے جیسا کہ آگے سورۂ مائدہ آیت ۱۵ میں ہے۔ اگر نور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک مراد لی جائے تب بھی درست ہے لیکن اس معنی میں جو بشریت اور جسمیت کی منافی ہو کیونکہ نور کی ضد ظلمت ہے جسم نہیں ہے اور بشر کی ضد ومقابل ملائکہ وجن ہیں۔ لہٰذا نور کو بشریت کے مقابل سمجھنا یا نور کو بشریت

کے منافی سمجھنا جہالت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ فوق اور ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن فوق کا تقابل فوق سے یا تحت کا مقابلہ تحت سے کرنا غلط ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے۔ دیو بندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور ضرور مانتے ہیں لیکن اس نور کو بشریت کے منافی نہیں سمجھتے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو من وجہ نور مانتے ہیں اور من وجہ بشر مانتے ہیں۔ کیونکہ بشریت ونورانیت میں کوئی تضاد نہیں۔ دونوں ایک ذات ومحل واحد میں جمع ہو سکتے ہیں۔

دینداری کا ایک اصول یہ ہے جو کہ ایک حدیث کا بھی مفہوم ہے کہ جب تمہیں دنیا کی چیزوں اور آسائش کا خیال وہوس پیدا ہو جائے تو اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھو جو غرباء اور مساکین ہیں تا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو اور جب اپنے نیک اعمال تمہیں زیادہ نظر آنے لگیں اور اُن پر اترانے ونخوت کا اندیشہ ہو تو جو لوگ تم سے دین کے اعتبار سے اور اعمال صالحہ کے اعتبار سے آگے ہیں ان کی طرف دھیان رکھو اور اپنے اعمال کو کم سمجھو۔ تقویٰ زہد اور دیگر اعمال صالحہ میں اضافہ کرو۔

تتمہ سورۂ نساء اور چند اہم اصول

باپ، بیٹے، حقیقی چچا، حقیقی ماموں اور بھائی کی طرح رضاعی چچا وغیرہ سے بھی شرعاً پردہ نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور کے گھر میں داخل ہونے لگا تو حضرت عائشہؓ نے منع فرمایا وہ شخص کہنے لگا کہ آپ نے بچپن میں میری بھابھی کا دودھ پیا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا واقعی وہ شخص میرا چچا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں وہ آپ کا رضاعی چچا ہے۔ لہٰذا اس سے پردہ ضروری نہیں ہے۔

محرمات کے حوالہ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ کلیہ مستنبط فرمایا۔

نکاح البنات تحریم الامهات

دخول الامهات تحریم البنات.

یعنی کسی لڑکی سے محض نکاح ہو جانے سے لڑکی کی ماں لڑکی کے زوج پر حرام ہو جاتی ہے۔ اگر چہ خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو اور اگر کسی عورت سے کسی نے نکاح کر لیا تو اس عورت کی بیٹیاں جو دوسرے شوہر سے ہیں زوج ثانی کے لیے اس وقت تک حرام نہ ہوں گی جب تک اس عورت سے دخول اور مباشرت نہ ہو۔ محض نکاح سے حرام نہ ہوں گی۔ اگر قبل المباشرت بیوی کو طلاق دے دی تو اس عورت کی مذکورہ بالا بیٹی سے نکاح درست ہے۔

نکاح الاختین دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا بنص قران حرام اور ناجائز ہے۔ اگر پیدائشی طور پر دونوں کے جسم ایک دوسرے کے ساتھ جوڑے ہوئے ہوں تو تحقیق کریں گے۔ اگر فی الواقع ایک ہے تو اس سے نکاح جائز ہوگا اور اگر فی الواقع دو ہیں تو اُن سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ ان کو ایک دوسری سے الگ نہیں کیا جاتا۔ اگر جدا کیا جانا اپریشن وغیرہ کے ذریعہ ممکن ہو تو جدا کر کے پھر اُن سے نکاح جائز ہوگا اور اگر جدا کیا جانا ممکن

نہ ہوتو پھر اُن سے زندگی بھر کسی کا نکاح نہیں ہو سکے گا۔ مودودی صاحب نے اگرچہ اضطرار کی وجہ سے ایک شخص کے لیے ان سے نکاح جائز قرار دے دیا ہے لیکن اضطرار کا تعلق اکل وشرب وغیرہ سے ہوتا ہے۔ نکاح میں اضطرار نہیں ہے۔ لہٰذا ان سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

حرمت جمع بین الامرأتین کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قیاس اور ضابطہ۔

ایسی دو عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا حرام ہے کہ اگر اُن سے ایک کو مرد فرض کیا جائے تو اُن کا آپس میں نکاح جائز نہ ہو۔

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ الخ

اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کے ماں باپ، بیٹے، بیٹیاں وغیرہ کچھ نہ ہو سوائے ایک بہن کے خواہ وہ علاتی بہن ہو یا عینی تو اس صورت میں کل مال کا نصف بہن کو ملے گا اور بقیہ نصف عصبہ کو ملے گا اور اگر اسی طرح کوئی عورت فوت ہو جائے والدین، بیٹے، بیٹیاں نہ ہوں صرف ایک بھائی ہو تو کل ترکے کا نصف بھائی کو ملے گا اور بقیہ نصف عصبہ کو ملے گا۔ واللہ اعلم

آیتیں ۱۲۰ سورۂ مائدہ مدنی ہے رکوع ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا

اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو تمہارے لئے چوپائے مویشی حلال ہیں سوائے ان کے جو

يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا

تمہیں آگے سنائے جائیں گے مگر شکار کو احرام کی حالت میں حلال نہ جانو اللہ جو چاہے حکم

يُرِيْدُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ

دیتا ہے ۝ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کو حلال نہ سمجھو اور نہ حرمت والے مہینے کو

وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ

اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو اور نہ ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ حرمت والے گھر کی طرف

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

آنیوالوں کو جو اپنے رب کا فضل اور اسی کی خوشی ڈھونڈتے ہیں اور جب تم احرام کھول دو پھر شکار کرو ۰ اور تمہیں

شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا

اس قوم کی دشمنی جو کہ تمہیں حرمت والی مسجد سے روکتی تھی اس بات کا باعث نہ بنے کہ زیادتی کرنے لگو اور آپس میں

عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

نیک کام اور پرہیزگاری پر مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو

اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ

بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ۝ تم پر مُردار اور لہو ۰ اور سور کا

الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

گوشت حرام کیا گیا ہے اور وہ جانور جس پر اللہ کے سواء کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو گلا گھوٹ کر یا چوٹ سے

وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ

یا بلندی سے گر کر یا سینگ مارنے سے مر گیا ہو اور وہ جسے کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو مگر جسے تم نے ذبح کر لیا ہو اور وہ جو

تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ

کسی تھان پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ جُوئے کے تیروں سے تقسیم کرو یہ سب گناہ ہیں آج تمہارے دین سے کافر ناامید ہو گئے

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ

سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو آج میں تمہارے لئے تمہارا دین پُورا کر چکا اور میں نے تم پر

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ

اپنا احسان پُورا کر دیا اور میں نے تمہارے واسطے اسلام ہی کو دین پسند کیا ہے پھر جو کوئی بھوک سے بیتاب

غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣﴾ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ

ہو جائے لیکن گناہ پر مائل نہ ہو تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے ○ تجھ سے پُوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا چیز

لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ

حلال ہے کہہ دو تمہارے واسطے سب پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو شکاری جانور جسے شکار پر دوڑنے کی تعلیم دو کہ انہیں

مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ

سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے سو اس میں سے کھاؤ جو وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اور اس پر اللہ کا نام لو

وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٤﴾ الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ

اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○ آج تمہارے واسطے سب پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ

اہلِ کتاب کا کھانا تمہیں حلال ہے اور تمہارا کھانا انہیں حلال ہے اور تمہارے لئے پاک دامن

الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ

مسلمان عورتیں حلال ہیں اور اُن میں سے پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے جب ان کے مہر انہیں دے دو

أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ وَمَن يَكْفُرْ

ایسے حال میں کہ نکاح میں لانے والے ہو نہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے اور جو ایمان سے

بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ع

منکر ہوا تو اس کی محنت ضائع ہوئی اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ۝

افاداتِ محمود:

یہ سورۃ بالاتفاق مدنی ہے۔اس میں ۱۱۲ آیات ہیں اور ۱۶ رکوع ہیں۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے لوٹے تو یہ سورۃ نازل ہوئی۔بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ سورۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ ۹ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی ہے۔اس سورۃ میں بہت سے احکام اور بہت سے مسائل بیان فرمائے گئے ہیں۔یہ سورۃ متعدد کلیات اور جزئیات پر مشتمل ہے۔

یہ سورۃ چونکہ قران کریم کی،نزول کے اعتبار سے آخری سورۃ ہے،لہٰذا اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہے۔

حضرت جبیر بن نفیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب حج کیا تو حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاں حاضر خدمت ہوا وہ فرمانے لگیں

تقرأ سورۃ المائدۃ قلت نعم، قالت اما انها آخر سورۃ نزلت فما وجدتم فیها من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیها من حرام فحرموہ (ابن کثیر)

تو سورہ مائدہ پڑھتا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔فرمانے لگی کہ اچھی طرح سن لو کہ یہ آخری سورۃ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اس میں جس چیز کو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جس چیز کو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔

اس سورت کے احکام منسوخ نہیں ہیں، ورنہ نسخ کا احتمال تو رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلت یا حرمت سے متعلق کوئی حکم نازل فرمایا ہو اور پھر دوسرے حکم کے ذریعہ اس کو وقتی طور پر یا ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دیا ہو،لیکن یہ آخری سورت ہے۔اس وجہ سے اس کے احکام منسوخ نہیں ہیں۔اس سورت کے پہلے رکوع کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر عہد کی پاس داری کرنی چاہیے خاص کر وہ عہد جو اللہ تعالیٰ سے کیا گیا ہو۔

سورۂ مائدہ کی پہلی آیت میں احکام خمسہ کا بیان:

اس پہلی آیت میں احکام خمسہ کا بیان ہے۔(۱) **امر بایفاء العقود** (۲) **تحلیل بهیمة الانعام** یعنی چوپاؤں میں سے جانوروں کا حلال ہونا۔(۳) **استثناء ما یتلی علیکم من بعد** (سوائے ان جانوروں کے جن کی حرمت عارضی یا ابدی ہے جو بعد میں بتائی جائے گی)(۴) **تحریم صید الحرم سواء کان الاحرام للحج او العمرۃ** (یعنی بحالت احرام شکار کا حرام ہونا خواہ یہ احرام حج کا ہو یا عمرے کا(۵) آیت کے منطوق سے نہیں، بلکہ مفہوم سے معلوم ہوا کہ جب حرمت صید مقید اور مشروط ہے۔قید اور شرط حرمت سے تو حلال ہونے کی حالت (بغیر احرام) میں اصطیاد یعنی شکار جائز اور مباح ہے

اب اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ (۱) پہلا حکم ایفائے عقود کا ہے اور عقد کا مفہوم ہے۔ عقد ایمان، عقد بیع، عقد اجارہ، عقد شراء، عقد نکاح، عقد مضاربت، عقد مزارعت، عقد صلوٰۃ، عقد حج، حتیٰ کہ نفل کا آغاز بھی عقد ہے، اسی لیے نوافل شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں، لہٰذا یہ استدلال نوافل کے حق میں بھی ہوگا۔

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اگر آپ نے کسی سے کوئی عقد کر لیا ہے اور عقد شرعاً جائز نہ ہو تو اس کے ایفاء کا حکم نہیں ہے۔ ویسے تو خلاف شرع عقد کرنا ہی نہیں چاہیے اور اگر کر لیا جائے تو اس کا توڑنا واجب ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ جب حضرت بریرہؓ کو آزاد کرنے کی غرض سے خرید رہی ہیں تو حضرت بریرہؓ کے مالکوں نے کہا کہ اگر آپ اسے آزاد کر دیں گی تو اس کا ولاء (میراث اور دیگر حقوق) ہمارے لیے ہوگا۔ انہوں نے ولاء کی شرط اپنے لیے رکھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہؓ سے فرمایا کہ ولاء کی شرط اپنے لیے لگاؤ کیونکہ غلام اور لونڈی آزاد ہو کر ان کا ولاء پرانے مالکوں کے لیے، یہ شرط غلط ہے۔ اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا **کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کانت مأۃ شرط** یعنی ہر وہ شرط جو کتاب اللہ کے ضابطوں کے موافق نہ ہو، وہ غلط ہے۔ اگرچہ سو دفعہ شرط لگائی جائے۔ اسلام میں حکم یہ ہے کہ **الولاء لمن اعتق** یعنی جس نے غلام یا لونڈی کو آزاد کیا، ولاء اسی کا حق ہے۔ لہٰذا وہی شرط اور وہ عقد واجب الوفاء ہے جو کتاب اللہ کے موافق ہو، ورنہ نہیں۔

اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ الخ **بھیمۃ کل حیوان ذی اربع** یعنی چوپائے کو بہیمہ کہا جاتا ہے۔ الانعام کا اطلاق صرف تین قسم کے جانوروں پر ہوتا ہے۔ (۱) اونٹ (۲) گائے، بیل (۳) بکریاں۔ **والجاموس داخل تحت البقر** بھینس، گائے، بیل کے حکم میں داخل ہے اور غنم معز و شاۃ میں شامل ہے (یعنی دنبے اور بھیڑ، بکریوں میں داخل ہیں) لہٰذا کل پانچ قسمیں ہوئیں۔ بہیمہ عام ہے ہر چوپائے کو کہا جاتا ہے اور انعام خاص ہے۔ لہٰذا یہ **اضافۃ العام الی الخاص** ہے یا **اضافۃ الجنس الی نوع خاص** ہے۔ یعنی انعام کا بہیمہ حلال ہے۔ اس کے سوا حلال نہیں۔ جیسے اسد وغیرہ **بھائم من السباع** حلال نہیں ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے **والانعام خلقھا لکم فیھا دفأ ومنافع ومنھا تاکلون** اور چوپائے اس نے پیدا کیا انہیں تمہارے لیے، ان میں سردی سے بچاؤ اور کئی دوسرے فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔

اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ الخ

یعنی حلت کے حکم سے جو جانور مستثنٰی ہیں وہ تلاوت کے ذریعہ تمہیں بتا دیے جائیں گے۔ تلاوت خواہ من القرآن ہو یا من السنۃ ہو تلاوت من القرآن کی مثال یہ ہے۔

انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ الخ

بے شک اس نے تو حرام کیا تم پر مردار اور خون اور گوشت خنزیر کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا

کسی اور کا۔

اس استثناء میں لحم خنزیر بہائم میں سے اور میتۃ من کل بھیمۃ حرام ہے اور وما اہل بہ یہ تمام بہائم پر عاید ہوتا ہے۔ یہ مذکورہ محرمات تو قرآن کریم میں بیان ہوئے اور تلاوت کیے گئے۔ حدیث میں ہے کل ذی ناب من السبع وذی مخلب من الطیور ۔یعنی درندوں میں سے جو ناخن والے ہیں اور پرندوں میں سے جو پنجوں والے ہیں۔ان کے سوا باقی سب حلال ہیں۔انعام میں حلت بالاصل ہے اور حرمت دلیل سے آئے گی۔

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ الخ

احرام عام ہے خواہ حج کا ہو یا عمرے کا۔

لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ الخ

شعائر اللہ سے مراد ارکان حج اور مقامات حج ہیں اور ان کے علاوہ تما شعائر اسلام جیسے ڈاڑھی، مساجد وغیرہ

وَلَا الْهَدْيَ الخ

ہدی سے مراد وہ جانور ہے جو حرم میں ذبح کرنے کے لیے نامزد ہو جاتا تھا تو اُس سے عام لوگ تو تعرض نہیں کرتے تھے، لیکن بعض ناعاقبت اندیش ان جانوروں کو بھی کبھی چوری کر لیتے اور کبھی ذبح کر لیتے تھے، لہٰذا اس پر تنبیہ فرمائی گئی اور انھیں عام جانوروں سے الگ کرنے اور ان کی پہچان نمایاں کرنے کے لیے ان کے گلوں میں قلادے ڈالے جاتے تھے اور اونٹوں کی پشت پر زخم بھی لگایا جاتا تھا تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ حرم کے نامزد جانور ہیں اور ان سے تعرض نہ کریں۔

وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ الخ

یعنی جو لوگ احرام باندھ کر بیت اللہ کے ارادہ سے جا رہے ہیں ان کو مت تنگ کرو اور ان کی بے حرمتی نہ کرو

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ الخ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ احرام باندھ کر مکہ مکرمہ کی طرف عمرہ کے ارادہ سے سفر فرمایا۔ مدینہ منورہ سے (۳۰۰) تین سو میل دور حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ نے آپ کو اور صحابہ کرام کو روک کر عمرہ نہیں کرنے دیا۔اسی مقام پر بیعت رضوان ہوئی تھی۔تمام صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جانیں قربان کرنے کا وعدہ فرمایا۔الغرض جب صحابہ کرام راستہ سے عمرہ کیے بغیر لوٹ گئے تو ان کو اس وقت جو دلی صدمہ ہوا ہوگا، اس کا اندازہ تو وہی طبیعتیں کر سکتی ہیں جو درد آشنا ہوں۔صحابہ کرام کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور یہ حضرات بزبان حال کہہ رہے تھے کہ اگر مکہ مکرمہ پر ہمارا قبضہ ہوا تو ضرور ان مشرکین سے آج کے دن کا بدلہ لیں گے۔ان کو بھی اسی طرح احراموں میں واپس کریں گے اور بیت اللہ کے قریب نہ آنے دیں گے۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ کسی قوم کی دشمنی میں حد اعتدال سے آگے بڑھنا اللہ تعالیٰ کو کسی

بھی صورت میں پسند نہیں ہے۔ وہ تو کفر اور شرک کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور تم نور ایمان سے راستہ پاتے ہو۔ بھلا تمہاری ان سے کیا مناسبت کہ تم بھی وہی کچھ کرو جو انہوں نے کیا ہے۔

اَلْمَيْتَةُ جو خود بخود مر جائے۔

وَالدَّمُ سے مراد دم مسفوح ہے۔ یعنی بہنے والا خون۔ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ الخ بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے تھے۔ وَالْمُنْخَنِقَةُ اور منخنقہ جس کا گلا دبا کر اور گھونٹ کر اُسے مار دیا جائے۔ اس کی حرمت کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ ذبح سے مقصود دم نجس کا اخراج ہے اور خنق کی صورت میں میتہ کی طرح وہ نجس خون اندر ہی اندر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا جانور حرام ہے۔ اَلْمَوْقُوْذَةُ جس کو لکڑی یا کسی اور شے سے مارا جائے اور اس کے ساتھ وہ جانور مر جائے۔ اَلْمُتَرَدِّيَةُ کسی پہاڑی یا اونچی جگہ سے گر کر ہلاک ہو جائے۔ اَلنَّطِيْحَةُ جس کو دوسرا جانور سینگ مار کر ہلاک کر دے۔ جانوروں میں کبھی کبھی لڑائی ہو جاتی ہے، اُس وقت یہ صورت بھی ممکن ہے، بلکہ ایسا عموماً ہوتا ہے۔ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ الخ یعنی مندرج بالا قسمیں جو محرمات کی بیان ہوئیں اگر ان جانوروں میں زندگی کی رمق باقی ہو اور آپ نے ذبح کر دیا تو پھر حلال ہے اور دیکھا یہ جائے گا کہ اس جانور کی موت منسوب الی الذبح ہے یا منسوب الی الخنق والنطح وغیرہ ہے۔ اگر منسوب الی الذبح ہے تو حلال ہے اور اگر منسوب الی الخنق ہے تو حرام ہے۔ موقوذہ اور متردیہ وغیرہ یہ تمام قسمیں جو اوپر محرمات کے باب میں ذکر ہوئیں یہ بمنزلہ بیمار جانور کے ہیں اگر کوئی جانور بیمار ہو اور اسے ذبح کر دیا جائے تو دیکھا جائے گا کہ اس جانور کی موت منسوب الی المرض والطبع ہے یا منسوب الی الذبح ہے اور اس کا دارومدار علامات حیات پر ہے۔ اگر علامات حیات تھیں اور ذبح کیا گیا ہے تو یہ حلال ہے اور اس کی موت منسوب الی الذبح ہوگی اور اگر علامات حیات نہ تھیں اور ذبح کیا گیا تو یہ جانور مردار ہے اور اس کی موت منسوب الی المرض والطبع ہے۔

حیوان میں علامات حیات کی پہچان:

جانور کی زندگی کی مختلف علامتیں ہیں۔ بعض قوی اور بعض ضعیف ہیں۔

ایک علامت حیات یہ ہے کہ ذبح کے بعد خون تیزی سے نکلے۔ اگر ذبح کے بعد خون کا فوارہ چھٹا ہے تو یہ تیزی سے خون کا نکلنا ہی حیات ہے اور اگر ذبح کے بعد ویسے تو خون بہہ گیا، لیکن تیز نہ تھا تو محض خون کا بہہ جانا علامت حیات نہیں ہے۔ بعض حضرات نے حرکت کو علامت حیات قرار دیا ہے، لیکن یہ بھی خون نکلنے کے بعد ہی معلوم ہوگی۔ اگر خون نہ نکلے اور حرکت موجود ہو تو پھر اس حرکت کا اعتبار نہیں۔ اب ذبح کے بعد حرکت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک قسم علامت حیات ہے اور دوسری قسم علامت حیات نہیں۔ اگر ذبح کے بعد جانور نے ٹانگیں پھیلا دیں اور یہ اسی طرح رہ گئیں تو یہ علامت حیات نہیں اور اگر پھیلا کر پھر سکیڑ دیں یا پہلے سے ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں،

ذبح کے بعد سکیڑ دے تو یہ علامت حیات ہے اور اس کا ذبح درست ہے۔ کیونکہ جب جانور مرتا ہے تو تمام اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ محض ٹانگیں پھیلا دینا زندگی کی علامت نہیں ہے اور سکیڑ کر رکھنے میں اصلی ہیئت پر آ جاتی ہیں۔ جیسے سونے میں ہوتا ہے تو یہ علامت حیات ہے۔

اگر ذبح کے بعد منہ کھلا رہ گیا یہ علامت موت ہے، ذبح درست نہیں۔ اگر ذبح کے بعد کھلا منہ بند کر دیا تو یہ علامت حیات ہے۔ کیونکہ جانور اپنی قوت سے منہ بند کرتا ہے۔ اسی طرح ذبح کے بعد اگر آنکھیں کھلی رہ گئیں تو یہ استرخا ہے، علامت حیات نہیں ہے، لہٰذا جانور حلال نہیں اور اگر ذبح کے بعد آنکھیں بند کر لیں تو علامت حیات ہے کیونکہ جانور میں ابھی گرفت کی طاقت باقی ہے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ذبح کے بعد اگر جانور کا دبر کھلا رہ گیا تو یہ علامت موت ہے اور اگر اس کو جانور نے کس لیا اور تنگ پڑ گیا تو یہ علامت حیات ہے۔

مشین سے ذبح کیے ہوئے جانوروں کے متعلق تفصیل:

مشینی ذبح کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتی کہ چھری کو حرکت دینے والے مسلمان یا کتابی کا ہاتھ ہے یا برقی رو ہے۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مشینی چھریوں کو حرکت دینے والی برقی قوت ہے مسلمان یا کتابی کا ہاتھ نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمان یا اہل کتاب میں سے کوئی شخص صرف بجلی کا بٹن دبا دیتا ہے اور بجلی کی قوت سے وہ چھریاں تیزی سے نیچے آتی ہیں اور پھر جانوروں کی گردنیں کٹ جاتی ہیں تو یہ تمام بجلی کا ہی اثر معلوم ہوتا ہے۔ اس میں انسانی فعل کا دخل نہیں ہے۔ حالانکہ ذبح کرنے والے کا ذبح میں دخل لازمی شرط ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بٹن دبا دیتا ہے اور مشین چل پڑتی ہے تو مشین چلانے والے نے کٹا ہوا کنکشن بحال کر دیا اور مانع یعنی رکاوٹ کو رفع کر دیا اور رفع المانع سے ذبح متحقق نہیں ہوتا جیسا کہ تلوار یا چھری کے دستہ میں ڈور وغیرہ ڈال کر اس کو لٹکایا جائے اور بعد میں وہ ڈور کاٹ دی جائے یا کھول دی جائے اور وہ تلوار یا چھری گرے اور اس سے کسی حلال جانور کی گردن کٹ جائے تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ یہ ذبح شرعی نہیں کیونکہ **کل ثقیل مائل الی الارض بالطبع** یعنی ہر ثقیل چیز بالطبع زمین کی طرف مائل ہوتی ہے جیسے کوئی شخص پتھر آسمان کی طرف خلا میں پھینکے تو جب تک پھینکنے والے کی قوت رمی کا اثر ہوگا پتھر اوپر کی طرف بلند ہوتا رہے گا اور جب اس قوت کا اثر ختم ہو جاتا ہے تو وہ کشش ثقل کی وجہ سے واپس آ کر زمین پر گر جاتا ہے۔ اسی طرح تلوار اور چھری ڈور کے ذریعہ لٹکتی رہی، لیکن جیسے ہی وہ ڈور کھول دی گئی تو طبعی ثقل کی وجہ سے وہ تلوار یا چھری زمین کی طرف آتی ہے تو اس سے اگر کوئی جانور ذبح ہو جاتا ہے تو وہ ذبح شرعی نہیں ہے، بلکہ اس کی طبعی ثقل کا اثر ہے اور انسانی فعل کو اس ذبح میں بالکل دخل نہیں ہے۔ بعینہٖ اس طرح بجلی کا بٹن دبانے کے بعد مشینی چھرے جو نیچے کی طرف آتے ہیں ان کے لیے قوتِ متحرکہ برقی قوت ہے اور بٹن دبانے کے بعد انسانی فعل مکمل طور پر منقطع ہو جاتا

ہے۔ حالانکہ تحریک ید المسلم یعنی مسلمان کے ہاتھ کی حرکت ذبح کا رکن اور ذبح کے لیے شرط ہے۔

ایک دفعہ حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے مشینی ذبح کے جواز کا فتویٰ دیا جو ''ماہنامہ بینات'' میں چھپ گیا تھا۔ مفتی صاحب نے لکھا تھا کہ مشینی ذبح کا گوشت اگرچہ مکروہ ہے، سنت متواترہ کے خلاف ہے، لیکن حلال ہے۔ میں نے اس کے عدم جواز پر دلائل پیش کیے اور اس کے جواز کی تردید کی۔ وہ خاموش رہے اور انھوں نے میرے دیے ہوئے دلائل کی کوئی تردید نہیں کی۔ بعد میں مجھ سے فرمانے لگے کہ آپ نے میرے فتوے کی تردید کی اور میرے فتوے کا احترام نہ کیا، لیکن میں نے آپ کا احترام کرتے ہوئے مزید کچھ نہ لکھا، ورنہ میرے پاس دلائل تھے۔ میں نے کہا کہ اگر دلائل ہیں تو پیش فرمایئے۔ پھر دلیل تو مفتی صاحب (مفتی محمد شفیع) نے نہیں دی، البتہ، فرمایا کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ میرے استاد ہیں، لیکن اس کے باوجود جب میں نے لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے عدم جواز کا فتویٰ دیا تو انہوں نے فرمایا کہ میری رائے اگرچہ جواز کے حق میں ہے اور قلبی میلان بھی جواز کی طرف ہے، لیکن عملی طور پر آپ سے اختلاف نہیں کروں گا اور نہ اپنی رائے کے مطابق کسی کو فتویٰ دوں گا۔ مفتی صاحب کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ جب انہوں نے اتنا احترام کیا ہے تو آپ کو مشینی ذبیحہ سے متعلق میرے فتوے کی تردید نہیں کرنی چاہیے تھی۔

میں نے کہا کہ مفتی صاحب ان دونوں مسئلوں میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ لاؤڈ اسپیکر والا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے کیونکہ فساد صلوٰۃ کا فیصلہ آپ نے بھی نہیں دیا، لیکن یہاں تو حلال وحرام کا معاملہ ہے۔ آپ کے فتوے پر عمل کر کے لوگ حرام گوشت کھاتے اور آپ کے ہم عصر اور بعد والے مجتہدین گمراہ ہو جاتے اور ان کو غلط سمت چلنے کے لیے ایک نکتہ مل جاتا۔ اس وجہ سے میں نے وضاحت ضروری سمجھی، لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ میں اب بھی اپنی اس رائے پر قائم ہوں کہ مشینی ذبح اصول ذبح کے یکسر خلاف ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے اور شرعی ذبح کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی، لیکن آج کل مشینوں کی کثرت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ عرصہ کے بعد عام لوگ کھانا شروع کر دیں۔ ایک دفعہ علماء کو اس مذبح خانے میں لے گئے تھے کہ آپ لوگ مشاہدہ فرمائیں کہ ذبح حقیقی تو لوگ ہی کرتے ہیں اور صفاتی ذبح مشین کرتی ہے، لیکن یہ تو پروگرام کے تحت علماء کو دکھایا گیا تھا۔ اگر آپ لوگ اچانک اور ناگہانی طور پر جاکے دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ وہی کچھ ہو رہا ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ الخ

النُّصُب یہ پتھر کے بت تھے جو کھڑے کیے گئے تھے اور مکہ مکرمہ میں موجود تھے۔ ان کے قریب جانور ذبح کر کے خون ان پر ڈالتے تھے اور بعض لوگ جانوروں کے خون سے خانہ کعبہ کی دیواروں کو رنگ دیتے تھے اور گوشت کاٹ کاٹ کر ان بتوں کے پاس رکھ دیتے تھے، لیکن اسلام نے منع کر دیا اور فیصلہ کر دیا کہ بتوں کی یہ تعظیم جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ **وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** کی ایک قسم ہے۔ **وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ** الخ یعنی تیروں کے ذریعہ قسمت آزمائی کرتے تھے۔ مشرکین مکہ نے بعض تیروں پر ''امرنی ربی'' لکھ دیا تھا یعنی میرے رب نے مجھے یہ کام

کرنے کی اجازت دی ہے اور بعض تیروں پر "نھانی ربی" لکھوایا تھا یعنی میرے رب نے مجھ کو اس کام سے منع کر دیا ہے اور بعض تیروں پر "افعل" اور بعض پر "لاتفعل" لکھوایا تھا۔ جب سفر کرنے یا کسی کام کے لیے جانے کا ارادہ کرتے تو یہ تیر چونکہ بتوں کے پاس رکھوائے گئے تھے تو ان میں سے کسی تیر کو نکال کر فال لیتے۔ اگر وہ تیر نکلتا جس پر "امرنی ربی" لکھا ہوا ہوتا تو وہ کام کر گزرتے تھے اور اگر وہ تیر نکل آتا جس پر "نہانی ربی" لکھا ہوا ہوتا تھا تو اس کام سے رک جاتے۔

۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا۔ اس دوران حضرت عباسؓ نے حضرت ابوسفیانؓ کی سفارش فرمائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من دخل دار ابی سفیان فھو امن، ومن اغلق علیه بابه فھو امن، ومن دخل المسجد فھو امن.

(آج) جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا، وہ امن سے ہوگا اور جو اپنا دروازہ بند کر دے، وہ امن سے ہوگا اور جو مسجد میں چلا جائے، وہ امن سے ہوگا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تھی اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ الخ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ یہ آیت جمعہ کے دن میدان عرفات میں نازل ہوئی تھی۔

جاء رجل من الیھود الی عمر بن الخطاب فقال یا امیر المؤمنین انکم تقرأون آیة فی کتابکم لو علینا معشر الیھود نزلت لا تخذنا ذالک الیوم عیدا قال وای ایة؟ قال قوله الیوم اکملت لکم الخ. فقال عمر و الله انی لا علم الیوم الذی نزلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم والساعة التی نزلت فیھا علی رسول الله صلی الله علیه وسلم عشیة عرفة فی یوم جمعة وفی روایة وکلاھما بحمد الله لنا عید (ابن کثیر)

ایک بار ایک یہودی حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے امیر المومنین تم لوگ قران کریم میں ایک آیت پڑھتے ہو، اگر یہ ہم یہود پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منایا کرتے۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے پوچھا کون سی آیت ہے؟ کہنے لگا الیوم اکملت لکم والی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے خوب علم ہے کہ یہ آیت کس دن اور کس گھڑی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ یہ جمعہ کے دن عرفہ کی شام کو نازل ہوئی ہے اور ایک روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ "الحمد للہ یہ دونوں دن (یوم جمعہ، یوم عرفہ) ہمارے لیے عید ہی تو ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اس یہودی پر واضح کر دیا کہ جمعہ کے دن ہمارے ہاں ہر جگہ جامع مسجدوں میں اجتماعات ہوتے ہیں اور عرفہ کے دن تو دنیا کے گوشے گوشے سے مسلمانوں کا ایک سیلاب امڈ آتا ہے اور وہ میدان

عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔

مخمصة الجوع و خلاء البطن من الطعام یعنی بھوک، مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ الخ یہاں سے اس سوال کا جواب ہے کہ ہمارے لیے کون کون سی چیزیں حلال ہیں؟ وضاحت کے ساتھ بتایا گیا کہ طیبات اور پاکیزہ چیزیں ساری کی ساری حلال ہیں اور شکار کے باب میں شکاری کتے کا شکار اور باز وغیرہ کا شکار جائز ہے۔

شکاری کتوں اور باز وغیرہ کے متعلق احکام:

جس کتے کا شکار جائز ہے، اس کے لیے چند شرائط ہیں۔ ایک یہ ہے کہ کتا سدھایا اور سکھایا ہوا ہو۔ دوسرا یہ ہے کہ بسم اللہ کہہ کر اُس کو شکار پر چھوڑا جائے۔ اس کو شریعت کے مطابق شکار کی تعلیم دی گئی ہو۔

کتے کو سدھانے اور تعلیم دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بار بار عملی طور پر یہ بات سمجھائی جائے کہ شکار کو مالک کے پاس پکڑ کر لایا کرے اور خود استعمال نہ کرے۔ جب وہ ایک دفعہ شکار پکڑ کر مالک کو لا کر دے۔ پھر دوسری بار ایسا ہی کرے اور تیسری بار ایسا ہی کرے، لیکن ان مرات ثلاثہ کا شکار مالک کے لیے جائز نہ ہوگا۔ جب چوتھی بار شکار مالک کے پاس لائے تو مالک کے لیے کھانا جائز ہوگا۔ تین بار مالک کے پاس شکار لانے سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ کتا اب شکاری بن چکا ہے۔ آئندہ اس کا شکار جائز ہوگا۔ پھر کتا جو شکار لے کر آتا ہے تو اگر وہ دوران شکار یا گھر لاتے ہوئے شکار مر گیا تو وہ حلال ہے اور کتے کا پکڑنا ہی اس کا ذبح شمار ہوگا اور اگر وہ شکار شدہ جانور گھر تک زندہ پہنچ گیا تو مالک اس کو ذبح کر دے۔ باز وغیرہ کے شکاری بننے کی علامت یہ ہے کہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو جب مالک اس کو واپس بلائے تو وہ فوراً واپس آ جائے اور اگر مالک کے بلانے سے واپس نہیں آتا اور شکار کا پیچھا نہیں چھوڑتا تو اس کا شکار حلال نہیں۔ گویا وہ اب تک شکاری نہیں بنا۔ یہ فرق ہے کتے اور باز وغیرہ کو شکاری بنانے اور سدھانے میں۔

الْجَوَارِحِ یہ جرح سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی زخمی کرنے کے ہیں یعنی وہ شکاری جانور شکار کردہ جانور کو زخمی بھی کرے کہ اس کا خون نکلے۔

اہل کتاب کے ذبیحہ اور طعام سے متعلق احکام:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ الخ

اس طعام سے مراد اہل کتاب کا ذبیحہ ہے۔ کیونکہ ذبیحہ کے سوا دوسری چیزیں تو غیر مسلموں کے ہاتھ سے بھی جائز ہیں۔ اگرچہ وہ اہل کتاب نہ ہوں۔ جیسے مجوسی اگر کھجور کسی مسلمان کو دے تو یہ جائز ہے۔ مشرک کی پکائی ہوئی روٹی جائز ہے۔ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو آسمانی اور سماوی مذہب کے دعوے دار اور پیروکار ہیں۔ اگرچہ

انہوں نے تحریف کی ہے، لیکن قطعی کافر ہونے کے باوجود ان کا ذبیحہ حلال ہے، البتہ مرتد کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اب اہل کتاب نہیں رہا جیسے قادیانی اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔

کفر اور ذبیحہ دونوں الگ الگ مسئلے ہیں:

بسا اوقات ایک فرقہ کافر ہوتا ہے اس کا ذبیحہ بھی جائز نہیں ہوتا جیسا کہ مشبہ وغیرہ۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں مبشہ فرقہ کے عقائد کا حامل ہوں یا کہے کہ میں مرتد ہوں (العیاذ باللہ) تو اس کا ذبیحہ جائز نہ ہوگا، لیکن اگر اس فرقے کا شمار اسلامی فرقوں میں ہوتا ہے تو بعض صورتوں میں عقائد تو کفریہ ہو سکتے ہیں، لیکن دین سماوی کے تابع ہونے کی وجہ سے ذبیحہ حلال ہوگا۔ جیسے شیعہ ہونا کفر کی بات نہیں ہے کیونکہ شیعہ تفضیلیہ کے مسلمان ہونے پر تو تقریباً سب متفق ہیں، لیکن ان میں سے اگر کوئی تحریف قرآن وغیرہ عقائد کا حامل ہو تو یہ کفریہ عقائد ہیں، لیکن ذبیحہ حلال ہوگا۔ لہٰذا کفر کا مسئلہ الگ اور ذبیحہ کا الگ ہے۔ اکابرین دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ کسی اسلامی فرقہ پر کفر کا فتویٰ نہ لگاؤ جب تک ان کے عقائد معلوم نہ کرو۔ جن افراد یا فرد کا عقیدہ غلط ہو اس پر حکم لگاؤ لیکن ایک یا چند افراد کی وجہ سے پورے فرقے کو کافر نہ کہو۔

بعض لوگ قومی طور پر عیسائی ہوتے ہیں لیکن نظریاتی طور پر کمیونسٹ یا ایتھیسٹ ہوتے ہیں یعنی اللہ کے منکر ہوتے ہیں۔ ان کا ذبیحہ بالکل جائز نہیں ہے۔ جیسے بعض مسلمان قومی طور پر مسلمان اور اعتقادی طور پر ایتھیسٹ اور دہریہ ہوتے ہیں۔ پھر تم ان کی نماز جنازہ بھی پڑھتے ہو اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرتے ہو حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ الخ

کتابیہ عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ اب رہی یہ بات کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس پر پابندی عائد کر دی تھی سو اس کی وجہ یہ تھی کہ کتابیہ عورتیں غیر مسلموں کے لیے اکثر جاسوسی کا کام کیا کرتی تھیں۔ جس وجہ سے حضرت فاروق اعظمؓ نے سیاسی ضرورت کے تحت ممانعت فرمائی تھی کہ ان عورتوں کی وجہ سے مسلمانوں کے راز فاش نہ ہوں اور وہ نقصان سے بچ جائیں۔ لہٰذا یہ پابندی سیاسی تھی، نہ کہ تشریعی و تحریمی۔ جیسے گھر کا کوئی بزرگ کسی بچے کے بے موقع نکاح سے منع کر دے کہ یہ نکاح ہمارے ماحول و اطوار کے موافق نہیں ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس جگہ نکاح حرام ہے بلکہ موجودہ مصلحت مطلوب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ دھولو اور ہاتھ

اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ

کہنیوں تک اور اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولو اور اگر

كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ

تم ناپاک ہو تو نہالو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا کوئی تم میں سے جائے ضرور

مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا

سے آیا ہو یا عورتوں کے پاس گئے ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو

طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ

اور اسے اپنے مونہوں اور ہاتھوں پر مل لو اللہ تم پر تنگی کرنا

مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶

نہیں چاہتا لیکن تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور تاکہ اپنا احسان تم پر پورا کرے تاکہ تم شکر کرو ○

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ

اور اللہ کا انعام جو تم پر ہوا ہے اسے یاد کرو اور اس کا عہد جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے جب تم نے کہا تھا کہ

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷ يٰٓاَيُّهَا

ہم نے سنا اور مان لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ دلوں کی بات خوب جانتا ہے ○ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ

ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث

قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو انصاف کرو یہی بات تقوے کے زیادہ نزدیک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو جو کچھ تم کرتے ہو بیشک اللہ

خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ

اس سے خبردار ہے ○ اللہ نے ایمان والوں سے اور جو نیک کام کرتے ہیں

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
بخشش اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ
الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ
دوزخی ہیں ○ اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب لوگوں نے ارادہ کیا کہ تم پر
يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
دست درازی کریں پھر اللہ نے ان کے ہاتھ تم پر اٹھنے سے روک دیے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾
بھروسہ کرنا چاہئے ○

ع

افاداتِ محمود:

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ الخ

وضو میں مسح راس کا حکم ہے۔امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے ہاں اگر چند بالوں کا مسح کیا جائے تب بھی جائز ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں کم از کم ربع راس یعنی سر کے چوتھائی حصہ کا مسح فرض ہے۔امام مالک کے ہاں کل راس کا مسح فرض ہے۔اسی طرح محرم جب احرام کھولتا ہے تو حلال ہونے کے لیے امام شافعی اور احمد کے ہاں چند بال کٹوانے سے احرام کھولنا جائز ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہ کے ہاں کم از کم ربع راس کے کتروانے سے احرام کھولنا جائز ہو جائے گا اور امام مالک کے ہاں سارے سر کے بال حلق یا کتروانے سے احرام کھولنا جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ فَاطَّهَّرُوْا غسل میں وضو کے مقابلہ میں مبالغہ ہے کماً اور کیفاً یعنی کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے۔ایک قول کے مطابق غسل میں بدن کو سات بار دھونا چاہیے،لیکن یہ کسی کا مذہب نہیں ہے۔لہٰذا کیفاً والافرق برقرار رہے گا۔مثلاً وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض نہیں ہے۔جبکہ غسل میں فرض ہے۔تیمم کا ذکر وضو اور غسل دونوں کے بعد کیا گیا ہے۔اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آدمی کو غسل کی حاجت ہو یا وضو کی حدث اکبر لاحق ہو یا حدث اصغر دونوں صورتوں میں تیمم ایک جیسا ہوتا ہے۔نیت میں فرق ہوگا،کمیت اور کیفیت میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ جیسا کہ صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا الخ ابتدائے اسلام میں جب مسلمان تھوڑے تھے اور کمزور تھے تو کفار مکہ نے مسلمانوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی بہت کوشش کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو روک رکھا اور مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھا تا آنکہ مسلمانوں کو قوت مل گئی اور قوی ہوگئے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ

اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار

نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ

مقرر کئے اور اللہ نے کہا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کی پابندی کرو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے

وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ

اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے

سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ

گناہ تم سے دُور کردوں گا اور تمہیں باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں پھر جو کوئی تم میں سے

ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ

اس کے بعد کافر ہوا وہ بے شک سیدھے راستہ سے گمراہ ہوا ○ پھر ان کی عہد شکنی کے باعث ہم نے اُن پر لعنت کی اور

جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا

اُن کے دلوں کو سخت کردیا وہ لوگ کلام کو اس کے ٹھکانے سے بدلتے ہیں اور اس نصیحت سے نفع اٹھانا

بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ

بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی اور تو ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر اطلاع پاتا رہے گا مگر تھوڑے ان میں سے سو انہیں معاف کر

وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا

اور درگزر کر بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ○ اور جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں ان سے بھی

مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ

ہم نے عہد لیا تھا پھر وہ اس نصیحت سے نفع اٹھانا بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی پھر ہم نے ان کے درمیان ایک دوسرے کی دشمنی اور بغض

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

قیامت تک کے لئے ڈال دیا اور اللہ ان کا کیا ہوا انہیں جتلا دے گا ○ اے اہلِ کتاب

قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا

تحقیق تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو بہت سی چیزیں تم پر ظاہر کرتا ہے جنہیں تم کتاب سے چھپاتے تھے اور بہت سی

عَنْ كَثِيْرٍ ۗ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ

چیزوں سے درگزر کرتا ہے بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کتاب آئی ہے ○ اللہ سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے

اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ

اسے جو اس کی رضا کا تابع ہو اور انہیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے

وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اور انہیں سیدھی راہ پر چلاتا ہے ○ بے شک وہ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی

الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۗ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ

مسیح مریم کا بیٹا ہے کہہ دے پھر اللہ کے سامنے کس کا بس چل سکتا ہے اگر وہ چاہے کہ

الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

مسیح مریم کے بیٹے اور اس کی ماں اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کر دے اور آسمانوں اور زمین اور ان

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

دونوں کے درمیان کی سلطنت اللہ ہی کے واسطے ہے جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ

اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہہ دو پھر تمہارے گناہوں کے باعث

بِذُنُوْبِكُمْ ۗ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۗ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ

وہ تمہیں کیوں عذاب دیتا ہے بلکہ تم بھی اور مخلوقات کی طرح ایک آدمی ہو جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے سزا دے

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰٓاَهْلَ

اور آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ○ اے اہل

الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا

کتاب تحقیق تمہارے پاس ہمارا پیغمبر آیا جو تمہیں صاف صاف بتلاتا ہے ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تا کہ تم یوں نہ

مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا سو تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے

شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۹﴾	ع
اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○	

افاداتِ محمود:

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ الخ

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا ایک نعمت ہے۔ خصوصاً اس وقت جب فترۃ وحی اور انقطاع وحی کا زمانہ تھا۔ مدت دراز سے رسول نہیں آئے تھے۔ احکام سماوی اپنی ہیئت تبدیل کر چکے تھے اور ان احکام سماوی کی تشریح کے لیے نئے نبی و رسول کا آنا بہت ضروری تھا۔

وَبَعَثۡنَا مِنۡهُمُ اثۡنَیۡ عَشَرَ نَقِیۡبًا ؕ الخ

یہ بنی اسرائیل کے بارہ نقیب تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جن صحابہ کرام نے ۱۲ نبوی میں بیعت کی تھی ان کی تعداد بھی ۱۲ تھی۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب کہ تم

جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ

میں نبی پیدا کیے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ دیا جو جہان میں

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا

کسی کو نہ دیا تھا ۝ اے میری قوم اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے مقرر کر دی اور

تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا

پیچھے نہ ہٹو ورنہ نقصان میں جا پڑو گے ۝ انہوں نے کہا اے موسیٰ بے شک وہاں ایک

جَبَّارِيْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا

زبردست قوم ہے اور ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے یہاں تک کہ وہاں سے نکل جائیں پھر اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو

دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا

ہم ضرور داخل ہوں گے ۝ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو مردوں نے کہا جن پر اللہ کا فضل تھا کہ ان پر حملہ کر کے

عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ

دروازہ میں گھس جاؤ پھر جب تم اس میں گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو گے اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا

ایمان دار ہو ۝ کہا اے موسیٰ ہم کبھی بھی وہاں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ

سو تو اور تیرا رب جائے اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں ۝ موسیٰ نے کہا اے میرے رب میرے اختیار میں

اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا

تو سوائے میری جان اور میرے بھائی کے اور کوئی نہیں سو ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی ڈال دے ۝ فرمایا

مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

تحقیق وہ زمین ان پر چالیس برس حرام کی گئی ہے اس ملک میں سرگرداں پھریں گے سو تو نافرمان قوم پر

الْفٰسِقِيْنَ ۝٢٦ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ

افسوس نہ کر ۝ تو اہلِ کتاب کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھکر سنادے جب ان دونوں نے قربانی کی ان میں سے

مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ

ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی نہ ہوئی اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا اس نے جواب دیا

اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝٢٧ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ

اللہ پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے ۝ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے

اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٨ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ

ہاتھ نہ اٹھاؤں گا میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں ۝ میں چاہتا ہوں کہ

بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝٢٩ۚ

میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن جائے اور ظالموں کی یہی سزا ہے ۝

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٣٠ فَبَعَثَ اللّٰهُ

پھر اُسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے خون پر راضی کر لیا پھر اسے مار ڈالا پس وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا ۝ پھر اللہ

غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ

نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدتا تھا تاکہ اسے دکھلائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپاتا ہے اس نے کہا

يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ

افسوس مجھ پر میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر کرتا

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝٣١ۚۛ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ

پھر پچھتانے لگا ۝ اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھا کہ

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا گویا اس نے

النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ

تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی اور ہمارے رسول اُن کے پاس

رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾
کھلے حکم لا چکے ہیں پھر بھی ان میں سے بہت لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں ○
اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ
ان کی بھی یہی سزا ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں
فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ
فساد کرنے کو دوڑتے ہیں یہ کہ انہیں قتل کیا جائے یا وہ سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں
مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ
مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا وہ جلاوطن کردیئے جائیں یہ ذلّت ان کے لئے دنیا میں ہے اور
فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا
آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے ○ مگر جنہوں نے تمہارے قابو پانے سے پہلے توبہ
عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾ ع
کرلی تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

افاداتِ محمود:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ الخ

قابیل نے چونکہ اپنے بھائی ہابیل کو ناحق مار دیا تھا یہ زمین میں پہلا قتل تھا اور وہ بھی ناحق تھا اب قیامت تک جتنے ناحق قتل ہوں گے قابیل ان میں برابر کا شریک ہوگا۔ حدیث میں ہے۔

من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها ومن سن سنة سيئة فعليه وزرها و وزر من عمل بها

جو شخص کوئی اچھا طریقہ رائج کرلیتا ہے تو اس کو اپنے عمل کا بھی ثواب ملے گا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا ثواب بھی اس کو ملے گا اور جو شخص غلط طریقہ (اسلام میں) رائج کرلیتا ہے تو خود کرنے کا گناہ بھی اس کو ہوگا اور دوسروں کے کرنے کا گناہ بھی اس کو ہوگا۔ پہلی صورت میں نیک اعمال کرنے والوں کا ثواب کم نہ ہوگا اور بنانے والے کو بھی اُتنا ہی ملے گا اور دوسری صورت میں لوگوں کو گمراہ کرنے والا شخص ان کے کردہ گناہوں میں حصہ دار ہوگا اور خود کرنے والوں کو بھی پورا گناہ ہوگا کم نہ ہوگا۔ اس واقعہ سے مقصد مدینہ منورہ کے یہود کو خصوصاً اور عام انسانوں کو عموماً تنبیہ کی گئی کہ قتل ناحق ایک ایسا جرم ہے کہ نا قابل تلافی ہے اور قابیل کی طرح جو قتل ناحق کی نئی نئی راہیں

ایجاد کرے گا وہ بعد والوں کے ساتھ اس جرم میں برابر کا شریک ہوگا۔ لہٰذا اس سے بنونضیر اور بنوقریظہ کی لڑائیوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ الخ

قطاع الطریق یعنی راہزن چار قسم کے ڈاکے ڈالتے ہیں۔ آدمی کو قتل کر دیں، لیکن مال ہاتھ نہ آئے۔ قتل بھی کر دیں، مال بھی لے جائیں۔ مال لوٹ لیا، آدمی قتل نہ کیا۔ ڈاکہ ڈالنے کے باوجود نہ مال لے جاسکے، نہ آدمی کو قتل کیا۔ یہ چار صورتیں ہیں ڈاکے اور راہزنی کی، لہٰذا اسی اعتبار سے سزا کی بھی چار قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ اگر قتل بھی کر دیں اور مال بھی لے جائیں تو اس کو سولی پر چڑھایا جائے گا، لیکن پہلے قتل کر کے پھر سولی پر چڑھایا جائے گا۔ زندہ سولی پر لٹکانا جائز نہیں ہے اور سولی پر لٹکانے سے مقصد دوسرے لوگوں کے لیے عبرت ہے کہ وہ ایسے قبیح فعل کے مرتکب نہ ہوں۔ اس وقت سولی جو قتل کا ذریعہ بن گیا ہے۔ یہ انگریزوں کا طریقہ ہے اسلام میں جائز نہیں ہے۔ اگر آدمی کو قتل کر دیا اور مال لے کر نہ گئے تو قصاص میں ڈاکو قتل کیے جائیں گے۔ اگر آدمی کو قتل نہ کیا، بلکہ مال لے گئے تو ان کے ہاتھ پیر ادل بدل کاٹے جائیں گے۔ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں، بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں اور اگر ڈاکا ڈال دیا، لیکن نہ مال لے جاسکے اور نہ آدمی کو قتل کیا تو ان کو ملک بدر کیا جائے۔

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا الخ

اس آیت میں تصریح ہے کہ دنیا کی سزا الگ ہے اور آخرت کی سزا الگ ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ حدود کفارات نہیں بنتے۔ جس شخص پر کسی گناہ کی پاداش میں حد جاری ہوگئی تو دنیا میں اس کا معاملہ صاف ہوگیا اور اخروی سزا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وابستہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا
اے ایمان والو اللہ سے ڈرو
اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾
اور اللہ کا قرب تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ○
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ
بے شک جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس دنیا بھر کی چیزیں ہوں اور اس کے ساتھ
لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اتنا ہی اور ہو تاکہ قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے بدلہ میں دیں تو بھی ان سے قبول نہ ہوگا اور ان کے لئے دردناک عذاب
اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ
ہے ○ وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں حالانکہ وہ اس سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لئے
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا
دائمی عذاب ہے ○ اور چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا
كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ
بدلہ اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے ○ پھر جس نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کی
وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ
اور اصلاح کرلی تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ کیا تجھے معلوم نہیں کہ
اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ
آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے واسطے ہے وہ جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے بخش دے
وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ
اور اللہ سب چیز پر قادر ہے ○ اے رسول ان کا غم نہ کر جو دوڑ کر
فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ڔ
کفر میں گرتے ہیں وہ لوگ جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں حالانکہ ان کے دل مومن نہیں ہیں

وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ

اور وہ جو یہودی ہیں جھوٹ بولنے کے لئے جاسوسی کرتے ہیں وہ دوسری جماعت کے جاسوس ہیں

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

جو تجھ تک نہیں آئی بات کو اس کے ٹھکانے سے بدل دیتے ہیں کہتے ہیں کہ تمہیں یہ حکم ملے تو قبول کر لینا

وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ

اور اگر یہ نہ ملے تو بچتے رہنا اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے سو تو اللہ کے ہاں اس کے لئے

شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا

کچھ نہیں کر سکتا یہ وہی لوگ ہیں جن کے دل پاک کرنے کا اللہ نے ارادہ نہیں کیا ان کے لئے دنیا میں

خِزْىٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ

ذلّت ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے ○ جھوٹ بولنے کے لئے جاسوسی

لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ

کرنے والے ہیں اور بہت حرام کھانیوالے ہیں سو اگر وہ تیرے پاس آئیں تو ان میں فیصلہ کر دے یا ان سے منہ پھیر لے اور اگر تو

عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ

ان سے منہ پھیر لے گا تو وہ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان میں انصاف سے فیصلہ کر

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا

بے شک اللہ انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے ○ اور وہ تجھے کس طرح منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تو تورات ہے

حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے بعد ہٹ جاتے ہیں اور یہ مومن نہیں ہیں ○

افاداتِ محمود:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ الخ السرقة الأخذ ما ليس له اخذه في خفاء

یعنی کسی کی چیز کو خفیہ اور پوشیدہ طور پر لینا، جبکہ وہ چیز محفوظ ہو، تو یہ سرقہ ہے۔ ایک دفعہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین نے ایک چور کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ دیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع کا حکم برقرار رکھا جیسا کہ مندرجہ بالا آیت میں تصریح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن نضر اور مرۃ اسد کے بیٹوں کے ہاتھ کاٹنے کا

حکم دیا تھا۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے بھی مختلف اوقات میں چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا۔

حد سرقہ کے متعلق پرویز اور مودودی صاحب کی رائے:

یہ بات جان لینی چاہیے کہ حد سرقہ میں جو ہاتھ کاٹا جاتا ہے اس مال کا عوض نہیں ہے اور نہ ہی سرقہ کا بدل ہے، بلکہ یہ سزا تو عبرت کے لیے ہے تاکہ اس کی سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں اور اس قسم کی غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔ جیسا کہ حد زنا میں ہے۔

والیشھد عذابھما طائفة من المؤمنین ان دونوں (زانی اور زانیہ) کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت پاس ہونی چاہیے۔

اس سے مقصد عبرت حاصل کرنا ہے۔ آج کل کچھ جدت پسند مسلمان اور تہذیب جدید کے بعض دل دادہ لوگ اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ فعل قرار دے رہے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ ان سزاؤں میں تبدیلی ہونی چاہیے، لیکن وہ عقل کے اندھے یہ نہیں سوچتے کہ ایک دو ملزموں اور مجرموں کو سزا دینے کے بعد اگر اس جرم اور گناہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے تو یہ سزا نہایت ہی حکیمانہ ہے۔ پھر مزے کی بات یہ ہے کہ سزا کا وحشی ہونا تو نظر آتا ہے لیکن اسی جرم کو جس میں وحشت کی انتہا ہے جیسے قتل ناحق، چوری، ڈاکہ، بدکاری وغیرہ شاید یہ لوگ ان اعمال کو تہذیب سمجھتے ہیں جس کے لیے مہذب سزا کا مطالبہ کرتے ہیں۔

پرویز نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں قطع ید سے چھری یا تلوار سے ہاتھ کاٹنا مراد نہیں ہے، بلکہ کوئی ایسی سزا دی جائے کہ اس کا ہاتھ چوری سے رک جائے۔ یعنی قید وغیرہ کی سزا دی جائے، لیکن یہ ہمیشہ مرتد لوگوں کا وتیرہ اور طریقہ رہا ہے کہ احکام خداوندی میں خود دخیل بن کر اور حکم خداوندی کے مقابل اپنی رائے مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ پرویز مزید برآں لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں چونکہ چوروں کی کثرت ہے تو ہاتھ کاٹنے سے سب معذور ہو جائیں گے پھر کارخانے کیسے چلیں گے۔ دفتروں اور بازار کا یہ نظام بری طرح متاثر ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ خود چور ہیں۔ اس وجہ سے چوروں کی سفارش کرتے ہیں۔ ہم جو کہنا چاہتے ہیں۔ خدا کرے ان کو سمجھ آ جائے اور اپنی پچھلی تاریخ پر نظر ڈال لیں تو ان کو سمجھ بھی آ جائے گا کہ چوروں کی کثرت اس وجہ سے ہے کہ سزا نہیں ہے اور جہاں سزا ہوتی ہے وہاں نہ جرم کی کثرت ہوتی ہے اور نہ مجرموں کی۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پورے دور خلافت میں صرف ایک ہاتھ کاٹا گیا۔ اس طرح حضرت فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں ایک ہاتھ کاٹا گیا۔ معقول سزا ہونے کی وجہ سے جرم نہ ہونے کے برابر رہے۔

مودودی صاحب نے بھی لکھ دیا کہ رجم اور قطع ید دونوں سخت سزائیں ہیں۔ یہ سزائیں ہمارے معاشرہ کے

لیے نازل نہیں ہوئی تھیں۔ یہ سزائیں ایسے معاشرہ کے لیے تھیں جس میں لوگ بھوکے اور ننگے نہ تھے۔ حکومت کی ذمہ داری تھی کہ قوم کو روٹی کپڑا مکان فراہم کرے۔ عورتیں بے پردہ باہر نہیں نکلتی تھیں، لہٰذا زنا جرم عظیم تھا اور یہ سزائیں ہونی چاہئیں تھیں، لیکن آج ہمارے معاشرہ میں غربت کا دور دورہ ہے اور بے پردہ عورتوں کی بھرمار ہے۔ فاحشہ عورتیں سربازار پاؤڈر لگا کر اور میک اپ کر کے زنا کی دعوت دیتی ہیں۔ اسی طرح یہ فلمیں، سینما گھر یہ سب گناہ کے اسباب موجود ہیں تو انسان زنا کرنے پر مجبور ہے۔ اس صورت میں سنگسار اور رجم کرنا ظلم ہے۔ یہ مضمون مودودی صاحب نے تفہیمات میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور ایک ''اسلامی قانون' نامی کتاب سے نقل کیا ہے کہ اگر اس زمانہ میں کوئی زنا سے بچ جائے تو اس کو ''خان بہادر'' کا لقب دینا چاہیے نہ کہ زنا کرنے والے کو سزا دی جائے اور مزید لکھا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنا ظلم ہے۔ یہ آیت موجودہ دور لوگوں کے بارے میں نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اقامت حدود سے فارغ ہوگئے۔

دیکھا جائے تو اگر آپ آج کے معاشرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے معاشرے کا تقابل بلحاظ غربت کریں تو یہ بات عیاں ہوگی کہ اس زمانہ میں غربت آج سے کہیں زیادہ تھی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں دو دو ماہ تک چولہا نہیں جلتا تھا۔ کیا آج کوئی ایسا گھر موجود ہے جس میں آگ نہ جلتی ہو؟ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے۔ آج کوئی ایسا ہے؟ پرویز تو اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس سے توقع رکھی جائے کہ وہ رجم اور قطع ید وغیرہ سزاؤں کے انکار سے باز آجائے، لیکن مودودی صاحب کو نہ معلوم کیا ہوگیا ہے کہ وہ ان حدود کے قائل کیوں نہیں ہوتے۔ اب ہم اگر اسمبلی میں حدود کے نفاذ کے لیے آواز اٹھاتے ہیں تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے خود ہی لکھا ہے کہ یہ ظلم ہے اور وحشیانہ سزا ہے۔ جس کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔

مقدار اور تعریف سرقہ جس پر قطع ید کا حکم عاید ہوتا ہے:

ھی اخذ مکلف خفیة دراھم مضروبة محرزة بمکان او حافظ.

وہ (چوری) لینا ہے مکلّف (بالغ) کا پوشیدہ طور پر ڈھلے ہوئے دس درہموں کے بقدر جو محفوظ ہو کسی جگہ یا کسی محافظ کے ذریعہ۔

چوری شدہ مال کی وہ مقدار جس پر ہاتھ کاٹنے کا حکم مرتب ہوتا ہے کم از کم دس درہم ہیں۔ اس سے کم میں قطع ید نہیں ہے نیز یہ بھی شرط ہے کہ مال محفوظ ہو۔ اگر غیر محفوظ مال کسی نے اٹھالیا تو پھر بھی قطع ید کا حکم عاید نہیں ہوگا۔ اگر مسجد سے کوئی مال اٹھا کر لے جائے تو قطع ید نہ ہوگا لیکن تعزیر ہوگی۔ والدین اگر بیٹے کا مال چوری کرلیں تو بھی قطع ید نہ ہوگا کیونکہ حدیث میں ہے ''انت ومالک لابیک ''تو بھی اور تیرا مال بھی تیرے باپ کے ہیں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ط

اس آیت اور اس کے بعد والی آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ایک یہودی مرد اور عورت نے، جو شادی شدہ تھے، زنا کا ارتکاب کیا۔ چونکہ توریت میں رجم اور سنگسار کرنے کا حکم موجود تھا اور یہودی کسی نہ کسی بہانے سے اس سزا سے بچنا چاہتے تھے۔ مشورہ کیا کہ یہ جو نئے نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہوئے ہیں، ان کی شریعت میں رجم کا حکم نہیں ہے، لہٰذا ان سے فیصلہ کروا لیتے ہیں۔ اس طرح سنگساری کی سزا سے بچ جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جماعت تحقیق کی غرض سے آئی۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ اگر وہ رجم کے علاوہ کوئی اور سزا تجویز کریں گے تو ہم مان جائیں گے، ورنہ نہیں مانیں گے۔ جب حضور کے پاس آ گئے تو حضورؐ نے فیصلہ سنانے سے قبل ان سے سوال کیا کہ کیا میرا فیصلہ مانو گے؟ سب نے کہا کہ جی ہاں۔ اتنے میں حضرت جبریل نے آ کر آپ کو رجم کا حکم سنا دیا اور آپ نے ان کو رجم کرنے کا فیصلہ دے دیا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ فدک کا رہنے والا ابن صوریہ کے متعلق تم کیا جانتے ہو کہ وہ کیسا آدمی ہے؟ یہودی کہنے لگے کہ روئے زمین پر اس وقت تورات کا اس سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوایا اور مضبوط قسم دے کر پوچھا کہ سچ بتانا کہ تورات میں شادی شدہ زانی کے لیے کیا سزا ہے؟ اس نے بھی سچی بات بتلا دی کہ رجم ہی ہے، لیکن یہود نے پھر بھی انکار کر دیا اور کہا کہ ہمارے ہاں سزا یہ ہے کہ زانی کا منہ کالا کر کے اس کو گدھے پر سوار کر کے چکر لگوائے جائیں۔

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ

ہم نے تورات نازل کی کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے اس پر پیغمبر جو اللہ کے

أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن

فرمانبردار تھے یہود کو حکم کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی اس لئے کہ وہ اللہ کی کتاب کے

كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا

محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور اس کی خبر گیری پر مقرر تھے سو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور

تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ

میری آیتوں کے بدلے میں تھوڑا مول مت لو اور جو کوئی اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا تو

هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿٤٤﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ

وہی لوگ کافر ہیں ○ اور ہم نے ان پر اس کتاب میں لکھا تھا کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے

وَٱلْأَنفَ بِٱلْأَنفِ وَٱلْأُذُنَ بِٱلْأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلْجُرُوحَ

اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور زخموں کا بدلہ

قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ

ان کے برابر ہے پھر جس نے معاف کردیا تو وہ گناہ سے پاک ہوگیا اور جو کوئی اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے اُتارا

فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا

سو وہی لوگ ظالم ہیں ○ اور ہم نے ان کے پیچھے انہیں کے قدموں پر عیسیٰ مریم کے بیٹے کو بھیجا جو

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ ۖ وَءَاتَيْنَٰهُ ٱلْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ

اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اسے انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾

اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور راہ بتانے والی اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت تھی ○

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ ٱلْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ

اور چاہئے کہ انجیل والے اس کے موافق حکم کریں جو اللہ نے اس میں اتارا ہے اور جو چیز اللہ نے اُتاری ہے

اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے سو وہی لوگ نافرمان ہیں ○ ہم نے تجھ پر سچی کتاب اتاری جو اپنے سے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ

پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کے مضامین پر نگہبانی کرنے والی ہے سو تو ان میں اس کے موافق حکم کر جو اللہ نے

اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً

اتارا ہے اور جو حق تیرے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک شریعت

وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ

اور ایک واضح راہ مقرر کر دی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ تمہیں اپنے دیے ہوئے حکموں میں

اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

آزمانا چاہتا ہے لہٰذا نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو تم سب کو اللہ کے پاس پہنچنا ہے پھر تمہیں جتائے گا

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

جس میں تم اختلاف کرتے تھے ○ اور فرمایا کہ تو ان میں اس کے موافق حکم کر جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ

اور ان سے بچتا رہ کہ تجھے کسی ایسے حکم سے بہکا نہ دیں جو اللہ نے تجھ پر اتارا ہے پھر اگر یہ منہ موڑیں تو جان لو کہ

اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

اللہ کا ارادہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں مصیبت میں مبتلا کرنے کا ہے اور لوگوں میں بہت سے

النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ

نافرمان ہیں ○ تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں حالانکہ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں

اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

ان کے ہاں اللہ سے بہتر اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ○

افاداتِ محمود:

قصاص سے متعلق احکام "النفس بالنفس الخ:

اللہ تعالیٰ یہود کی ایک اور قباحت کو بیان فرمارہے ہیں کہ قتل ناحق یا کسی ایک عضو کو ضائع کرنے اور کسی کو زخمی کرنے سے متعلق جو احکام ان کو دیے گئے تھے، ان میں انہوں نے تحریف کر ڈالی تھی اور وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے بالمقابل اپنی مرضی اور رائے سے فیصلے کرتے تھے۔ جراحات میں تو مساوات ممکن ہی نہیں ہے۔ وہاں تو دیت ہی دینی پڑتی ہے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے، لیکن قتل نفس یا بعض اعضاء کے قطع کی صورت میں جہاں مساوات ممکن ہے، وہاں بھی یہود نے احکام خداوندی کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ مدینے میں یہود کے دو قبیلے بنونضیر اور بنو قریظہ تھے بنونضیر اپنے آپ کو بنوقریظہ سے افضل و برتر سمجھتے تھے۔ لہٰذا اگر بنونضیر کا کوئی فرد بنوقریظہ کے ہاتھوں قتل ہو جاتا تو ضرور اس کا قصاص لیتے، لیکن بنوقریظہ میں سے کوئی شخص بنونضیر کے ہاتھوں قتل ہو جاتا تو بنونضیر ان کے قصاص کا استحقاق نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح اگر بنونضیر کا مقتول ہوتا تو پوری دیت وصول کرتے اور اگر مقتول بنو قریظہ کا ہوتا اور قاتل بنونضیر میں سے کوئی ہوتا تو نصف دیت دیتے۔ اب جب اسلام آیا اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو بنونضیر نے قدیم دستور کے مطابق اپنے کسی مقتول کی پوری دیت کا مطالبہ کر دیا جبکہ خود نصف دیت دیتے تھے تو بنوقریظہ نے پوری دیت دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آچکے ہیں۔ ان سے فیصلہ کروائیں گے اور ہم آپ لوگوں کا یہ ظالمانہ فیصلہ نہ مانیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قصاص اور جراحات سے متعلق یہ احکام نازل فرمادیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ **تتکافأ دمائهم** سب کا خون برابر ہے۔ قصاص اور دیت میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ بنونضیر نے کہا کہ "**حطت عنا**"۔ آپ نے ہمارا رتبہ کم کر دیا۔ اسی طرح تمام مسلمانوں کا خون آپس میں برابر ہے، لیکن کافر اگر غیر ذمی ہو اور مسلمان اسے قتل کر دے تو مسلمان کافر کے قصاص میں قتل نہ ہوگا۔ البتہ ذمی کے قصاص میں مسلمان قتل کیا جائے گا۔ امام شافعی کے ہاں مسلمان کا قتل کرنا ذمی کے عوض جائز نہیں ہے۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ ولا یقتل مسلم بکافر یعنی مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل نہیں جائے گا۔ ہماری دلیل دارقطنی کی روایت سے ہے جس میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمی کے قصاص میں مسلمان کو قتل کروایا تھا اور ساتھ ہی فرمادیا تھا کہ "**انا اکرم من وفی ذمته**" میں اپنی ذمہ داری نبھانے کا سب سے زیادہ پاس داری کرنے والا ہوں۔ اور جو حدیث امام شافعی کی مستدل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد کافر حربی ہے کیونکہ یہ معطوف علیہ ہے اور اس پر جو معطوف ہے وہ ہے "**ولا ذو عهد فی عهده**" اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ذمیوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **دمائهم کدمائنا واموالهم کاموالنا** جب ان کا خون اپنے خون کی طرح محفوظ ہے تو

پھر قصاص میں مسلمان کا ذمی کے عوض قتل نہ ہونا چہ معنی دارد؟

اسی طرح قصاص فیما دون النفس کا حکم ہے کیونکہ قصاص نفس کا ہے اور قصاص اعضاء جز ہے اور جز کل کے تابع ہوتا ہے، لیکن قصاص فیما دون النفس وہاں متحقق ہوگا جہاں اعضاء میں مساوات ممکن ہو اور جہاں مساوات ممکن نہ ہوگی، وہاں قصاص نہ ہوگا بلکہ دیت ہوگی۔ قصاص فیما دون النفس قرانی آیت اَلْجُرُوْحَ قِصَاصٌ سے مراد اور اس حدیث سے کہ ایک عورت نے جاریہ انصاریہ کا دانت توڑا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم صادر فرمایا۔ اجماع امت سے ثابت ہے جن اعضاء میں مساوات ممکن ہے، ان میں سے یہ بعض آنکھ، ناک، کان، دانت وغیرہ ہیں، لہٰذا جن اعضاء میں مساوات ممکن ہے، وہاں قصاص لیا جائے گا اور جن اعضاء میں مساوات ممکن نہ ہو یا قطع عضو نہ ہو، بلکہ زخم ہو تو وہاں دیت ہوگی۔ زخم جسم کے مختلف حصوں پر لگائے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا اسی حساب سے حکم ہوگا۔

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ الخ (زخموں) میں مساوات ممکن نہیں۔ کیونکہ جسم کے مختلف حصوں کے مختلف اعتبارات ہوتے ہیں۔ ہدایہ "کتاب الدیات میں ہے کہ رأس (سر) کا زخم دس قسم کا ہوتا ہے۔ سر اور چہرہ کے زخم کو شجاج کہا جاتا ہے۔

الحارصۃ اس زخم میں کھال چھل جاتی ہے اور خون نہیں نکلتا۔

الدامعہ اس زخم میں خون ظاہر ہوتا ہے، لیکن باہر نہیں نکلتا جیسا کہ آنسو آنکھ کے اندر ہو باہر نہ نکلے۔

الدامیۃ۔ وہ زخم جس میں خون نکلے۔

الباضعۃ۔ اس زخم میں کھال کٹ جاتی ہے۔

متالحمۃ۔ اس زخم میں گوشت بھی کٹ جاتا ہے، ہڈی محفوظ ہوتی ہے۔

السمحاق۔ یہ زخم اتنا گہرا ہوتا ہے کہ گوشت اور سر کی ہڈی کے درمیان جو باریک سا پردہ ہوتا ہے، وہاں تک پہنچ جاتا ہے۔

الموضحۃ۔ اس زخم میں سر کی ہڈی صاف نظر آتی ہے۔

الھاشمۃ۔ اس میں سر کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔

المنقلۃ۔ اس میں ہڈی ٹوٹنے کے بعد ادھر ادھر ہو جاتی ہے۔

الامۃ۔ یہ زخم کھوپڑی کے اندر تک جہاں دماغ ہے پہنچ جاتا ہے۔

مندرجہ بالا دس قسموں میں سے صرف ایک میں قصاص ممکن ہے یعنی زخم موضحہ میں۔ حدیث میں بھی ہے۔ دارقطنی کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موضحہ کی صورت میں قصاص کا حکم دیا ہے اور باقی زخموں میں قصاص نہیں ہے۔ البتہ ان زخموں کی ... دیت ... اور قصاص ... ہوگا جب موضحہ زخم عمداً ہو۔

ورنہ اس میں بھی پھر دیت کا کچھ حصہ ہوگا۔

جو زخم ''موضحہ'' سے کم درجے کے ہیں۔ان میں حکومت عدل یعنی عادل بادشاہ کی رائے کا اعتبار ہوگا کہ مجرم اور ملزم سے دیت کا کس قدر حصہ وصول ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس باب میں شارع علیہ السلام سے کوئی خاص اندازہ منقول نہیں ہے اور ''موضحہ'' اگر غلطی سے ہوتو اس میں عشر دیت کا نصف یعنی پانچ اونٹ ہیں اور ہاشمہ میں دیت کا دسواں حصہ یعنی ۱۰ اونٹ ہیں اور منقلہ میں ۱۵ اونٹ ہیں اور امہ میں ثلث دیت یعنی دیت کا تیسرا حصہ تقریباً ۳۳ اونٹ ہیں۔ باقی جو ہلکے پھلکے زخم ہیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا تو حاکم وقت ان میں دیت کا جو حصہ مناسب سمجھے وہ زخم کرنے والے سے وصول کیا جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاں قصاص ممکن ہے وہاں قصاص لیا جائے گا اور جہاں قصاص ممکن نہ ہو وہاں دیت کا کوئی نہ کوئی حصہ دینا ہوگا۔ جیسے کوئی شخص دوسرے کے تھپڑ رسید کرے۔ بظاہر تو قصاص ممکن ہے، لیکن اگر ایک شخص بہت زیادہ طاقت ور ہے تو اس کے تھپڑ مارنے سے تین دن تک دماغ چکراتا رہے گا اور ایک کمزور شخص ہے تو دونوں کا تھپڑ برابر تو نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا التعزیر کی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ الخ

یہودیوں کی ایک جماعت اپنا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی اور آپؐ کو سیاسی رشوت دینے کی کوشش کی۔ کہنے لگے کہ ہم اپنی قوم کے سرکردہ افراد ہیں۔ اگر آپ ہمارے حق میں فیصلہ دیتے ہیں تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور ہماری پیروی کرتے ہوئے پوری قوم مسلمان ہو جائے گی۔ پھر آپ کی نبوت کے خوب چرچے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر لغزش سے معصوم اور محفوظ بنایا تھا، لہٰذا آپؐ کو اس آیت کے ذریعے سے آگاہ فرمادیا کہ فیصلہ حق کے ساتھ کرنا۔ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا۔ کیونکہ آپ کی پہچان ہی حق گوئی اور عدل وانصاف پر مبنی فیصلے ہیں۔

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ الخ

ایک پوپ پادری نے اعلان کیا کہ حضرت مریم کو یہودیوں نے قتل نہیں کیا، لہٰذا یہودیوں اور عیسائیوں کو آپس کی رنجش دور کرلینی چاہیے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ

اے ایمان والو یہود

وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ

اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان

فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم

کے ساتھ دوستی کرے تو وہ انہیں میں سے ہے اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا پھر تو ان لوگوں کو دیکھے گا جن کے دلوں میں

مَّرَضٌ يُسَٰرِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰٓ أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ۚ فَعَسَى

بیماری ہے ان میں دوڑ کر جا ملتے ہیں کہتے ہیں کہ ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر زمانہ کی گردش نہ آجائے سو قریب ہے کہ

ٱللَّهُ أَن يَأْتِىَ بِٱلْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِۦ فَيُصْبِحُوا۟ عَلَىٰ مَآ أَسَرُّوا۟ فِىٓ

اللہ جلدی فتح ظاہر فرماوے یا کوئی اور حکم اپنے ہاں سے ظاہر کرے پھر یہ اپنے دل کی چھپی ہوئی

أَنفُسِهِمْ نَٰدِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَهَٰٓؤُلَآءِ ٱلَّذِينَ أَقْسَمُوا۟ بِٱللَّهِ

بات پر شرمندہ ہوں گے ○ اور مسلمان کہتے ہیں کیا وہی لوگ ہیں جو اللہ کے نام کی پکی قسمیں کھاتے تھے کہ

جَهْدَ أَيْمَٰنِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَٰلُهُمْ فَأَصْبَحُوا۟ خَٰسِرِينَ ﴿٥٣﴾

ہم تمہارے ساتھ ہیں ان کے اعمال برباد ہوگئے پھر وہ نقصان اٹھانے والے ہوگئے ○

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ بِقَوْمٍ

اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ يُجَٰهِدُونَ

لائے گا کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر زبردست اللہ کی راہ میں

فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن

لڑیں گے اور کسی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے

يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱلَّذِينَ

دیتا ہے اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے ○ تمہارا دوست تو اللہ اور اس کا رسول اور ایمان دار لوگ ہیں

يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُونَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں ○ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ ع
اور ایمانداروں کو دوست رکھے تو اللہ کی جماعت وہی غالب ہونے والی ہے ○

افاداتِ محمود:

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ

ماقبل آیت میں موالات سے منع کر دیا گیا تھا کہ کوئی شخص غیروں کے رنگ میں نہ رنگا جائے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ خدانخواستہ اگر کوئی شخص ارتداد کا مرتکب ہو رہا ہے تو وہ اپنا ہی کچھ کھوئے گا مسلمانوں کو اور اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا. پھر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے مقابلہ میں اور لوگوں کو کھڑا کر دیں گے جو دین اسلام کے سچے خادم ہوں گے۔ آج کل دیکھو تبلیغی جماعت والے فاسق و فاجر انگریزوں کو مسلمان بنا کر لاتے ہیں اور وہ دوسروں سے زیادہ اچھے مسلمان ہوتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اے ایمان والو! ان
لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان لوگوں میں سے جنہیں تم سے
مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ
پہلے کتاب دی گئی اور کافروں کو اور اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو ۝ اور جب تم
اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝
نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں ۝
قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ
کہہ دو اے اہل کتاب تم ہم میں کون سا عیب پاتے ہو بجز اس کے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اس پر
اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ
جو ہمارے پاس بھیجی گئی ہے اور اس پر جو پہلے بھیجی جا چکی ہے باوجود اس کے کہ تم میں اکثر لوگ نافرمان ہیں ۝ کہہ دو میں تم کو بتلاؤں
بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ
اللہ کے ہاں ان میں سے کس کی بری جزا ہے وہی جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب نازل کیا
وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ
اور بعضوں کو ان میں سے بندر بنایا اور بعضوں کو سور اور جنہوں نے شیطان کی بندگی کی وہی لوگ
مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ
درجہ میں بدتر ہیں اور راہ راست سے بھی بہت دور ہیں ۝ اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے
دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝
حالانکہ وہ کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی گئے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے تھے ۝
وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ
اور تو ان میں سے اکثر کو دیکھے گا کہ گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر دوڑتے

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ

ہیں ○ بہت بُرا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں ان کے فقراء اور علماء

الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا

گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے انہیں کیوں نہیں منع کرتے البتہ بری ہے وہ چیز

يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا

جو وہ کرتے ہیں ○ اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے اُنہیں کے ہاتھ بند ہوں اور انہیں

بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا

اس کہنے پر لعنت ہے بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہے خرچ کرتا ہے جو کلام تیرے رب

مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ

کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ اُن میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں زیادتی کا باعث بن گیا اور ہم نے ان کے درمیان

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ

قیامت تک عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے جب کبھی لڑائی کے لئے آگ سلگاتے ہیں

اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے یہ زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ

اور اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم ان میں سے ان کی بُرائیاں دور کر دیتے اور ضرور انہیں نعمت کے

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ

باغوں میں داخل کرتے ○ اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو جو ان پر

اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ

اُن کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے تو اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے کچھ لوگ ان میں

مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع

سیدھی راہ پر ہیں اور اکثر ان میں سے بُرے کام کر رہے ہیں ○

افاداتِ محمود:

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا الخ

قرآن کریم میں صراحۃً اذان جمعہ کا ذکر ہے باقی اذانیں بھی شعائر اللہ ہیں، لیکن ان کا صراحۃً ذکر نہیں ہے۔ مطلق ذکر ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے

بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ الخ

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ

اے رسول جو تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اُترا ہے

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ

اُسے پہنچادے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا اور اللہ تجھے

مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۞ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ

لوگوں سے بچائے گا بے شک اللہ کافروں کی قوم کو راستہ نہیں دکھاتا ○ کہہ دو اے اہلِ کتاب تم

عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

کسی راہ پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل اور جو چیز تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے قائم نہ کرو

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا

اور ضرور ہے کہ یہ فرمان جو تم پر نازل ہُوا ہے اُن میں سے اکثر کی سرکشی اور انکار کو اور زیادہ بڑھائے گا مگر

تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَ

انکار کرنے والوں کے حال پر کچھ افسوس نہ کرو ○ بے شک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور

الصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا

صابی اور نصاریٰ جو کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان لایا اور نیک کام کئے تو ان پر

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ

کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ وعدہ لیا تھا

وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ

اور ان کی طرف کئی رسول بھیجے تھے جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ حکم لایا جو ان کے نفس چاہتے تھے

فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۞ وَحَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا

تو ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کر ڈالا ○ اور یہی گمان کیا کہ کوئی فتنہ نہیں ہوگا پھر اندھے

وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اور بہرے ہوئے [illegible] اور بہرے ہوگئے اور

بَصِيرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ

جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ دیکھتا ہے ۝ البتہ تحقیق وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا بے شک اللہ وہی مسیح

ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ

مریم کا بیٹا ہی ہے حالانکہ مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل اس اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور

رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ

تمہارا رب ہے بے شک جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا سو اللہ نے اس پر جنت حرام کی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا ۝ جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے ایک ہے بے شک وہ کافر ہوئے

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ

حالانکہ سوائے ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں ہے اور اگر وہ اس بات سے باز نہ آئیں گے جو وہ کہتے ہیں تو ان میں سے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ

کفر پر قائم رہنے والوں کو دردناک عذاب پہنچے گا ۝ اللہ کے آگے کیوں توبہ نہیں کرتے اور اس سے گناہ نہیں بخشواتے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۝ مسیح مریم کا بیٹا تو صرف ایک پیغمبر ہی ہے جس سے پہلے اور بھی پیغمبر

الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ

گزر چکے ہیں اور اس کی ماں ولی ہے دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھ ہم انہیں کیسی دلیلیں

الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

بتلاتے ہیں پھر دیکھ وہ کہاں الٹے جاتے ہیں ۝ کہہ دو تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو جو تمہارے

يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

نقصان اور نفع کے مالک نہیں اور اللہ وہی ہے سننے والا جاننے والا ۝ کہہ اے اہلِ کتاب

لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ

تم اپنے دین میں ناحق زیادتی مت کرو اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے

وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾
گمراہ ہو چکے اور انہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے دور ہو گئے ○

افاداتِ محمود:

فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ الخ

تبلیغ دین میں رکاوٹیں اوران کا ازالہ:

تبلیغ دین میں ویسے رکاوٹیں تو بہت ہوتی ہیں، لیکن مذکورہ آیت میں جن رکاوٹوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ تین ہیں۔

(۱) عدم اہمیت، ایک رکاوٹ تبلیغ میں اہمیت کا نہ ہونا ہے کہ انسان کے دل میں یہ اہمیت ہی نہ ہو کہ یہ کام ضروری ہے اور ہمارے ذمہ ہے۔ جیسے میں کسی سے کہوں کہ پانی لے آؤ۔ اب اگر اس کے دل میں پیاس اور بروقت پانی پلانے کی اہمیت نہیں ہے تو ٹہلتا ہوا جائے گا۔ پھر آہستہ آہستہ برتن تلاش کرے گا اور پانی لے کر بھی غفلت کے ساتھ حاضر ہو گا کیونکہ اس کے دل میں پیاسے شخص کو بروقت پانی پلانے کی اہمیت نہیں ہے۔

(۲) دوسری رکاوٹ عمومی تکلیفیں ہوتی ہیں۔ آپ تبلیغ دین کرنا چاہتے ہیں، لیکن اپنے اور بیگانے سب ہی آپ کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں آپ کو اور آپ کے کنبے کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے ہیں جس کی وجہ سے آپ تبلیغ پر قادر نہیں ہوتے۔

(۳) پھر انسان ان دل خراش تکالیف اور اذیتوں کو برداشت کرتا ہوا کمر ہمت باندھ لیتا ہے اور کام شروع کر دیتا ہے، لیکن لوگ ہدایت قبول نہیں کرتے تو انسان مایوس ہوتا ہے اور ہمت ہار بیٹھتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں تینوں رکاوٹوں کے ازالہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۱) تبلیغ دین کی اہمیت کے پیش نظر صیغہ امر "بلغ" استعمال فرمایا گیا ہے کیونکہ اکثر و بیشتر امر وجوب کے لیے آتا ہے، جیسا کہ قرآن و حدیث میں اکثر مقامات پر ہے اور کبھی کبھی امر اباحت کے لیے آتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے "**واذا حللتم فاصطادوا**" یعنی جب تم احرام کھول کر حلال ہو جاؤ تو شکار کرو، **فاصطادوا**، بصیغہ امر فرمایا گیا حالانکہ احرام کھولنے کے بعد شکار جو بحالت احرام منع تھا، اب مباح ہو گیا ہے۔ واجب اور ضروری نہیں ہے۔ اس صورت میں مباح مفضول ہوتا ہے چنانچہ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مشرکین کی طرف سے قاصد بن کر آئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی شرائط طے کر لی تھیں جب معاہدہ کو تحریر کا جامہ پہنانے لگے تو معاہدہ لکھنے والے کاتب حضرت علیؓ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم **هذا ما قاضانا** (بسم اللہ کے بعد یہ وہ

معاہدہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے ہوا) تو سہیل بن عمرو نے کہا کہ

لو عرفناک رسولاً ما صددناک عن البیت ٥

اگر ہم آپ کو رسول تسلیم کرتے تو پھر بیت اللہ سے نہ روکتے، لہٰذا محمد رسول اللہؐ کے بجائے محمد بن عبد اللہ لکھو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ "رسول اللہ" کا لفظ مٹا دو، حضرت علیؓ نے فرمایا" **واللہ لا امحوک ابدا**" اللہ کی قسم "رسول اللہ" کا لفظ کبھی بھی نہ مٹاؤں گا، دیکھیں کہ حضورؐ حضرت علیؓ کو حکم دے رہے ہیں اور حضرت علیؓ قسم کھا کر اس سے انکار فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں حضور کا حکم استحبابی تھا وجوبی نہ تھا۔

الامر فوق الادب غلط اور الادب فوق الامر صحیح ہے:

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ جو بعض لوگ درس اور تقریر کے دوران کہتے ہیں **الامر فوق الادب**، یہ غلط ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے **الادب فوق الامر**، کیونکہ مندرجہ بالا مثا میں حضرت علیؓ نے غلبہ ادب کی وجہ سے مامور بہ کو بجا لانے سے انکار کر دیا اور امتثال امر کی بجائے ادب کو اختیار کیا۔

(۲) غزوہ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم طہارت کی غرض سے باہر تشریف لے گئے اور واپسی پر کافی دیر ہو گئی۔ فجر کی نماز کا وقت ہوا تو حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نماز کے لیے آگے ہو گئے۔ وہ نماز پڑھا رہے تھے کہ دوران نماز ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

فجعل یتأخر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکانک

یعنی عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو جب حضورؐ کی آمد محسوس ہوئی تو پیچھے ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ حضورؐ خود مصلے پر آ جائیں، لیکن حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ مکانک اپنی جگہ یعنی مصلے پر ہی رہو۔ اس ارشاد سے صراحتہ یہ بات معلوم ہوگئی کہ افضل کی نماز مفضول کے پیچھے جائز ہے۔

(۳) مرض وفات کے دوران جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ نماز پڑھائے اور حضرت ابوبکرؓ مصلے پر کھڑے نماز پڑھا رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت کچھ ہلکی محسوس کی تو مسجد میں تشریف لے آئے۔

فلما احس ابوبکر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل یتاخر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکانک ٥

جب ابوبکر صدیقؓ کو حضورؐ کی تشریف آوری کا احساس ہوا تو انہوں نے مصلے سے پیچھے کھسکنا شروع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو (مصلے سے پیچھے نہ ہٹو)، لیکن ابوبکرؓ نہ مانے اور آہستہ آہستہ مصلے سے پیچھے ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بغیر سورہ فاتحہ کے جماعت کرانا:

ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ

فبداء رسول الله صلی الله علیه وسلم باالقرأة من حیث انتهٰی ابوبکر ٥

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأۃ وہاں سے شروع کی جہاں تک ابوبکرؓ قرأۃ کر چکے تھے اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ابوبکرؓ کچھ نہ کچھ قرأۃ تو ضرور کر چکے تھے خواہ فاتحہ مکمل کر کے کوئی اور سورۃ شروع کی ہو اور یا فاتحہ ہی کا کچھ حصہ پڑھا ہو اور کچھ حصہ باقی ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قرأۃ کی ابتداء وہاں سے کی جہاں تک ابوبکرؓ پہنچ گئے تھے تو حضورؐ نے اس نماز میں تمام سورۃ فاتحہ یا بعض حصہ نہیں پڑھا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول کے ساتھ فعل سے بھی

"من کان له امام فقرأة الامام له قرأة"

جو امام کے اقتداء میں ہیں تو امام کی قرأۃ ہی ان لوگوں کی قرأۃ ہے والا قانون نافذ فرما دیا معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔

جب نماز ختم ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ میں جب تمہیں کہہ رہا تھا کہ مصلے پر رہو، پیچھے نہ ہٹو تو آپ نے میری بات کیوں نہ مانی؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ

"ما کان لابن ابی قحافة ان یتقدم بین یدی رسول الله صلی الله علیه وسلم"

یعنی ابوقحافہ (یہ حضرت ابوبکرؓ کے والد گرامی کا نام ہے) کے بیٹے کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے آگے رہے۔ گویا حضرت ابوبکرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ دونوں نے حکم چھوڑ کر ادب پر عمل کر دیا، لہٰذا میرا یہ دعویٰ ہے کہ **الامر فوق الادب** غلط اور **الادب فوق الامر** صحیح ہے۔

بعض لوگ قبروں کو بھی ادب کی وجہ سے سجدہ کرتے ہیں، لیکن ادب کی حدیں متعین ہیں۔ ادب وہ مطلوب ہے جو کہ موافق شرع ہو۔ میں یہ بتلا رہا تھا کہ تبلیغ دین میں پہلی رکاوٹ عدم اہمیت ہے تو تبلیغ دین کی اہمیت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے امر کا صیغہ استعمال فرمایا ہے تا کہ سامع کو اہمیت معلوم ہو اور اگر امر کے صیغہ پر عمل نہ ہوا تو اگلے جملے میں ارشاد فرمایا کہ

فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ

تو تبلیغ دین ہوئی ہی نہیں۔

(۲) تبلیغ دین میں موانع ثلاثہ میں سے دوسرا مانع لوگوں کی اذیتیں اور تکالیف ہیں حتی کہ اہل حق کو قتل کرنے سے بھی ظالم لوگ دریغ نہیں کرتے۔ باطل پرست کا دین والوں کو اور حق بات کہنے والوں کو چن چن کر قتل

کر دیتے ہیں۔اس مانع ثانی کے متعلق ارشاد فرمایا ''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ'' یعنی لوگوں کے شر سے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائیں گے، چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محافظ ہٹا دیئے کہ میری حفاظت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی رہے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی علت چونکہ تبلیغ دین ہے، لہٰذا میرے نزدیک یہ وعدہ اب بھی ان لوگوں کے حق میں برقرار ہے جو تبلیغ دین کا کام کرتے ہیں کیونکہ علت موجود ہے۔اب مبلغین اور علماء حق کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، البتہ اگر اجل آ جائے تو اور بات ہے۔

(۳) موانع ثلاثہ میں سے تیسرا مانع لوگوں کا تمرد اور طغیان اور عدم قبولیت بالقول ہے یعنی ممکن ہے کہ ایک شخص تبلیغ دین کرتا رہے، لیکن جب دیکھے کہ لوگ کچھ بھی قبول نہیں کرتے اور ان کی سرکشی وطغیانی زیادہ بڑھتی جا رہی ہے تو مایوس ہو کر بیٹھ جائے اور اپنے کام سے دل ہٹا لے تو آخری جملہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ اس کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ جن کے مقدر میں کفر لکھا جا چکا ہے۔ وہ اگر آپ کی بات کو قبول نہیں کرتے تو نہ کریں۔ آپ اپنا فریضہ تبلیغ خوب ادا کیجیے۔ان کے طغیان کی وجہ سے مایوس نہ ہوں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چھوٹی بڑی بات لوگوں تک پہنچائی اور اپنی وفات سے کچھ ہی عرصہ قبل ہزاروں لوگوں کے سامنے فرمایا کہ اے اللہ میں نے آپ کی امانت لوگوں تک پہنچا دی؟ صحابہ کرامؓ نے یک زبان ہو کر کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ نے تو پہنچانے کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔تبلیغ دین کا یہ سلسلہ ہر زمانہ میں جاری وساری رہا اور قیامت تک اسی طرح رہے گا۔علامہ سرخسیؒ نے مبسوط ۳۰ تیس جلدوں میں شاگردوں کو املا کروائی ہے۔ حالت یہ ہے کہ وہ کنویں میں قید تھے اور کنویں کے اندر سے بولتے تھے۔شاگرد لکھتے رہتے تھے اور جگہ جگہ فرماتے تھے **قال المحبوس** (قیدی نے کہا) اندازہ لگایئے کہ کیسے کیسے علماء تھے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ
بنی اسرائیل میں سے جو کافر ہوئے
اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ
ان پر داؤد اور عیسیٰ بیٹے مریم کی زبان پر لعنت کی گئی یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور
كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۞ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا
حد سے گذر گئے تھے ○ آپس میں بُرے کام سے منع نہ کرتے تھے جو وہ کر رہے تھے کیسا ہی بُرا کام ہے
يَفْعَلُوْنَ ۞ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ
جو وہ کرتے تھے ○ تو دیکھے گا کہ ان میں سے بہت سے لوگ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں انہوں نے کیسا ہی
اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۞ وَلَوْ كَانُوْا
برا سامان اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجا اور وہ یہ کہ ان پر اللہ کا غضب ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں ○ اور اگر وہ
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ
اللہ اور نبی پر اور اس چیز پر جو اس کی طرف سے نازل کی گئی ہے ایمان لاتے تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ
ان میں اکثر لوگ نافرمان ہیں ○ تو سب لوگوں سے زیادہ مسلمانوں کا دشمن یہودیوں
وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا
اور مشرکوں کو پائے گا اور تو سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں سے ان لوگوں کو پائے گا جو کہتے ہیں ہم
نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۞
نصاریٰ ہیں یہ اس لئے کہ ان میں علماء اور فقراء ہیں اور اس لئے کہ وہ تکبّر نہیں کرتے ○

افاداتِ محمود:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ الخ

اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی زیادہ دشمن ہیں اسلام اور مسلمانوں کے اور عیسائی مسلمانوں کے قریب تر ہیں حالانکہ آج کل عیسائی بھی اسلام کے بہت بڑے دشمن ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ شدت اور ضعف مرورِ زمانہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں جس زمانہ میں نزولِ قرآن ہوا تھا اس وقت یقیناً یہی صورتحال تھی جو

قرآن پاک نے پیش کی ہے۔

قبول حق کے موانع ثلاثہ:

قبول حق میں اکثر تین چیزیں مانع ہوتی ہیں۔

(۱) جہالت (۲) حسد و کبر (۳) حب دنیا۔

اب اس زمانہ کے نصاریٰ کا اگر بنظر غائر تجزیہ کیا جائے تو ان میں علماء تھے، رہبان تھے قسی تھے، اور جب علم ہو تو جہالت خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ (۲) اسی طرح ان لوگوں میں حسد و کبر نہ تھا بات سن لیتے تھے اور اس پر غور کر لیتے تھے۔ (۳) اور ان کے علماء ورہبان نے ترک دنیا کر لیا تھا۔ دنیا سے تعلق بہت کم تھا، لہٰذا حب دنیا بھی نہ تھی تو موانع ثلاثہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے زیادہ قریب تھے جبکہ جہالت کی بیماری ذرا کم سہی، لیکن حب دنیا اور حسد و کبر کی بیماریاں یہود میں بہت زیادہ تھیں اس وجہ سے وہ اسلام اور مسلمانوں کے زیادہ دشمن تھے۔ اس کا اندازہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والا ناموں سے بخوبی کر سکتے ہیں۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط، جو دعوت الی الاسلام پر مشتمل تھا، حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا تو اس نے اس خط کے ساتھ بڑا ہی اچھا برتاؤ کیا پھر جو صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے حبشہ گئے۔ پیچھے سے مشرکین مکہ بھی وہاں پہنچ گئے، لیکن حضرت جعفر طیارؓ کے سحر انگیز بیان نے شاہ حبشہ کو مطمئن کر دیا۔ مشرکین مکہ وہاں سے خائب و خاسر ہو کر واپس آ گئے اور صحابہ کرام بڑی عزت و شان سے وہاں رہے۔ شاہ حبشہ مسلمان ہو گیا اور صحابہ کرام سے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قدم مبارک دھوئیں اور وہ پانی میں پیئوں۔ انھیں حضورؐ کے پاس آنے کی نوبت تو نہ آئی کہ وہ انتقال کر گئے، لیکن ان کی ہدایت کے لیے یہی بات کافی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور اسی نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح بھی کر دیا تھا۔

(۲) کسریٰ چونکہ مشرک تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ پہنچ گیا تو اس نے اس کو پھاڑ دیا اور توہین آمیز برتاؤ کیا اور باذان کو کہا کہ دو آدمی بھیج کر اس شخص (محمد) کو گرفتار کراؤ۔ جب باذان نے خط دے کر دو آدمی آپؐ کی خدمت اقدس میں روانہ کر دیئے اور پہنچ کر انہوں نے باذان کا خط آپؐ کو دیا تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ کل آنا۔ چنانچہ اسی رات دس جمادی الاولیٰ کو کسریٰ اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ جب باذان کے قاصد صبح حضورؐ کے پاس آ گئے تو آپؐ نے ان کو کسریٰ کے قتل کا واقعہ سنا کر واپس بھیج دیا اور فرمایا کہ وہ جگہ ہمارے زیر نگیں آئے گی۔ چنانچہ قاصدوں نے جب یہ تمام حالات باذان کو بتلائے تو وہ مع اہل وعیال و جملہ رفقاء کے آ کر مسلمان ہو گیا۔ بہرحال نصاریٰ کے علاوہ صلیبی جنگوں کے بعد یہ بھی مسلمانوں کے سخت دشمن ہو گئے۔

(۳) قیصر روم کی طرف جب آپؐ نے خط ارسال فرمایا تو اس نے بھی خط کو بوسہ دیا اور آنکھوں پر رکھا اور حضرت ابوسفیانؓ سے مفصل معلومات حاصل کیں جس کی تفاصیل بخاری میں مذکور ہیں۔ پھر نہایت احترام سے اُس کو سونے کے قلمدان میں رکھا۔ قریب تھا کہ مسلمان ہو جاتا، لیکن وہ حکومت اور مال و دولت کے لالچ میں ایمان لانے سے محروم رہا۔ ورنہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین آ گیا تھا۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا

اور جب اس چیز کو سنتے ہیں جو رسول پر اتری تو ان کی آنکھوں کو دیکھے گا کہ آنسوؤں سے بہتی ہیں

عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا

اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے ہیں تو ہمیں ماننے والوں کے ساتھ لکھ لے ○ اور ہمیں

لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ

کیا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس چیز پر جو ہمیں حق سے پہنچی ہے اور اس کی طمع رکھتے ہیں کہ ہمیں ہمارا ربّ

الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾ فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

نیکوں میں داخل کر لے گا ○ پھر اللہ نے انہیں اس کہنے کے بدلے ایسے باغ دیئے کہ جن کے نیچے

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا

نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے ○ اور وہ لوگ جو کافر ہوئے اور ہماری

بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ

آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ کے رہنے والے ہیں ○ اے ایمان والو ان ستھری چیزوں کو حرام نہ کرو

مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا

جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور اللہ کے

رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

رزق میں سے جو چیز حلال ستھری ہو کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ○

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ

اللہ تمہیں تمہاری بیہودہ قسموں پر نہیں پکڑتا لیکن ان قسموں پر پکڑتا ہے جنہیں تم

الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ

مستحکم کر دو سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا دینا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو

أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ

دیتے ہو یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا یا گردن آزاد کرنی پھر جو شخص میسر نہ پائے تو تین دن کے روزے رکھنے ہیں

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

اسی طرح تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو اسی طرح اللہ تمہارے لئے

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ

اپنے حکم بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو ○ اے ایمان والو! بیشک شراب اور جوا

وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ ○

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تم میں دشمنی اور بغض ڈال دے

وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا

اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روکے سو اب بھی باز آجاؤ ○ اور اللہ

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا

اور رسول کا حکم مانو اور بچتے رہو پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا

کھول کر پہنچا دینا ہی ہے ○ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں

طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا

جو پہلے کھا چکے جبکہ آئندہ کو پرہیزگار ہوئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے پھر پرہیزگار ہوئے اور ایمان لائے پھر پرہیز ہوئے

وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

نیکی کی اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○

افاداتِ محمود:

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ الخ

رجس نجس کے معنی میں ہے جو کہ لامحالہ حرام ہوتا ہے جبکہ ہر حرام کے لیے نجس ہونا لازم نہیں۔

کل رجس حرام و بعض الحرام لیس بنجس ○

حرام اور نجس میں نسبت عموم وخصوص مطلق کی ہے اور رجس میں لفظ حرام سے زیادہ شدت ہے اس وجہ سے یہ لفظ یہاں لایا گیا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا الخ

یعنی شراب کی حرمت سے قبل جو لوگ شراب پی چکے ہیں وہ معاف ہے۔ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ

اے ایمان والو! البتہ اللہ ایک بات سے تمہیں آزمائے گا

مِنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ

اس شکار سے جس پر تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچیں گے تاکہ اللہ معلوم کرے کہ بن دیکھے اس سے کون ڈرتا ہے پھر

اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ

جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے ○ اے ایمان والو! جس وقت تم احرام میں ہو تو

وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

شکار کو نہ قتل کرو اور جو کوئی تم میں سے اسے جان بوجھ کر مارے تو اس مارے ہوئے کے برابر مویشی میں سے اس پر

يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ

بدلہ لازم ہے جو تم میں سے دو معتبر آدمی تجویز کریں بشرطیکہ قربانی کعبہ تک پہنچنے والی ہو یا کفارہ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہو

أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ

یا اس کے برابر روزے تاکہ اپنے کام کا وبال چکھے اللہ نے اس چیز کو معاف کیا جو گذر چکی اور جو کوئی

عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ

پھر کرے گا اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے ○ تمہارے لئے دریا کا شکار کرنا اور اُس کا

طَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ

کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے واسطے اور مسافروں کے لئے فائدہ ہے اور تم پر جنگل کا شکار کرنا حرام کیا گیا ہے جب تک کہ تم احرام میں ہو

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا

اور اس اللہ سے ڈرو جس کی طرف جمع کئے جاؤ گے ○ اللہ نے کعبہ کو جو کہ بزرگی والا گھر ہے لوگوں کے لئے قیام کا باعث کر دیا ہے

لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ۚ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

اور عزت والے مہینے کو اور حرم میں قربانی والے جانور کو بھی اور جن کے گلے میں پٹہ ڈال کر کعبہ کو لے جائیں یہ اس لئے ہے کہ تم جان لو

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٧﴾

کہ بیشک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ○

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ
جان لو بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے اور بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○ رسول کے ذمہ
اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ
سوائے پہنچانے کے اور کچھ نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپ کر کرتے ہو ○ کہہ دو کہ ناپاک
وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع
اور پاک برابر نہیں اگرچہ تمہیں ناپاک کی کثرت بھلی معلوم ہو سوائے عقل مندو اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہاری نجات ہو ○

افاداتِ محمود:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ الخ

صیدِ محرم اور صیدِ حرم کے احکام:

اس رکوع میں بعض خاص محرمات کا ذکر ہے جن کی حرمت کسی خاص جگہ یا خاص حالت سے متعلق ہے۔(۱) صیدِ حرم یعنی حدودِ حرم میں شکار کرنا یہ بھی حرام ہے۔ اگر ہرن کے اگلے پاؤں حرم میں اور پچھلے حل میں ہیں تو اس کا شکار حلال ہے اور اگر اگلے پاؤں حل اور پچھلے حرم میں ہیں تو اس کا شکار حرام ہے۔ اسی طرح ایک درخت کی جڑیں حل میں اور شاخیں حرم میں ہیں تو اس پر بیٹھے ہوئے پرندے کا شکار عند البعض جائز ہے اور عند البعض جزا دینی پڑے گی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا

اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بُری لگیں اور اگر یہ باتیں

عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ

ایسے وقت میں پوچھو گے جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائینگی گذشتہ سوالات اللہ نے معاف کر دیئے ہیں اور اللہ بخشنے والا

سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ

بُردبار ہے ○ ایسی باتیں تم سے پہلے ایک جماعت پوچھ چکی ہے پھر ان باتوں کے وہ مخالف ہو گئے ○ اللہ نے بحیرہ

وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ

اور سائبہ اور وصیلہ اور حام مقرر نہیں کیے لیکن کافر اللہ پر بہتان

الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٠٣﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بیوقوف ہیں ○ اور جب انہیں کہا جاتا ہے اس کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کیا

وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ

اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا

لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٠٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا

نہ کچھ علم رکھتے ہوں نہ انہوں نے ہدایت پائی ہو تو بھی ایسا ہی کرینگے ○ اے ایمان والو! تم پر اپنی جان کی فکر لازم ہے تمہارا

يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہو جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں بتلا دے گا جو کچھ تم

تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ

کرتے تھے ○ اے ایمان والو! جبکہ تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے تو وصیت کے وقت تمہارے درمیان

الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ

تم میں سے معتبر آدمی گواہ ہونے چاہئیں یا تمہارے سوا دو گواہ اور ہوں اگر تم نے

فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ

زمین میں سفر کیا ہو پھر تمہیں موت کی مصیبت آ پہنچے ان دونوں کو نماز کے بعد کھڑا کرو

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا

وہ دونوں اللہ کی قسمیں کھائیں اگر تمہیں کہیں شبہ ہو کہ ہم قسم کے بدلے مال نہیں لیتے اگرچہ رشتے دار ہی کیوں نہ ہو اور

نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ

ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپاتے ورنہ ہم بے شک گناہ گار ہوں گے ۝ پھر اگر اس بات کی اطلاع ہو جائے کہ

اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ

وہ دونوں گناہ کے مستحق ہوئے ہیں تو ان کی جگہ اور دو گواہ کھڑے ہوں ان میں سے جن کا حق دبایا گیا ہے جو سب سے زیادہ

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ

میت کے قریب ہوں پھر اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ سچی ہے اور ہم نے زیادتی نہیں کی ورنہ ہم بیشک ظالموں

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ

میں سے ہوں گے ۝ یہ اس امر کا قریب ذریعہ ہے کہ وہ لوگ واقع کو ٹھیک ظاہر کر دیں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ

تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

قسمیں ان قسموں کے بعد رد کی جائیں گی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور اللہ نافرمانوں کو سیدھی راہ پر

الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع ۸

نہیں چلاتا ۝

افاداتِ محمود:

اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کسی مسئلے میں بلاضرورت تجسس اور کرید سے منع فرمایا کہ تم اگر سوالات زیادہ کرو گے اور ہم جوابات دیتے جائیں گے تو آپ لوگوں کے لیے عمل کا دائرہ تنگ ہوتا چلا جائے گا۔ جیسے بنی اسرائیل نے بقرہ کے متعلق سوالات کر کر کے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا۔

مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ الخ

مذکورہ بالا آیت میں جن جانوروں کا ذکر ہے ان کی تفسیر میں مفسرین حضرات نے بہت کچھ اختلاف کیا ہے، تاہم زیادہ تر کے نزدیک حضرت سعید بن المسیبؒ کی تفسیر معتبر ہے جو کہ صحیح بخاری میں ہے وھو ھذا۔ (۱) بحیرہ۔ وہ جانور جس کا دودھ بتوں کے نام پر کر دیتے تھے اور اپنے کام میں نہ لاتے تھے۔ (۲) سائبہ۔ جس جانور کو سانڈھ کی طرح بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اور اس سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھاتے تھے۔ (۳) وصیلۃ۔ جو اونٹنی مسلسل مادہ بچہ جنے۔ بیچ میں نر جنے اس کو بھی بتوں کے نام پر کر دیتے تھے (۴) حام۔ وہ اونٹ جو ایک خاص عدد تک جفتی

کر چکا ہو اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس سے بار برداری وغیرہ کا کام نہ لیتے تھے۔ بہر حال جو بھی لفظی تفسیر ہو، خلاصہ اور لب لباب سب کا یہ ہے کہ یہ زمانہ جاہلیت کی رسمیں ہیں اور افعال شرکیہ ہیں۔ مسلمانوں کو ایسے اعمال سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو مطلق حرام قرار دے دیا ہو یا کسی خاص جگہ میں یا کسی خاص حالت میں اس کو حرام سمجھا جائے۔ اپنی مرضی اور چاہت سے کسی حلال چیز کو حرام یا حرام چیز کو حلال قرار نہ دیا جائے۔ یہ مداخلت فی الدین ہے اس کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔

لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ الخ

بعض لوگ یہاں سے استدلال کرتے ہیں کہ کسی کو تبلیغ کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے اعمال ہی درست رکھنے چاہئیں؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ مقصد نہیں جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہو جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر چھوٹے بڑے کو دین کی دعوت دیتے تھے اور اگر کوئی شخص پھر بھی نہ مانے تو ان کے کافر رہنے یا بدکردار رہنے سے تمہارا کچھ نقصان نہ ہوگا، بلکہ وہ لوگ اپنا ہی کچھ کھوئیں گے۔

شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ الخ

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ بدیل نامی ایک مسلمان شخص دو نصرانیوں عدی اور تمیم کے ساتھ تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف گیا۔ راستہ میں بیمار پڑ گیا۔ اس نے اپنے تمام اسباب کی ایک لسٹ تیار کروا کر سامان میں رکھ دی اور جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو دونوں ساتھیوں کو وہ سامان دیدیا کہ یہ میرے وارثوں کو پہنچانا۔ یہ نہ بتلایا کہ سامان کی لسٹ بھی سامان میں موجود ہے۔ ان لوگوں نے راستے میں یہ خیانت کی کہ سامان میں ایک چاندی کا پیالہ تھا جس پر سونے کی کیلیں لگی تھیں یا نقش و نگار تھے وہ اسباب میں سے چوری کر کے کسی سنار کو بیچ دیا۔ جب سامان وارثوں کے حوالہ کیا تو انہوں نے لسٹ کے مطابق پیالے کا مطالبہ کر دیا۔ ان دونوں نصرانیوں نے انکار کر دیا۔ پھر ان سے قسمیں لی گئیں۔ انھوں نے قسمیں کھالیں کہ ہمیں پیالے کا کوئی علم نہیں ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد جب وہ پیالہ سنار کے ہاں دیکھا گیا اور اس نے انہی دونوں شخصوں سے خریدنے کا اعتراف کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے اس مسلمان سے یہ پیالہ خرید لیا تھا اور میت کے وارث انکار کرتے رہے کیونکہ اگر میت پیالہ کو بیچ چکا ہوتا تو اس کا نام فہرست میں شامل کیوں کرتا؟ لہٰذا یہاں میت کے وارثوں سے قسمیں لی گئیں انہوں نے قسمیں اٹھائیں کہ یہ پیالہ ہمارے مورث کی ملکیت تھا۔ انہوں نے اسباب سے چوری کیا ہے، لہٰذا اس پیالہ کی قیمت کے مبلغ -/۱۰۰۰ درہم میت کے وارثوں کو دلوائے گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ ناحق قسم اٹھانی چاہیے اور نہ ہی جھوٹی شہادت دینی چاہیے اور نہ ہی کسی کی امانت میں خیانت کرنی چاہیے۔ نیز یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے بوقت ضرورت غیر مسلم کو گواہ یا وصی بنانا ٹھیک ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ

جس دن اللہ سب پیغمبروں کو جمع کریگا پھر کہے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا وہ کہیں گے ہمیں کچھ خبر نہیں

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ

تو ہی چھپی باتوں کو جاننے والا ہے ○ جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے میرا احسان یاد کر جو

عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ

تجھ پر اور تیری ماں پر ہوا ہے جب میں نے رُوح پاک سے تیری مدد کی تو لوگوں سے گود میں

وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ

اور ادھیڑ عمر میں بات کرتا تھا اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی . اور جب تو

مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِىْ وَتُبْرِئُ

مٹی سے جانور کی صورت میرے حکم سے بناتا تھا پھر تو اس میں پھونک مارتا تھا تب وہ میرے حکم سے اُڑنے والا ہو جاتا تھا اور مادر زاد

الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا اور جب مردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتا تھا اور جب میں نے بنی اسرائیل کو

عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس نشانیاں لے کر آیا تو جو ان میں کافر تھے وہ کہنے لگے اور کچھ نہیں یہ تو صریح

مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِىْ وَبِرَسُوْلِىْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا

جادو ہے ○ اور جب میں نے حواریوں کے دِل میں ڈال دیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے

وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ

اور تو گواہ رہ کہ ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ○ جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا

رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ

تیرا رب کر سکتا ہے کہ ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے اتارے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ

ایمان دار ہو ○ انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم جان لیں کہ

قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

تونے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس پر گواہ رہیں ○ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا

اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ

اے اللہ رب ہمارے ہم پر بھرا خوان آسمان سے اتار جو ہمارے پہلوں اور

اٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ

پچھلوں کے لئے عید ہو اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور ہمیں رزق دے اور تو ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے ○ اللہ نے فرمایا

فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

بے شک میں وہ خوان تم پر اتاروں گا پھر اس کے بعد جو کوئی تم میں سے ناشکری کریگا تو میں اسے ایسی سزا دوں گا جو دنیا میں کسی کو نہ دی ہو گی ○

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ

اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ

دو خدا بنالو وہ عرض کرے گا تو پاک ہے مجھے لائق نہیں کہ ایسی بات کہوں کہ جس کا مجھے حق نہیں

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ

اگر میں نے یہ کہا ہو گا تو تجھے ضرور معلوم ہو گا جو میرے دل میں ہے تو جانتا ہے اور جو تیرے دل میں ہے وہ میں نہیں جانتا

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا

بے شک تو ہی چھپی ہوئی باتوں کو جاننے والا ہے ○ میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ

بندگی کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں اس وقت تک ان کا نگران تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا

اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ

تو تو ہی ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے ○ اگر تو انہیں عذاب دے

عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ

تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف کر دے تو تو ہی زبردست حکمت والا ہے ○ اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے

يَنفَعُ الصّٰدِقِينَ صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَآ
جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں سے ہمیشہ رہنے والے
أَبَدًا ۚ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١٩﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
ہوں گے ان سے اللہ راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہی بڑی کامیابی ہے ○ آسمانوں
وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٢٠﴾ ع
اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اللہ ہی کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ○